

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

گھر کے ہر فرد کے لئے

کراچی

پاکینہ

جون 2016

گلزار علی
معراج رسول

REGD. NO. MO-12 JUN - 2016 PRICE RS. 60/-

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

READING SECTION

Online Library For Pakistan

WWW.PAKSOCIETY.COM

لہجہ کی مصنفات کی دس خیریں
معروف فنکارہ اور مشہور سماجی شخصیت
جہاں آراحتی بنیں پاکیزہ کی مہمان

Monthly PA

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN



PAKSOCIETY1



PAKSOCIETY

Downloaded From
Paksociety.com

نگران اعلیٰ: سحران رسول

مدیرہ اعلیٰ: عذرار رسول

مدیرہ: انجم انصار

معاون: آمنہ حماد



ملک پاکستان قومی کتب خانہ

شعبہ اشتہارات

نیجرا اشتہارات محمد شہزاد خان 0333-2256789

نمائندہ کراچی محمد رمضان خان 0333-2168391

رائلہ حمید 0323-2895528

نمائندہ لاہور سید افراز علی نازش 0332-4214400

قیمت فی پرچہ (پاکستان) 60 روپے

قیمت فی پرچہ (سعودی عرب) 12 ریال یا مساوی متحدہ عرب امارات

زور سالانہ (اندرون ملک) 800 روپے جلد: 44 شمارہ: 03 جون 2016ء

مکمل ناول

میں بھی سہارا ہوں
214 ام ایمان

اداریہ

مدیرہ 15

49 ہاجرہ رحمان

55 شیریں حیدر

65 نسیم سکینہ صدف

91 قانتہ رابعہ

95 ثبینہ فیاض

107 نگہت اعظمی

161 معاریک

183 طیبہ عنصر مغل

209 غزالہ جلیل راؤ

241 نصیحہ آصف خان

کاشف
کاشف
کاشف

فرامیڈ

آریانہ راستے

تصنیف کی کتاب

میں کی عورت

پیارے

پانچواں کیا

اعتراف

آکر چھیاں

نگہت سیما 24

انجم انصار 116

نذر ثمن بلال 190

نایاب جیلانی 164

مدنی ناول

مدیحہ شاہد 70

صائمہ قریشی 143

بچے کھانا

اعتبار و قنا

اگر تیرے ہیں کھیل و عجب

وگارش صحیح کے آجائوں میں

ناولٹ

پتھر کا ریشم

سائیکل چھوڑنا اور آئینہ

خصوصی مضامین

18 ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی

246 اختر شجاعت

یادوں کی گالری

پہلی

مدیحہ شاہد 70

صائمہ قریشی 143

پتھر کا ریشم

سائیکل چھوڑنا اور آئینہ

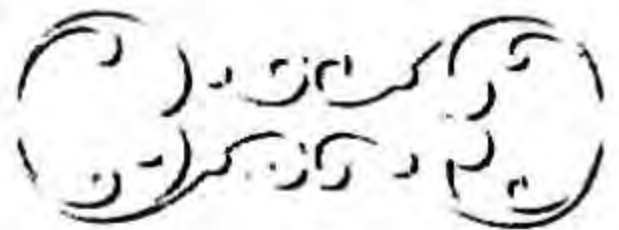
پبلشر پروپرائٹرز نیشنل سول سوسائٹی اشاعت گراؤنڈ فلور C-63 فیصلہ ایکسٹینشن ایفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500
پوسٹر: جمیل حسن • مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

Section

- پاکیزہ سہماں 255 شائستہ زریں
 لہریں بنی تیر کی شہزادی 264 صائمہ قیصر
 باتیں چہ بہاؤ خزانہ کی 267 قارئین

مستقل عنوانات

- دین کی باتیں 16 ادارہ
 بہنوں کی محفل 270 مدیرہ
 پاکیزہ ڈائری 279 عظمیٰ آفاق سعید
 جلتنگ 283 انجم انصار
 میں اکثر گنگنائی ہوں 286 صفری زیدی
 خوش فائقہ 288 پاکیزہ بہنیں
 بڑا پاکیزہ 290 پاکیزہ بہنیں
 روحانی مشورے 292 ادارہ
 ہومیوکلینک 294



Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
 Postal Address: Box No. 662, G.P.O., Karachi-74200
 Phone: (021)35895313, Fax: 35802551, E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

READING
 Section



قارئین کرام! آپ سب کو ماہ رمضان اور اس کی فضیلتیں مبارک ہوں۔ اسلامی تقویم کا
نواں مہینہ ہمارے لیے اہم ترین ہے کہ قرآن پاک اور تمام آسمانی کتب اسی مبارک مہینے میں
نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس ماہ مبارک کے روزوں کو فرض قرار دیا اور اس کی راتوں کے قیام کو
ثواب کا عمل بنایا۔

اجرو ثواب کا موسم شروع ہونے کو ہے۔ نیکیوں کا موسم بہار پوری ملت اسلامیہ پر چھا
جانے والا ہے..... آئیے اس کا استقبال کیجیے۔

اس مبارک مہینے میں عبادات اور نیکیوں کا ثواب کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے..... مومن کا
رزق بھی اس مہینے میں بڑھا دیا جاتا ہے..... یہ لوگوں کے ساتھ تم خوارگی اور صبر کا مہینہ ہے۔

روزہ رکھنے سے احساس بندگی پیدا ہوتا ہے..... اس کے ذریعے انسانی شعور میں اللہ کی
حاکمیت کا اقرار و اعتراف مستحکم ہوتا ہے۔ مزید یہ کہ اس ماہ مقدس میں بھوکا پیاسا سارہ کرا انسان کو

دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور اس طرح دل میں ناداروں کے لیے ہمدردی کا
جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ جذبہ جس معاشرے میں ہو وہ اخوت و محبت کا معاشرہ بن جاتا ہے۔ ماہ

رمضان کو جہاں گیری و جہاں بانی کا مہینہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا..... اس ماہ کے تقاضوں کو پورا
کر دیا جائے تو عالم کی جہاں بانی اور دنیا کی حاکمیت ہماری دستگیر ہے (انشاء اللہ) آئیے اس

جبرک مہینے کی ہر ساعت سے فائدہ اٹھائیں زندگی کا کیا بھر و سا اگلے سال ماہ رمضان ملے یا نہ
ملے..... تو کیوں نہ اپنی جھولیاں پھیلا کر مالک برحق سے یہ کہیں۔ اے وحدہ لا شریک! اہم

مسلمانوں کو صحیح معنوں میں رمضان المبارک کی مقدس نیکیوں کے موسم بہار سے مستفید ہونے
کی توفیق عطا فرما..... اور جب تک ہم زندہ رہیں تیرا ذکر کرتے رہیں اور حیرا شکر ادا کرتے

رہیں اور تو ہم سب سے راضی ہو..... آمین و تم آمین۔

مدیہ
انجم انصار

دین کی باتیں

اور ہم پیغمبروں کو خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہی بھیجتے ہیں پس جو کوئی (ان پر) ایمان لایا اور (اس نے) نیک کام کیے تو ان لوگوں پر (آخرت میں) نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ ممکن ہوں گے (۴۸) اور جن لوگوں نے ہمارے احکام کی تکذیب کی انہیں (سخت) عذاب پہنچے گا اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے (۴۹) کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہتا ہوں کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (ان سے) پوچھو کیا تاویلات اور پیتا برابر ہیں پس کیا تم (اتنا بھی) غور نہیں کرتے (۵۰) اور تم قرآن کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈراؤ جو اس بات سے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف اٹھائے جائیں گے (اور) اس کے سوا ان کا کوئی کارساز اور سفارش کرنے والا نہیں ہے تاکہ وہ پرہیزگاری کریں (۵۱) اور (اے نبی) جو لوگ اپنے پروردگار سے صبح شام مناجات (کیا) کرتے ہیں اس کی ذات کے طالب ہیں انہیں تم (اپنے پاس سے) دور نہ کرو تم پر ان کا کچھ محاسبہ (ضروری) نہیں ہے اور نہ تمہارا کچھ محاسبہ ان پر (ضروری) ہے پس (اگر) تم انہیں (اپنے پاس سے) دور کر دو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (۵۲) اور اسی طرح ہم نے بعض آدمیوں کو بعض سے امتحان کیا تاکہ وہ لوگ کہیں کہ کیا ہم میں سے یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے اللہ شکر کرنے والوں کو نہیں جانتا؟ (بے شک جانتا ہے اور ان ہی پر اپنا فضل کرتا ہے) (۵۳)

(سورہ انفاء آیت نمبر ۳۸ تا ۵۳)



READING
Section

سیدنا قاسم علیہ السلام

مقامی اسم مبارک

۴: محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے پیغمبروں کی طرح خیرات کو انسانی عجز کا اظہار نہیں سمجھتے بلکہ وہ خیرات کو انسانی ضرورت قرار دیتے ہیں دونوں روٹیوں میں جو فرق ہے اسے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔ یہ انسان کی ضرورت ہے کہ وہ دوسرے کی ضرورت پوری کرے تاکہ اپنی عاقبت سنوار سکے۔

(کارلائل)

۵: مدینہ آکر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان تمام دشوار گزار مرحلوں سے گزرنا پڑا تھا جن سے عام مسلمان گزر رہے تھے۔ بعض اوقات خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی فاقہ کشی کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے افراد کا گزارہ گھجوروں پر تھا۔ جب کھانے پینے کا کوئی سامان گھنے میں ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کو ان بے بس مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ جو اپنی غربت و محتاجی کی وجہ سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں قیام کرتے تھے۔

(سرجان گلب پاشا)

۶۔ جمہوریت، مساوات،

اخوت یہ وہ عطیات ہیں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نوع انسان کو عطا کیے۔

(لالہ رام لال ورما۔ ایڈیٹر اخبار ظلیج) قیصرہ حیات کی کتاب انوار اسماء النبی ﷺ سے اقتباس





پُر عقیدت روحانی سفر کی حیرت انگیز روداد

یہ داستان جو میں رقم کر رہی ہوں یہ کوئی عام داستان نہیں..... نہ ہی عام لوگوں کے لیے کشش کا باعث ہوگی۔ یہ داستان عشق ہے اس عشق کی داستان جو اللہ کی کتاب سے کیا گیا۔

آٹھواں باب

مکمل ہوا۔

میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اے اللہ اس کلام پاک میں کوئی غلطی نہ رہ جائے کیونکہ یہ بیماری کی حالت میں لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے۔ میرے گناہوں کو بخش دے میری دعاؤں کو قبول فرمائے۔ میری عبادت کو بھی شرف قبولیت بخشے..... اے اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے۔ جسے چاہے تو اوردے، اے اللہ اے دو جہاں کے مالک! مجھ پر کرم کی بارش اسی طرح جاری رکھنا جیسی کہ..... تو نے آج تک جاری رکھی۔ اے

چونکہ میں اس خطرناک بیماری سے صاف بچ نکلی تھی۔ اس وجہ سے مجھے شکرانے کے طور پر اگلا قرآن پاک لکھنا تھا بہت جلد..... اگرچہ کمزوری حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ دایاں ہاتھ سو جا ہوا تھا لکھنا مشکل ہی تھا مگر میں اپنے آپ کو روک نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ صرف تین ماہ بعد ہی میں نے تیرہواں کلام پاک لکھنا شروع کر دیا۔ یہ 19 جون بروز جمعہ 2009ء سے شروع ہو کر 17 فروری 2010ء کو مکمل ہوا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ میرا آپریشن 17 فروری کو ہوا تھا اور اس سلسلے کے شکرانے کا کلام پاک بھی 17 فروری ہی کو

ماہنامہ پاکیزہ 18 جون 2018ء

اللہ مجھے اپنے شکر گزار بندوں میں شامل کر لیتا۔ ”تم مجھے یاد رکھو..... میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری مت کرو۔“ (سورہ شکر کیوکر ادا ہو؟)

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے حساب ہیں اس کا شکر ادا کرنا ممکن نہیں ہے۔ ہم اس کی عطا کردہ نعمتوں کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ یہ سب چیزیں قدرت کی طرف سے مل رہی ہیں اگرچہ ہم اس کے اہل نہیں۔ اب میں اپنی بات کرتی ہوں۔ ایک غم سے جو اندر ہی اندر پل رہا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے لیے وہ کچھ نہ کر پائی جو مجھے کرنا چاہیے۔ اس کی عطا مجھ پر بہت زیادہ ہے اور میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ ایک حقیر ذرہ مٹی میں بہت جلد مل جانے والا۔ مگر اس کی عطا بڑھ رہی ہے کچھ نہ کچھ ملتا رہتا ہے۔ وہ کچھ جو دوسروں کو نہیں ملتا۔ (میں مال و دولت کی بات نہیں کر رہی ہوں)

تیرہواں کلام پاک مکمل ہوئے صرف دو ماہ ہی ہوئے تھے۔ میری طبیعت بے چین رہتی۔ یوں لگتا زندگی میں کوئی چیز کم ہو گئی ہے، میں شاید کتابت کے بغیر رہی نہیں سکتی تھی۔ اگرچہ طبیعت بحال نہ تھی مگر میری مجبوری، میرا شوق، میرا عشق..... میری نجات سب کچھ اسی میں ہے۔ اس لیے جلد ہی اگلا کلام پاک شروع کر دیا۔ بس سکون مل گیا..... دل کو قرار آ گیا۔ یہ چودھواں کلام پاک میں نے اللہ اور پیارے نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کیا کیونکہ بے ہوشی کے دوران یہ دونوں نام چمکتے دیکھتے روشنی نکھیرتے دیکھ چکی تھی۔

قارئین میری ایک پرسنل ڈائری ہے، اس میں سب کچھ نوٹ کیا ہوا ہے ظاہر ہے میں زبانی کچھ یاد نہیں رکھ سکتی اسی ڈائری سے دیکھ کر سب کچھ نہیں بلکہ تھوڑا بہت لکھ رہی ہوں..... بہت سی باتیں ایسی ہیں جو ناقابل یقین معلوم ہوتی ہیں اس لیے انہیں کبھی نہیں بیان نہیں کرنا چاہیے۔

یہ کلام پاک جو 15 اپریل 2010ء کو شروع ہوا تھا، 25 دسمبر 2010ء کو مکمل ہوا۔

اب میں بطور خاص 2010ء ہی کی بات کروں گی کیونکہ یہ سال میری زندگی کا اہم ترین سال ہے۔ اسی سال ہم نئی وی سے فون آیا تھا کہ وہ میرے ناول خلش کی سیریل بنانا چاہتے ہیں۔ وہ تو بن گئی..... یوجوہ اس میں کافی وقت لگ گیا..... دسمبر 2013ء سے شروع ہوئی اور غالباً جون یا جولائی 2014ء تک ختم ہوئی۔ لیکن یہ بات میرے لیے قطعی اہمیت کی حامل نہیں بس یوں ہی تذکرہ کر دیا۔ اصل بات اب لکھنے جارہی ہوں، اب پھر مجھے پیچھے کی طرف جانا پڑے گا یعنی اس قرآن حکیم کا تذکرہ جو انگریزی ترجمے کے ساتھ لکھا گیا تھا۔ (دسواں قرآن پاک)

یہ قرآن حکیم ایک منفرد نسخہ ہے۔ دنیا بھر میں اس

میں شکرانے کی نماز 1980ء سے ادا کر رہی ہوں اور آج تک اس میں ناغہ نہیں ہوا۔ بیماری وغیرہ کے دنوں میں اگر ناغہ ہوا بھی تو میں مگن کر دوسرے دنوں میں وہ نمازیں ضرور ادا کرتی ہوں۔ صحت یاب ہونے پر شکرانے کے طور پر قرآن حکیم بھی لکھا مگر تسلی پھر بھی نہیں ہوئی۔

اصولی بات یہ ہے کہ انسان خواہ کتنی ہی عبادت کرے کچھ بھی کرے، اس کو ہمیشہ کم جانے اور اللہ تعالیٰ اگر کم بھی دے (بظاہر) تو اسے بہت زیادہ جانے، اس کی رضا میں راضی رہے یہی مقصد حیات ہونا چاہیے۔ جب تک انسان قرآن حکیم کو اپنی زندگی میں شامل نہیں کرتا، قرب الہی ممکن نہیں۔ جب قرآن حکیم سے عشق ہوگا تب ہی صاحب قرآن سے بھی ہوگا..... اور اس کے بعد ہی قرب الہی حاصل ہو سکتا ہے۔

ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا۔ ”جنت کتنی دور ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا؟ ”دو قدم کے فاصلے پر پہلا قدم اپنے ناس پر رکھو دوسرا جنت میں۔“

اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔

مختصر ہم سب کو ویزا صرف ایک دن میں ملا..... اور ہم
استنبول روانہ ہو گئے۔ اس وقت تک میری ٹانگوں میں
دم تھا۔ استنبول میوزیم میں لفٹ نہیں ہے اور نمائش
فرسٹ یا سیکنڈ فلوئر پر تھی۔

انتہائی خوب صورت سیکڑوں قرآن حکیم دیکھے
اور تصاویر لیں۔

اس کے علاوہ نئی مسجد، ٹوپ کا پی پلس اور
میزبان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو الیوب
انصاریؓ کے مزار پر گئے اور ان کی قبر پر فاتحہ
پڑھی۔ ٹوپ کا پی پلس ایک بہت بڑا محل ہے وہیں
ایک طرف وہ جگہ ہے جہاں انبیاء علیہ السلام کے تبرکات
رکھے ہیں۔ انتہائی منظم طریقے سے لوگ ایک طرف
سے داخل ہو کر سب کچھ دیکھتے ہوئے خود بخود دوسری
طرف نکل جاتے ہیں۔ وہاں پر حضرت ابراہیمؑ
حضرت یوسفؑ، حضرت یحییٰؑ کی پٹریاں بھی موجود
ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا عصا بھی دیکھنے کو ملا۔

پیارے نبیؐ کی پیاری چیزیں دیکھ کر آنکھوں میں
ٹھنڈک پڑی..... آپؐ کا پیالہ، دندان مبارک، موئے
مبارک، مہر مبارک، قدم مبارک اور چار عدد خوب
صورت نکواریں رکھی ہوئی ہیں..... دو نکواریں کے کور
پر ہیرے جواہرات بڑے ہوئے ہیں۔

ان کے علاوہ خلفائے راشدین کی نکواریں
حضرت زبیرؓ کی نکواریں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی
نکواریں بھی موجود ہیں۔ خانہ کعبہ کا دروازہ وہاں کے
تالے پر نالہ بھی سجا ہوا ہے۔ حضرت نبیؐ بی فاطمہؑ کے
حیران اور ان کی دو عدد جائے نمازیں بھی ہیں۔ امام
حسینؑ کا جبہ (اور کوٹ) بھی رکھا ہوا ہے۔

مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ
موقع فراہم کیا کہ میں نے مع خاندان یہ تبرکات دیکھے
اور آنکھوں میں نور بٹا کر واپس آئے۔

اب میں قرآن حکیم کی طباعت کے بارے میں
کچھ معلومات لکھ رہی ہوں۔

قرآن حکیم کی طباعت کے مختلف ادوار ہیں جو

طرح کا کوئی نسخہ موجود نہیں جس میں عربی کے ساتھ ہاتھ
سے لکھا انگریزی ترجمہ موجود ہو..... اس میں 1600
سے زائد صفحات ہیں اور اس کا وزن 16 کلو گرام ہے۔

میں پانچ سال قبل لکھی گئی کتاب یادوں کی مالا
میں لکھ چکی ہوں کہ میں نے یہ نسخہ اللہ کے نام کیا اور
اسے میں ترکی بھیجنا چاہتی ہوں۔

قارئین میں کیا اور میری اوقات کیا..... میں
اتنے بڑے بڑے خواب دیکھوں لیکن اللہ کے اختیار
میں سب کچھ ہے۔ وہ جسے چاہے نواز دے 2010ء
میں میرا یہ کلام پاک ترکی حکومت پاکستان کی طرف
سے بھیجا گیا۔ 26 اپریل 2010 کو یہ نسخہ ترکی پہنچا
اور ترکی کے میوزیم میں رکھا گیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ میرا نسخہ اس وقت اور اس
سال ترکی پہنچا جب ترکی میں year of
Quran منایا جا رہا تھا۔ قارئین یہ بات پاکستان
میں کسی کو معلوم بھی نہیں تھی کہ ترکی میں کیا ہو رہا ہے۔
دراصل قرآن حکیم 610ء میں نازل ہوا اور
اب 2010ء میں 1400 سال پورے ہو رہے تھے
اس وجہ سے نزول قرآن کا 1400 سالہ جشن منایا
جا رہا تھا۔ اسی سلسلے میں استنبول کے میوزیم میں قرآن
حکیم کے نسخوں کی عظیم الشان نمائش کا اہتمام کیا گیا۔
جس کا افتتاح 27 رمضان المبارک کو ہوا۔

میرے لیے منسٹری کی طرف سے یہ آفر تھی کہ میں
جب بھی ترکی جاؤں ویزا اور میری رہائش کا انتظام ان
کے ذمے ہوگا۔ میں نے اکتوبر میں ترکی جانے کا
پروگرام بنایا۔ میرے ساتھ میرا بیٹا آصف، بہو، سہ اور
ان کے دونوں بچے اسامہ اور مائیم تھے..... میں نے
رہائش کا انتظام خود ہی کیا لیکن ویزا مجھے فوری چاہیے تھا۔
ترکی کی طرف سے ایک تعارفی خط میرے لیے
جاری کیا گیا جو ترکی کے سفارت خانے کے قونصلر
جنرل کے نام تھا..... ترکی کا سفارت خانہ میرے گھر
کے بالکل ہی قریب ہے۔ میں وہاں گئی اور سب کے
ویزے کی بات کی۔ خط انہوں نے پڑھ لیا تھا۔ تب

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

طرح..... پندرہویں قرآن حکیم کی کتابت 20 فروری 2011 بروز اتوار شروع ہوئی اور اس کی تکمیل 27 نومبر 2011ء بروز اتوار کو مکمل ہوئی۔

اس قرآن پاک کو کراچی میں ہونے والی ایک نمائش میں رکھا گیا۔ یہ نمائش جماعت اسلامی کی طرف سے منعقد کی گئی تھی جو تین روزہ تھی۔ (جون 2012ء) یہ بھی بتادوں کہ ہاتھ میں جو سو جن ہو گئی تھی وہ پندرہویں قرآن حکیم لکھنے کے دوران خود بخود ٹھیک ہونا شروع ہو گئی۔ یہ اللہ کے کلام کی برکت ہے اس کے سوا کوئی اور بات ہو ہی نہیں سکتی۔ (سبحان اللہ)

2012ء شروع ہوا تو میں نے اس سال کا آغاز سولہویں قرآن پاک کو لکھنے سے کیا یعنی یہ یکم جنوری 2012ء بروز اتوار شروع ہوا اور 23 جولائی 2012ء بروز پیر مکمل ہوا۔

اس قرآن پاک کو میں نے پیارے نبیؐ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام کیا۔ 8 اور 9 فروری کی درمیانی شب (خواب کی حالت میں) مدینہ میں گزری..... لیکن اس کی تفصیل میں تحریر میں نہیں لاسکتی۔ اب آخری قرآن حکیم کی بات کر لوں یعنی 17th قرآن پاک.....

یہ کلام پاک 17 جون 2012ء بروز اتوار بمطابق شب معراج 27 رجب 1433ھ کو شروع ہوا اور اس کی تکمیل 6 فروری 2013ء بروز بدھ 24 ربیع الاول 1434ھ کو ہوئی۔ اس کلام پاک کو 27 رجب کو شروع کر کے تھوڑا سا لکھا تھا پھر رکھ دیا تھا کیونکہ ان دنوں 16 واں چل رہا تھا۔ جب سولہواں مکمل ہوا تب یہ آخری کلام پاک مکمل کیا گیا۔ یہ وہ کلام پاک ہے جس کا آئیڈیا میں ترکی سے لے کر آئی تھی۔ وہاں پر موجود سیکڑوں قرآن حکیموں میں مجھے ایسا قرآن پاک ہی پسند آیا تھا۔ یہ اندر سے بھی رنگین colour ful ہے..... اس کے بارے میں سوچنے اور پلاننگ کرنے میں ایک سال لگ گیا۔ ترکی میں جو قرآن پاک رکھا ہے وہ چھوٹے سائز کا ہے اور

ماہنامہ پاکیزہ 24 جون 2016ء

1694ء، 1698ء، 1787ء، 1828ء، 1834ء میں مختلف مقامات پر انجام پائی مگر یہ نسخے اسلامی دنیا میں مقبول نہ ہو سکے۔

1877ء میں منظم طریقے سے استنبول میں طباعت قرآن پاک جیسے اہم کام کا بیڑا اٹھایا گیا۔ اس طرح ترکی قرآن حکیم کی طباعت کے لحاظ سے بھی تاریخ میں اہمیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے بعد 1923ء میں جو نسخہ قاہرہ میں شائع کیا گیا وہ زیادہ خوب صورت اور معیاری ہے اس کے لاکھوں نسخے ہر سال شائع کر کے اطراف عالم میں بھیجے جاتے ہیں۔ 2010ء میرے لیے، اس لیے بھی اہم ہے کہ اسی سال ARY Q.TV سے میرا انٹرویو نشر ہوا۔ اس کے بعد ڈاکٹر فکیل قاروقی نے میرا انٹرویو ریکارڈ کیا جو PTV سے انیمز ان پروگرام میں نشر ہوا۔ ڈاکٹر فکیل قاروقی کا پروگرام انیمز ان دنوں رات ساڑھے دس بجے لائیو آیا کرتا تھا۔ میں ان کی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری خرابی صحت کو دیکھتے ہوئے دن کے وقت میرے ساتھ پروگرام ریکارڈ کیا جسے رات کو ساڑھے دس بجے ہی پیش کیا گیا۔ اس طرح کسی کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ یہ پروگرام ریکارڈ شدہ ہے۔

جب سے چودھواں قرآن پاک مکمل ہوا تھا میں تنہا رہ گئی تھی۔ سوچا تھا کہ اس بار لہا گپ دوں گی۔ ہاتھ کی تکلیف بھی ٹھیک ہو جائے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تکلیف بڑھنے لگی..... ہاتھ کی سوجن میں اضافہ ہو گیا اور طبیعت بھی بے کیف..... شاید میرا علاج کتابت میں ہی تھا اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں۔ قارئین میرے داہنے ہاتھ کی طرف کی تمام lymph nodes (22 عدد) نکالی جا چکی ہیں اس وجہ سے داہنے ہاتھ میں کمزوری ہے اور swelling (سوجن) بھی تھی جو کہ اب اللہ کے حکم سے ٹھیک ہو چکی ہے۔ البتہ لکھنا اب میرے بس میں نہیں۔

بہر حال ایک بار پھر ار جنت بنیاد پر کاغذ پرنٹ کروائے جو بڑے بھائی نے ہی کروائے ہمیشہ کی

کر بہت مطمئن اور مسرور ہوں کہ وہ مناسب اور بہترین جگہ پہنچ گئے۔ اب یہ ہمیشہ محفوظ رہیں گے۔ محترمہ کا اعلیٰ اخلاق، خلوص، محبت، سادگی، انکساری سب کچھ انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔ اور ہمارے گھر میں..... لاؤنج میں جہاں یہ سب قرآن حکیم رکھے تھے عجیب طرح کا خوب صورت ماحول تھا۔ ہر طرف نور ہی نور بکھرا ہوا تھا..... میرے لیے وہ یادگار دن ہے۔ میرے گھر جو تصاویر لی گئیں ان کی فرمائش پر میں نے انہیں بھیج دی تھیں اور انہوں نے بھی اپنے وعدے کے مطابق فرمائش کی تمام تر تصاویر مجھے بھیجیں۔

ایک بات کا تذکرہ اور کردوں کہ 1972ء سے لے کر 2012ء تک مجھے کتابت کرتے 40 سال پورے ہوئے..... بیوگی کی چادر اوڑھے بارہ سال گزر گئے ہیں۔ میں نے گیارہ برسوں میں گیارہ کلام پاک لکھے۔ اب ہاتھوں میں جان نہیں ہے۔ اسلامی مضامین پر مشتمل ایک کتاب چھپ کر آنے والی ہے۔ ”اللہ اور اس کا نور“ اس میں قرآن حکیم پر حقیقی مضامین کے علاوہ کچھ معلوماتی مضامین بھی شامل ہیں جسے محمد علی قریشی صاحب القریش پبلیکیشن لاہور شائع کر رہے ہیں۔ (کتاب اب شائع ہو چکی) ستر حوس قرآن حکیم کے سلسلے کی ایک بات میں بتانا بھول گئی۔ جب یہ آخری کلام پاک مکمل ہوا اس کے بعد میں نے ایک خواب دیکھا میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ میں ہوں میرے سامنے خانہ کعبہ ہے اور تمام انبیاء کرام جتنے بھی دنیا میں آئے وہ سب کے سب طواف کر رہے ہیں..... میں بس دور سے دیکھ رہی ہوں کہ یہ خواب میں نے بہت دیر تک دیکھا..... آنکھ کھلی تو رات کے ساڑھے تین بجے تھے..... میں کروٹ بدل کر دوبارہ سو گئی..... اور خواب پھر وہیں سے بڑھ گیا۔

میں قرآن حکیم کیوں لکھتی ہوں؟

شروع، شروع میں مجھ سے یہ سوال بہت کیا جاتا تھا اب تو خیر عمر بیت گئی۔ اب نہ کوئی سوال ہے نہ جواب.....

اس میں گیارہ لائنیں ہیں..... میرا قرآن پاک بڑا ہے۔ اس میں 16 لائنیں ہیں۔

دراصل بجائے لائنوں کے رنگین پٹیاں بنوائی ہیں جس میں مختلف رنگ ہیں، حاشیہ کے بارے میں کافی پریشانی تھی کہ کس طرح پہنچایا جائے بہر حال کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ بھی طے ہو ہی گیا لیکن اس کے لیے مجھے خود اردو بازار جانا پڑا تھا۔ فون پر کمپیوٹر کے بندے کی سمجھ میں نہیں آتا تھا..... میں نے جا کر اسے سمجھا یا وہ کئی طرح سے نمونے نکال کر دیتا رہا اور جب میرا مطلوبہ نمونہ بن گیا تو اس نے اوکے کر دیا۔ اس طرح 2012ء ہی میں ستر حوس کلام پاک بھی شروع ہو گیا اس کا وزن دس کلو گرام ہے..... سائز 6.5 x 19.5 انچ ہے۔ اس میں 623 صفحات ہیں..... فی الوقت یہ میرے پاس موجود ہے۔ اس کے مستقبل کا فیصلہ آنے والا وقت ہی کرے گا۔

باقی تمام قرآن حکیم مناسب مقامات پر رکھے جا چکے۔ 5 ستمبر 2013ء کو ہمدرد فاؤنڈیشن کی صدر محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ تشریف لائی تھیں۔ برکاتی صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے۔ میرے پاس چھ عدد کلام پاک موجود تھے وہ سب کے سب میں نے ان کی نذر کر دیے۔ جس میں دو پرانے قرآن حکیم ہیں ایک 1976ء کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا 1980ء کا لکھا ہے جس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی ہے۔ باقی چار عدد نئے قرآن حکیم ہیں۔

یہ سب کے سب مدینہ الحکمت کی لائبریری میں شوکیسوں کے اندر کھول کر رکھ دیے گئے ہیں اور شوکیسوں کے اوپر میرے نام کی چھوٹی تختیاں آویزاں ہیں، ہر تختی پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ مثلاً کاتب قرآن ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی..... دو پر جدید ٹی مسلم خاتون کا حکیم کارنامہ وغیرہ جس روز وہ میرے گھر آئی تھیں۔ قرآن حکیموں کو دیکھ کر ان کی خوشی دیدنی تھی۔

یہ سب قرآن حکیم میری عمر بھر کی کمائی، میری متاع حیات اور میری زندگی ہیں..... میں انہیں دے

کے بغیر نفس کشی ممکن نہیں اور جب تک نفس کشی نہ ہوگی
قرب الہی حاصل نہ ہوگا۔
عشق ریا سے پاک ہوتا ہے اس وجہ سے سکون
قلب حاصل ہوتا ہے۔

قلب کی صفائی ضروری ہے..... حسد، بغض،
کینہ، نفرت، خصبہ ہر مٹی چیز کو دل سے نکال بھیجیو، دل
کی سیاہی دور ہو جائے گی۔ جب دل صاف ہوگا آئینے
کی طرح تو نور کی کرنیں اپنی جگہ بتائیں گی۔ نور کی
کرنیں ایک پار مل جائیں تو کبھی انہیں جانے نہ
دینا۔ دل میں کبھی دنیا کو نہ بسانا۔ یہ کھانے کا سودا
ہے۔ دنیا کے ساتھ، ساتھ چلو مگر محبت اللہ سے کرو.....
دنیا سے نہیں..... اللہ کی عطا کردہ چیزوں کا شکر ادا کرو
اور انہیں اپنے مصرف میں بھی لاؤ مگر اندر سے فقری کو
اختیار کرو۔

جس قدر ہو سکے اللہ کے بندوں کی مدد ضرور کرو،
تجارت کرنی ہے تو اللہ سے کرو..... قائمہ ہی قائمہ
ہے..... جتنا دو گے دس گنا ہو کر ملے گا آرزو کر دیکھ لو۔
اللہ کو اپنا دوست بنا لو دائمی خوشی مل جائے گی۔
(باقی آئندہ) انشا اللہ!

ضروری نوٹ

عزیز قارئین! اذکیہ آپا ناسازی طبع اور ضعف
کے باعث فون پر زیادہ گفتگو نہیں کر پاتیں۔ آپ
کے جذبات و احساسات ان تک پہنچا دیے جاتے
ہیں پھر بھی آپ ان سے بذریعہ سوال کوئی رابطہ کرنا
چاہتی ہیں تو ادارے کے ایڈریس پر ڈاکٹر ذکیہ آپا
اور پاکیزہ لکھ کر روانہ کر دیں۔ آپ لوگ بذریعہ ای
میل بھی رابطہ کر سکتے ہیں۔

E.mail: kitablat.1970@yahoo.com

jdpgroup@hotmail.com

آپ کی دعائیں، آراء، تجاویز ہم سب کے لیے
قابل قدر ہیں۔

اس وقت میں آپ کو ایک سچا خوب صورت واقعہ
سنارہی ہوں آپ کو پسند آئے گا آپ دوسروں کو بھی
بتائیں گی پھر آخر میں آپ کو سوال کا جواب بھی مل
جائے گا۔

حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے کنویں
میں پھینک دیا تھا..... جب آپ کو کنویں سے نکالا گیا تو
اس لڑکے کی خوب صورتی اور نورانی چہرہ دیکھ کر لوگ
دیگ رہ گئے۔ اب اس لڑکے کو مصر کے بازار میں
فروخت کرنے کے لیے دن مقرر کر دیا گیا کہ قلاں دن
نیلامی ہوگی جو بھی اس کو خریدنا چاہتا ہے وہ اپنا نام
لکھوا دے۔ چنانچہ مصر کے بڑے، بڑے امیر لوگ
آئے اور انہوں نے اپنے، اپنے نام لکھوائے تاکہ بولی
لگا سکیں۔ اسی دوران ایک بڑھیا بھی آئی جو بے حد
غریب تھی، مسکین تھی اس نے بھی اپنا نام لکھوا دیا۔

ایک شخص نے اس بڑھیا سے کہا کہ اے بڑھیا تو
اتنی غریب ہے میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تو بھلا
یوسفؑ کو کیسے خرید سکتی ہے پھر تو نے اپنا نام کیوں لکھوایا؟
اس بڑھیا نے جواب دیا۔ میں جانتی ہوں
میں بے حد غریب ہوں میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی
نہیں اور میں یوسفؑ کو نہیں خرید سکتی لیکن کم از کم میرا
نام بولی لگانے والوں میں شامل تو ہو جائے گا۔

قارئین میرا حال تو اس بڑھیا سے بھی بدتر ہے۔
میں اس سے زیادہ غریب، اس سے زیادہ فقیر ہوں۔
میرے پاس اعمال نامے کی وہ دولت نہیں جس سے
جنت خریدی جاسکے ہاں اتنا ضرور ہوگا کہ میرا نام ان
لوگوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا جنہوں نے اللہ
کے کلام کی حفاظت کی۔

چند ضروری باتیں

یہ میری ڈائری کا ایک ورق ہے جسے میں یہاں
لکھ رہی ہوں اس کے بعد مضمون کا اختتام ہو جائے گا۔
”ہمیں ہر حال میں اللہ کی رضا چاہیے مگر یہ اس
وقت تک ممکن نہیں ہو سکتا جب تک قرآن حکیم کو اپنی
زندگی میں شامل نہ کر لیا جائے۔ عشق ضروری ہے عشق

اعتبار و وفا

نگہت سیا

یہ سچ ہے کہ محبت میں وقت کا وزن نہیں ہوتا... گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک ہر ایک سے وزن سے کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے... کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سنبھالنی تک نہیں دیتی۔ ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت بڑھکتا رہتا ہے۔

مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے... لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس سے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے... اور مان لیا جائے... کہ محبت کا اولین قانون اعتبار ہے... اور وفا کے غنچے وہیں کھلتے ہیں... جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دھول کتنی مسافتوں کی جی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصہ
کہاں کا ذکر سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

قطعہ 22



LOADING
Section

بچے کے ساتھ وہ گھر واپس آئے تو اُن کا دل جیسے اس بچے کے لیے رو رہا تھا اور وہ مسلسل دعائیں مانگ رہے تھے کہ اس کے والدین مل جائیں۔ جانے کس کی آنکھوں کا نور تھا، وہ اس کے لیے اپنے دل میں بے حد اپنائیت محسوس کر رہے تھے۔ اس کی آنکھیں انہیں چندا کی آنکھوں کی طرح لگی تھیں۔ شاید اس لیے وہ مانوس لگی تھیں۔ انہیں اپنا وہ ان دیکھا بیٹا یاد آیا جو اگر زندہ ہوتا تو اتنا ہی ہوتا..... بچہ ابھی تک خوفزدہ تھا اور وقفے وقفے سے رونے لگتا تھا۔ خوف اور ڈر کی وجہ سے اسے بخار ہو گیا تھا۔ وہ اسے اپنے پاس اپنے بیڈ روم میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان سے چمٹ کر سوتا تھا۔ دو دن تک کسی نے خبر نہیں لی تھی، بچے کا بخار تیز تھا۔ وہ اسے خدا بخش کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس بھیج کر خود ایک بار پھر خانوال کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ انہیں تین دن بعد مکان خالی کر کے خریدار کے حوالے کرنا تھا۔ کراچی سے بھی بیک صاحب کے فون پر فون آرہے تھے کہ وہ جلدی آئیں..... انہی نوکریاں انتظار نہیں کرتیں۔

خدا بخش کا خیال تھا کہ بچے کو کسی یتیم خانے میں دے کر وہ لوگ کراچی چلے جائیں اور یتیم خانے والوں کو تمام صورت حال بتا دیں۔ خدا بخش کی بات پر انہوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن اُن کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔ ان تین دنوں میں یہ بچہ انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا۔ وہ کراچی جانے سے پہلے ایک آخری کوشش کرنا چاہتے تھے۔ خانوال جاتے ہوئے راستے میں اخبار کے آفس میں رک کر ایک بار پھر اشتہار چھپوانے کے لیے ادائیگی کی تھی۔ ممکن ہے کہ اس روز اشتہار کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو اور اب کسی کی نظر پڑ جائے۔ خانوال کی طرف جاتے وہ راستے میں جہاں کہیں کوئی لوگ نظر آتے یا چھوٹا موٹا چائے خانہ دکھائی دیتا تو وہ رک کر ضرور پوچھتے..... ابھی وہ



Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section

زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ایک جگہ انہیں ایک بس کھڑی نظر آئی۔ مسافر بس سے اتر کر ادھر ادھر کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ وہ گاڑی ایک طرف کھڑی کر کے مسافروں کی طرف آئے کہ یہ جگہ بس کا اسٹاپ نہیں تھی۔

”کیا ہوا بھی خیریت ہے ناں.....؟“ انہوں نے ایک مسافر سے پوچھا تھا۔

”خیریت ہے صاحب..... معمولی سی خرابی ہو گئی تھی بس میں..... ٹھیک ہو گئی ہے۔ ایک دو مسافر کھیتوں کی طرف چلے گئے ہیں۔ ان کا ہی انتظار ہو رہا ہے۔“ ایک مسافر نے بتایا۔ وہ واپس مڑے ہی تھے کہ دو مسافروں کو اسی روڈ پر کسی حادثے کا ذکر کرتے ہوئے سن کر رک گئے۔

”یہ سڑک بڑی خونی ہو گئی ہے۔ ابھی پچھلے مہینے اتنا بڑا ایکسیڈنٹ ہوا۔ اکیس بیس بندے مر گئے اور پرسوں رات کی بات ہے، ذرا آگے ایک پورا خاندان مارڈ والا ظالموں نے..... میں صبح کے وقت خانوالہ سے آرہا تھا لاہور مال لینے تو ایک مرد اور ایک عورت کی لاشیں ایسولینس میں رکھی جا رہی تھیں۔“

”کون لوگ تھے وہ اور کس نے مارا؟“ انہوں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔

”معلوم نہیں کون لوگ تھے لیکن ظالموں نے پورا خاندان ختم کر ڈالا۔ وہاں لوگ باتیں کر رہے تھے کہ کوئی خاندانی دشمنی تھی۔ اس عورت کی لاش تو جنگل کی طرف سے ملی تھی۔ بھاری جان بچانے کے لیے بھاگی ہوگی۔ لوگ کہہ رہے تھے، رات کے وقت بھی کچھ لاشیں اٹھا کر لے گئے تھے پولیس والے۔“ اس نے تفصیل بتائی تھی۔

”کیا کوئی نہیں بچا؟“ دوسرے مسافر نے پوچھا۔

”اگر کوئی بچا بھی ہوگا تو بعد میں ڈھونڈ کر مار دیں گے۔ میں جانتا ہوں یہ خاندانی دشمنیاں کتنی بری ہوتی ہیں۔“ ادھر ہمارے گاؤں میں بھی دشمنیوں میں سارے کا سارا خاندان مارڈ والا تھا۔ ایک معصوم بچہ بیچارہ بچ گیا تھا..... بعد میں اسے بھی مار ڈالا۔“ اور ان کی آنکھوں میں سامنے وہ آگیا۔ سہا، سہا اور خوفزدہ ساجس کی چندا جیسی آنکھوں کو وہ حیرت سے دیکھتے تھے اور حوررات کو ان سے چٹ کر سوتا تھا۔ یقیناً یہ بچہ اسی مارے جانے والے خاندان کا تھا..... گو حادثے والی جگہ وہاں سے کافی دور تھی جہاں انہیں یہ بچہ ملا تھا لیکن اس کے سوچے ہوئے پاؤں بتاتے تھے کہ وہ دور سے ہی بھاگتا ہوا آیا تھا۔ اور اگر اس کے دشمنوں کو پتا چلا کہ وہ بچہ زندہ ہے تو وہ اسے بھی مار ڈالیں گے..... اور وہاں کھڑے، کھڑے ہی انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس بچے کو اپنے ساتھ لے جائیں گے..... سارے رستے وہ دعا کرتے آئے تھے کہ ایک روز پہلے جھینے والا اشتہار اور ریڈیو پر گرایا جانے والا اعلان اس کے دشمنوں نے نہ سنا ہو..... واپسی پر اخبار کے دفتر میں رک کر انہوں نے اشتہار چھاپنے سے منع کیا تھا اور دو دن بعد وہ خدا بخش اور بچے کے ساتھ کراچی آ گئے تھے۔ بیک صاحب بچے کو دیکھ کر حیران ہوئے تھے۔

”آپ نے ذکر نہیں کیا تھا بچہ آپ کے پاس ہے۔“ وہ بتانا چاہتے تھے کہ بچہ ان کا نہیں ہے لیکن پھر خاموش ہو گئے..... قدرت نے یہ انمول خزانہ انہیں سونپا تھا اور انہیں اس کی قدر کرنا تھی..... شاید اس نیکی کے طفیل اللہ بھی ان کی بیٹی کو بھی ان سے ملا دے۔

بیک صاحب کے چہرے پر پھیلتی مایوسی کو دیکھ کر وہ چوٹے تھے لیکن نہیں سمجھ سکے تھے..... یہ تو بہت بعد میں انہیں پتا چلا تھا کہ بیک صاحب اچانک ان پر اتنے مہربان کیوں ہو گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کی بہن سے شادی کر لیں جو غالباً بچہ تھیں یا مطلقہ..... لیکن چندا کے بعد وہ اپنی زندگی میں کسی کی منجائش نہیں پا رہے تھے اور اب تو روادہ کی صورت انہیں زندگی کا مقصد مل گیا تھا۔ وہ اپنا نام نہیں بتا سکتا تھا صرف روحانی کہا تھا اس لیے انہوں نے اس کا نام روادہ رکھا تھا۔ یہ نام بابا جان نے اپنے پوتے کے لیے سوچ رکھا تھا۔ بیک صاحب نے ان سے مایوس ہونے کے باوجود ان کا ساتھ دیا تھا۔ اگر بیک صاحب ہر معاملے میں ان کا ساتھ نہ دیتے تو وہ کراچی جیسے اجنبی شہر میں بسٹل نہ ہو پاتے۔ بیک صاحب سچ کہتے

تھے، یہ بہت مہربان شہر ہے۔ ہر نئے آنے والے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتا ہے۔۔۔۔۔ وہ دل ہی دل میں بیک صاحب کے بہت ممنون تھے۔ شروع، شروع میں روادح نے بہت تنگ کیا۔۔۔۔۔ ماما۔۔۔۔۔ ماما کر کے روتا تو روتا ہی چلا جاتا۔۔۔۔۔ کہیں سے قائر بلکہ پناہوں کی ہی آواز آتی تو خوفزدہ ہو جاتا۔۔۔۔۔ لیکن ہولے، ہولے وہ اُن سے مایوس ہوتا گیا اور اس نے ماما اور اماں کی تکرار کرنا بھی چھوڑ دی تھی۔ اسکول میں داخل کرواتے وقت انہوں نے ولدیت کے خانے میں اپنا نام لکھا تھا۔ وہ جانتے تھے اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا کرنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ لے پاگوں کو ان کے باپوں کے ناموں سے محروم مت کرو لیکن وہ اس کے باپ کے نام سے بے خبر تھے۔ اور اللہ نے اس صورت میں رعایت دی تھی۔

”میری ماما کہاں ہیں بابا؟“ وہ جب سات سال کا تھا تو پہلی بار اس نے پوچھا تھا۔

”اللہ میاں کے پاس۔۔۔۔۔“

”وہ کب واپس آئیں گی؟“ وہ سوال پر سوال کر رہا تھا اور وہ اس کی وقتی سطح کے مطابق جواب دے رہے تھے۔

”جو لوگ اللہ میاں کے پاس چلے جاتے ہیں، وہ واپس نہیں آتے۔“

”بابا آپ کبھی اللہ میاں کے پاس مت جانا۔۔۔۔۔ مجھے ڈر لگے گا۔“ اور انہوں نے اسے اپنے ہاتھوں

میں سمولیا تھا۔ اب وہ پٹر پٹر بولتا تھا۔ خدا بخش نے ہادام کھلا، کھلا کر اسے یوں سکھایا تھا۔ اب تو وہ خود بھی بھول گئے تھے کہ روادح ان کا بیٹا نہیں تھا۔۔۔۔۔ وہ ان کا ہی بیٹا تھا ان کی زندگی کا حاصل۔۔۔۔۔ وہ کچھ دیر روادح کو نہ دیکھتے تو بے چین ہو جاتے۔۔۔۔۔ ان کے گھر میں روادح کے دم سے زندگی رقص کرنے لگی تھی۔ اللہ نے روادح کی صورت ان کے زخموں پر مرہم رکھ دیا تھا۔

”بابا آپ ادھر بیٹھے ہیں مجھے چکا لیا ہوتا۔“ روادح نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا۔ وہ چوہے۔

”تم سو رہے تھے، میں نے ڈسٹرب نہیں کیا۔“

”یہ جو ٹیبلٹ میں کھا رہا ہوں ناں ان میں نیند کا اثر ہے۔۔۔۔۔ کھاتے ہی کچھ دیر بعد سو جاتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر

بیٹھ گیا۔۔۔۔۔ ”ابھی ناشتا کر کے میڈیسن لی تھیں اور ساتھ ہی نیند آگئی۔“

”ہاں شاید۔۔۔۔۔“ انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا جس نے اعدا کر چائے کاگ کافی ٹیبل پر رکھا تھا۔

”تم چائے لوگے۔۔۔۔۔ بنواؤں؟“ انہوں نے پوچھا تو روادح نے منع کر دیا۔

”ملک ٹیک بنا لاتا ہوں۔“ خدا بخش نے رائے دی۔

”نہیں چاچا۔۔۔۔۔ اس وقت کسی چیز کا بھی موڈ نہیں۔۔۔۔۔“

”چلو تھوڑی دیر بعد بنا دیتا ہوں۔“ خدا بخش واپس جانے کے لیے مڑا تو انہوں نے آواز دی۔

”سنو خدا بخش فارغ ہو کر صدمے کا بکرا دے آنا۔ آج میرے بیٹے نے میرے ساتھ ٹیبل پر بیٹھ کر ناشتا

کیا۔“ روادح نے بے حد محبت سے اُن کی طرف دیکھا۔

”میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ آپ میرے بابا ہیں۔“

”اور میری خوشی نصیبی میں تمہیں کیا کچھ شک ہے۔“ انہوں نے برجستہ کہا۔

”میرا انتخاب برا بیٹا ہے۔“ وہ بے اختیار سکرایا۔

”آپ ادھار تو رکھتے ہی نہیں۔“

”میری جان تم نے نہیں سنا ادھار محبت کی قیمتی ہے۔“ آج ان کا موڈ روادح کو دیکھ کر بہت خوشگوار تھا۔

”کیا واقعی بابا۔۔۔۔۔ پھر تو مجھے رتی کو کبھی ادھار نہیں دینا چاہیے نہ لینا چاہیے۔“ وہ محظوظ ہوا۔

”ہاں یار کیا حال ہے ہماری بہو کا..... گھر پر نہیں آئی تمہیں دیکھنے بے“
 ”ابھی وہ آپ کی بہو کے رتبے پر قانع نہیں ہوئی۔“ اس نے احتجاج کیا۔
 ”تو.....“ انہوں نے بے پروائی سے کہا۔

”چند دنوں کی بات ہے، تم ٹھیک ہو کر یونیورسٹی جانے لگو گے تو میں ارتقا کے والدین سے مل کر اس کے جملہ حقوق تمہارے نام لکھوا لیتا ہوں۔“

”کیا خبر بابا وہ لوگ انکار کر دیں۔“ پتا نہیں کیوں اس سے وہ قوطی ہو رہا تھا۔
 ”بھلا کیوں انکار کریں گے..... کیا کمی ہے، میرے بیٹے میں۔“ انہوں نے فخر سے اسے دیکھا۔
 ”کی نہ بھی ہو بابا..... تو ہوتا ہے ناں بعض لوگ خاندان، برادری، اسٹیٹس کو اہمیت دیتے ہیں۔“ وہ افسردہ نظر آنے لگا تھا۔

”کیوں..... کیا اس کے خاندان میں کوئی ہے اس کا ہم عمر؟“ وہ بھی سنجیدہ ہو گئے۔
 ”اس کی بیٹی تو اکلوتی ہیں..... البتہ پاپا کے بھائی، بہن ہیں..... لیکن ان لوگوں سے زیادہ روابط نہیں ہیں ان کے، ایک بار رتی نے بتایا تھا۔“

”میں جلد از جلد اس کے والدین سے ملنا چاہوں گا تم اس سے بات کرو اور تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر خدائے خواستہ یہ رشتہ طے نہ پاسکا تو تم اسے زندگی اور موت کا مسئلہ نہیں بناؤ گے..... روٹین کے دوسرے معاملات کی طرح لو گے۔“ رواد نے سر ہلایا تھا لیکن اس کے اندر دردورنگ افسردگی کا غبار پھیل گیا تھا۔ وہ بابا کو دہائی نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اسے لگتا تھا ارتقا کے بغیر زندگی گزارنا ایسا ہی ہوگا جیسے اس میں سے مٹاس نکل گئی ہو یا پھر جیسے کوئی بے رنگ پینٹنگ جس کے سارے رنگ خراب ہو چکے ہیں..... اب بابا کو کیا پتا کہ ارتقا تو اس کے دل پر حکمران تھی اور وہ اس حکمرانی پر خوش تھا۔

”بیک صاحب اور قدیر صاحب آئے ہیں۔“ خدا بخش نے دروازے سے جھانک کر اطلاع دی تو وہ کھڑے ہو گئے۔

”تمہاری مزاج پرسی کو آئے ہوں گے۔ ادھر ہی بلا لوں یا ڈرائنگ روم میں آؤ گے؟“
 ”آپ چلیں بابا، میں فریش ہو کر آتا ہوں۔“ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے تو اس نے پاس پڑا فون اٹھالیا اور عظام کا نمبر ملانے لگا۔

☆☆☆

شاہجہان بے چینی سے ادھر سے ادھر ٹپل رہی تھی۔
 ”کیا ہوا ہے شاہجہان بیگم یہ پاؤں کے نیچے انگارے بچھے ہیں کیا..... آرام سے ایک جگہ تک کر بیٹھ جاؤ تو تیل لگا دوں سر میں۔“ موراں نے جو اس کے سر میں تیل کی مالش کرنے آئی تھی اور تیل کی شیشی ہاتھ میں لیے اس کے بیٹھنے کا انتظار کر رہی تھی تنگ آ کر کہا تو شاہجہان نے رک کر اسے دیکھا۔
 ”یہ تیل لے جاؤ موراں، اس وقت مجھے نہیں لگنا۔“

”لو خود ہی تو کہہ رہی تھیں کہ بال روکھے ہو رہے ہیں تیل لگا دو صبح، صبح نہالوں گی..... رات اچھی طرح سر میں دھنس جائے گا..... آخر بات کیا ہے شاہجہان بیگم کل سے جلے پاؤں کی بلی کی طرح سارے گھر میں چکرائی پھر رہی ہو ادھر سے ادھر..... اوپر سے نیچے..... نیچے سے اوپر..... جب سے وہ موا کبخت با بر نوید ہو کر گیا ہے تیرے تو ہوش ہی ٹھکانے نہیں..... لگتا ہے مایوس لیا ہو گیا ہے تجھے۔ کبھی چپکنے لگتی ہو، کبھی بھج جاتی ہو، کبھی ہونٹوں پر ہنسی بکھر

ماہنامہ پلکیزہ 28 جون 2016ء

جاتی ہے اور کبھی تشویش جھانکنے لگتی ہے۔ ارے کیا راز اگل کے گیا ہے وہ کبخت.....؟“

”تم بھی ناں موراں، بولنے پر آؤ تو بولتی ہی چلی جاتی ہو جیسے ظہورے اور شیدے کی روح ساگنی ہو تم میں.....“ وہ جھنجلائی۔

”ارے تو کل سے دیکھ رہی ہوں تمہیں، کوئی تو بات ہے؟“ موراں کم بولتی تھی لیکن جب بولنے پر آتی تھی تو یونہی بال کی کھال نکال ڈالتی۔

”ارے بات کیا ہوتی ہے موراں.....“ شاہجہان بیگم نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔ موراں کو بتانے میں بھلا حرج ہی کیا ہے۔ داکئی سے بھی کبھی پیٹ چھپا ہے۔ کل سے جو خوشخبری دل میں چھپائے بیٹھی تھی اس سے پیٹ پھٹنے کو تھا۔

”کچھ تو ہے شاہجہان بیگم، نہ بتانا چاہو تو الگ بات ہے پر اتنا جانتی ہوں وہی موا کچھ مھر پھونک کر گیا ہے تیرے کانوں میں۔“

”تجھ سے کچھ چھپانا محال ہے موراں.....“ شاہجہان جیسے ہار مان کر اپنے صوفہ کم بیٹھ کر بیٹھ گئی۔

”بس ذرا وزن کر رہی تھی کہ اس کی کیا بات میں کتنا بچ ہے۔“

”تو کر لیا وزن؟“ موراں کا لہجہ طعنیہ تھا..... شاہجہان نے دھیان نہیں دیا۔

”تجھے یاد ہے موراں جب باہر نوید نے دسو کے ساتھ لڑکی بھیجے کا کہا تھا اور وہ کبخت لڑکی کے بجائے لڑکا لایا تھا۔“

”اے ہائے کبخت اسے ہی تو لینے نہیں آ گیا۔“ موراں نے سینے پر بایاں ہاتھ مارا۔

”ہاں مجھے بھی یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں باہر کے دشمنوں کو خبر تو نہیں ہوگئی کہ ان کا وارث ہمارے پاس ہے اور وہ دسو کبخت اسی لیے کھوجتا پھر رہا ہے۔ دسیوں چکر لگائے اس نے محلے کے گلی کے ہر گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا پر وہ تو.....“

شاہجہان کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔ ”وہ تو کسی اور ہی چکر میں ہے۔“

”بھلا کس چکر میں.....؟“ موراں تجسس سے تھوڑا سا اس کی طرف جھکی۔

”کہہ رہا تھا چاندی ہو جائے گی تیری..... لڑکی نہ ملنے کا دکھ بھول جائے گی۔“

”اے ہے کیا مٹھیاں بھر، بھر لوٹ دے جائے گا تمہیں۔“ موراں نے ناگوار سی کہا۔ ”ارے مجھے نہیں

اعتبار اس کبخت دسو کا..... ویسے پھر کب تک آنے کو کہا ہے اس نے؟“

”آج کل کا بولا تھا تب ہی تو بے چینی لگی ہے۔“ شاہجہان نے بتایا۔

”اور اس نے لڑکے کا نہیں پوچھا کہ ہر گیا؟“ موراں کو تجسس ہوا۔

”پوچھا تھا..... کہہ دیا اور ادھر ادھر کہیں جھک مار رہا ہوگا آجائے گا۔“ شاہجہان اب کچھ مطمئن سی پاؤں اوپر کر کے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

”شکر ہے ملنے کی ضد نہیں کی۔“ موراں نے بھی اطمینان بھری سانس لی۔

”ارے کرتا تو کہہ دیتی بھاگ گیا، اب میں کوئی راکھی تو نہیں کر سکتی جو ان لڑکوں کی۔ پر اس نے زیادہ کرید

ہی نہیں کی اور میں یوں ہی ڈر کر لاہور سے بھاگی کہ کہیں یہاں آ کر اسے کھوجتا نہ پھرے..... پتا ہوتا تو دو چار دن اور رک جاتی شاید کام بن ہی جاتا۔“

”اب ایسا کون سا کام آپڑا تھا۔ مجال ہے جو منہ سے پھوٹو۔“ موراں بڑبڑائی اور پھر قدرے بلند آواز میں بولی۔ ”تو نے بھی تو اسے حاتی دادا کے حوالے کر دیا۔ ادھر رہتا تو ستر کام کر دیتا..... ظہور، شیدا تو اب بوڑھے

اور رک جاتی شاید کام بن ہی جاتا۔“

ماہنامہ پاکیزہ 29 جون 2016ء

ہو چلے بھلا کتنے دن چلیں گے۔ جوان لڑکے کا آسرا ہوتا..... کبھی، کبھی تو تیری عقل پر پتھر ہی پڑ جاتے ہیں..... یا اپنی بھوک کی طرح پڑھا لکھا کر کسی دفتر میں نوکر کر دالیں۔ دس لوگ چوبارے پر آنے والے تھے کوئی نوکری دلوای دیتا..... اور یہ تو جو بھوک کے لیے پریشان ہو رہی ہے اسی سے نکاح پڑھا لیں اس کا..... گھر میں ہی بیٹھ جاتی سجو۔“ آج موراں بہت بولنے کے موڈ میں تھی اور یہ دورہ اسے کبھی کبھار ہی پڑتا تھا۔ شاہجہان زیادہ روک ٹوک نہیں کرتی تھی۔ شہدے کو اسٹیشن پر یہ روتی ہوئی ملی تھی۔ چودہ پندرہ سال کی عمر تھی۔ جانے بھاگ کر آئی تھی کسی کے ساتھ یا اکیلی بھاگتی تھی لیکن اس نے منہ سے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ شیدا بہلا پھسلا کر گھر لے آیا تھا۔ آواز اس کی عجیب بھاری سی اور بیٹھی ہوئی تھی..... گانے کے لیے تو پہلے ہی استاد جن نے نہ کردی اور رقص سکھانے میں استاد کو دانتوں پسینے آ گئے۔ کبھی جو اس کا پاؤں مسج پڑا ہو..... تھک ہار کر استاد جی نے ہاتھ اٹھا لیے۔

”یہ نہیں سیکھنے کی شاہجہان بیگم اسے تو دوسرے کام پر لگا دو۔“

شکل صورت واجبی، رنگت، کالی، سانولی تو کبھی نہیں جاسکتی تھی۔ اور اب وہ وقت بھی نہیں رہا تھا کہ جب کالی، بھدی، مٹائی، بد صورت سب چل جاتی تھیں۔ اب تو... لوگ دو گھڑی کے ساتھ کے لیے بھی حسن کی صورت مانگتے تھے۔ ناچار شاہجہان بیگم نے اسے باورچی خانہ سنبھالنے پر لگا دیا۔ بوا سے ویسے بھی کوئی زیادہ کام نہ ہوتا تھا اور چوبارہ تب لڑکیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ایک سے ایک طرح دار اور موراں نے ہولے، ہولے باورچی خانہ کیا پورے چوبارے کو سنبھال لیا۔ لڑکیوں کے کھانے پینے سے لے کر لباس، سیک اپ، دوسری ضروریات ہر چیز کا خیال رکھنے لگی۔ گزرتے وقت کے ساتھ، ساتھ وہ شاہجہان بیگم کی رازدار سبکی کی طرح ہو گئی لیکن شاہجہان بیگم کو بھی جو چھپانا ہوتا دھواں تک نہ نکالتی۔

”میں پوچھتی ہوں شاہجہان آخر ایسا کیا جادو کر دیا تھا حاتی دادا نے تم پر، اٹھا کر بچہ اس کی گود میں ڈال دیا۔ مجھے دیا تھا تو میرے پاس ہی رہنے دیا ہوتا آج میرے بڑے چاہے کا سہارا ہوتا۔“ شاہجہان بیگم کو خاموش دیکھ کر موراں نے چلے دل کے پھپھولے پھوڑے۔ کیسے ایک دن کے بچے کو موراں نے سنبھالا تھا اور شاہجہان نے پوچھا نہ بھالا اور حاتی دادا کے حوالے کر دیا۔ شاہجہان کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری۔ اب چھپاری موراں کو کیا خبر کہ حاتی دادا کیا تھا اس کے لیے..... اس کے تو نام سے ہی شاہجہان کے اندر مچھلیاں چھوٹنے لگی تھیں۔ بڑا لڑکا سا عشق ہوا تھا اسے حاتی دادا سے جس میں نہ طلب تھی نہ پانے کی آرزو..... نہ کبھی عمر بھر کے ساتھ کی دعا مانگی..... نہ بدلے میں اس کی محبت چاہی بس اللہ سے اس نے صرف اس کی سلامتی اور خیریت مانگی تھی جب تک لاہور میں رہی..... ہر مہینے کی پہلی جمعرات کو دادا صاحب پر دیگ چڑھاتی تھی۔

”اپنی اولاد تو یہاں چھوڑ گیا اور دوسرے کی سینے سے لگا کر لے گیا۔“

موراں کو بچے کے جانے کا بہت غم تھا۔

”بچہ لے کر آیا گیا کہ مڑ کر پوچھا تک نہیں کہ بیچ پھوٹا یا نہیں.....“ موراں پھر بڑبڑائی۔

شاہجہان کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”اب موراں غریب کو کیا خبر کہ یہ تو ایک پرایا بچہ تھا جسے شاہجہان نے کبھی نظر بھر کر دیکھا تک نہیں تھا، وہ تو شاہجہان کی جان مانگتا تو شاہجہان اس کے قدموں میں لٹا دیتی..... وہ تو اس کی ساتوں خیریں مانگتی نہ تھکتی تھی، وہ آتا تو اس کے قدموں میں اپنی آنکھیں بچھا دیتی..... جاتا تو دور تک اس کی آنکھیں اس کے قدموں سے لپٹ کر ساتھ جاتیں..... اس کا عشق موراں کی سوچ سے بلند تھا۔ دسیوں مردوں کو برتنے والی شاہجہان نے حاتی دادا کے عشق کی آگ جو اپنے اندر دھکا رکھی تھی اس کی ذرا سی آنچ باہر تک نہیں آئی تھی۔ مٹھا سائیں سے جھگڑے کے بعد وہ

اعتبار و وفا

اسے وحدت روڈ والے گھر میں چھوڑ گیا تھا اور وہ اس گھر میں اس کی راہ یوں نکا کرتی جیسے وہ اس کی گھر والی ہو اور اسے شوہر کا انتظار ہو..... ہر کھٹکے پر چٹکتی اور دروازے کی طرف یوں دیکھتی جیسے ابھی وہ دروازے سے اندر داخل ہوگا..... شام ہوتے ہی اس کا دل گھبرانے لگتا تھا اور وہ صحن میں نکل آتی تھی۔ کانوں میں ٹھنڈی ہوا کی مخصوص آواز گونجتی تو دل و دماغ بوجھل ہو جاتے۔

اس روز بھی بتیاں جلتے ہی وہ صحن میں نکل آئی تھی..... جب دروازے پر بتل کے بجائے دستک ہوئی تھی..... نہیں دستک بھی نہیں بلکہ کسی نے دروازہ دھکیلا تھا اور وہ نہ جانے کس ڈور سے بندھی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی تھی اور پھر دروازہ کھولتے ہی ششدر رہ گئی تھی..... وہ اس طرح تو کبھی نہیں آیا تھا۔ ہال بکھرے، مٹی سے اٹے..... آنکھوں میں سرخی اور زمانے بھر کی وحشت..... پاؤں سے ننگا، ہونٹوں پر پھڑپھڑیاں جھپکی ہوئی تھیں۔ کپڑے میلے تلخ..... جانے کہاں، کہاں کی خاک چھان کر آیا تھا۔ اس نے بازو سے پکڑ کر اسے دلیہ سے اندر کیا اور اس سے لپٹ گئی۔

”یہ کیا حال ہو گیا ہے تمہارا دادا.....؟“

وہ بس خالی، خالی ویران نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہیں کھڑا مڑ، مڑ کر دروازے کو دیکھتا جیسے غلطی سے آ گیا ہو..... اور ابھی بند دروازہ کھول کر پلٹ جائے گا..... اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور کشاں، کشاں اپنے کمرے میں لے آئی..... اسے گلے سے لگایا۔ مٹی سے اٹے ہالوں والے سر کو بار بار چوما۔ پھر بازو سے پکڑ کر اپنے بیڈ پر بٹھایا۔

”کیا ہوا دادا ابھی کیوں نہیں؟“

وہ رونے کو ہو گئی..... محبوب کو اس حال میں دیکھنا آسان کہاں تھا اور وہ چپ سا دھمے بیٹھا تھا..... وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

”دادا تیرا یہ حال کیسے ہو گیا ہے، کسی نے کوئی برا کلمہ توڑا تھا پر..... بول دادا کچھ تو بول شاہجہان تمہارے پریشان جائے۔“ اور اس نے شاہجہان کا ہاتھ پکڑ کر اسے زمین سے اٹھایا تھا اس کی گھنٹی ہوئی خشک آنکھوں میں نمی سی اتری تھی اور پھر اس کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر رو دیا تھا۔ شاہجہان نے اس کے آنسو پونچھے تھے اور اس کے ساتھ آنسو بہائے تھے۔ اس کا عشق جیسے مانتا کے جذبے میں ڈھل گیا تھا۔ اس نے اس کا سر گود میں رکھا تھا اور پھر پوری رات اس کا سر گود میں لیے بیٹھی اس کے گھٹے ہالوں میں انگلیاں پھیرتی رہی تھی۔ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا..... جانی دادا نے نہیں بتایا تھا۔ ایک لفظ بھی اس کے منہ سے نہیں نکلا تھا لیکن اس کا انجانا درد شاہجہان کے دل میں اتر آیا تھا..... پھر وہ یونہی روتے روتے اس کی گود میں سر رکھے، رکھے سو گیا تھا..... جانے کتنی راتوں کا ریت جگا تھا، جانے کتنے زخم سینے پر لگے ہوئے تھے۔ شاہجہان بیگم نے بہت احتیاط سے اس کا سر کیچے پر رکھا تھا..... ٹانگیں سیدھی کی تھیں اور خود بھی برابر میں لیٹ گئی تھی..... یہ رات اس کی زندگی کی سب سے خوب صورت رات تھی۔ اس رات کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا۔ ایسی رات پھر اس کی زندگی میں کبھی نہیں آئی تھی..... اس ایک رات کا نقشہ پوری زندگی اسے غمور کیے رہا..... پوری رات وہ جاگی تھی اور حاتی دادا کے ایک، ایک نقش کو انگلیوں سے چھو کر دل میں اتارتی جاتی تھی۔ صبح سویرے نہاد ہو کر وہ سنگار میز کے آسپے کے سامنے کھڑی بال سلجھا رہی تھی جب موریاں دستک دے کر اندر آئی تھی۔ موریاں نے بیڈ پر گہری نیند سوئے حالی دادا کی طرف دیکھا تھا اور پھر کیلے بال سلجھاتی شاہجہان کو اور ایک معنی خیزی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ٹھہر گئی تھی۔

”ناشتا ادھر کمرے میں ہی کرو گی ناں.....؟“

”ہاں..... لیکن کچھ دیر بعد لانا..... ابھی دادا سو رہے ہیں۔“ شاہجہان کے چہرے پر ایک انوکھی سی چمک تھی۔
 ”آنگھوں میں بن بیچے ہی خمار چھایا ہوا تھا۔ موراں نے سر ہلایا۔
 ”کتنی کڑی تو ذرا اس سنہری کے کان کھینچو..... کب سے موتیا سے جھگڑا کر رہی ہے۔ ادھر استاد جی دونوں کے
 ظار میں سو کر رہے ہیں۔ یہ بالشت بھر کی لڑکی اور زبان ایسے چلتی ہے جیسے گینچی.....“ شاہجہان نے ناگواری سے
 راس کی طرف دیکھا۔

”کیا ہے موراں..... یہ ذرا سی لڑکی تم سے نہیں سنبھلتی۔“
 ”ارے لڑکی ہے یا پوری فتنہ.....؟“ موراں بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔ وہ بھی ہارسنگار کر کے سنہری کے
 ن کھینچنے آئی تو سنہری، موتیا کے گلے سے لپٹی اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہی تھیں اور دونوں ہنس رہی تھیں۔
 ”یہ موراں بھی ناں بات کا جھگڑا بناتی ہے۔“ وہ سر جھٹک کر واپس کمرے میں آئی تو حاتی دادا بیڈ پر پاؤں
 تائے بیٹھا تھا۔ آنگھوں میں ویرانی اور وحشت تھی۔

”منہ ہاتھ دھو لو دادا اور کچھ کھلا لیو.....“ شاہجہان نے واش روم کی طرف اشارہ کیا اور خود موراں کو آواز
 ے کر ناشتا لانے کے لیے کہا۔ حاتی دادا اٹھ کر واش روم میں چلا گیا..... کچھ دیر بعد ہی وہ ہاتھ منہ دھو کر
 گیا..... اس کے چہرے پر ایسا کرب تھا کہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے شاہجہان کا دل پھٹتا تھا۔
 ”میں نے ناحق رات آپ کو تکلیف دی شاہجہان بیگم..... بس بے خبری میں چلا آیا۔“

”تمہارا اپنا گھر ہے دادا، جم جم آؤ..... سیکڑوں بار آؤ..... ہزار بار آؤ۔“ شاہجہان کی وارفتہ نظروں نے اس کا
 ہرہ چھوا تھا لیکن وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ خاموش اپنے آپ میں گم..... اندر ہی اندر کسی گہرے غم سے لڑتا
 ہوا..... موراں ناشتا لے آئی تھی۔ گرم، گرم خستہ پرائٹے، آلیٹ اور اچار کے ساتھ آلو کی کراری بھجیا..... پتا
 نہیں کتنے دنوں سے حاتی دادا نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ خوب صورت آنگھوں کے نیچے گہرے حلقے..... صبح چہرے پر
 کھنڈی زردیاں.....

”بھوک زندگی کی سب سے بڑی سچائی ہے دادا..... غم کتنا بھی بڑا کیوں نہ ہو پیٹ روٹی مانگتا ہے۔“
 شاہجہان نے خود ہی پلیٹ میں آلیٹ اور بیجھا ڈال کر زبردستی پلیٹ اس کے ہاتھ میں دی..... اور حاتی دادا نے
 میکا کی انداز میں پکڑ لی اور پرائٹے کی طرف ہاتھ بڑھایا..... تب ہی دروازہ زوردار آواز سے کھلا تھا اور وہ دوڑتا ہوا
 اندر آیا تھا اور اب کمرے کے وسط میں کھڑا دونوں کو باری، باری دیکھ رہا تھا۔ حاتی دادا نوالہ منہ میں ڈالتا بھول گیا
 تھا اور اس نے ہاتھ میں پکڑا نوالہ پلیٹ میں رکھ دیا تھا۔ اس کی آنگھوں کی بناوٹ بالکل روحان اور فرجی کی طرح
 تھی۔ اس کی گھٹی پلکیں، اس کے دیکھنے کا انداز..... یہ اس نے بعد میں شاہجہان کو بتایا تھا..... وہ اسے حیران سا دیکھ
 رہا تھا جب سنہری بھاگتی ہوئی اندر آئی تھی۔

”اماں..... اماں یہ کا کا، موتی کی لپ اسٹک اٹھا کر لے آیا ہے۔“ شکایت لگا کر اس نے زبردستی اس کی مٹھی کھول
 کر اس میں سے لپ اسٹک نکالی تھی اور پھر فاتحانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر اپنی شکایت میں اضافہ کیا تھا۔ ”اماں
 سمجھالے اسے، کل اس نے موتیا کی نسل پالش توڑ دی اور سنہرا دی کی پوڈر کی ڈبیا اٹھا کر سارا پوڈر گرادیا اور.....“
 ”ادھر آتیرے کان کھینچوں منحوس نہ ہو تو.....“ اس سے پہلے کہ سنہری کا شکایت نامہ طویل ہوتا اس نے ہاتھ پکڑ
 کر اسے کھینچا تھا۔ اس کی سنہری آنگھوں میں خوف کے سائے لرزنے لگے تھے اور اس نے سہمی، سہمی نظروں سے
 حاتی دادا کی طرف دیکھا تھا اور پھر شاہجہان سے ہاتھ چھڑا کر بھاگ کر حاتی دادا کے بازو سے لپٹ گیا۔ حاتی دادا
 نے بے اختیار اسے اٹھا کر گود میں بٹھاتے ہوئے ایک بازو اس کے گرد حائل کر لیا..... وہ چہرہ اٹھائے اب حاتی دادا

کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی سنہری آنکھوں کا سہم جاتا رہا تھا۔ اور وہ مجھس نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
 ”تم کون ہو؟“ لمحہ بھر میں نے سوال داغ دیا تھا۔۔۔۔۔ وہ تقریباً روحان کا ہم عمر تھا۔ لیکن اس کی زبان صاف تھی
 اور اس نے پورا جملہ بولا تھا جبکہ روحان ایک، ایک لفظ بولتا تھا۔۔۔۔۔ اور وہ بھی اس نے بہت لیٹ بولنا شروع کیا تھا۔
 ”میں۔۔۔۔۔“ وہ شہنشاہ تھا۔

”تم پایا ہو؟“ اس نے اپنے ننھے سے ہاتھ کی انگلی اس کے سینے پر رکھی تھی۔ ”میرے پایا۔۔۔۔۔“ اس کی
 آنکھوں میں چمک سی لہرائی تھی اور اس نے بہت فخر سے حاتی دادا کو اور پھر شاہجہان کو دیکھا تھا جیسے سوال بوجھ جانے
 کا فخر۔۔۔۔۔ شاہجہان نے دانت پیسے تھے۔۔۔۔۔ یہاں اس گھر میں ٹی وی موجود تھا اور وہ سنہری کے ساتھ بیٹھا ہر وقت
 ٹی وی دیکھتا رہتا تھا۔ یہ لفظ یقیناً اس نے ٹی وی سے سیکھا تھا۔ ورنہ ان کی زندگیوں میں اس لفظ کا وجود نہیں تھا۔
 ”تم نہیں۔۔۔۔۔“ آپ بولتے ہیں۔“ حاتی دادا نے اس کا رخسار چوما تھا اور وہ جڑ بڑ ہو رہی تھی۔ حاتی دادا،
 شاہجہان کے بیڈروم میں اس کے ساتھ بیٹھا ناشتا کر رہا تھا۔ ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔
 وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں میں مقید کر لینا چاہتی تھی اور دل میں سو لینا چاہتی تھی اور اس منظر میں کا کے کا وجود رقیب
 جیسا لگ رہا تھا۔

”سنہری جاؤ اور اسے بھی لے جاؤ اور یہ اس کے پیچھے کد کڑے لگانے کے بجائے جا کر استاد جی سے اپنا سبق
 لو۔۔۔۔۔“ اُدھر تو داغ نہیں چلتا بس شرارتوں میں خوب چلتا ہے۔“ سنہری نے غصے سے کا کے کا بازو پکڑ کر کھینچا۔
 ”جل تیری تو میں اچھی طرح دھناتی کرتی ہوں۔“ وہ دونوں ہاتھ حاتی دادا کی کمر کے گرد پھیلا کر اس سے
 چٹ گیا تھا۔

”تم جاؤ سنہری، اسے میرے پاس رہنے دو۔“ حاتی دادا نے اسے جانے کا اشارہ کیا تو شاہجہان نے اس کا
 دھیان ناشتے کی طرف کروایا۔

”ناشتا ٹھنڈا ہو رہا ہے دادا تم ناشتا کرو اور اسے بھیج دو۔“

”تم نہیں آپ۔۔۔۔۔“ وہ کھل کھل کر کے ہنسا تھا۔

کبخت نے کیسے دادا کی بات اچک لی تھی۔ شاہجہان نے بہ مشکل اپنی ناگواری چھپائی۔۔۔۔۔ حاتی دادا نے مسکرا
 کر اس کے منہ میں نوالہ ڈالا تھا۔ وہ لٹھے بنا، بنا کر اس کے منہ میں ڈال رہا تھا اور شاہجہان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ
 وہ اس ننھے ننھے فتنے کا گھما گھونٹ دے۔۔۔۔۔ کبخت باہر بھی اسے بھجوا کر بھول گیا تھا۔۔۔۔۔ کہتا تھا روٹی، پانی کا خرچہ دوں گا پر
 کبھی ایک روپی تک نہیں بھجوائی۔۔۔۔۔ کا کا کبھی، کبھی دادا کے ہاتھ سے لقمہ لے کر اس کے منہ میں ڈال دیتا تو حاتی دادا
 کا چہرہ چمک اٹھتا۔

”یہ بچہ کون ہے شاہجہان بیگم؟“ یہ دوسری بات تھی جو کل سے اب تک اس نے براہ راست شاہجہان بیگم سے
 کی تھی۔ اس وقت شاہجہان بیگم کو اس کے چہرے پر وہ اضطراب نظر نہیں آ رہا تھا جو صبح سے دیکھ رہی تھی۔

”تھا ایک امیر زادہ بابر نوید کسی دشمن کا بچہ اٹھا کر میرے در پر پھینک گیا کہ بڑا ہو کر تیرے کام کر دے گا۔“
 حاتی کا رنگ زرد سا پڑ گیا تھا اور آنکھوں سے کرب جھانکنے لگا تھا۔

”بتایا کہ کون تھا اس کا دشمن۔۔۔۔۔؟“

”نہیں۔۔۔۔۔“ شاہجہان نے نفی میں سر ہلایا۔

”ایک دن کے بچے کو اسپتال سے لڑکی کے دھوکے میں اٹھالیا بابر نوید نے۔۔۔۔۔ میں نے بھی ترس کھا کر رکھ لیا
 ہے۔ اس نے تو تین سال سے مڑ کر دیکھا تک نہیں اُدھر۔۔۔۔۔ کئی دفعہ سوچا کسی یتیم خانے میں داخل کر دوں پر پھر اس

قیال سے رکھ لیا کہ چلو چند سال کی بات ہے پھر تو چوبارے کے کام جوگا ہو جائے گا۔" شاہجہان کو اس وقت وہ زہر سے بھی برا لگ رہا تھا۔ جس نے حاتی دادا کی ساری توجہ کھینچ لی تھی..... حاتی دادا نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔
 "جانے کس گھر کا چراغ ہوگا..... اور پچارے والدین کا کیا حال ہوگا؟" اس نے بہت آہستگی سے کہا۔
 "شکر ہے کہ مردایا نہیں رہا، بھینک گیا اور نہ دشمنی میں تو گھر کے گھر ختم کر ڈالتے ہیں ظالم....." شاہجہان نے بھی جیسے خود کلائی کی تھی لیکن حاتی دادا کی آنکھوں سے غم چھلکنے لگا تھا۔
 "پاپا....." کا کے نے اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔
 "سنہری مارتی ہے۔"

"چل چپ کر بخت..... ایک ہاتھ کا ہے اور زہان دیکھو....."
 "شاہجہان بیگم اس بچے کو مجھے دے دو..... اس کی آنکھیں بالکل فرجی اور روحان کی طرح ہیں۔" حاتی دادا نے التجا کی تھی۔ "عمر بھر تمہارا منون رہوں گا۔"
 "دادا تم جان بھی ماگو تو شاہجہان دیتے ہوئے لمحہ بھر بھی نہیں ہچکچائے..... یہ تو ایک بچہ ہے وہ بھی کسی غیر کا..... خواہ خواہ کا بوجھ..... شاہجہان کا اپنا بھی ہوتا تو حیرے قدموں میں ڈال دیتی۔" شاہجہان نے بے اختیار کہا تھا۔
 "بہت شکر یہ شاہجہان بیگم..... اور اس کا نام کیا ہے؟"
 "نام تو کوئی نہیں رکھا بس سب ادھر اس کو کا کا کہتے ہیں..... سنہری نے پہلے کہا تھا ناں اس کی دیکھا دیکھی سب کا کا کہنے لگے۔"

"میرا نام ہے۔" بچہ حاتی دادا کی گود سے اتر کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شاہجہان نے دیکھا اس کے چہرے پر غمت سی تھی۔ جیسے نام نہ ہونا کوئی بڑی شرمندگی کی بات ہو۔
 "اچھا تو پھر کیا نام ہے ہمارے بیٹے کا؟"
 "عظمی۔" اس نے فوراً جواب دیا تھا۔

"ہر وقت ٹی وی کے آگے بیٹھا رہتا ہے جو نام سنتا ہے اسے ہی اپنا سمجھنے لگتا ہے۔" شاہجہان کو خواہ مخواہ ہی اس سے چڑھ رہی تھی۔ حاتی دادا کو کسی کندھے کی ضرورت تھی جس پر سر رکھ کر وہ آنسو بہا سکے یہ بات شاہجہان نے محسوس کر لی تھی..... اسے حاتی دادا کے لیے وہ کندھا جتنا تھا اسے دلداری بھی آتی تھی اور وہ ناز اٹھاتا بھی جانتی تھی..... ٹوٹے ٹکڑے ہوئے مرد کو سنبھالنے کا ہنر بھی آتا تھا اسے..... لیکن اس فتنے نے آکر سارا منظر بدل ڈالا تھا..... حاتی دادا کو شاید اب کسی کندھے کی ضرورت نہیں رہی تھی..... وہ بچے کو گود میں اٹھائے اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔
 "اگر خان دادا ادھر آئیں میرے بارے میں مت بتانا کہ میں یہاں آیا تھا۔" اس نے شاہجہان بیگم کو تاکید کی تھی۔
 "تو کیا تم خانو دادا کے پاس نہیں جاؤ گے؟" شاہجہان نے پوچھا تھا یہ الگ بات کہ حاتی دادا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا تھا..... اس نے اس کے جانے کے بعد سب کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ خانو دادا سے کوئی بھی حاتی دادا کے یہاں آنے کا ذکر نہیں کرے۔

موراں نے بہت واویلا مچایا تھا بلکہ دو چار آنسو بھی بہائے تھے کہ ایک دن کے بچے کو اس نے راتیں جاگ کر پالا اور شاہجہان نے اٹھا کر حاتی دادا کو دے دیا۔

"اچھا تیری کوکھ کو جتنا تھا جو تجھے اتنی تکلیف ہو رہی ہے..... میں نے ہی تیری جھولی میں ڈالا تھا ناں....." موراں خاموش ہو گئی تھی لیکن شاہجہان دیکھتی تھی کہ وہ بہانے، بہانے سے اسے یاد کرتی تھی۔ اور آج یہ موراں نے کیا یاد دلایا تھا کہ کئی یادوں کے درمحل گئے تھے۔ اس نے سامنے صوفے پر تیل کی شیشی ہاتھ میں پکڑے

بٹنی موراس کی طرف دیکھا جو کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی..... جس صبح حاتی دادا کا کے کولے کر گیا تھا۔ اسی رات خانو دادا بھی چلا آیا تھا..... پریشان حال تھا ہار اڑے حال سا..... آتے ہی لابی میں پڑے صوفے پر گر سا گیا تھا۔

”ارے خانو دادا آپ.....“ وہ اس کے سامنے جھک سی گئی تھی۔ خانو دادا کے اس پر بڑے احسان تھے۔ ”کتنے سالوں بعد شکل دکھائی ہے۔“

”میں بہت پریشان ہوں شاہجہان.....“

”ہائے..... ایسا کیا ہو گیا دادا..... اندر چلیں کمرے میں آکر آرام سے بیٹھیں..... یہاں اس چھوٹے صوفے پر تو بہت بے آرام ہو رہے ہیں۔“

”شر حیات تو نہیں آیا تھا ادھر.....“

”کون شر حیات؟“ وہ لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی لیکن پھر اسے یاد آیا تھا ایک بار شیر خان نے اسے اسی نام سے پکارا تھا۔ تب اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”اس گھر میں چھوڑ کر گیا پھر مڑ کر خبر تک نہیں لی.....“ وہ خانو دادا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے روم میں لے آئی تھی۔ ”دادا ہم کب واپس اپنے چوبارے پر جائیں گے۔“

”جب دل چاہے..... جی کرے تو صبح ہی چلی جاؤ.....“ خانو دادا بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔ ”تیرا مٹھا سائیں تو ملک سے بھاگ گیا..... اس کے باپ کی مخالف پارٹی کے لیڈر نے اس کے خلاف اپنے دو ہندوں کے قتل کی ایف آئی آر کٹوا دی تھی۔ انہیں گرفتاری سے قتل ہی پتا چل گیا تھا..... سو بھاگ گیا اب جب تک یہ پارٹی اقتدار میں ہے سمجھو وہ یاہر ہی رہے گا..... تم بے فکر ہو کر جاؤ۔“ اور خانو دادا کی بات سن کر شاہجہان بیگم کھل اٹھی تھی۔

”شکر ہے دادا..... دفعتاً ہوا، لڑکیاں بچاری ادھر تو گھٹ کر رہ گئی ہیں۔“

”وہ تو چلا گیا شاہجہان بیگم لیکن جانے سے پہلے میری بیٹی کا گھر برباد کر گیا۔“ اس نے ساری تفصیل بتائی تو

شاہجہان بچھاوے میں گھر گئی تھی۔ کیا تھا اگر وہ صبر کر لیتی..... چار دن بعد چاؤ اتر جاتا..... یہاں میرزا دے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ نیا، نیا جوان ہوا تھا تو دیوانہ ہو رہا تھا..... اور اسے بھی کوئل کی بے بسی کی موت نے آگ لگا دی تھی، وہ مٹھا سائیں کو مزہ چکھانا چاہتی تھی لیکن کیا ظلم کیا تھا اس نے محبوب کے دل کو ٹکڑے، ٹکڑے کر ڈالا تھا..... خانو دادا کی آنکھیں یوں سرخ ہو رہی تھیں جیسے ان سے ابھی، ابھی خون ٹپک پڑے گا۔

”تم چار دن ہو گئے اسے ڈھونڈتے..... بہت عزیز تھا مجھے..... میری بیٹی کا سہاگ تھا..... جانے کہاں نکل گیا۔“

”دادا.....“ احساس شرمندگی میں گھری شاہجہان نے اسے زبردستی بیڈ پر لٹایا تھا۔ اس کے جوتے اتارے

تھے اور پھر اس کے پاؤں دبائے گئے تھے۔ یہ کیا ہو گیا تھا اس سے نا اہستگی میں..... اس نے خانو دادا کو ہی دکھ نہیں پہنچایا تھا بلکہ اپنے محبوب کا دل بھی نوج ڈالا تھا۔ وہ محبوب جس کی خبر صرف اس کے دل کو تھی اور جس کے لیے وہ دعا میں مانگتے نہ ٹھکتی تھی..... خانو دادا جانے کب سو گیا تھا، وہ بھی کھائی کرایک طرف پڑ گئی تھی۔ موراس کو اس نے

کہہ دیا تھا کہ لڑکیوں کو بتا دے صبح، صبح واپس جانے کی تیاری کر لیں..... لڑکیوں کے ہنسنے کھلکھلانے کی آواز سننے، سنتے جانے وہ بھی کب سو گئی تھی..... جانے رات کا کون سا پہر تھا جب خانو دادا کے رونے سے اس کی آنکھ کھلی تھی..... وہ بیڈ پر بیٹھا گھٹنوں پر سر رکھے رو رہا تھا۔

”دادا.....“ وہ اٹھ کر اس کے پاس آئی تھی..... ”کیا ہوا؟“ اس نے اس کا سر سینے سے لگایا تھا..... تسلی دی تھی۔

”وہ میری بیٹی جیسی تھی شاہجہان بلکہ بیٹی ہی تھی جسے ظالموں نے گولیوں سے چھلنی کر دیا اور وہ میرا نواسا تھا۔

بہت پیارا لگا تھا مجھے..... وہ جانے کہاں بھگ رہا ہو گا اور اس کا باپ..... میں تو خود کو سخت دل آدمی سمجھتا تھا لیکن میرا

دکھ کم نہیں ہو رہا..... ایسا لگتا ہے جیسے دل پھٹ جائے گا اور وہ شیر خان میرا جگر میرا یار وہ بھی تو..... شاہجہان کچھ ایسا دے دو مجھے کہ یہ غم بھول جاؤں..... کچھ بھی یاد نہ رہے.....“ شاہجہان اسے تسلی دے کر اٹھی تو ظہورے کے پاس سے ولایتی شراب کی بوتل اٹھا لائی تھی..... کبھی کوئی شوقین آجاتا تھا اور طلب کرتا تھا سو ظہورے کے پاس کچھ نہ کچھ ہوتا تھا..... خانو دادا شاید عادی نہ تھا سو جلد ہی نشہ چڑھ گیا تھا..... کبھی شاہجہان کا ہاتھ پکڑتا تو کبھی اسے گلے سے لگاتا۔

”اے لو شاہجہان بیگم کن بھول بھلیوں میں گم ہو گئی ہو..... منہ سے کچھ پھوٹو تو..... اگر لڑکے کی تلاش میں نہیں آیا تھا تو کیوں ڈھونڈتا پھر رہا تھا تجھے۔“ موراء نے پوچھا۔

”اپنی غلطی کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا۔ بول رہا تھا..... لڑکی لے کر آئے گا..... بتایا تو ہے پہلے بھی۔“ شاہجہان مسکرائی۔

”بوڑھی ہڈیوں میں جان نہیں ہے شاہجہان بیگم کسی منہی چوڑی کو پالنے کی جب تک جوان ہوگی ہم تم تو چل بیس گے۔“ موراء نے ہاتھ میں پکڑی تیل کی شیشی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کی۔

”موراء.....“ شاہجہان خوش دلی سے ہنسی۔ ”کوئی منہی چوڑی نہیں لارہا..... جوان جہان لڑکی ہے۔ ارے وہی اسی کبخت کی بہن جس کے مغالطے میں بھائی کو اٹھالایا تھا..... وہ دسو آیا تھا صبح کہہ رہا تھا چاند کا ٹکڑا ہے لڑکی وارے نیارے ہو جائیں گے۔“

”لڑکا بھی تو کچھ کم خوب صورت نہیں تھا۔“ موراء کے کلیجے پر ہاتھ پڑا تھا۔

”اسی جیسی ہوگی..... میرے کھوئے نصیب۔“

”ارے چار دن کیا پالا ماں ہی بن بیٹھی ہو اس کی جہاں بھی ہوگا ادھر سے اچھا ہوگا۔“ شاہجہان کو اس کی ٹھنڈی آہ بھرنے پر تپ چڑھی۔

”ٹھیک کہتی ہو شاہجہان، بول کب لارہا ہے لڑکی کو۔“ موراء نے پھر ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

”آج کل میں ہی لانے کا کہا ہے اس نے، تجھے نہیں پتا موراء کتنی پریشان تھی میں۔“ شاہجہان نے موراء کو پوری بات بتانے کا ارادہ کیا۔

”ارے تو بتاتی تو پتا چلتا ناں..... پر تیری مرضی دل چاہے تیرا تو دل کھول کر دکھ دے..... نہ بتانے والی بات بھی اگل دے..... اور نہ چاہے تو ہونٹ مل جائیں۔“ موراء کی زبان بھی آج خوب چل رہی تھی۔

”بس موراء کیا بتائی، وہی صاحبزادہ صاحب نے جان عذاب میں ڈال رکھی تھی۔ بڑھا کھوسٹ اپنی بھوپر نظر جوئے بیٹھا تھا..... ایک ہی ضد مہینے بھر کے لیے ساتھ بھیج دو باہر لے جاؤں گا..... اور میں نے بھوکے باپ سے وعدہ کر رکھا تھا کہ کسی سے نکاح پر دھوا کر رخصت کروں گی اور.....“

”اچھا تو اس لیے حاتی دادا کو ڈھونڈا جا رہا تھا چیکے چیکے.....“ موراء نے شاہجہان کی بات کاٹی تو شاہجہان مبہم سا مسکرائی اسے اچھا لگتا تھا جب ظہور یا موراء حاتی دادا کو بھوکا باپ کہتے تھے اندر چراغاں سا ہو جاتا تھا۔

”موراء بار بار ایک بات میرے دماغ میں آتی ہے..... کیوں نہ بھوکے بجائے اس آنے والی لڑکی کو صاحبزادہ صاحب کے حوالے کر دوں..... اور کہہ دوں بھوکا اس کا باپ لے گیا اور نکاح کر دیا..... اس طرح صاحبزادہ صاحب بھی ناراض نہیں ہوں گے اور موتیا کی جگہ.....“ شاہجہان نے بات ادھوری چھوڑ کر تائیدی نظروں سے موراء کی طرف دیکھا۔

”ارے واہ، ہم کیوں اپنی کوئی لڑکی دیں بڑھے کھوسٹ کو..... کیسے دم بھرتا تھا موتیا کا چار دن میں چاؤ اتر گیا..... میں تو کہتی ہوں شاہجہان واپس لا ہو چلو۔“

”کیوں.....؟“ شریات نے بے دردی سے پوچھا۔

”رواح کہہ رہا تھا میرا آپ کے ساتھ جانا مناسب نہیں ہے۔ ہاں اگر ہا ہا کی آج میٹنگ نہ ہوتی تو وہ آپ کے ساتھ چلے جاتے۔“

”یہ رواد بڑا استاد ہے بھی۔“ وہ پھر زبردستی مسکرایا۔ اندر جھکڑ چل رہے تھے۔ طوفان ہاتھ سے۔ عظام کی ایک چھوٹی سی حرکت نے ماضی کے درکھول دیے تھے۔ ”سوری فرجی میں ایسی زندگی نہیں گزار سکا جیسی تم چاہتی تھیں۔ میں ہر آزمائش میں ناکام ہو گیا لیکن اب ایسا نہیں ہوگا فرجی..... اب میں تمہا نہیں ہوں میرے ساتھ عظام ہے۔ لڑکھڑانے لگوں گا تو تمہا لے گا..... ہمت ہاروں گا تو حوصلہ بڑھائے گا..... میں نے عظام کی شادی کے بعد خاندان جا کر زندگی نئے سرے سے گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ دل ہی دل میں فرجی کو مخاطب کرتا ہوا وہ بیڑ پر بیٹھ گیا۔ عظام چاچکا تھا۔ اس زندگی کو اختیار کرنے میں وہ خود کتنا قصور تھا وہ جب بھی اپنا احتساب کرنے بیٹھتا تو خود کو بے قصور ہی سمجھتا تھا..... وہ خود اس زندگی میں نہیں آیا تھا بلکہ اسے اس زندگی میں دھکیلا گیا تھا۔ جب بھی اس نے اسے چھوڑنا چاہا حالات نے پھر اسے واپس اسی زندگی میں لا پٹا..... اس روز جب وہ اس بچے (عظام) کو لے کر شاہجہان کے گھر سے نکلا تھا تو اس کے سامنے راستے صاف اور واضح تھے۔ اس کی جیب میں اتنی رقم تھی کہ وہ عظام کو لے کر خاندان پہنچ گیا..... جلیل خان کو وہ زبردستی اپنے ساتھ باندھنا نہیں چاہتا تھا۔ جانتا تھا کہ اس کی راہیں الگ ہیں اور وہ صرف فرجی کی وجہ سے مجبور ہوا تھا۔ ابھی وہ جلیل خان کو اپنے حلق نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ایک بار وہ سیٹ ہو جائے، اسٹور چل پڑے تو وہ جلیل خان کو بتا دے گا پھر اگر وہ آنا چاہے گا تو یہ اس کی خوش نصیبی ہوگی..... لاہور سے خاندان تک وہ خواب دیکھتا اور پلان بناتا آیا تھا..... اسٹور والی جگہ کی پانی رقم کی ادائیگی کر کے جگہ کا قبضہ لینا تھا۔ اسٹور کے حساب سے تعمیر و مرمت کرنا تھی۔ زمینوں خالہ کے بھانجے کی بیوی سے مل کر کسی ایسی عورت کا بندوبست کرنا تھا جو عظام کی دیکھ بھال کر سکے وہ لڑا ہوا تو وہ اسے کسی اچھے ہاسٹل والے اسکول میں داخل کر دے گا..... وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے گا تو کیا خبر خدا اس پر مہربان ہو جائے، اس کا روحان اسے مل جائے۔ خاندان کی گلیوں میں چلتے پھرتے کہیں نظر آ جائے وہ اپنے خیالوں میں کم اپنے گھر کے دروازے پر پہنچا تو محلے کے چند افراد نے اسے گھیر لیا اور ایک ہار پھر اس سامنے پرانے کا اظہار کرنے لگے..... گھر میں تالا لگا تھا..... چابی یقیناً جلیل خان کے پاس ہوگی وہ تالا توڑنے کا سوچ رہا تھا کہ ایک بچہ چابی لے کر آیا۔ ”اماں نے دی ہے۔“ روحان کے تانا بان دے دے گئے تھے۔ اور دادی اماں کہہ رہی ہیں وہ کھانا وغیرہ دے جائیں گی۔“ بچہ چلا گیا، وہ سب سے مل کر گھر میں داخل ہوا تو فرجی کی یادوں نے یلغار کر دی۔ آنسو بے اختیار اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تو عظام اپنے ننھے، ننھے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

”پاپا ہائے ہو گئی ہے..... نہ روئیں ناں..... آپ روئیں گے تو کا کا..... نہیں عظمی بھی روئے گا۔“ اور اس نے عظمی کی خاطر آنسو پونچھ لیے۔ بچے ایسے ہی جادوگر ہوتے ہیں کڑلاتے ہیں، ہنساتے ہیں اور جینے کا آسرا بن جاتے ہیں..... عظمی کو پیار کرتے ہوئے اسے بھی لگا تھا کہ اس کے پاس زندہ رہنے کا جواز ہے..... کچھ ہی دیر بعد پڑوسن خالہ چائے اور کھانا لے آئی تھیں۔

”آپ نے خواہ مخواہ تکلیف کی۔“ وہ ممنون ہوا تھا۔

”تکلیف کیسی بیٹا..... فرجی میری بیٹیوں جیسی تھی اور بچ پوچھو جب سے تم گھر سے نکلے ہو، ہر وقت تمہارے لیے دعا گو رہتی تھی۔ بچے کا کچھ پتا چلا؟“ انہوں نے تجسس نظروں سے بچے کی طرف دیکھا۔

”نہیں.....“ اس نے لٹی میں سر ہلاتے ہوئے ان کا تجسس بھی ختم کیا۔

”میرا بھانجا ہے اپنی تمہائی کے خیال سے لے آیا ہوں۔“

”یہاں چھوڑ دیا۔“ وہ خوش ہوئی تھیں۔

”بچے سے تمہارا دل بہلا رہے گا۔۔۔۔۔ ورنہ اکیلا گھر تو کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔“ پڑوسن خالی چلی گئیں تو اس نے عظمیٰ کو کھانا کھلا کر ٹی وی لگا دیا۔۔۔۔۔ شا جہان نے بتایا تھا کہ وہ ٹی وی بہت شوق سے دیکھتا ہے۔ اسے معروف کر کے وہ بیڈ روم میں آ گیا تھا۔ ہر طرف فرجی کی خوشبو تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل پر اس کا برش تھا اور ایک دو پر لیومز اور ایک لپ اسٹک، وہ میک اپ نہیں کرتی تھی بیڈ پر اس کا دوپٹا پڑا تھا جولاہور جانے سے پہلے اس نے اوڑھ رکھا اسے لگا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔۔۔۔۔ اگر باہر ٹی وی روم میں عظمیٰ بیٹھائی وی نہ دیکھ رہا ہوتا تو وہ دھاڑیں مار مار کر روتا۔۔۔۔۔ نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے سختی سے دبائے وہ بیڈ پر بیٹھ کر ضبط کی کوشش میں غڑھا ہوا تھا۔ جب وہ دوڑتا ہوا کمرے میں آیا تھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر کھینچنے لگا۔۔۔۔۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ آ گیا۔۔۔۔۔ اس نے۔۔۔ ٹی وی کی طرف اشارہ کیا۔ ایک چھ سات سال کا بچہ میٹر میوں پر ہونٹ لٹکائے بیٹھا تھا۔

”عظمیٰ۔“ اس نے ٹی وی کی طرف اشارہ کیا اور پھر اپنی طرف۔۔۔۔۔

”عظمیٰ۔۔۔۔۔ عظام بیٹا کہاں ہو۔“ ایک شخص اسے پکارتا ہوا میٹر میوں سے اتر رہا تھا۔ یہ بچوں کی کوئی ڈراما سیریز تھی۔۔۔۔۔ اور غالباً کا کہنے نے اپنا نام یہاں سے ہی اخذ کیا تھا۔۔۔۔۔ یوں اس کو عظمیٰ کا مکمل نام معلوم ہو گیا تھا۔

”عظمیٰ بیٹا چلو سو جاؤ۔“

”عظام۔۔۔۔۔ میرا نام عظام۔۔۔۔۔“ وہ دنیا کا شاید واحد بچہ تھا جس نے اپنا نام خود رکھا تھا۔ اب وہ انگلی اپنی طرف کمرے کے صحن کر رہا تھا۔ شاید وہ اسی لیے اسے لایا تھا۔ عظمیٰ کے مقابلے میں عظام کا نقطہ ادا کرنا اسے ذرا مشکل لگا تھا۔

گمراہ جن کی جنوں خیزی
جاسوسی کے تھرے کی فرحت انگیزی

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

حق نمک لہو حق دیکھ دو میان قاصدوں لہو جوتوں کے سہاگل طے کرتی ایک

● اولین سوغات

پہاڑ و استان زندگی احمد اقبال کے قلم کی زور آوری

شریف کوئی کہہ دھاش بننے پر مجبور دینے والے قانون شکن معاشرے کی بکواسی

● انگارے

حتم لینے والا ہولناک سلسلہ طاہر جاوید مغل کے قلم سے

چلچلاتی دھوپ میں بے آسرا تہا مسافر کی آبلہ پانی۔۔۔

● آوارہ گرد

عبدالرب بھٹی کی طبع آزمائی

سیرورق کی کہانیاں

● پہلا رنگ ● محبت الفت انصاف کی ان ٹیکہ فیصل امجد ونیس کی چٹکی بھائی

● دوسرا رنگ ● دولت مندوں کا کھیل جن جنوں کا تھا محمد فاروق انجم کا لٹکا سڑنق



ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

آپ کے تھرے۔۔۔

مشرعے۔۔۔۔۔ کھاتیں۔۔۔

اور ٹی ٹی دلچسپ باتیں۔۔۔ کھاتیں

”ہاں، عظام میرے بیٹے کا نام بہت پیارا ہے۔۔۔۔۔ عظمیٰ، عظام کو خوش ہو گیا تھا۔“

”بیٹا یہ ٹی وی بند کر دیں۔ پاپا کے سر میں درد ہے اور انہیں ٹی وی کی آواز اچھی نہیں لگ رہی۔“ اس نے فرمانبرداری کے ساتھ ٹی وی بند کر دیا اور بیڈ پر جا کر لیٹ گیا اور جلد ہی سو گیا تھا۔ بچے کے سونے کے بعد وہ پورے گھر میں چکرانا پھراتھا۔ ایک، ایک چیز کو دیکھتا اور خاموش آنسو بہاتا رہا تھا۔ جلیل خان کہتا تھا وقت ہر زخم کا مرہم ہے تو کیا یہ زخم بھی بھر جائے گا شاید نہیں۔ اس نے چیک بک نکال کر سامنے رکھی تھی صبح اسے اپنے اور فرحتی کے مشترکہ بینک اکاؤنٹ سے رقم نکلائی تھی اور بہت سے کام کرنے تھے۔ اسے نہائے ہوئے کپڑے تبدیل کیے نہ جانے کتنے دن ہو گئے تھے۔ سونے سے پہلے اس نے ہاتھ لے کر کپڑے تبدیل کیے تھے اور پھر عظام کے پاس لیٹ گیا تھا۔۔۔۔۔ اور بہت دیر بعد آخرا سے نیند آئی گئی تھی۔

صبح اٹھ کر وہ باہر سے اٹھے، دودھ اور ڈبل روٹی لایا تھا۔۔۔۔۔ عظام کو ناشتا کروا کے اور منہ ہاتھ دھلا کر اس نے روحان کے کپڑے پہنائے تھے جو اسے آگئے تھے۔ اور اسے پڑوسن خالہ کے پاس چھوڑ کر گھر سے نکل پڑا تھا۔ اسے دوسرے کاموں کے علاوہ عظام کے لیے شاپنگ بھی کرنا تھی وہ پہلے اس شخص کے پاس گیا تھا جس سے جگہ کا سودا ہوا تھا۔ مالک مکان اچھی طرح ملا۔۔۔۔۔ فرحتی کی تعزیت کی اور رقم ملنے کے فوراً بعد قبضہ دینے کا وعدہ کیا تو وہ شام تک رقم پہنچانے کا وعدہ کر کے وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی دیر ہی گیا تھا کہ ایک بڑی، بڑی سوچوں والے بد معاش ٹائپ آدی نے اسے روک لیا۔

”حاجی مشکورے کا مکان تم خرید رہے ہو؟“ اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”اسٹور بتاؤ گے۔۔۔۔۔ مشکور اکہر ہا تھا۔“ اس کی نظریں اس پر گڑی تھیں۔

”ارادہ تو ہے اللہ کامیاب کرے۔“ اس وقت وہ حیرت انگیز حد تک پرسکون تھا۔ رات والی بے چینی اور۔۔۔۔۔ بے قراری نہیں تھی۔

”دیکھو بھائی اس علاقے میں پہلے ہی دو جنرل اسٹور ہیں خرید کی گنجائش نہیں۔ تم ادھر اسٹور بنانے کا خیال

Downloaded From
Paksociety.com

چھوڑ دو۔۔۔۔۔ دوسروں کی روزی پر لات نہ مارو۔“

”ہر بندے کو اس کے حصے کا رزق ملتا ہے۔“

”زیادہ فلسفہ نہ بول جو بولا ہے اسے سمجھ لے۔“

اس نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا تھا۔ شرحیات نے بہ مشکل خود کو روکا تھا۔۔۔۔۔ اور خاموشی سے ایک طرف ہو کر اپنے راستے پر چل پڑا تھا۔ بینک سے اس نے پانچ لاکھ نکلوائے تھے اس زمانے میں زمین اتنی مہنگی نہیں تھی تین لاکھ میں سودا ہوا تھا جو اسے ادا کرنا تھا۔۔۔۔۔ باقی کے دو لاکھ اس نے دوسرے مقاصد کے لیے نکلوائے تھے۔ اسٹور کو سیٹ کرنا تھا، مال ڈلوانا تھا۔ وہ رقم جیب میں ڈال کر زمینوں خالہ کے عزیزوں کے گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ وہ ہر روز عظام کو پڑوس میں نہیں چھوڑ سکتا تھا اسے فوری طور پر کسی قابل اعتبار عورت کا انتظام کرنا تھا۔۔۔۔۔ وہ ایک تنگ گلی تھی، شارٹ کٹ کے خیال سے وہ اس میں گھسا تھا۔۔۔۔۔ گلی میں آمدورفت نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ اپنے دھیان میں مگن چلا جا رہا تھا کہ یک دم کسی نے پیچھے سے اسے قابو کیا تھا اور ایک لڑکا پہلو سے گزر کر اس کے سامنے آیا تھا۔ یہ غالباً بینک سے ہی اس کے پیچھے لگے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا دفاع کر پاتا پیچھے والے نے ایسی جگہ لات ماری کہ وہ تکلیف سے ڈہرا ہو گیا اور ابھی سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ چاقو والے نے ایک زوردار ٹھوکر ماری، وہ گر گیا تھا۔۔۔۔۔ وہ جب بھی اٹھنے کی کوشش کرتا ایک زوردار ٹھوکر لگتی۔۔۔۔۔ وہ اتنا کمزور ہرگز نہیں تھا کہ ان سے مار کھا جاتا لیکن اسنے دلوں کی پریشانی، بھوک پیاس سے بے نیاز وہ جو مارا، مارا پھرتا رہا تھا اس نے اندر سے کمزور کر دیا تھا۔۔۔۔۔

اعتبار وفا

آخری بار اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ایک مکاس کی کپٹی پر پڑا تھا اور وہ کچھ دیر کے لیے بے حواس ہو گیا تھا۔ اس دوران لڑکے اس کی جیب سے رقم نکال کر چپت ہو گئے تھے۔ جب اس نے سر اٹھایا تو دو تین ہندے اس کے اطراف کھڑے تھے۔

”کتنی رقم تھی؟ شکر کرو جان بچ گئی۔“

”ظلم ہے ظلم.....“

مختلف آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے بار، بار وہ منظر آ رہا تھا.....

سالوں پرانا منظر یہ منظر لاہور والے گھر کا تھا..... ماموں اسے مار رہے تھے۔ محلے والے لعن کر رہے تھے جب شیر خان کی ایک بی لکڑا کرنے نہ صرف ماموں کے ہاتھ روک دیے تھے بلکہ تماشا دیکھنے والے بھی سہم گئے تھے۔ جب اس نے سوچا تھا اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے شیر خان بننا پڑتا ہے اور آج بھی وہ قتل انداز میں سوچ رہا تھا۔ وہ بہ مشکل اٹھا تھا اور لڑکھڑاتے قدموں سے روڈ تک آیا تھا۔ اور پتا نہیں کیسے گھر تک پہنچا تھا۔ پڑوسن خانہ کالز کا گلی میں تھا اسے گھر کا دروازہ کھولتے دیکھ کر عقلم کو چھوڑ گیا تھا۔

”بابا.....“ عقلم اس کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اور سبھی نظروں سے اس کے پھٹے ہوئے ہونٹ اور سو جا ہوا چہرہ دیکھنے لگا تھا پھر اس نے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا تھا۔ پھر یک دم وہ اس سے لپٹ گیا تھا..... اپنے ننھے، ننھے ہاتھ اس کے چہرے اور ہونٹوں پر لگا رہا تھا۔ اسے چوم رہا تھا۔

”بابا چوٹ لگی ہے..... ہائے ہے۔“

بے اختیار اس نے اسے اپنی بانہوں میں بھینچ لیا۔

”بابا کی جان.....“ دل کے اندر سے عقلم کے لیے محبت کے سوتے پھوٹ پڑے تھے۔ اس رات اس نے پھر ایک فیصلہ کیا تھا۔ اسے شیر خان بن کر جینا تھا..... وہ ایک بار پھر قتل انداز میں سوچ رہا تھا، ایک بار پھر وہ اس آزمائش پر پورا نہیں اترتا تھا..... اور ایک بار پھر اس نے جلیل خان کے پاس پناہ لینے کا فیصلہ کر لیا تھا اور دوسرے ہی دن عقلم کو لے کر وہ لاہور آ گیا تھا۔

”خان بابا میں واپس آ گیا ہوں آپ کے پاس، یہ زندگی آپ کی ہے۔“ جلیل خان نے اسے گلے لگایا تھا۔ آنسو پونچھے تھے۔ اس پر جو جیتی گئی سب کئی تھی اور اسے آرام سے سوچ کر فیصلہ کرنے کو کہا تھا۔

”اگر خانوال میں رہتا ہے تو میں ان کو بھی دیکھ لوں گا۔ تیرے اسٹور کی حفاظت کے لیے بھیج دوں گا بندوں کو.....“ لیکن اس نے ہتھیار پھینک دیے تھے..... وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

”جل ٹھیک ہے کچھ دن آرام کر صحت بنا، جیاد، گلابو اور صابر ہیں ادھر جی مگر کر خدمات کروا..... اور ہو سکے تو بچے کو واپس کر دے کیسے سنبھالے گا اسے۔“

”نہیں، بچہ میرے پاس ہی رہے گا۔“ اس کا لہجہ جھمی تھا۔

”ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی.....“ جلیل خان نے زیادہ بحث نہیں کی تھی۔

”مجھے کچھ دنوں کے لیے کراچی جانا ہے۔ ادھر جیل میں ایک بندہ ملا تھا بندو خان..... کیا جی دار آدمی تھا۔ بڑی ہی اونچی شے..... بہت کام پھیلا رکھا ہے، اس نے مجھے بھی اپنے ساتھ شامل ہونے کو بولا تھا پر جب اپنی فرجی بیٹی سے وعدہ کر بیٹھا تھا۔ لیکن اب کل ہی اسے فون کر کے وعدہ کر بیٹھا ہوں تو پہلے آ جاتا تو چلتا تیرے ساتھ اسٹور پر بیٹھتا اور پھر دیکھتا کون مائی کا لال! اٹھاتا تمہیں اسٹور سے..... پر اب وعدہ کر لیا اور جلیل خان وعدہ کر کے پیچھے نہیں ہٹتا۔“ اس نے جلیل خان کی معذرت پر سر ہلا دیا تھا۔ بندو خان کا بزنس بہت پھیلا ہوا تھا..... جلیل خان تو زیادہ ماہنامہ پانڈیزہ 41 جون 2016ء

ترکراچی ہی رہتا تھا۔ البتہ وہ آتا جاتا رہتا..... کبھی ہانگ کاٹک اور کبھی سنگا پور کے چکر بھی لگ جاتے..... حظام اسکول جانے کے قابل ہوا تو اس نے اسے اسکول داخل کروا دیا..... جلیل خان کے گھر ہر طرح کے لوگ آتے سو وہ گھر چھوڑ کر گلیرگ چلا گیا تھا۔ ذرا سمجھدار ہوا تو ہاسٹل بھیج دیا..... اب تو کئی، کئی مہینے اسے باہر رہنا پڑتا تھا۔ بندو خان مر گیا تو خود بخود جلیل خان نے اس کی جگہ لے لی..... جلیل خان نے بہت ہاتھ پاؤں پھیلا لیے..... غیر ملکیوں سے بھی اس کے رابطے ہو گئے تھے۔ وہ اب بگ با کھلانے لگا تھا اور شریات کو سب پاس کہنے لگے تھے..... وہ جیسے ایک دلدل تھی جس میں وہ اتر چکا تھا..... کبھی، کبھی اسے خیال آتا تھا کہ شاید وہ غلط تھا، وہ ہمیشہ گھبرا جاتا تھا، وہ کبھی کسی آزمائش پر پورا نہیں اترتا تھا۔ معاشرے میں عزت سے سراٹھا کر جینے کے لیے تھوڑی ہمت اور حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ جو ہوا تھا سب کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ رنجوں کے ٹکے کھانے لگے تھے۔ ایک بار پھر وہ خود کو بے صورت گردان رہا تھا۔ اگر وہ جرائم پیشہ گروہ کا حصہ بناتا تھا تو اسے اس زندگی کی طرف دھکیلا گیا تھا۔ پاس پڑا اس کا فون جانے کب سے بچ رہا تھا۔ اس نے چونک کر اٹھایا۔

”بگ با کالنگ.....“ اسکرین پر چمک رہا تھا۔

”لیس بگ با.....“ اس نے بھاری آواز میں کہا۔

”شریات مجھے کل کی میٹنگ کے متعلق تم سے بات کرنا تھی کیا سوچا تم نے؟“ جلیل خان پوچھ رہا تھا۔ کل شام جلیل خان نے اس کے ملاوہ اپنے گروہ کے چیدہ، چیدہ بندوں کو بلایا تھا۔ اور انہیں ایرک اور ولسن کی پیشکش کے متعلق بتایا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے لیے کام کریں اور اس کے لیے انہوں نے کثیر رقم دینے کا وعدہ کیا تھا..... کام کی نوعیت کے متعلق جلیل خان نے کچھ نہیں بتایا تھا۔

”میرا ذہن بہت الجھا ہوا ہے بگ با اور یوں بھی میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ میں یہ زندگی چھوڑنا چاہتا ہوں۔“ اس نے غماز انداز میں بات کی۔

”جسہیں کچھ شکوک ہیں تو تم وضاحت لے سکتے ہو ان سے..... ایرک تو جسہیں بہت پسند کرتا ہے۔“

”بگ با میں اس وقت حظام کی ہونے والی سسرال جارہا ہوں، ہم اس موضوع پر پھر بات نہیں کر سکتے؟“ اس نے جیسے التجا کی تھی۔

”اوکے، تم والیں آ جاؤ تو تفصیل سے بات کرتے ہیں۔ میرے اپنے ذہن میں کچھ الجھنیں ہیں جو باقی سب کی موجودگی میں کل رات تم سے ڈسکس نہیں کر سکا تھا۔ ادھر سے فارغ ہو کر ڈی ون میں آ جانا..... کیونکہ چند دنوں تک مجھے ایک بڑی ڈیل کے سلسلے میں بٹاک جانا ہے اس سے پہلے ایرک اور ولسن کے ساتھ فائل بات ہو جائے تو بہتر ہے۔“

”لیس بگ با.....“ اس نے فون بند کر دیا اب وہ ایرک اور ولسن کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ آخر ان سے کیا کام لینا چاہتے تھے۔ کم از کم وہ ان کے لیے کوئی ایسا کام کرنے کو تیار نہیں تھا جس سے اس کے ملک کو کوئی نقصان ہو..... اسے ان سے اپنی پہلی ملاقات یاد آئی جب انہوں نے کچھ بگ لڑکے ہائیر کیے تھے۔ بظاہر شمالی علاقہ جات میں قلاح و بہبود کے لیے لیکن پس پردہ کیا مقصد تھا، وہ نہیں جانتا تھا۔ ان لڑکوں سے پھر کبھی اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی تاہم ایک بار اس نے جلیل خان سے سنا تھا کہ ولسن وغیرہ نے یہاں سے کچھ دلیر اور جی دار لڑکوں کو بلیک کیٹ نامی کسی فورس میں شمولیت کے لیے بھرتی کیا ہے..... بلیک کیٹ کے متعلق جاننے کے لیے اس نے گوگل کو کھنگالنا تھا اور حیران رہ گیا تھا۔

”پاپا آ جائیں میں تیار ہوں۔“

حظام نے دروازہ کھول کر جھانکا تو وہ اپنے خیالات سے چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

سنہری نے لاؤنج میں کھڑے ہو کر چاروں طرف تنقیدی نظروں سے دیکھا اور ماتھے پر تھوڑی چڑھا کر شاہجہان بیگم کے پاس کھڑی موراں کو گھورا جو شاہجہان بیگم کے کان میں نہ جانے کیا سرگوشیاں کر رہی تھی..... اور شاہجہان بیگم سر ہلا رہی تھیں۔

”موراں یہ کٹن تم نے یہاں رکھا ہے کس قدر بے لگ رہا ہے۔“ اس نے کٹن اٹھا کر موراں کی طرف پھینکا، یہ گھر صاحبزادہ صاحب نے فرسٹ ہینڈ ہی دیا تھا۔ فرنیچر وغیرہ استعمال شدہ ہی تھا جانے ان سے پہلے یہاں کون رہتا تھا۔ سامنے قہری سیر صوفے پر دو چھوٹے کٹن بڑے تھے..... میروں صوفے پر میروں اور آف وائٹ احتراج کے جبکہ موراں نہ جانے کہاں سے یہ میلا بد رنگ سا کٹن اٹھا لائی تھی اور پھینک رکھا تھا۔

”اے ہائے دو تھے صرف یہ اسٹور سے ملا تو میں نے کہا چلو تین ہو جائیں گے۔“ موراں نے زمین پر گرے کٹن کو اٹھا لیا تھا۔

”برا..... رونے سے نہ رونا اچھا ہوتا ہے۔“ سنہری نے ایک ناراض نظر موراں پر ڈالی، وہ کل سے بہت ایکساٹڈ ہو رہی تھی۔ عظام کا باپ بکل کا رشتہ مانگنے آ رہا تھا اور یہ ایک انہونی ہی تھی۔ اس نے اپنی نگرانی میں نیچے والا پورشن صاف کر دیا تھا۔ خود ساتھ لگ کر جھاڑ پونچھ کی تھی کہ جب عظام کا باپ آئے تو وہ اپنے تام جھام کے ساتھ اپنے کوارٹر میں ہی رہیں۔

”دیکھو، کیا وہ ہمیں دیکھ کر بھاگ جائے گا۔“ ظہور اسر نیچا کیے مسکرا رہا تھا۔

”بھاگ بھی سکتا ہے، تمہاری یہ بھانڈوں اور ٹیبلوں والی فطین دیکھ کر۔“ اوہر بھی سنہری تھی۔ استاد جی کے بیٹے کو تائید کی تھی کہ وہ گیٹ پر رہے۔ استاد جی تو مر گئے تھے البتہ تھوڑا بہت ہنر بیٹے کو سکھا گئے تھے سو شاہجہان اسے بھی ساتھ لے آئی تھی۔

”اس لڑکی کا تو دماغ چل گیا ہے۔ کل سے دیوانی ہو رہی ہے جیسے کسی سلطنت کا حکمران آ رہا ہو۔“ موراں بڑبڑاکی تو اس پر ایک حسیلی نظر ڈالتی ہوئی سنہری، شاہجہان کے قریب آئی۔ شاہجہان نے موراں کو جانے کا اشارہ کیا۔

”یہ تم دونوں کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔“ سنہری ایک ہاتھ کمر پر رکھ کر شاہجہان کو کھوجتی نظروں سے دیکھنے لگی۔ شاہجہان نے اطمینان سے ہاتھ میں پکڑی پان کی گھوری منہ میں ڈالی اور اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے مٹ کر گیا۔

”لڑکی تو کیوں باؤلی ہو رہی ہے۔ سب کا رشتہ آ رہا ہے تیرا نہیں۔“ سنہری چند لمحوں کمر پر ہاتھ رکھے اسے انہی کھوجتی نظروں سے دیکھتی رہی۔

”اماں بات نہ ٹال..... یہ بتاؤ پر بڑے کمرے میں کس کو بند کر کے رکھا ہوا ہے۔“ اس نے برج موڈ کراد پر میز میوں پر چڑھتی موراں کی طرف دیکھا۔

”چل جائے گا پتا تجھے بھی..... پہلے ایک معاملہ تو نبڑ جائے۔“

”خرید کا مال ہے یا خواہ کر کے لایا ہے ظہور۔“ سنہری بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔

”میں نے کہا ناں تو مت دماغ کھا..... سب کا رشتہ طے ہو جائے تو سب جان لینا پھر.....“

”ہائے اماں.....!“ سنہری کا موڈ حسب معمول لحوں میں بدلا تھا۔ ”سب کا رشتہ طے ہو جائے ناں تو پھر ہم سب ٹکٹیشن کریں گے۔ مایوں، مہندی، ڈھوگی سب۔“

”ہاں تیرے باپ کی ملیں گی ہیں ناں، میں تو دو بول پڑھا کر رخصت کر دوں گی۔“ شاہجہان کو اس کی

فرمائش ایک آنکھ نہ بھائی۔

میرے باپ کی نہ سہی کیا خبر اس کے باپ کی لگی ہوں..... ڈھونڈ لے ناں اس کو..... سنہری نے

اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
ہاں میرے پاس الدین کا چراغ ہے ناں جو رگڑوں گی تو حاضر ہو جائے گا۔“

”ہوتا بھی تو چراغ رگڑے سے جن حاضر ہوتا، بھوکا باپ نہیں۔“ سنہری ہنسی۔ ”چل چھوڑ اماں..... میرے اور موتیا کے پاس کچھ پیسے ہیں ناں..... سارے فنکشن نہ سہی مہندی تو کروالیں گے۔“

شاہجہان نے تاسف سے اسے دیکھا۔ کوٹھے کی پیداوار بھی پرول تو اس کا بھی تھا۔ ٹی وی ڈرامے دیکھ، دیکھ کر جانے کیسی، کیسی خواہشیں پال لی تھیں اس نے۔ شاہجہان نے دل ہی دل میں اپنی جمع پونجی کا حساب لگایا۔ مستقبل میں ہونے والی کمائی کے متعلق سوچا اور ایک نرم سی نظر اس پر ڈالی۔

”اچھا چل کر لینا اپنے شوق پورے۔“

”نہی.....“ سنہری نے جھٹ اس کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر اس کے رخساروں پر دائیں بائیں پیار کیا۔

”اب جا تیار ہو جا..... ابھی تک سر جھاڑ منہ پھاڑ پھر رہی ہے اور بھوکو بھی کہہ تیار ہو جائے..... عظام کا باپ آنے والا ہوگا۔“

”ہاں.....“ سنہری نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ ”عظام نے گھر سے نکلے ہوئے فون کیا تھا کہ وہ لوگ نکل رہے ہیں۔ رش نہ ہوا تو آج صبح تک پہنچ جائیں گے۔“ وہ یہی بتانے آئی تھی اور یہاں سیلاکشن دیکھ کر بھڑک گئی تھی۔

”شیدے.....“ اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر گیٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے شیدے کو آواز دی۔ ”چل جا اپنے کوارٹر میں اور ننھے خان کو باہر گیٹ پر بھیج دے۔“ پھر دروازہ بند کر کے مڑی۔

”ہنسی بات ہے ناں اماں مہندی ہوئی ناں.....“

”پہلے رشتہ تو ہونے دے۔“ شاہجہان اس کے بچکانہ انداز پر مسکرائی تو وہ متکنتی ہوئی سڑھیاں چڑھنے لگی..... شاہجہان نے کھلے پامان کا ڈھکن بند کیا..... دوسرات کو لڑکی چھوڑ گیا تھا۔ لڑکی واقعی چاند کا گڈا تھی، لگتا تھا

وسونے کچھ زیادہ ہی کلور و فارم سوگھا دیا۔ موراں رات کو اسی کے کمرے میں سوئی تھی۔ صبح اٹھ کر اس نے واویلا کیا تھا اور کچھ ہاتھ پاؤں مارے تھے لیکن موراں نے خاموشی کر دیا تھا۔ وہ ایسی لڑکیوں کو سدھانے میں ماہر تھی۔

عظام کا باپ آنے والا تھا۔ اس لیے اس نے موراں کو اوپر بھیج دیا تھا کہ اگر وہ شور مچا کرے تو اسے سنبھال لے۔ لڑکی دیکھتے ہی اس نے لاہور والی ہی کا پروگرام پکایا تھا اور وسو سے بات بھی کر لی تھی کہ وہ لڑکی کو لاہور لے جانے

کے لیے مدد کرے گا اور وسو نے وعدہ بھی کر لیا تھا البتہ یہ واضح کر دیا تھا کہ پیسے خرچ ہوں گے۔ ملتان تک پرائیویٹ گاڑی میں جائیں گے اور شاہجہان نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ایسے میرے کے بدلے میں چار پیسے خرچ بھی

ہو جائیں تو کیا خرچ ہے۔ آنے والے دنوں کے تصور سے اس کے لیون پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تب ہی باہر کسی گاڑی کے رکنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی گیٹ کھلا اور گاڑی اندر پورچ میں آئی۔ شاہجہان نے اپنا دوپٹا درست کیا.....

کان کے جھمکوں کو چھوا۔ چوڑیوں کو پونہمی آگے پیچھے کیا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ڈراگرون اونچی کر کے بیٹھ گئی۔

”مہمان آگئے ہیں۔“ لاؤنج کا دروازہ کھلتے خان نے اندر جھانک کر کہا۔ وہ وہاں سے ہی پلٹ گیا تھا۔ یہ سنہری کی ہدایت تھی کہ مہمان کے ساتھ اندر ہی آ کر نہ کھڑا ہو جائے۔ شاہجہان استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔

”جم جم آئیں اور.....“ باقی کے جملے اس کے ہونٹوں پر ہی رہ گئے۔

آخری قسط انشاء اللہ اگلے ماہ

”دادا تم.....!“ چند لمحوں بعد اس کے لیون سے نکلا۔

Section



سلاوٹن

ہاجرہ رحمان

نے بھوٹے پن سے اپنے دو ساتھیوں کی طرف پلٹ کر دیکھا تو وہ سر ہلانے لگے..... ان دونوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے ایک جوتے کو اپنے جوتے کی ٹوک سے سرکا کر آگے بڑھا کر "ہاس" کے قریب کر دیا..... میری عادت تھی کہ میں کلاس میں جاتے کے ساتھ ہی اپنی چٹل، سینڈل یا جوتے جو بھی میرے پیر میں ہوتا میز کے نیچے اتار کر کرسی پر پالتی مار

"ہمارے کئے (ہاس) تو ہر مسئلے کے دو ہی سلاوٹن ہوتے ہیں استاتی جی....." اس نے پان بھرے منہ سے ہماری آواز میں بتایا..... اور ساتھ کے ساتھ دو چھوٹے سائز کی شیشے کی بوتلیں جیب سے نکال کر میری آنکھوں کے آگے لہرائی شروع کر دیں۔
"اب میں تجھے ایکسپیرمنٹ کر کے دکھاتا ہوں..... ایسے ہی تو بچے دیکھے ہیں..... کیوں؟" اس

فرمائش ایک آنکھ نہ بھائی۔

میرے باپ کی نہ سہی کیا خبر اس کے باپ کی لگی ہوں..... ڈھونڈ لے ناں اس کو..... سنہری نے

اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ "ہاں میرے پاس الہ دین کا چراغ ہے ناں جو رگڑوں گی تو حاضر ہو جائے گا۔"

"ہوتا بھی تو چراغ رگڑے سے جن حاضر ہوتا، بھوکا باپ نہیں۔" سنہری ہنسی۔ "چل چھوڑ اماں..... میرے

اور موتیا کے پاس کچھ پیسے ہیں ناں..... سارے فنکشن نہ سہی مہندی تو کروالیں گے۔"

شاہجہان نے تاسف سے اسے دیکھا۔ کوٹھے کی پیداوار تھی پر دل تو اس کا بھی تھا۔ ٹی وی ڈرامے دیکھ، دیکھ کر

جانے کیسی، کیسی خواہشیں پال لی تھیں اس نے۔ شاہجہان نے دل ہی دل میں اپنی جمع پونجی کا حساب لگایا۔ مستقبل

میں ہونے والی کمائی کے متعلق سوچا اور ایک نرم سی نظر اس پر ڈالی۔

"اچھا چل کر لینا اپنے شوق پورے۔"

"جی اماں....." سنہری نے جھٹ اس کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر اس کے رخساروں پر دائیں بائیں پیار کیا۔

"اب جا تیار ہو جا..... ابھی تک سر جھاڑ منہ پھاڑ پھر رہی ہے اور بھوکو بھی کہہ تیار ہو جائے..... عظام کا باپ

آنے والا ہوگا۔"

"ہاں....." سنہری نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "عظام نے گھر سے نکلتے ہوئے فون کیا تھا کہ وہ لوگ نکل رہے

ہیں۔ رش نہ ہوا تو آج صبح تک پہنچ جائیں گے۔" وہ بھی بتانے آئی تھی اور یہاں میلہ کشن دیکھ کر بھڑک گئی تھی۔

"شیدے....." اس نے لاؤنج کا دروازہ کھول کر گیٹ کے پاس کرسی پر بیٹھے شیدے کو آواز دی۔ "چل جا

اپنے کوارٹر میں اور ننھے خان کو باہر گیٹ پر بھیج دے۔" پھر دروازہ بند کر کے مڑی۔

"بکی بات ہے ناں اماں مہندی ہوگی ناں....."

"پہلے رشتہ تو ہونے دے۔" شاہجہان اس کے بچکانہ انداز پر مسکرائی تو وہ گنگنائی ہوئی میٹر حیاں چڑھنے

لگی..... شاہجہان نے کھلے پامان کا ڈھکن بند کیا..... وسورات کو لڑکی چھوڑ گیا تھا۔ لڑکی واقعی چاند کا گڑا تھی، لگتا تھا

وسونے کچھ زیادہ ہی کلوروفارم سونگھا دیا۔ موراں رات کو اسی کے کمرے میں سوئی تھی۔ صبح اٹھ کر اس نے واو پلا کیا

تھا اور کچھ ہاتھ پاؤں مارے تھے لیکن موراں نے خاموشی کر دیا تھا۔ وہ ایسی لڑکیوں کو سدھانے میں ماہر تھی۔

عظام کا باپ آنے والا تھا۔ اس لیے اس نے موراں کو اوپر بھیج دیا تھا کہ اگر وہ شور مچا کرے تو اسے سنبھال لے۔

لڑکی دیکھتے ہی اس نے لاہور واپسی کا پروگرام پکا کر لیا تھا اور وسو سے بات بھی کر لی تھی کہ وہ لڑکی کو لاہور لے جانے

کے لیے مدد کرے گا اور وسونے وعدہ بھی کر لیا تھا البتہ یہ واضح کر دیا تھا کہ پیسے خرچ ہوں گے۔ ملتان تک پرانے

گاڑی میں جائیں گے اور شاہجہان نے اعتراض نہیں کیا تھا۔ ایسے ہیرے کے بدلے میں چار پیسے خرچ بھی

ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ آنے والے دنوں کے تصور سے اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔ تب ہی باہر کسی گاڑی

کے رکنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی گیٹ کھلا اور گاڑی اندر پورچ میں آئی۔ شاہجہان نے اپنا دوپٹا درست کیا.....

کان کے جھمکوں کو چھوا۔ چوڑیوں کو پونجی آگے پیچھے کیا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر ڈرا گردن اوچی کر کے بیٹھ گئی۔

"مہمان آگئے ہیں۔" لاؤنج کا دروازہ کھلا ننھے خان نے امدد جھانک کر کہا۔ وہ وہاں سے ہی پلٹ گیا تھا۔

یہ سنہری کی ہدایت تھی کہ مہمان کے ساتھ اندر ہی آ کر نہ کھڑا ہو جائے۔ شاہجہان استقبال کے لیے کھڑی ہو گئی۔

"جم جم آئیں اور....." باقی کے جملے اس کے ہونٹوں پر ہی رہ گئے۔

آخری قسط انشاء اللہ اگلے ماہ

"داوا تم.....؟" چند لمحوں بعد اس کے لبوں سے نکلا۔



سلاوٹن ہاجرہ رحمان

نے بھوٹے پن سے اپنے دوستیوں کی طرف پلٹ کر دیکھا تو وہ سر ہلانے لگے..... ان دونوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے ایک جوتے کو اپنے جوتے کی نوک سے سرکا کر آگے بڑھا کر "باس" کے قریب کر دیا..... میری عادت تھی کہ میں کلاس میں جاتے کے ساتھ ہی اپنی چپل، میٹل یا جوتے جو بھی میرے پیر میں ہوتا میز کے نیچے اتار کر کرسی پر پالتی مار

"ہمارے کئے (باس) تو ہر مسئلے کے دو ہی سلاوٹن ہوتے ہیں استاتی جی....." اس نے پان بھرے منہ سے ہماری آواز میں بتایا..... اور ساتھ کے ساتھ دو چھوٹے سائز کی شیشے کی بوتلیں جیب سے نکال کر میری آنکھوں کے آگے لہرائی شروع کر دیں۔
"اب میں تھے ایکسپرمنٹ کر کے دکھاتا ہوں..... ایسے ہی تو بچے سیکھے ہیں..... کیوں؟" اس

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 49 ﴾ جون 2018ء

READING
Section

کرنے لگے مگر کار یڈورا تا وسیع نہیں تھا لہذا نظروں سے بچنے کی کوشش ناکام ہی تھی..... وہ سب پر ایک تہر انداز نظر ڈالتا تیز قدموں سے چلتا کار یڈور سے نکل گیا..... پر پہل اس کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مجھے میرے بازو سے پکڑ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چل پڑیں..... میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا..... میں کلاس میں بچوں کو دلاسا دینا چاہتی تھی مگر مجھے ابھی خود کا ہوش نہیں تھا..... کچھ بات تو یہ تھی کہ میں خود بھی حد سے زیادہ سہم چکی تھی۔

”وہ بولیں مجھ پر..... میرے جسم پر میرے چہرے پر بھی اظہار کیا تھا..... اور اسے یہاں روکنے والا تھا ہی کون.....؟“

”پلیز..... کل سے آپ نہیں آئیں گی..... یہ میری فطرت سمجھیں کہ میں نے آپ سے مدد مانگی مگر میں کسی بھی طرح کا اور رسک نہیں لینا چاہتی..... آج حد ہو چکی ہے..... آپ ابھی فوراً گھر چلی جائیں اور دوبارہ اس اسکول میں تشریف نہ لائیں۔“ پر پہل نے سخت تو کبھی انتہائی لہجے میں مجھ سے درخواست کی۔

میں ابھی تک دم بخود تھی لہذا اٹھ کر نکلے جی اسٹاف روم میں آگئی..... حامد (چیرا سی) میرے لیے سمٹ سے ٹھنڈا پانی لے آیا اور کسی لمچر نے مجھے نرمی سے کندھوں سے پکڑ کر صوفے پر بٹھا دیا۔ مجھے پتا بھی نہیں چلا کہ میں کب منہ بسور کر باقاعدہ آنسوؤں سے مگرے آواز رونے لگی تھی۔ کسی نے میرے ہاتھ میں دو چار لٹو تھما دیے تھے اور پھر سب میرے ارد گرد سے اچانک غائب ہو گئے۔ مجھے اسی طرح بیٹھے، بیٹھے پتا نہیں کتنا وقت گزرا بہر حال چھٹی ہو چکی تھی اور ایک دو کر کے اسٹاف روم تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ میں بھی کسی چابی بھرے کھلونے کی طرح اٹھ کر الماری سے اپنا بیگ نکال کر اسٹاف روم سے نکل ہی تھی کہ میرے نکلے جی ایک ڈبے سے گرائے۔ وہ جوتے کا ڈبا تھا جو یقیناً میرے لیے ہی رکھا گیا تھا۔ میں نے جھک کر اسے

کر بیٹھ جاتی اور اپنے اسٹوڈنٹ کو بھی اجازت دے رکھی تھی کہ وہ چاہیں تو ایسا ہی کچھ کر سکتے ہیں..... شروع میں تو میری دیکھا دیکھی اکثر اسٹوڈنٹس جوتے موزے اتار کر کرسی کے نیچے کھسکا کر خود کرسی پر چڑھ بیٹھتے تھے مگر پھر میرا تجربہ ختم ہونے پر ان کو دوبارہ سے جوتے موزے پہننے پڑتے اور اس وجہ سے میرے اہد آنے والی لمچر کی ناراضی کی بنا پر تھوڑے ہی دنوں میں سب ویسے ہی ٹھسے بیٹھے رہتے اور میں کمرے میں کرسی پر چڑھی ان کو لمچر دیتی رہتی..... لہذا اس روز اس شخص کے اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ اچانک یوں نمودار ہونے پر میں گھبرا کر جو کرسی سے اٹھ کر اس کی طرف لپکی تھی تو جوتے میں پیر ڈالتا بھول ہی گئی تھی۔

اس نے ایک بوتل کا منہ کھولا اور اس میں سے اڑتی باہر لپکتی بھاپ کو دیکھ کر ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا شے ہے..... اس نے میرے جوتے پر بوتل کو خالی کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے میرا جوتا کسی کڑی کے چالے کی طرح جس پر پانی پھینکا جائے سٹ گیا..... جیواب اتنا تیز تھا کہ جوتے کو لیے کھدے فرش کے اندر تک ڈھنس گیا..... اسی اثنا میں میرا دوسرا جوتا بھی حاضر کر دیا گیا..... اس نے دوسری بوتل کھول کر اس پر چھڑکا دیا اور پھر جیب سے ماچس کی ڈبا نکال کر تلی جلا کر جوتے پر پھینک دی، پٹرول سمٹ آگ پکڑ کر غضب ناک طریقے سے جوتے کو جلانے لگا..... نویں جماعت کی یہ طالبات میری نظر میں ابھی چھوٹی بچیاں ہی تھیں..... وہ دم بخود تماشادیکھ رہی تھیں..... تو کچھ کی آنکھوں میں ڈر اور کچھ کی آنکھوں میں آنسو صاف دکھائی دے رہے تھے..... میں اپنے جوتوں کا یہ حال دیکھ کر خود بھی شاہد بنی پڑ چکی تھی..... اور یہی بات اس شخص کو اور بھی سرور کر گئی تھی۔ ”امید ہے کہ یہ سبق یاد رہے گا۔“ وہ چند لمحوں کے بعد بنور دیکھتا رہا اور پھر یہ کہتا ہوا چل پڑا میں اس کے پیچھے، پیچھے نکلے جی کلاس سے باہر نکل آئی، دیکھا تو اسکول کی پر پہل اور چیرا سی سمیت دو چار لمچر بھی کمری تھیں۔ ہمیں باہر آنا دیکھ کر سب ادھر ادھر گھرنے کی

ہاتھوں میں اٹھائے بغیر زمین پر پڑے پڑے ہی کھول کر دیکھا تو اس میں میرے ہی سائز کی استعمال شدہ جہل پڑی تھی۔ اور مجھے پہلی بار یاد آیا کہ میرے پاؤں ابھی تک برہنہ تھے۔ میں نے وہ جہل بہن کر سر اٹھایا تو دیکھا سامنے صالحہ کھڑی تھی۔ وہ اسی طرح پورے برقعے میں تھی اور ہمیشہ کی طرح صرف اس کی آنکھیں بات کر رہی تھیں..... مجھے اپنی اس طالبہ سے بڑا پیار تھا۔ مگر وہ عام طور پر ذرا جھجکی ہوئی رہتی تھی اور قریب آکر بات کرنے یا کام کی بات کے علاوہ کسی بھی قسم کی بات کرنے سے کترالی رہتی..... اور کیونکہ میں ایک عام ٹیچر نہیں تھی لہذا میرا ہمیشہ دل ہوتا کہ صالحہ سے کچھ دیر بیٹھ کر گپ لگا لیا کروں۔ اس کی قفسیانہ سوچ اور دور اندیش نظریوں کو سن کر میں اکثر پریشان ہو جاتی تھی..... وہ اتنی عمر کی تھی نہیں جتنی اس نے خود پر طاری کر لی تھی..... بقول کچھ ہم جماعتوں کے وہ اپنے گھر کی بڑی تھی..... چار چھوٹے بھائی بہنوں کے ساتھ اپنے سبزی بیچنے والے باپ کی بھی دیکھ بھال کرتی تھی..... ماں کا کئی سال پہلے انتقال ہو گیا تھا..... سو تلی ماں تھی مگر وہ صرف آرام کرتی تھی..... میں جہل بہن کو احسان مند سی ہو کر اس کی طرف بڑھی..... وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی..... یعنی جو حدود اس نے اپنے ارد گرد قائم کر رکھی تھیں میں اس کو توڑنے والی تھی..... میں بھی اپنی جگہ وہیں جم گئی۔ جس پر اس کی آنکھوں کے اظہار سے پتا چلتا تھا کہ وہ مسکرائی تھی۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا..... اب آپ سکون سے گھر جائیں اور کچھ دن چھٹیاں منالیں..... آپ کو اس کی شدید ضرورت ہے“ اس نے دھیمے لہجے میں مجھ سے کہا۔

میں بھی تھک گئی تھی اور میرا دل نہیں تھا کہ کسی سے کوئی بھی بات کروں لہذا میں اس کو وہیں کھڑا چھوڑ کر اسکول کے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

مجھے اس اسکول میں پڑھاتے یہ چوتھا مہینہ تھا..... میں کوئی باقاعدہ ٹیچر نہیں تھی، نہ ہی مجھے یہاں

شروع کے چند دنوں میں ہی مجھے پتا چلا گیا تھا کہ آدمے سے زیادہ اسکول پر قبضہ ہے..... ایسی کلاسیں جن کی چھت چھتی تھی بس وہی بچوں کے لیے رہ گئی تھیں باقی تمام مضبوط چھت والی کلاسیں اور اسٹور روم یہاں تک کہ لائبریری سب کے سب اس کے قبضے میں تھا جو ملائے میں ”ہاس“ کے نام سے مشہور تھا..... اس نے چند ایک گیٹھے لٹا کر رکھے ہوئے تھے..... تھانے میں ہنتر وار بہتا دیتا تھا اور اُن کے ہی ماہنامہ ہالکیزہ 51 جون 2016ء

ملے جوتے پر وہ محلے میں من مانی کرتا تھا..... اسکول کی کلاسز جو باس نے قبضہ کر رکھی تھیں ان کو اس نے مختلف اداروں اور لوگوں کو کرائے پر دے رکھا تھا..... کسی میں کسی سپر اسٹور کا مال لا کر رکھا جاتا تھا..... کسی میں شادی بیاہ میں ٹینٹ اور کھانے لگانے والے اپنی چیزیں ٹینٹ، پردے، کرسیاں وغیرہ لا کر ڈھیر کرتے تھے اور کسی میں تین چار دوسرے شہروں سے آئے ہوئے چور اچکے ٹائپ کے مرد قیام پزیر تھے..... ان سب میں مشترکہ بات یہ تھی کہ یہ اسکول کھلنے سے پہلے اور بند ہونے کے بعد ہی اسکول میں دھناتے پھرتے تھے..... لہذا کسی کو بھی ان کرایہ داروں کے کوائف کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا..... (چپراسی) ماجد کچھ کچھ جانتا تھا مگر زبان کھولنے سے ڈرتا تھا..... میں نے جب دیکھا کہ ایک ہی کمرے میں دو چار جماعتوں کے بچے بیٹھ کر سبق لیتے ہیں تو پرہیز کو غیرت دلائی کہ اپنا اسکول ان غنڈوں سے خالی کروائیں..... وہ بیچاری کہاں ان سب میں شامل تھیں لہذا وہ تو بار بار اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کا واسطہ دے کر دور ہو چکی تھیں۔

میں نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور ایک دن جا کر محلے کے ناظم کو درخواست دے دی..... جس پر ایک ٹیم اسکول کا معائنہ کر کے جا چکی تھی اور اس کے بعد وہ ”باس“ بللاتا ہوا سیدھا میری کلاس میں آدھکا تھا۔ جو ٹیم آئی تھی اس میں باس کا کوئی حامی یا رازدار تھا جس نے اسے یہ بتا دیا تھا کہ فساد کی اصل جڑ میں ہوں۔

میں جو دو تین دن کے آرام کے بعد اپنے ہوش و حواس میں آ چکی تھی..... اب خود سے سوال کر رہی تھی۔ ”تو بس..... کیا اسی سب کے لیے میں وہاں گئی تھی؟ تو کیا میرا کردار بس اتنا ہی تھا؟“ میں افسوس میں مبتلا تھی اور کوئی راستہ ہی نہیں سوچ رہا تھا۔

تیسرے دن میرے موبائل پر فون آیا..... پہلے تو کسی نے میری آواز سن کر بند کر دیا پھر ایک قطار میں تین چار مختلف نمبروں سے فون آنے لگے مگر ہر بار میری آواز سن کر فون بند کر دیا جاتا..... میں سمجھ رہی تھی کہ شاید

اسکول سے کوئی میری خبریت معلوم کرنے کی کوشش کرے گا ہی اس امید پر ہر تیل پر، ہر نمبر سے آنے والی کال ریسیو کر لیتی تھی..... آخر کار ایک آواز نے مجھ سے میرے ہی کوائف بتانے شروع کیے..... جیسے کسی مریض کو ڈاکٹر سپاٹ آواز میں اس کی بیماری کے بارے میں احتیاط گوانا جائے..... میں بھی ہر ایک سوال پر ہاں کی گردان کیے جا رہی تھی..... پھر سب کچھ معلوم کر لینے کے بعد ریسیور کسی اور کو دیا گیا..... اب کی بار کوئی خاتون تھیں..... انہوں نے اپنا تعارف کسی نیوز ٹی وی چینل کی کپیر کے طور پر کروایا..... اور بتایا کہ میری جو ایک ویڈیو فیس بک پر گردش کر رہی ہے کیا میں اس کی سچائی کی تصدیق کر سکتی ہوں؟

میں بڑی حیران ہوئی..... میں نے خاتون کو بتایا۔ ”میں ایسی کسی ویڈیو کی سچائی کیسے بیان کروں جو میں نے دیکھی ہی نہیں.....“ اب حیران ہونے کی ہاری خاتون کی تھی۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فیس بک میں اب تک اس ڈھائی منٹ کی ویڈیو کو چالیس ہزار تک منٹس مل چکے ہیں اور ویڈیو میں صاف، صاف اسکول اور آپ کا نام لکھا دیا گیا ہے..... زیادہ تر کنٹنٹس ویڈیو کی تصدیق کرانے پہنچی ہیں۔“

میں اب بیزاری محسوس کرنے لگی تھی۔ میں نے اسی بیزاری سے خاتون کو سمجھایا کہ میں چار پانچ دن سے فیس بک پر جانیں لگی ہوں اور نہ ہی میں نے کوئی ویڈیو اپ لوڈ کی ہے۔

خاتون نے مجھے اسی وقت فیس بک پر جا کر ویڈیو لنک چیک کرنے کو کہا اور تھوڑی دیر بعد فون کرنے کا کہہ کر بند کر دیا..... گو میرا دل بالکل بھی نہیں تھا مگر میں کسی نہ کسی طرح بستر سے نکل کر اپنا لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گئی جس کی بیٹری ختم ہو جانے کے باعث اب وہ بھی ایک کمپیوٹر کی طرح بس بجلی آنے تک چلتا تھا..... میں نے اپنا فیس بک اکاؤنٹ کھولا اور خاتون نے جو مجھے ویڈیو لنک لکھوایا تھا وہ جیسے ہی ٹائپ کیا تو میری

مذاق مذاق میں

دونوں کو لیک گھس آری چپک اسکول میں سانس پڑھاتی تھیں۔ کو لیک سے بڑھ کر اچھی دوست۔ ان میں سے ایک سر جن نعیم کی بیگم شہید کا درجہ پانچویں ہیں، وہ اپنے گھر میں اکثر اس غیر شادی شدہ کو لیک کا ذکر کرتیں، ان کی تعریفیں کرتیں، شوہر کے سامنے بھی اور مذاق میں ایک دن ان کے شوہر نے جتنے ہوئے کہا کہ کیوں نہ ان کو گھر لے آؤں؟ مطلب جان کر بیگم نس ویتیں مذاق کی بات مذاق میں ختم ہو جاتی۔

بیگم نعیم کی شہادت کے بعد گھر کا نظام درہم برہم..... بچے چھوٹے، ساس ضعیف، ملازما میں کب تک بچوں کو دیکھتیں..... بھالی اپنے بچوں کے ساتھ ان کا بھی خیال رکھیں۔ مگر کب تک..... حالات و حادثات سے فرار پانے کے لیے ڈاکٹر صاحب شمالی علاقہ جات نکل جاتے ان کا واحد ساتھی ان کا گیسر اساتھ ہوتا۔ واپس آتے تو والدہ اور رشتے واردوں کی تکرار شروع کہ کب تک اکیلے رہو گے حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرو..... تمہاری ہنسی کو تو ہم واپس نہیں لاسکتے مگر تمہارا اجڑا گھر آباد کر سکتے ہیں۔ ایک ہی جواب ہوتا اس جیسی کہاں ہوگی؟ آخر والدہ کے آگے سر تسلیم خم کیا اور اب وہیں کی تلاش شروع ہو گئی کہ پختہ ذہن کی مالک ہو جو سماں کے ساتھ، ساتھ بچوں کو بھی اپنائے۔ تلاش بسیار کے بعد نظر احتساب پڑی تو اسی کو لیک پر جن سے سب واقف تھے پہلے تو اس نے بدک کر انکار کیا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ میری تو وہ بہن تھیں آخر بہت زیادہ سمجھانے بھانے پر راضی ہوئیں اور انتہائی سادگی سے نکاح کے ددول پڑھا کر ڈاکٹر صاحب نے ان کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا۔ مذاق میں کبھی بات سچ ثابت ہو گئی۔

گزشتہ دنوں شادی میں ان سے ملاقات ہوئی، اچھی خوش اخلاق خاتون ہیں، میری بھالی کی بھالی ہیں..... سب ان سے بہت خوش ہیں۔

از: فریدہ انخار، اسلام آباد

آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔

باس نے جو کلاس میں میرے جوتوں پر تیزاب اور پٹرول چھڑک کر آگ لگائی تھی وہ پورا واقعہ دیکھ کر شکل میں بار بار میرا لپٹا چلاتا جا رہا تھا۔ پہلے میں نے پاس کی حرکات کا جائزہ لیا..... پھر خود کو پہلی رنگت کے ساتھ کانپتے دیکھا۔ کچھ لوگ کلاس کی کھڑکیوں اور دروازے سے جھانکتے ہوئے بھی نظر آ رہے تھے مگر کمرے کی آنکھ جس سمت سے سب کچھ دیکھ رہی تھی اس سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کمرہ کلاس میں بیٹھے کسی بچے کے ہاتھ میں تھا اور اس نے بڑے اطمینان سے تمام ہی مناظر قلم بند کر لیے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مسلسل اس ویڈیو کو لائیک ملتے چلے جا رہے تھے..... کسی انجان سے نام کی آئی ڈی سے اپ لوڈ کی ہوئی ویڈیو لاکھوں لوگوں کی نظروں میں آ چکی تھی اور تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی۔ جیسی میں فون کی گھنٹی سے چونک پڑی..... میں نے مرے مرے انداز میں فون ریسیو کیا..... وہی خاتون کمپیئر تھیں اور انہوں نے پھر وہی سوالات دہرانے شروع کر دیے۔

”پلیز مجھے اس سب سے دور رکھیں میں اب اس پر کوئی بات نہیں کرانا چاہتی۔“ میں نے ان سے التجا کی کہ جس پر خاتون نے مجھے اتنا ہی بتایا کہ وہ اس ویڈیو کو آج رات اپنے پروگرام میں استعمال کرنے والی ہیں اور فوٹو شاپ کی مدد سے میری شکل کو دھندلا کر وادیں گی تاکہ میری ذاتی زندگی پر اس کا اثر نہ پڑے..... میرے پاس انکار کی کوئی صورت نہیں تھی، یہ تو ان کا ہی احسان تھا کہ انہوں نے مجھے ڈھونڈ نکالا اور پھر مجھ سے اجازت لے رہی تھیں یا کم از کم اطلاع تو دے ہی رہی تھیں..... میں چپ سا دھ کر بیٹھ گئی۔ پھر میں نے اسی رات کو ان کا پروگرام کانپتے دیکھا اور خاتون نے دو ایک گورنمنٹ افسران، پولیس کے اعلیٰ عہدیداران بلائے ہوئے تھے ان سب کے اعتراضات اور خیالات سنتی رہی..... بہر حال پروگرام میں طے یہ پایا گیا کہ کل صبح خاتون اپنی پوری نعیم کے

کی اشد ضرورت ہے تو اگر میں اسکول کی مدد کر سکوں اور اپنا کچھ وقت اسکول میں بچوں کی کلاسز لے لوں تو میں بھی خوشی، خوشی راضی ہوگئی۔

اس کے دو دن بعد جب میں اسکول مئی تو دل میں بہت غم محسوس کر رہی تھی اور دل کافی مطمئن تھا۔ اسکول جاتے کے ساتھ ہی میں پرنسپل کے آفس پہنچ گئی۔۔۔۔۔ انہوں نے مجھے پہلے تو گرم جوشی سے گلے لگایا اور پھر چائے ان کے ساتھ پی کر ہی کلاس میں جانے کا کہا۔۔۔۔۔ میں ان کی پوری روداد بڑے ہنساہک سے سن رہی تھی۔

”ہاں یاد رہے کہ آپ صالحہ کو ایک دو دن ذرا زبردست قسم کی سزا دیں گی۔۔۔۔۔“ وہ مجھ سے پوری بات ختم کر کے پھر یہ جملہ بولیں۔

”صالحہ کو؟ مگر کیوں؟“ میں حیران ہوگئی۔

”ارے اسکول میں بچوں کا موبائل لانا منع ہے ناں۔۔۔۔۔ پھر بھی وہ اس دن موبائل لے کر آئی تھی اور باقاعدہ دھڑلے سے مووی بھی ہٹائی تھی۔۔۔۔۔ لہذا آپ اسے ذرا سخت سی سزا دے دیجیے گا تا کہ دوسروں کو بھی سبق مل سکے۔“

میں سر ہلاتی خاموش ہوگئی۔۔۔۔۔ پھر اچانک مجھے کچھ خیال آیا۔

”صالحہ تو اتنی غریب سی بچی ہے اس کے پاس مووی بنانے والا موبائل کہاں سے آیا اور مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ وہ مووی اس نے ہی فیس بک پر ڈالی تھی؟“ میں نے پرنسپل سے چونک کر پوچھا۔

پرنسپل اب زبردست مسکرانے لگیں۔۔۔۔۔ اور مجھے کچھ شک سا ہونے لگا۔۔۔۔۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”بھئی میں کیا کہہ سکتی ہوں میرے تو چھوٹے، چھوٹے بچے ہیں۔۔۔۔۔ آپ تو جانتی ہی ہیں میں ان سب باتوں سے کتنا دور بھاگتی ہوں۔“

میں پہلے تو ان کی بات سمجھنے کے لیے چپ ہوگئی پھر اچانک ہم دونوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھا اور دونوں ہی ہلکھلا کر ہنس پڑے۔

ساتھ اسکول جائیں گی اور پولیس اور گورنمنٹ افسران کی موجودگی میں اسکول کو باس کے ناجائز قبضے سے خالی کروادیا جائے گا۔۔۔۔۔ اور پھر یہی ہوا۔۔۔۔۔ دوسرا پورا دن اسی نیوز چینل میں بس یہی سب دھماچو کڑی دکھائی جاتی رہی اور کیونکہ یہ قدم صرف اسی نیوز چینل نے اٹھایا تھا تو سارا دن بریکنگ نیوز بنا کر نیوز چینل اپنا بھی پرچار کرتا رہا۔۔۔۔۔ خیر اسکول میں گورنمنٹ افسران، پولیس اور نیوز چینل کے کیرامین خاتون کپیئر کے ساتھ محدودروں کی ایک ٹولی بھی تھی جس نے ایک، ایک، ایک بند کمرے پر پڑے تالے کو سب کے سامنے توڑ کر سامان اسکول سے باہر نکال، نکال کر پھینک دیا۔۔۔۔۔ ایسے میں جو کرایہ دار تھے وہ ڈر کے مارے سامنے نہیں آ رہے تھے اور گیسرا بھی دکھا رہا تھا کہ سپراسٹور کا مال جو باہر پھینکا جا رہا تھا اس کو اٹکے اٹھا، اٹھا چلتے بن رہے تھے میں جو رات تک عجیب گفتگوں میں تھی اب خوشی سے پھولی نہیں سارہی تھی۔۔۔۔۔ اور دل ہی دل میں ایک طرح کی فتح محسوس کر کے خود میں بڑی مگن تھی۔

رات کافی دیر کے بعد میرے پاس انہی خاتون کا فون آ گیا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آیا میں نے سب کچھ دیکھا یا نہیں اور یہ بتایا کہ پرنسپل نے ان کو میرے بارے میں بتایا تھا اور فون نمبر بھی دیا تھا۔۔۔۔۔ ساتھ میں انہوں نے مجھے کافی سراہا کہ میں ایک عورت ہو کر بھی اس طرح ہاس جیسے لوگوں سے لڑ پڑی تھی اور یہ بھی کہ اسکول پر کچھ مہینوں کے لیے پولیس خاص طور پر نظر رکھے گی کہ باس دوبارہ نہیں آ سکے۔

اور اگر آ بھی گیا تو ہم پھر اس کو نکال باہر کر دیں گے۔۔۔۔۔ میں نے بھی اب کی بار خاتون کو شاباشی دی کہ انہوں نے اس طرح ویلہ پور نظر کی اور ان کی ذرا سی توجہ سے اسکول کا بھلا ہو گیا۔۔۔۔۔ ہم دونوں ایک دوسرے کی خوشی، خوشی ڈھیر ساری تعریف کرتے رہے اور یوں آخر کار دونوں طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

دوسری صبح میرے پاس پرنسپل کا فون آ گیا کہ اب بھی اسکول ٹیچر نہیں ہے اور اسکول میں بدستور ٹیچر

ہنگامہ

شیریں حیدر

ولیمہ میری ہند کے بچے کا تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے تک تو میں مسکرا، مسکرا کر لوگوں سے مبارک بادیں اور تحریکیں سمیٹ رہی تھی کہ لال ساڑی میں میرا دراز سر پا زیادہ ہی نمایاں نظر آ رہا تھا۔ میں اسٹیج کے قریب جاتی تو ہلکے رنگ کے لباس میں ملیوں وہن بھی میرے سامنے مانند پڑنے لگتی، تبھی میں نے داخلی راستے سے اپنے بھائی فہیم اور اس کے ساتھ اس کی بیوی روبی کو آتے دیکھا تو ان کے استقبال کو لپکی، بڑی گرم جوشی



Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section

ماہنامہ ہنگامہ 55 جون 2016ء

”بیٹھ جاؤ..... آج اماں کا کچھ حالات کا سوڈ لگ رہا ہے، شاید تمہیں بھی کچھ نصیب ہو جائے!“ فہیم نے اپنے لہجے کو بیشاش رکھنے کی کوشش کی مگر اس کے انداز میں چھپا ہوا غم دونوں کو محسوس ہوا تھا۔ سارہ چھوٹی ہونے کے باعث اتنے دھڑلے سے بات نہیں کرتی تھی جس طرح میں کر لیتی تھی، کچھ سارہ کی طبیعت تھی بھی مصالحت پسند میں اسے روٹی کو انگوٹھے تلے دبا کر رکھنے کا مشورہ دیتی تو اس کی ہمدردی کی رگ پھڑک اٹھتی۔

”ایک ہی ایک بھائی ہے ہمارا آبی اور اسی کے دم سے ہمارا میکا ہے..... پھر روٹی اتنی اچھی ہے، اماں کا خیال رکھتی ہے، اسے ہم کیوں دبا کر رکھیں، ہماری تندیں یوں ہم پر دعب ڈالیں تو ہمیں اچھا لگے گا؟“ وہ کہتی۔

”ایک تو اماں کا دماغ بھی جانے کس نوعیت کا ہے..... میں اپنے گھر میں بڑی تھی تو انہیں سوچنا چاہیے تھا کہ میری تربیت میں دبدبہ اور اپنے بڑے ہونے کا احساس کتنا مضبوط ہے کہ میرے لیے کسی کے ماتحت رہنا آسان نہیں ہے..... لے کے مجھے گھر کی چھوٹی بہو بنا دیا اور تمہیں چھوٹی ہونے کے باوجود گھر کی بڑی بہو! سارہ انہیں دیتی اور مذاق سے مجھے کہتی کہ ہم دونوں اپنی پوزیشن بدل لیتی ہیں، اس مذاق پر میں اسے ایک جھانپڑ دیتی مگر جانتی تھی کہ وہ تو کیا، کوئی بھی میرے مسئلے کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

ہاں تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ اماں کیا کیا کہہ رہی تھیں.....

”روٹی بیٹا، یہ وہ انگوٹھی ہے جو میری ساس نے مجھے منہ دکھائی میں دی تھی، یہ میں بھی تمہیں منہ دکھائی میں دینا چاہتی تھی مگر اس وقت یہ.....“ اماں بولتے بولتے رکیں، ہم دونوں کی طرف دیکھا اور..... ”اس وقت یہ مجھے ملی ہی نہیں، جانے کہاں رکھ بیٹھی تھی!“ اماں کو بہانہ سوچھ گیا اور شکر ہے کہ ہمارا..... بلکہ میرا بھرم رہ گیا۔

ہماری شادیوں سے فارغ ہوتے ہی اماں نے فہیم کے لیے لڑکیاں دیکھنا شروع کر دی تھیں، وہ کوئی کوہر نایاب ڈھونڈنے میں مصروف تھیں، ہمیں بھی اپنی

سے میں ان کی طرف بڑھی، ان کا استقبال کیا اور انہیں اسٹیج کی طرف لے چلی کہ ان کی تصویر دو لکھا اور دلہن کے ساتھ بن جائے..... اسٹیج کے قریب پہنچ کر روٹی نے اپنے بالوں کی ایک شریر لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا اور اسے ایسا کرتے دیکھ کر میرے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرایا، میں خود بھی اس وقت کیمروں کی زد پر تھی اور پوری کوشش کی کہ چہرے کی نو ماند پڑتی کسی اور کی نظر میں نہ آئے مگر کیا کرتی.....؟

روٹی کے ہاتھ میں اماں مرحومہ کے دس، دس تو لے کے دو ٹنگن دیکھ کر میرے دل کی کئی دھڑکیں ختم ہو گئیں..... یہ وہی ٹنگن تھے جن پر میری اور سارہ دونوں کی نظر تھی مگر اللہ اماں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے کہ جب ان کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو انہوں نے ہم دونوں بہنوں کو بلا لیا اور فہیم کے سامنے انہوں نے ہم دونوں بہنوں سے کہا۔ ”یہ میرا سارا زلیور ہے بیٹا، میری عمر بھر کی جمع پونجی، تمہارے لہا کے مرنے کے بعد میں نے اسے سینت، سینت کر رکھا بھی سوچ کر کہ جانے عمر کے کس حصے میں مجھے اس کی ضرورت پڑ جائے، مجھے علم ہے کہ فہیم نے اپنے فرائض اچھی طرح نبھائے اور دونوں بہنوں کو مقدور بھر جہیز بھی دیا مگر مہنگائی کے اس زمانے میں زیادہ زلیور نہ دے سکا۔ اس وقت بھی میں نے سوچا تھا کہ تم لوگوں کو یہ سارا زلیور برابر ہانٹ دوں مگر پھر دل ہی دل میں عدم تحفظ کا شکار ہو گئی اور اسے اپنے پاس ہی رکھ لیا.....“

ہم سب اماں کی باتوں کو سنتے ہوئے کوئی نتیجہ نکالنے کی کوشش کر رہے تھے کہ اماں وہ ساری تمہید کس لیے باندھ رہی تھیں..... جیسی روٹی چائے کے ساتھ لوازمات لے کر آئی تو اماں نے اسے بھی بیٹھ جانے کو کہا۔

”تم بھی سارہ اور عمارہ جیسی ہی ہو بیٹا!“ روٹی ہچکچاتے ہوئے بیٹھ گئی۔ کچھ چھوٹی ہونے کے باعث اور کچھ ہم بہنوں کے تنقیدی رویے کی وجہ سے وہ یونہی دبی، دبی دی سی رہتی تھی اور جب ہم دونوں میکے آئی ہوتیں تو وہ خود کو زیادہ تر باورچی خانے تک ہی محدود کر لیتی۔

ایک خوب صورت انگوٹھی تھی اور جیتی بھی.....

”اس کے علاوہ جو کچھ میرے پاس ہے وہ ان دو ڈبوں میں میں نے برابر تقسیم کر دیا ہے اور تم دونوں کو بند ڈبوں میں سے ایک، ایک پکڑا رہی ہوں، جس کے نصیب میں جو بھی ہو۔“ اماں نے وہ دونوں لال ڈبے ہم دونوں کی طرف بڑھائے۔ ”اصولاً تو مجھے تم دونوں کو اس کا نصف دینا چاہیے جتنا میں فہیم، یعنی اس کی بیوی کو دیتی مگر میں نے تمہارے وقت اپنے اختیار کو استعمال کیا ہے اور تم دونوں کو تیس، تیس تو لے کا زیور دیا ہے اور اتنا ہی روپیہ کو دے رہی ہوں، اماں نے اپنے ہاتھ سے اپنے دونوں کڑے اتار کر اپنے ہاتھوں سے روپیہ کو پہنائے، میرے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اسے خوب صورت اور بھاری، ٹھوس سونے کے کڑے اسے غیر عورت کو دیتے وقت اماں کو اپنے پیٹ کی جتی ہوئی بیٹیاں سوتیلی لگی تھیں؟ میری سوچ نے میرے دماغ پر اس قدر قابو پا لیا کہ میں نے اپنے والا ڈبا واپس اماں کو لوٹایا۔

”یہ بھی روپیہ کو دے دیتیں اماں، ہم تو اپنے حصے کا زیور لے کر اس گھر سے چلی گئیں، یوں بھی جو کچھ آپ روپیہ کو دیں گی وہ تو اسی گھر میں رہے گا ناں۔“ میں نے کئی برس پہلے کے کہے ہوئے اماں کے الفاظ دہرائے تو اماں نے چونک کر مجھے دیکھا، میری نظروں کے سامنے ماضی کا وہ وقت آ گیا۔

”ذرا مشورہ تو دو مجھے تم دونوں بہنیں کہ اس میں سے کیا، کیا روپیہ کو شادی پر پہناؤں؟“ روپیہ کی بری دکھاتے ہوئے اماں نے اپنے زیورات کا ڈبا ہم دونوں بہنوں کے سامنے رکھا تھا۔

”واڈا اماں!“ سارہ نے ایک چوکر اٹھا کر اپنے گلے کے ساتھ لگایا۔ ”کس قدر خوب صورت ہے۔“ اس کے موتی تبدیل کروالیں اماں اور فیروزے کی جگہ زمرہ لگوا کر یہ اسے ویسے کے ہنر سوت کے ساتھ پہنا لیں اور ساتھ یہ بارہ چوڑیاں!“

”رہے دو تم اپنے جیتی مشورے اپنے پاس۔“

تلاش سے بے خبر رکھیں۔ پہلی بار وہ ہمیں رہا پ کے گھر لے کر گئیں، اس سے پہلے ظاہر ہے کہ وہ فہیم کو بھی دکھا چکی تھیں اور خود بھی مطمئن تھیں اسی لیے ہم دونوں کو ساتھ لے کر گئیں کہ ہم بھی لڑکی ”پسند“ کر لیں جو کدو ہی دل میں وہ پہلے سے پسند کر چکی تھیں۔ فہیم بھی ہمیں مطمئن نظر آتا تھا اور یہی اطمینان مجھے خطرے کی گھنٹی لگا جسے اماں محسوس نہ کر پائیں۔ میں نے سارہ کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا تو اس کا حجاب الٹا تھا کہ فہیم خوش تھا تو اچھا تھا کہ اماں کو سکون ہوگا جب بیٹا اور بہو آپس میں خوش ہوں گے، جس بات کا خوف مجھے تھا اسے سارہ اپنی کم عقلی کے باعث سوچ بھی نہیں پار رہی تھی۔

میں جانتی تھی کہ من چاہی بیویاں اپنے شوہروں کو کس طرح ان کے گھر والوں سے جدا کرتی ہیں۔

”ایک ہم دونوں ہیں کہ بھری پری سسرالوں میں، چاؤ چوٹیلے تو کیا، دن بھر شوہروں سے بات کرنے کو دل ترستا ہے اور ایک یہ ہوگی کہ بے ضرر اور چاؤ چوٹیلے کرنے والی ساس، نہ کوئی دیوڑنہ سسر نہ کنواری تندیں، ان کے لیے دن عید ہوگا اور رات شب برسات۔“ میں نے چڑ کر کہا۔

”کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے آپ!“ سارہ نے ہنس کر کہا تھا۔

”شرم کرو۔۔۔۔۔“ وہ کوشش کے باوجود میرے جھانپڑ سے نہ بچ سکی۔

بات کہاں کر رہی ہوتی ہوں اور کہاں جا نکلتی ہے۔۔۔۔۔ ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ اماں نے وہ انگوٹھی روپیہ کو دی، اس انگوٹھی میں ہیں چھوٹے ہیرے تھے اور ان کے درمیان میں ایک خوب صورت یا قوت جڑا تھا۔ روپیہ نے شکر یہ کہہ کر وہ انگوٹھی اپنے ہاتھ کی انگلی میں پہنی، اسے وہ انگوٹھی کتنی جیتی تھی، میں سوچ رہی تھی اور سارہ نے فوراً کہہ بھی دیا، مجبوراً میں نے اس کی تائید کی حالانکہ میں ایسے خیالات نہیں رکھتی کہ بھابیوں کی تعریف وغیرہ کی جائے، نہ ہی میرے سسرالیوں میں سے کوئی میری تعریف کرتا ہے خواہ میں پری بن جاؤں۔۔۔۔۔ بلاشبہ وہ

میری امی جی..... یا سمین کنول، پسرور

دسمبر کی چھٹیوں میں اچانک امی جی کا پروگرام لاہور والی بہن کے ہاں جانے کا بن گیا اور چھ جنوری 2016ء کو واپسی ہوئی۔ بچوں کے ساتھ پارکوں کی سیر کی، شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد اور ان کے قریب عمارتوں کے نظارے بھی کیے۔ گھر پر کام کاج بھی کیے گا جی کھیر بھی بنائی اور لاہور میں موجود دوست احباب سے میل ملاقات بھی جاری رکھی۔ واپسی پر وادش روم میں گرنے کی وجہ سے گولہ کا ماس پھٹ گیا جس کی وجہ سے چلنے پھرنے میں شدید یلوعیت کی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ وہ وقت تھا جب ان کو جذباتی سہارے کی ضرورت تھی علاج معالجے کے علاوہ اچھی خوراک کی بھی ضرورت تھی۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے میرے ذہن میں ڈالا اور میں صبح سویرے نماز پڑھنے کے فوراً بعد ان کی خدمت میں حاضری دینے لگی۔ میں جون 2015ء سے بلا ناغہ صبح صبح امی جی کے پاس جاتی کھلاتی، پلاتی، ہاتھیں کرتی اخبار کی چند اچھی سرخیاں پڑھ کر سناتی اور چلی آتی، آدھا گھنٹا ان کے لیے مختص تھا..... ان کو ہر روز سلی دیتی، ہر روز امید دلاتی..... وہ خود بھی اسٹک کے سہارے چلنے کی کوشش کرتیں اور خود وادش روم سہارے سے آتی جاتیں، وضو کرتیں، نمازیں کرتی پریشہ کر پڑتیں۔ چھوٹی بھابی اور بھائی ان کا بے حد خیال رکھتے جبکہ ان کی تنہا دھما بھیاں ان کو مسلسل نظر انداز کرتیں جنہیں بڑے چاؤ سے وہ اپنے تنہا کمرہ درجن بیٹوں کے لیے بیاہ کر لاتی تھیں، میں ان کے لیے موسم کا فروٹ، شہاد اور دھن شکر ڈال کر لے جاتی تو بے حد خوش ہوتیں۔ بھی، بھی مجھے ایسا لگتا جیسے وہ میرا انتظار کر رہی ہوں۔ مجھے بھی ایک روحانی خوشی ملتی وہ آہستہ آہستہ کھاتیں، میں قریب بیٹھ کر اخبار پڑھتی بس سرسری سی اور بھی کبھار کوئی اچھی خبر انہیں سناتی، اپنے شہر کی اگر کوئی خبر ہوتی تو ضرور سناتی۔ بھی وہ تہرہ کرتیں اور بھی خاموشی اختیار کرتیں۔ دواؤں، دواؤں..... توجہ اور خوراک سے امی جی چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں اور مجھے کہنے لگیں پانچ سو روپے کے دس والے نوٹ لاؤں تاکہ تمام پوتے پوتیوں میں تقسیم کر سکیں۔ اتفاق سے میں نے فوراً موبل کر دیے بڑی خوش ہو گئیں۔ امام صاحب کے دربار گئے اور ایک دن چلے، چلے میرے گھر آ گئیں۔ امی جی کا گھر امام صاحب کے شروع میں ہے جبکہ میرا اقامت پر..... وہ بڑا ہی پرستار دن تھا جب میری

ندہا تو..... اور یوں بھی فہیم نے قرعے لے لے کر اور اپنی سکت سے بڑھ کر تم لوگوں کی شادیوں پر خرچہ کیا ہے، اس بات پر مجھے کوئی گلہ نہیں ہے اس سے۔" اماں تو اپنی بہو کے اس گھر میں آنے سے قبل ہی اس کی محبت میں گولے، گولے بولیں جا رہی تھیں۔

"یہ زیور آپ کے بڑے چاچے کا سہارا ہے اماں، اسے آپ سنبھال کر رکھیں....." میں نے اماں کے سارے زیورات کو دوبارہ سمیٹا اور ان کے حوالے کیا۔ "جب تک آپ ہیں اسے اسی طرح رہنے دیں، جانے کب انسان پر برداشت آ جائے۔" میں نے اماں کو نصیحت کی اور ان کے بیٹے کے بجائے ان کے اس مادی سامان کو ان کے بڑے چاچے کا سہارا قرار دیا۔

"کیا برداشت آ جائے گا آپلی؟" سارہ نے جملہ بسوا۔ "اچھا خاصا اماں ہمیں چھ، چھ چوڑیاں دے رہی تھیں، کیا فرق پڑتا ہے اگر وہ فہیم کی بیوی کو بھی اس میں سے کچھ زیور دے دیں، اب اس عمر میں اماں یہ سب کچھ خود تو پہننے سے رہیں۔" سارہ نے ہاتھ میں

میں نے اس سے دونوں چیزیں چھپائیں۔ "بہوؤں کو اتنا سر چڑھانے کی کیا ضرورت ہے، زیادہ دینے والے کی ضرورت نہیں، ہمیں کیا دیا فہیم نے ہماری شادی پر، پانچ، پانچ تو لے کے سیٹ..... چوڑیاں تک نہ تھیں۔" میں نے اپنے لیے جھک کر ہنسنے لگا۔

"اچھا یوں کرو کہ یہ بارہ چوڑیاں تم دونوں بہنیں بانٹ لو....." اماں نے سخاوت کا مظاہرہ کیا۔ "باقی سب کچھ میں روٹی کو دے دیتی ہوں۔"

"آپ ہمارے وہ پانچ، پانچ تو لے کے زیورات بھی واپس لے لیں اور وہ بھی ساتھ ہی شامل کر لیں۔"

"بیٹا..... کیا ہو گیا ہے تمہیں، ایک ہی ایک میری بہو ہے، یہ سب کچھ اسی کا تو ہے، اور جو کچھ بہو کو دیا جاتا ہے وہ اسی گھر میں تو رہتا ہے، وہ کون سا اپنے بچپن کو دے آئے گی، میں چاہتی تو اس وقت تم لوگوں کے لیے یہ زیور نکال کر استعمال کر لیتی مگر تم نے ہی مجھے ہمیشہ اس بات سے ڈرایا کہ بہو آتی ہے تو بیٹا پرایا ہو جاتا ہے۔"

مجھے احساس عدم تحفظ تھا کہ اگر میرا زیور بھی میرے پاس

ای جنوری کے آخری نصفے شام کے وقت میرے دروازے پر کھڑی تھیں اور میں بھی ان کو اور بھی اپنے خریب خانے کو دیکھ رہی تھی۔ پورے چالیس دنوں بعد ای جی جی میرے گھر تشریف لائی تھیں۔ میں خوشی سے اڑی جا رہی تھی۔ میرے پاؤں زمین پر نہ گتے تھے۔ دو چار دن ای جی جی آتی جاتی رہیں تو چھوٹے بھائی نے سوچا ای جی جی اب چلے پھرنے کے قابل ہو گئی ہیں، ان کا مکمل چیک اپ کرایا جائے چنانچہ سیالکوٹ کے ایک اسپتال میں ان کے ٹیسٹ ہوئے اب ان میں سے ٹائیفائیڈ کے جراثیم ختم ہو چکے تھے جس کی وجہ سے ان کا صحت خراب ہوئی تھی جبکہ دل کے دو وال ایک پائے گئے اور سانس کی نالی بھی سکڑتی پائی گئی، خون کی شدید کمی اور خون کاڑھا ہوا گیا ہے۔ علاج شروع ہوا ای جی جی باقاعدگی سے دوائی کھانے لگیں۔ 5 فروری کو چھوٹے بھائی نے انہیں اپنا تازہ خون دیا اور اگلے مہینے پھر خون لگنا تھا کرای ای جی جی چلتی پھرتی کسی کی محتاج ہوئے بغیر اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ 20 فروری کا دن ہماری ای کو اپنی آغوش میں لے کر چاند تاروں کے پار لے گیا۔ سوچتی ہوں تو کتنی باتیں یاد آتی ہیں۔ مائیں تو سب کی اچھی ہوتی ہیں مگر ان جیسی ماں کسی، کسی کے نصیب میں آتی ہے۔ بیوگی کے بیس سال انہوں نے صبر و استقلال سے گزارے۔ سب بچوں کی شادیاں کیں اور ان سب کی اولادوں کی خوشی دیکھی سب کا اللہ نے صاحب اولاد کیا۔ ای جی جی بھٹسار، اخلاق کا مجسم، علو و کبر کی مودت، صبر و برداشت کا پیکر، ای جی جی اکثر دھوپ میں بیٹھ کر مجھ سے دنیا جہاں کی باتیں کرتیں، وہ کمزور اور ناتواں تھیں مگر ان کے حوصلے بلند تھے۔ جس کام کا ارادہ کر لیتیں پورا کر کے چھوڑ دیتیں۔ چھوٹی بہن کی ڈیڑھ ماہ کی بیٹی کے موزے ٹوپی جری سوئیٹر سب اپنے ہاتھ سے بنائے اور کہنے لگیں کبھی یاد کرے گی۔ ہم انہیں بھولیں گے کب؟ چھوٹے بھائی نے انہیں پہلے عمرہ اور بعد ازاں حج کروایا خوش تھیں کہ تمام بچوں کی شادیاں ہو گئیں اور سب صاحب اولاد ہیں۔ وہ سب کا خیال رکھتے، رکھتے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ بے میری ماں میں تجھے کہاں تلاش کروں پتا نہیں کہاں چلی گئی۔ نظری نہیں آ رہی دل کہتا ہے یہیں ہو مگر آنکھ کچھ نہیں دکھاتی اے میری ماں تو جہاں بھی رہے خوش رہا یہی ہے تو ہم سب کو خوش رکھتی تھی اور اللہ تجھے خوش رکھے تجھ پر اللہ رحمت کا سایہ ٹکن رکھے، آمین تم آمین۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہو۔ ”بس اماں یہ ایک چھوٹا سیٹ اصل سونے کا رکھ لیں۔“ میں نے اماں کے زیورات میں سے ایک پینڈو سا سیٹ نکالا جو اماں شاید اپنی کام والی کو بھی دیتیں تو وہ منہ بناتی، مجھے وہی سیٹ سب سے ہلکا دکھاتا اور ایسی چیز دیں تو بہوؤں کو اپنی اوقات کا علم پہلے دن سے ہو جاتا ہے۔

”یہ تو بہت فضول سا سیٹ ہے۔“ سارہ نے اپنی رائے بے مانگے دے دی۔

”ہاں بیٹا، یہ تو مجھے تمہارے اماں کی دادی نے منہ دکھائی میں دیا تھا، کم از کم بھی سو سال پرانا سیٹ ہوگا، میں نے تو بھی اسے اپنے بدن سے چھوایا تک نہیں، مجھے خود پسند نہیں ہے یہ سیٹ اور پھر ہلکا بھی کتنا ہے۔“ اماں ہولے سے بدبواہی۔

”سو سال پرانا سیٹ اماں..... اسے پرانا نہیں بلکہ اٹیک کہتے ہیں اماں اور اسے کسی ڈیڑھ انچ کو دکھائیں تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ جائیں۔ پھر آپ

ماہنامہ پاکیزہ 59 جون 2016ء

پکڑی ہوئی چیزیں چھپنے پر بے دلی سے کہا۔

”برا وقت..... تم کیا جانو پیاری، بھونچیں کیا، کیا نہیں کرتیں اپنی ساسوں کے ساتھ؟“ میں نے اماں کو ڈرایا۔ ”ان کے ساتھ مل کر تو بیٹے بھی پرانے بن جاتے ہیں، انہیں وہ سب کچھ ٹھیک لگتا ہے جو ان کی بیویاں کرتی ہیں۔ کل نکلاں کو وہ اگر اماں کو گھر سے نکال باہر کریں تو؟“

”اللہ نہ کرے آپنی.....“ سارہ نے فوراً کہا۔

”یہ گھر اماں کا ہے، کوئی اماں کو یہاں سے کیوں باہر نکالے گا؟“

”اور ہاں اماں..... بھولے سے بھی کبھی اس گھر کے کاغذات فہیم کے حوالے نہ کرنا..... سو بہانوں سے بیٹے اپنے والدین سے گھروں کی ملکیت کے کاغذات چھپا لیتے ہیں۔“ میرے کھینچے گئے خوفناک مستقبل کے نقشوں کی وجہ سے اماں ہولے، ہولے لرز رہی تھیں، مجھے یقین ہے کہ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی ہوں گی کہ وہ اب بھی فہیم کی شادی ملتی کر دیں اور یہ التوا

”نہیں اماں، بہت خوب صورت کڑے ہیں، آپ خود پہنیں اور مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ آپ کے پاس اتنا زیور رکھا ہوا ہے..... جانے کب سے یہ اور کیا آپ اس پر زکوٰۃ دیتی ہیں؟“ روبی نے انوکھی بات کی تھی۔

”میں نے کون سا یہ زیور خود خریدا ہوا ہے بیٹا، یہ تو میرے ماں باپ اور ساس سر کی طرف سے ہے اور کچھ ہمارے خاندان کے زیورات جو روایتاً نسل در نسل بڑی بہوؤں کو ملتے چلتے آ رہے ہیں۔“

”یعنی آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ آپ کے پاس لگ بھگ پینتیس برس سے ہے؟“ روبی نے شاید میری عمر سے حساب لگایا تھا کہ اماں کی شادی کو پینتیس برس ہوئے ہوں گے۔

”چالیس برس بیٹا!“ اماں نے اس کی تصحیح کی۔ ”اڑتیس کی تو عمارت ہو گئی ہے، شادی کے دو سال کے بعد پیدا ہوئی تھی۔“ اماں کو جانے کیا ضرورت تھی فوری تصدیق کی، اگر وہ مجھے چونتیس کا سمجھ رہی تو..... سارہ کو ہنسی آگئی اور میں نے اسے گھوری ماری۔

”ابا کی زندگی تک تو آپ زکوٰۃ دیتی رہی ہوں گی ناں اماں؟“ روبی نے پوچھا۔ ”کتنے برس ہو گئے ہیں ابا کو فوت ہوئے تھیم؟“

”ارے بیٹا، ہمارے ہاں تو غریبوں کا بہت خیال کیا جاتا تھا اور میرے ساس سر، اللہ بخشے دونوں بہت دیا لو تھے.....“

”آپ نے کبھی اپنے پاس موجود اس تمام زیور کو وزن کر دیا کہ اس حساب سے زکوٰۃ کا تخمینہ لگوا یا اماں؟“ روبی نے پھر سوال دہرایا۔

”نہیں بھئی، ہمارے گھر سے تو بے حساب دیا جاتا تھا، یہ وزن اور حساب کر کے دینا تو آج کل کے چوٹیلے ہیں، کھانا، کپڑا، پیسے اور اناج..... سب کچھ ان گنت اور بے حساب دیا جاتا تھا ضرورت مندوں کو، اسے صدقہ کہہ لو، خیرات یا زکوٰۃ!“

”اماں یہ چوٹیلے نہیں، زکوٰۃ تو فرض ہے ناں۔“

کہہ رہی ہیں کہ ہے بھی ان چھو! میں نے اماں کو سمجھانے کی کوشش کی تو اماں کچھ حاشا دکھائی نہ دیں۔

”ایسا کیوں نہ کریں آپ کی یہ اٹھیک سیٹ اماں آپ کی بڑی بیٹی کو اس کی شادی پر تحفے میں دے دیں۔“ اماں کو تو علم نہیں مگر حاشا (میری بیٹی) کو تو اس کی قدر ہوگی ناں! سارہ نے فضول سی بات کی۔

”تم تو اپنی بکواس بند ہی رکھو، کوئی نہ کوئی فضول بات کر دیتی ہو، حاشا بھی صرف بارہ برس کی ہے اور اس کی شادی کا وقت آنے تک تو..... (میں کہتے کہتے رک گئی کہ جانے اماں زعمہ ہوں یا نہ ہوں) اس وقت تک تو چیزیں جانے کتنی مختلف ہو چکی ہوں گی، بچیاں زیورات پہننا چاہیں گی بھی کہ نہیں!“ میں نے بودی سی دلیل دی تھی۔ بہر حال کافی دیر کی بے مقصد بحث کے بعد فیصلہ ہوا کہ روبی کو سونے کے تین تولے کے دو کڑے بنوا کر اس کے بچ میں بارہ چوڑیاں جو کہ مصنوعی ہوں گی، ذرا واہ واہ ہو جائے گی شادی کے موقع پر اور بعد ازاں صرف روبی کو بتا دیا جائے گا کہ وہ مصنوعی تھیں، اسی طرح وہ ”اٹھیک سیٹ بڑوا کر اس میں تھوڑی سی اور رقم ڈال کر تین تولے تک کا ایک سیٹ بنوا لیا جائے جو وہ بعد میں بھی کسی موقع پر پہن سکے گی جبکہ ویسے کے دن کے لیے کوئی ایسا سیٹ لے لیا جائے جو کہ بنا ہوا تو چاندی کا ہو مگر اس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا ہو۔

بات پھر کہاں سے کہاں نکل جاتی ہے، ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ.....

”ارے نہیں اماں، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، آپ مجھے کچھ بھی نہ دیں۔“ روبی نے فوراً اپنی کلائیموں سے کڑے اتارے تھے، میرے دل کو کہیسی سی خوشی ہوئی کہ اب یہ کڑے بھی ہم دونوں بہنوں کو مل جائیں گے۔

”کیوں بیٹا؟“ اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”میں تمہیں متحدہ دے رہی ہوں اور تم لوٹا رہی ہو، کیا پسند نہیں آیا تمہیں یا تم ان دونوں کے لیے یہ بھی دے رہی ہو؟ میں نے ان دونوں کو کبھی تمہارے برابر ہی حصہ دیا ہے.....“

کھنگ

اور اسے ہماری! اماں نے فوراً احتجاج کیا۔ ”کیا میری زکوٰۃ اتنی زیادہ ہے، غضب خدا کا، میں تو لے کے نکلتی زکوٰۃ میں دے دو، تو میرے پاس رہا ہی کیا؟“

”رہا تو آپ کے پاس اب ویسے بھی کچھ نہیں اماں، آپ نے تو سب کچھ اپنے ہاتھوں اور اپنی خوشی سے ہمیں دے دیا، اب ہم اس کا جو بھی مصرف کریں“ روٹی نے ٹاویل دی۔

”اس لیے تو نہیں دیا کہ سارا اس طرح ضائع کر دو..... تمہاری کلائیوں میں سجانے کو دیے ہیں بیٹا!“ اماں نے تنگی لہجے میں کہا، میرا تو دل چاہا کہ فہیم کے ہاتھوں سے وہ نکلتی چھین کر اپنی کلائیوں میں سجاولوں، مجھے اپنے سارے زیور کی خوشی کم اور ان نکلتیوں کا روٹی کو دیے جانے کا دکھ کم کیا زیادہ تھا۔

”اماں..... جو کچھ وہ کرنا چاہ رہی ہے وہ اسی لیے ہے کہ آپ پر روز قیامت اس کا بوجھ نہ ہو، جو زکوٰۃ نہیں دیتے، ان کا سونا ان کے جسموں پر پگھلا کر ڈالا جائے گا، کیا وہ ٹھیک ہے؟“ فہیم کے کہنے پر مجھے بھی پھریری سی آ گئی، اماں نے کبھی خود زکوٰۃ نہ دی تھی تو ظاہر ہے کہ ہم شیوں کو کہاں سکھاتیں۔ جب بھی میری ساس پوچھتیں کہ میں نے زکوٰۃ دے دی ہے تو میں آنکھیں بائیں شاخیں کرنے لگتی، میرے پاس کہاں سے اتنی رقم آتی کہ میں زکوٰۃ دیتی، اس پر وہ کہیں کہ اگر رقم نہیں تو زیورات میں سے ہی کچھ زکوٰۃ میں دے دوں! لو، میرے پاس تقابلی کتنا جو میں اسی میں سے کانٹ چھانٹ شروع کر دیتی، لے دے کے اٹھا رہ تو لے!

ہاں تو فہیم نے وہ دونوں نکلتی روٹی سے لے کر اپنی جیب میں ڈال لیے..... ”فہیم لگ بھگ پچاس ساٹھ تو لے زیور تو اماں کے پاس چالیس سال سے رہا ہوگا، کبھی کم اور کبھی زیادہ، تو اس پر تقریباً ڈیڑھ تو لے سال کی زکوٰۃ بنتی ہے، یہ نکلتی اماں کی لگ بھگ پندرہ سال کی زکوٰۃ کی مد میں چلے جائیں گے، باقی ادائیگی ہم نقد میں آہستہ آہستہ کر دیں گے.....“

”ایسا کیوں نہ کریں کہ میں اور آپ بھی اپنے

”زیادہ ملائی نہ بنو روٹی..... ہماری اماں کا ہاتھ بھی کافی کھلا ہے، وہ بھی بہت دیتی دلاتی ہیں، جو پڑھی لکھی ہوتیں تو مگن، مگن کر دیتیں، یہ سب زکوٰۃ ہی تو ہے۔“ میں نے فوراً مداخلت کر کے اماں کا دفاع کیا۔

”تم کیوں یہ زیور واپس کر رہی ہو عمارہ آپ؟“ فہیم اس سارے قصے میں پہلی بار یوں لگتی تھی۔

”اماں کا زیور ہے، اپنے پاس رکھیں.....“ میں نے بات بتائی۔

”اماں نے کون سا ان زیورات کو پہنتا ہے اب!“ اس نے کہا۔ ”اماں اپنے ہاتھوں سے آپ دونوں کو..... بلکہ تینوں کو تحفہ دے رہی ہیں تو اسے قبول کر لو! اماں اپنی مرضی سے آپ تینوں کو لگ بھگ ہیں، میں تو لے دے رہی ہیں جبکہ اماں کے بعد وراثت میں تو آپ کو ساڑھے پندرہ تو لے ملتا اور مجھے یعنی روٹی کو تین تو لے!“ فہیم دور کی کوڑی لایا تھا۔

”مجھے کوئی شوق ہے نہ ضرورت، میری طرف سے چاہے تم یہ بھی رکھ لو۔“ میں نے تھملا کر کہا۔

”صرف بتا رہا ہوں آپ کو آپنی، مجھے لگا کہ آپ کو اپنے حصے کے زیورات پا کر کوئی خوش نہیں ہوئی، بلکہ.....“ وہ رک گیا اور میں نے اس سے اس بلکہ کی وضاحت بھی نہ مانگی کہ کہیں وہ حقیقت ہی نہ بیان کر دے۔

”بہت شکریہ اماں!“ سارہ نے جٹ کئی بوسے اماں کے گالوں کے لیے اور مجھ پر اچھے بھی ایسا ہی کرنا پڑا۔

”آپ کے پیار کا بہت شکریہ اماں!“ روٹی نے ہم دونوں کی تائید کی۔ ”لیکن میں یہ نکلتی نہیں لے سکتی، میں یہ انگوٹھی رکھ لیتی ہوں، یہ مجھے ہر زیور سے بڑھ کر پیاری ہوگی۔“ اس نے دونوں نکلتی فہیم کو پکڑائے۔ ”یہ دونوں نکلتی بچ کر آپ اماں کے ان سب زیورات کی زکوٰۃ ادا کر دیں، میرا اندازہ ہے کہ اس سے کچھ اور ہی حساب بنتا ہوگا مگر باقی ہم کسی نہ کسی طرح نقد میں دے دیں گے۔“

”ارے نہیں..... یہ میرے خاندانی نکلتی ہیں

جسے میں سے پانچ، پانچ تو لے اماں کی زکوٰۃ کی مد میں دے دیں اور باقی اگر مزید کچھ بچ جائے تو فہیم تم نقد میں دے دو اور اماں کی ساری زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی ا" سارہ نے تجویز دی تو میرا دل چاہا کہ اس کا سر پھوڑ دوں۔

"ہوں....." فہیم نے کہا۔

"فہیم فہیم ۱" روٹی نے فوراً کہا۔ "جیسا میں نے کہا ہے، آپ ویسا ہی کریں۔" روٹی کی بروقت مداخلت نے مجھے کچھ ہلکا برا کہنے سے بچالیا۔

"آپنی کا تو مجھے علم نہیں مگر میرے ذہن میں سے تم دس تو لے لے لو اور ایک کلنگ روٹی دے دے، دوسرا کلنگ روٹی کے پاس اماں کی خاندانی نشانی رہنے دیں....." سارہ نے اپنا زہر کا ڈبہ فہیم کو پکڑا دیا، وہ کسی سوچ میں تھا کہ روٹی نے اس سے ڈبہ لے کر واپس سارہ کو دے دیا۔

"فہیم کی ذمہ داری ہے کہ اماں کے اخراجات کا دھیان رکھیں، یہ آپ کا نہیں، ہمارا مسئلہ ہے اور اسے ہم سنبھال لیں گے۔" دل ہی دل میں اس کی بات پر اس کی معترف ہوئی مگر زبان سے ایک لفظ اس کی تعریف میں نہ کہا کیونکہ میرے اصولوں میں ہے کہ شادیوں کے نتیجے میں بننے والے رشتوں کو اتنی ہی اہمیت دینی چاہیے جتنی اہمیت کے وہ حقدار ہیں۔

☆☆☆

لیکن آج تو میں جیسے آگ میں جل کر بھسم ہی ہو گئی جب میں نے اپنی تند کے بیٹے کے ویسے پر روٹی کو ایک بھی نہیں..... وہی دو کلنگ پہنے ہوئے دیکھا جو بقول اس کے وہ اماں کے زیورات کی زکوٰۃ کی مد میں دینے والی تھی، اس کا مطلب ہے کہ اماں پر اس کا بوجھ رہ گیا، اب وہ اس دنیا میں نہیں مگر اس نے کتنا دھوکا کیا ان کے ساتھ، جانے ان کے ساتھ وہاں کیا کیا ہو رہا ہوگا..... میں چشم تصور سے اماں کو جانے کس، کس حال میں دیکھ رہی تھی کہ اس کا بیان بھی ممکن نہیں۔

اول تو میں چاہتی ہی نہ تھی کہ میری نندا اپنے بیٹے

کے ویسے پر فہیم اور روٹی کو بلاتیں، پہلی بات تو یہ کہ خواہ مخواہ ان کا سلامیوں میں خرچہ دتا، ان کے اپنے بچوں کی تو جانے کب شادیاں ہوں گی اور انکی جگہوں پر اپنے بھائی سے میری بھوروی جاگ اٹھتی۔ دوسرے میں نہیں چاہتی تھی کہ روٹی میری تند کی بہو کو دیکھتی جس کے لیے انہوں نے بہت سے بھاری زیورات بنوائے تھے کیونکہ وہ ان کی اکلوتی بہو تھی اور وہ ہر ایک کو بتائیں کہ ان کے اکلوتے بیٹے سے وابستہ ان کے دل میں بہت سارے ارمان تھے۔ روٹی بھی اماں کی اکلوتی بہو تھی اور شادی کے چند سال کے بعد ہی اسے علم ہو گیا تھا کہ اماں کے پاس ساٹھ ہشتاد تو لے سوتا تھا جس میں سے انہوں نے یہ مشکل چھ سات تو لے روٹی کو اس کی شادی پر پہنایا تھا۔

"کیا بات ہے..... غینہ کیوں نہیں آ رہی جہیں؟" میرے شوہر نے کروٹ بدل کر کہا۔ "کروٹیں بدل، بدل کر مجھے بھی ڈسٹرب کر رہی ہو تم!" ان کی جھاڑ کھا کر بھی مجھے نیند نہ آئی، البتہ میں نے کوشش کی اس کے بعد ایک بھی کروٹ نہ بدلوں اور پوری رات جاگتے ہی کٹ گئی۔ صبح کا انتظار کر رہی تھی کہ سارہ کو کال کر کے پوچھوں گی، شاید اسے علم ہو کہ روٹی نے کیا چالاکی کی تھی مگر اسے کال کر کے پوچھا تو اسے بھی علم نہ تھا۔ اب مجھ سے انتظار نہیں ہو رہا تھا کہ وہ وقت آئے جب میں فہیم اور سارہ کو اپنے رو پر ہٹھاؤں اور ان سے اس "دھوکے" کی بابت سوال کروں۔

شادی کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہوا اور میں لگ بھگ دو ہفتے تک اُدھر جا ہی نہ سکی، فارغ ہوتے ہی پہلا کام میں نے یہی کیا، چھٹی کا دن تھا، میں نے فہیم کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ "تم نے اماں کے کلنگ....." میں نے روٹی کے سلام کے جواب میں سوال دہرایا۔

"کیا حال ہے، سب ٹھیک ہیں ناں؟" فہیم نے سلام کے بعد پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں، تم لوگ میرے سوال کا جواب دو..... میں تو بھی تھی کہ روٹی کے دل میں جانے کہاں

ہے کیا؟

”اصل میں آپا کو ناراضی ہے کہ روپی نے اماں کے نکلن پہن رکھے تھے ان کی تند کے بیٹے کی شادی پر!“

”میں نے یہ نہیں کہا..... مجھے اس بات پر کیوں اعتراض ہو کہ وہ کیا پہنے اور کیا نہیں۔“ میں نے فوراً دخل دیا۔

”مجھے اس بات کی تکلیف ہے کہ اس نے ہماری مری ہوئی ماں کو دھوکا دیا ہے.....“ میری آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ گئے۔

”میں نے کسی کو کوئی دھوکا نہیں دیا!“ روپی منہ مانی۔

”تم چپ رہو روپی!“ فہیم نے اسے گھر کا۔

”مجھے بات کرنے دوا“ مجھے فہیم کے اس لہجے سے خوشی ہوئی، آخر ہمارے شوہر بھی تو ہم سے اسی طرح بات کرتے تھے جبکہ میں اس کا اور روپی کا اعزاز دیکھ کر ہمیشہ کڑھتی تھی۔

”یوں کیوں بات کر رہے ہو روپی سے فہیم؟“

سارہ نے اسے گھر کا۔

”تم سچ میں نہ بولو..... میاں بیوی کا معاملہ ہے، جیسے چاہے وہ اپنی بیوی سے بات کرے۔“ میں نے فہیم کو شہدی۔

”میرا ہرگز مطلب اسے ڈانٹنا نہیں تھا..... میں نے اسے اس لیے خاموش کر دیا ہے کہ میں بات کرنا چاہتا ہوں، صاف اور کھری..... اس میں ممکن ہے کہ میری طرف سے کچھ غلطی ہو جائے اور اس کی عادت ہے کہ وہ مجھے سختی سے بولنے پر ٹوکتی ہے، نہ ہی اماں سے بلند آواز میں بات کرنے دیتی تھی اور آپ دونوں سے بھی سختی سے بات کرنے سے منع کرتی ہے.....“ فہیم کی اس بات پر بھی میرے دل میں نرمی پیدا نہ ہوئی۔

”آپنی چائے لیں!“ روپی نے چائے کا پ میری طرف بڑھایا جسے میں نے یوں تھا ما جیسے میں نے اس پر کوئی احسان عظیم کیا ہو۔

”ارے..... میں لے لیتی ہوں خود ہی۔“ اس نے سارہ کی طرف چائے بڑھائی تو اس نے مسکرا کر

سے اماں کے لیے نیکی آگئی جو ان کی دکاؤ دینے کا سوچ لیا، مجھے کیا علم تھا کہ وہ سب ہم دونوں بہنوں کو دکھانے کے لیے تھا..... سارہ کو بھی علم نہیں اور پھر کیسے دھڑلے سے اس نے وہ دونوں نکلن کل پہن رکھے تھے..... اماں کے مرنے کا اور اس کے بعد چار سال انتظار کیا اس نے کہ ہم بہنوں کو جلائے.....“ میری زبان پر جو کچھ آ رہا تھا وہ اس کے ہوئے مواد کا نتیجہ تھا جو دس دن سے میرے دماغ میں تھا۔

”آپا کے لیے جوس لاڈ روپی اور پھر چائے بنا لو، میرا بھی دل چاہ رہا ہے چائے پینے کو!“ فہیم نے کہا تو میں اور بھی تپ گئی۔

”میں نے جو کچھ پوچھا ہے اس کا جواب چاہیے مجھے.....“ میں نے اپنے لہجے میں دنیا بھر کی سختی سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

”رہنے دو روپی!“ فہیم نے اسے روکا۔ ”تم کال کر کے سارہ کو بھی بلا لو“ سارہ اور اس کی عمروں میں صرف ایک سال کا تفاوت تھا اس لیے وہ اسے نام سے ہی بلاتا تھا۔ ”مجھے تھوڑا سا وقت دیں آپ، سارہ بھی پہنچ چائے تو میں دونوں کے ساتھ اکٹھے بات کروں گا تاکہ مجھے دو بار وضاحت نہ دینا پڑے.....“

سارہ کے آنے تک میں سچ و تاب کھاتی رہی، فہیم اس دوران تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر اپنے کمرے میں گیا اور لوٹا تو اس کے ہاتھ میں کچھ قائلیں تھیں، روپی نے میرے منع کرنے کے باوجود چائے کا اہتمام کر لیا۔

”واؤ..... پارٹی چل رہی ہے!“ سارہ پہنچی تو چائے کے لوازمات دیکھ کر خوش ہو گئی۔ ”مجھے پہلے سے کیوں نہیں بتایا؟“

”کوئی پارٹی وارٹی نہیں ہے، آپنی ناراض ہیں اس لیے تمہیں بھی بلا لیا کہ جس بات کی وجہ سے وہ ناراض ہیں اس کی وضاحت میں آپ دونوں کو ایک ہی بار کروں۔“

”آپنی ناراض ہیں؟“ سارہ نے حیرت سے پوچھا۔ ”کوئی کسی سے ناراض ہو تو وہ اس کے گھر آ جاتا

کہا۔ ”تم رکھ دو!“

”آپی..... میں نے اسی روز آپ کی آنکھوں میں وہ خاص چمک دیکھ لی تھی جس روز اماں نے وہ کنگن روپی کو دیے تھے، اسی لیے میں نے کہا تھا کہ غنیمت سمجھیں کہ اماں نے اپنے ہاتھ سے آپ کو ہمیں تولے دے دیے ورنہ اماں کی درافت میں آپ کو چہرہ تولے ملتا..... یاد ہے ناں؟“ میں نے اس کی بات پر بیٹھے، بیٹھے پہلو بدلا۔

”کیا چمک دیکھ لی تھی تم نے میری آنکھوں میں؟“ میں نے غلطی سے کہا۔

”آپ کی نظروں میں ان کنگنوں کی پسندیدگی.....“ فہیم نے کہا۔ ”بعد ازاں میں نے اماں سے کہا بھی کہ ہم آپ کو یہ کنگن دے دیتے ہیں اور اس کے بدلے وہ ہمیں تولے زیور زکوٰۃ کی مد میں دے دیتے ہیں مگر اماں کسی صورت ان کنگنوں کو کہیں جانے نہ دینا چاہتی تھیں، نہ زکوٰۃ کی مد میں، نہ آپ دونوں میں سے کسی کو دے کر خاندان سے باہر..... اسی لیے انہوں نے میری منت سماجت کی اور کوئی حل نکالنے کو کہا!“ ہم دونوں بہنیں ہر تن گوش تھیں۔ ”یہ قائل ہے..... اس میں سارے کاغذات موجود ہیں جو کہ ثبوت ہو سکتے ہیں آپ کے سارے سوالوں کے جوابوں کا!“ فہیم نے قائل کھول کر ہم دونوں کے درمیان رکھ دی۔

”اماں نے ابا کی ان دکالوں میں سے جن کے کرائے کے ساتھ میری تنخواہ ملا کر گھر کا خرچہ چلتا تھا، ایک دکان بچ دی..... یہ اس کے کاغذات ہیں، وہ دکان چونکہ کافی خستہ تھی اس لیے اس کا اتنا معاوضہ نہ ملا، تاہم بارہ لاکھ روپیہ مل گیا، اب بھی ہمیں چار پانچ لاکھ کی ضرورت تھی، جو زیور روپی کے پاس تھا وہ اس نے بیچا اور اس کے علاوہ یہ دونوں کنگن گروی رکھ دے..... دکان اور زیورات کے بیچنے اور ان کنگنوں کے گروی رکھنے کے کاغذات.....“ فہیم نے اگلا صفحہ پلٹ کر دکھایا۔ ”ایک دکان جو رہ گئی تھی اس کے کرائے کے ساتھ میری تنخواہ میں سے کچھ رقم ڈال کر اس گروی

کی قسط جانے لگی، روپی نے دو ایک بیسیاں ڈال لیں کہ ان کی آمد سے یہ کنگن چھڑوا لیں گے..... مگر اماں کی اچانک وفات سے وہ ساری رقم ان اخراجات میں اٹھ گئی، حالات ایسے تھے کہ تنگدستی تھی مگر اماں کی ایک یہ خواہش مارے ڈالتی تھی، خدا خدا کر کے اسی مہینے یہ کنگن سارے سے چھڑوائے ہیں اور روپی سے کہا ہے کہ انہیں ہر وقت پہنے رکھا کرے کہ یہ اماں کی خواہش تھی..... اس قائل میں اس ساری زکوٰۃ کا حساب بھی ہے جو ہم نے اتنے سالوں میں اماں کے زیور پر ادا کی ہے۔“ فہیم کی بات ختم ہوئی اور میری آنکھوں سے ٹپ، ٹپ آنسو گرنے لگے۔

”ارے کیا ہوا آپ؟“ روپی نے نشوونما میری طرف بڑھایا اور مجھے اپنے ساتھ لگا لیا۔

”اماں کی یاد آ رہی ہے..... وہ ہوتیں تو ہمیں یہ کنگن پہنے ہوئے دیکھ کر کتنی خوش ہوتیں۔“ میں نے اس کا اپنے آنسو پونچھتا ہاتھ پکڑ کر جوم لیا۔ ”مجھے اس بدگمانی پر معاف کر دو پیاری!“ میں نے اس کی طرف دیکھا۔

”آپی! آپ بڑی ہیں، میرے دل میں آپ کے خلاف کوئی بات نہیں..... یہ خدا آپ کی جگہ میں ہوتی تو شاید میں بھی یہی سوچتی، اچھا ہی سوچا ناں آپ نے کہ جانے میں نے اماں کی زکوٰۃ دی کہ نہیں اور مجھے یقین ہے کہ اب آپ بھی اپنے زیور پر زکوٰۃ دیتی ہوں گی؟“

”میری پیاری بہن.....“ میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ ”ابھی تک تو میں بے پروائی کرتی تھی مگر اب برانا حساب کر کے بھی دوں گی انشاء اللہ اور ہر سال باقاعدگی سے دیا کروں گی، یہ میرا وعدہ ہے۔“ سب ٹھکھٹا کر فہم بڑے جیسے بارش کے بعد قوس قزح کے سارے رنگ بکھر گئے..... ”ارے بھئی چائے ذرا دوبارہ بناؤ کڑک اور گرم!“ میں نے جوش سے کہا۔

”میں بناتی ہوں چائے آپ! آپ روپی سے۔“

بھرپور پیار کریں!“ سارہ کہہ کر چائے بنانے کو چل دی۔

رہا اور ایک یہ لوگ ہیں شہر و ہشت گردی اور نارکت
کٹنگ کی لپیٹ میں ہے اور یہ ٹیبل ٹینس کھیلنے میں لگے
ہوئے ہیں۔ "وہ بھاری قدموں اور پوٹھیل دل سے
اٹھی۔ دل سے اک ہوک سی اٹھی، آنکھیں تھرائیں۔

پونے بارہ بجے، ٹیلی ویژن پر ٹیبل ٹینس کے
کھلاڑی کی فلم ختم ہوئی تو اس کا دل پہلے سے زیادہ
رنجیدہ ہو گیا۔ "ایک وہ شخص تھا..... بہادر، جس کا نام
ہمیر تھا کہ بارہ ہزار سپاہیوں کو ساتھ لے کر آیا اور قلعہ

در اُمید

نسیم سکزہ

Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

دن سلائی کی مشین خریدنے گئی۔ اس دکان پر وہ پہلے بھی آچکی تھی یہ دیکھتے کہ کون سی مشین خریدنی ہے۔ وہاں کام کرنے والی عورت سے اس کی جان پہچان بھی ہوگئی تھی۔ مشین خریدنے کے لیے جب وہ دوبارہ گئی تو وہ عورت بہت اداس تھی۔ مشین کی فروخت کے علاوہ اس نے اپنی ذاتی باتیں بھی شروع کر دیں۔ وہ بڑے دکھ سے کہہ رہی تھی۔

”آج میری اٹھارہ سالہ بیٹی گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ وہ شہر میں اپنے پوائے فرینڈ کے ساتھ رہ رہی ہے۔ میرا گھر خالی ہو گیا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

”تمہارے اور بچے تو تمہارے ساتھ ہوں گے؟“ اس نے اس عورت سے پوچھا تو اس نے لٹی میں سر ہلا دیا۔ آنکھوں سے آنسو پونچھ کر کہنے لگی۔

”بڑے بچے تو پہلے ہی جا چکے تھے۔ اب تو میں گھر میں اکیلی ہوں۔ شوہر کا انتقال تو پانچ سال قبل ہی ہو چکا تھا۔ ہم جب یوگوسلاویہ سے آئے تھے اور یہاں کے پوسکون ماحول میں آکر سکون کی سانس لی تھی۔ ہم خوش تھے کہ ہم بچوں کو ایک اچھے ملک میں لائے ہیں۔ ایک پوسکون اور خوشحال ملک میں۔ مگر یہاں آکر انہوں نے جہاں تعلیم حاصل کی ان کے ساتھ ہی یہاں کے طور طریقے بھی اپنا لیے۔ ہم نے یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔“ وہ (ساجدہ) اس وقت جوان تھی۔ اس کے بچے بھی ابھی چودہ، سولہ سال کی عمر کے تھے۔ اور وہ اس اوجیز عمر کی عورت کا یہ دکھ اتنا محسوس نہ کر سکی۔ اس وقت وہ سوچ رہی تھی کہ قاعدہ ہی بھی ہے کہ بچے جوان ہو کر گھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اس میں کیا نئی بات ہے؟“

عمر کے فرق نے احساس کا فرق بھی کم کر دیا تھا۔ ٹی وی لاؤنج سے اٹھنے کے بعد اور اپنے بیڈ روم میں جانے سے قبل اس نے پہلے غسل خانے کی کھڑکی اور دروازہ چیک کیا۔ پھر کچن کی کھڑکی بند کی جو کھلی ہوئی تھی۔ آج وہ کچھ زیادہ ہی محتاط تھی۔ پہلے تو اسے

آج اس کا دوسرا بیٹا بھی گھر سے چلا گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ کام آرام سے کر رہا تھا۔ دوپہر سے قبل اس کے ایک دوست یا سر کا فون آیا کہ وہ مالک مکان کے گھر بیٹھا کرائے نامے پر دستخط کرنے کے لیے باقی دوستوں کا انتظار کر رہا ہے۔ تو ماں نے جواب دیا کہ وہ تو ایک گھنٹا قبل جا چکا۔ تیسرے پہر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ واپس آ گیا اور ماں سے پوچھنے لگا۔

”امی میں کچھ بھاری فرنیچر لے جا رہا ہوں کیونکہ آج ہفتہ ہے۔ ٹاؤن فرک لے کر آ گیا ہے۔ کل بھی چھٹی ہے، ہم گھر میں سامان بچالیں گے۔ ابھی ہم تینوں لیڈ لارڈ کے پاس جا کر کرائے نامے پر دستخط کر کے آرہے ہیں۔“ وہ تینوں بڑے پرجوش نظر آتے تھے۔ جوانی اور پہلی مرتبہ آزادی سے شہر میں رہنے کے تصور سے ان کے چہرے ٹٹمارہے تھے۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اوپر اپنے بیڈ روم میں گیا اور ایک، ایک کر کے سب سامان نیچے لے جانے لگے۔ کمرے کا دروازہ، گھر کا دروازہ اور گیراج سب دروازے کھلے پڑے تھے۔ وہ ایک طرف خاموش کھڑی انہیں اوپر، نیچے آتا، جاتا دیکھتی رہی۔ وہ ضرورت کا کافی سامان لے گیا تھا۔ لیکن اس نے کمپیوٹر اور اپنا اسٹیر یو سٹم کمرے میں یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ ”اس علاقے میں چوریاں بہت ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں میں نہیں لے جا رہا۔“ وہ بہت مصروف تھا شاید خوش بھی۔ وہ انہیں بار بار اوپر، نیچے آتا جاتا دیکھتی رہی۔ کمرے کا سامان اٹھانے کے بعد وہ گیراج میں گیا۔

”امی میں یہ پیٹنگ پانگ ٹیبل بھی لے جاؤں۔“

”ہاں لے جاؤ، اب تم جارہے ہو تو اب یہاں کون کھیلے گا۔“ اور انہوں نے ٹل کر پیٹنگ پانگ ٹیبل بھی فرک پر لا دی۔ دونوں دوست سامان اٹھانے اور لاوے میں اس کی مدد کر رہے تھے۔ ایک صوفہ کم بیڈ جو ضرورت کے وقت بہت کام آتا تھا وہ بھی اس نے اٹھالیا۔

ساجدہ کو وہ دن یاد آیا جب اسے اس ملک میں آئے چند سال ہی ہوئے تھے۔ سات سال قبل وہ ایک

اطمینان ہوتا تھا۔ اگر وہ کوئی کھڑکی بند کرنا بھول گئی تو بیٹا کر دے گا۔ مگر آج وہ چلا گیا تھا۔ اس قدر تنہائی کا احساس ہو رہا تھا۔ چار بیڑے روم کے کشادہ گھر میں پہلے تین لوگ تھے۔ اب صرف دو رہ گئے تھے۔ گھر کی لائٹس بند کرتے، کرتے زینے پر چڑھنے سے پہلے جب وہ مین ڈور (صدر دروازہ) کے قریب آئی تو اس نے دیکھا کہ اس کے شوہر نے آج بھی ہمیشہ کی طرح رنجیر نہیں چڑھائی تھی۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ بیٹا رات کو در سے گھر واپس آئے گا۔ اس نے احتیاط سے بولٹ اور چٹکیاں چڑھائیں، گھر کا گیراج میں کھلنے والا دروازہ بند کیا۔ جو اس کا بیٹا بار بار کھول کر گیراج میں جا رہا تھا۔ تاکہ بڑا بڑا جو سامان ٹرک میں جاتا ہے، گیراج سے چلا جائے۔ آج کیسی تنہائی تھی۔ غیر محفوظ ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ دیکھوں تو اس نے گیراج کا دروازہ بھی مقفل کیا یا یونہی چلا گیا۔ اس کا شوہر جو زندگی کے کچھ سال پورے کر چکا تھا۔ دو گھنٹے قبل جا کر سو گیا تھا۔ وہ خود بھی پچاس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان دونوں نے دل پر پھر رک کر بیٹے کو الگ رہنے کی اجازت تو دے دی تھی لیکن ان کی کیفیت دل ہی جانتا تھا۔ اس کا شوہر کہہ رہا تھا۔

”ہم اس لیے اپنا ملک چھوڑ کر یہاں بچوں کے ساتھ آئے تھے کہ کم از کم ان کی شادی ہونے تک تو ساتھ رہ سکیں گے۔ مگر یہ تو پہلے ہی چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے۔“ وہ بھاری قدموں سے میڑھیاں چڑھتی اوپر آئی۔ آج بیٹے کے کمرے کی طرف دیکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کافی سامان چلا گیا تھا اور کمرہ اس کے دل کے طرح خالی خالی لگ رہا تھا۔ وہ کمرے میں دیکھنے بھی نہیں گئی کہ کیا کیا سامان چلا گیا اور کیا باقی ہے۔ ویسے تو بیٹا چھٹیوں میں تقریباً روز ہی دوستوں کے ساتھ باہر جاتا تھا۔ روز ہی رات کو در سے گھر آتا تھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ یونہی کھلا رہتا تھا۔ ہاں جب رات کو وہ آتا تو کمرے کا دروازہ بند کر لیتا تھا۔ رات میں ماں باپ میں سے جب کوئی ہاتھ روم جانے

کے لیے اٹھتا اور دروازہ بند ہوتا تو انہیں پتا چل جاتا کہ وہ رات میں کسی وقت آ کر سو گیا ہے۔ انہیں بھی اطمینان ہو جاتا اور وہ بھی بے فکر ہو کر سو جاتے۔ جہاں اکیس سال کا بیٹا جوبی ایس سی کر کے جاب کر رہا تھا۔ کئی سال سے اڑنے کے لیے پرتول رہا تھا۔ ایک کوشش اس نے دو سال قبل اس وقت کی تھی جب بڑا بھائی دو سال قبل اپنے دوستوں کے ساتھ ایک فلیٹ میں شہر منتقل ہو گیا تھا۔ مگر باپ نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ بی ایس سی ختم کیے بغیر گھر سے باہر نہیں جاسکتے اور وہ پڑھائی میں لگ گیا تھا۔ مگر ساجد کو یاد تھا جب بڑا بیٹا گیا تھا تو دل اس دن اس طرح نہیں رویا تھا۔ شاید دل کو یہ ڈھارس تھی کہ ایک بیٹا تو ابھی گھر میں ہے اور بڑا بیٹا بھی ملنے کے دن آ جاتا ہے تو پھر کی وجہ سے ہی دفتر جاتا ہے۔ اس کا ویک اینڈ شروع ہونے میں گھر پر ہی گزارتا تھا۔ اس وقت وہ اس کی پسند کی چیزیں بھی پکاتی تھی۔ کچھ نہ کچھ بٹھا بھی بناتی۔ وہ ہمیشہ آکر ماں کو کو پیار کرتا۔ اس کے گلے میں بانٹیں ڈال لیتا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا گھر شہر سے دور ہونے کی وجہ سے بڑے بچے کو آفس آنے جانے میں تکلیف ضرور ہوتی تھی۔ وہ چونکہ ٹرین سے آتا جاتا تھا۔ اور دوستوں یا آفس کی طرف سے جو ڈر پارٹیاں ہوتی تھی۔ ان میں بھی شریک نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر ڈیڑھ گھنٹا واپس آنے میں لگ جاتا تھا۔ اس سے کافی محکم ہو جاتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ آپ کے ساتھ رہ کر مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ کرایہ نامہ کیسے تیار کرتے ہیں۔ بجلی کا بل کیسے دیتے ہیں۔ اب وہ شہر میں رہتا تھا۔ پندرہ منٹ میں بس آفس پہنچ جاتا تھا۔ اسے آرام ہو گیا تھا۔ اب ہفتہ بھر عجیب بے کیل و بے جان گزارتا تھا۔ جب چھوٹا بیٹا رات کو گھر آتا تو گھر میں کھانا کھاتا تھا۔ اس کا انتظار تو ہوتا تھا۔ دن میں کچھ اہتمام سے پکانا تو ہوتا تھا۔ اب وہ چلا گیا تو کھانے کا لطف بھی جاتا رہا تھا۔

دو ادھیڑ عمر آدمیوں کا کھانا کتنا..... نہ وہ بیٹھا بناتی، نہ کھانے کا اہتمام کرتی..... زندگی بس گھسٹ

سوکھ جائیں گے۔“ ماں اس کی باتیں سنتی رہی۔
 ”اماں یہاں آنے کی وجہ سے میرا ویک اینڈ
 خراب ہو جاتا ہے۔ ہفتہ بھر تو کام کرتا ہوں۔ اور ہفتہ،
 اتوار یہاں گزر جاتا ہے۔ کچر، ٹھیکر وغیرہ جانے کا
 وقت ہی نہیں ملتا۔“ اب کے دو ہفتے بعد وہ آیا تو ماں
 سے کہنے لگا۔

”تو تم اتوار کا کھانا پکانا کسی اور دن کر دو ناں۔
 اور خود کوئی اور دن لے لو۔ یہاں اتوار کی صبح آکر پھر
 کے دن دفتر یہیں سے چلے جایا کرو۔“ پھر اس نے یہی
 طریقہ اختیار کیا۔ ہفتے کا دن دوستوں کے ساتھ
 گزارتا۔ اتوار کو بارہ ایک بجے آکر اپنے کپڑے دھو کر
 ڈالنا اور دوسرے دن تیار ہو کر دفتر جاتا۔ مگر اپنے
 دھوئے کپڑے بھی تھیلے میں ڈال کر دفتر لے جاتا اور
 شام کو دفتر سے اپنے قلیٹ۔

اب زندگی اسی ڈگر پر چل رہی تھی۔ اب ماں کو
 اتوار کا انتظار رہتا۔ وہ اس کی پسند کا میٹھا یا کوئی ڈش بنا کر
 رکھتی تھی۔ ہفتوں کے ہفتے اسی طرح گزرتے چلے گئے۔
 وہ ماں کو اپنے گھر کے قصبے حڑے لے لے کر سناٹا۔

”ہمارے گھر میں صرف تین بچے، تین کپ، تین
 پلیٹیں اور ہر چیز الگ، الگ رنگ کی ہے جو بھی استعمال
 کرے اپنے برتن خود دھو کر رکھے۔ جب چوتھا مہمان
 آتا تو اس کے برتن الگ ہیں۔“ آہستہ آہستہ قلعی
 اترنے لگی اور حقیقت کھلنے لگی۔ وہ جب تک ساتھ رہتا
 تھا، ماں باپ نے اس پر بے جا پابندی کبھی نہیں لگائی۔
 اسے آنے جانے کی پوری آزادی تھی۔ اس لیے شی
 میں رہنے سے اس کے کام بڑھ ہی گئے تھے۔ گھر جیسا
 حڑے دار کھانا ملتا تھا اور نہ گھر کی سی بے فکری تھی۔
 ڈتے داریاں بڑھ گئی تھیں۔ اس لیے جو ٹائم ٹرین میں
 بیٹھ کر اور اخبار پڑھ کر یا اپنا کام کر کے صرف ہوتا تھا
 اب وہ گھر کی صفائی، کھانا پکانے یا باہر کے دوسرے
 کاموں میں صرف ہو جاتا تھا۔ پھر کیا فائدہ ہوا۔ پھر
 ساتھ رہنے سے دوستوں کے مزاج کا فرق بھی سامنے
 آنے لگا۔ تا مگر نہانا کم تھا اس لیے جد حڑے گزرتا بدبو

رہی تھی۔ پہلا ہفتہ یونہی ویران، ویران گزر گیا۔ پھر وہ
 ایک تھیلے میں کپڑے بھرے ہفتے کے دن شام میں آیا۔
 گھر میں پھر بہار لوٹ آئی۔

”تم صبح سے آجایا کرو بیٹا!“ اس نے مامتا سے
 بھرپور لہجہ میں کہا۔

”ایک تو میں حسب معمول صبح میں دیر سے سو کر
 اٹھا۔ پھر ہر ہفتہ لین لارڈ کو کرایہ ادا کرنا میری ذمے
 داری ہے۔“ وہ ہفتہ وار کرایہ لیتا تھا۔۔۔“ وہاں گیا پھر
 آج کا دن صفائی کا بھی ہوتا ہے۔ مجھے ہاتھ روم وغیرہ
 صاف کرنا ہوتا ہے۔“ اس نے ماں کے گلے میں
 بائیں ڈال دیں۔

”یا سر بہت صفائی پسند ہے۔ وہ تو آپ سے بھی
 زیادہ سخت ہے اس معاملے میں، میں قلیٹ سے پانچ
 منٹ میں آفس پہنچ جاتا ہوں۔“ مگر اس نے یہ حساب
 نہیں لگایا کہ جو وقت بچتا ہے وہ گھر کی صفائی میں گزر
 جاتا ہے۔ اس نے باورچی خانے میں جا کر ایک بھگونا
 کھول کر دیکھا کہ کیا پک رہا ہے۔

”آپ کبھی ہمارا نیا گھر دیکھنے آئیے گا۔ بالکل نیا
 ہے۔ تین بیڈروم اور ایک ہاتھ روم ہے۔ پنگ پانگ
 ٹیبل ہم نے ڈرائنگ روم میں ڈال لی ہے۔ صوفہ لمبی
 جو میں لے کر گیا ہوں، وہ ابھی صوفے کا کام دے رہا
 ہے۔ کبھی کبھی کوئی چوتھا دوست رات میں آ جاتا ہے تو
 وہ اس پر سو جاتا ہے۔“

”کھانا پکانے کا کیا ہوتا ہے؟“ ماں نے
 پوچھا۔ ”وہ دور تھا تو کیا۔ ماں کو اب بھی اس کے
 کھانے کی فکر لگی تھی۔

”ہم باری، باری پکاتے ہیں۔ آپ مجھے قیمہ
 پکانے کی ترکیب بتائے گا۔“

”میں کل تمہارے سامنے قیمہ پکاؤں گی یا تم ہی
 پکاؤ۔ میں ترکیب بتاؤں گی بیٹا۔“

”مگر میں کل رات کو نہیں ٹھہر سکتا۔ کل میری کھانا
 پکانے کی باری ہے۔ کل دوپہر میں قیمہ پکائیں گے اور
 کپڑے بھی ابھی مشین میں ڈال دوں گا۔ رات میں

ماہنامہ پلکیزہ 68 جون 2016ء

خریدنے کی اسے اتنی جلدی کیوں ہے۔ ابھی وہ یونیورسٹی میں پڑھ ہی رہا ہے۔“

”exactly“ اس نے فوراً ماں کی ہاں میں ہاں ملائی۔

”اور دوسری بات جو طے ہے۔۔۔ وہ یہ کہ یاسر سے تمہاری دوستی ختم ہو جائے گی چاہے تم قرضہ دو یا نہ دو۔ اگر تم قرضہ دو گے تو تمہاری رقم بھی واپس نہیں ملے گی۔“ ماں نے اپنی زندگی کا نچوڑ بتایا۔

پھر یہی ہوا کہ ان دونوں کے تعلقات خراب ہو گئے۔ اس کے بیٹے نے انکار کر دیا کہ وہ قرضہ نہیں دے سکتا۔ آہستہ آہستہ بیٹے پر یہ حقیقت واضح ہونے لگی کہ جب وہ ماں باپ کے ساتھ رہتا تھا تو گھر کے آرام اور کھانے کے علاوہ وہاں رہنے پر اس کی اپنی رقم بالکل خرچ نہیں ہوتی تھی۔ صرف ریل اور ریل کا کرایہ ہی اس کے ذمے تھا۔ لیکن شہر میں رہنے کی وجہ سے پانچ ہزار ماہانہ گھر کا کرایہ اور پانچ ہزار ماہانہ کھانے پر خرچ ہو جاتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قلیل جوچہ ماہ کے لیے کٹاٹے پر بسا گیا تھا۔ لیکن تین ماہ بعد جب بادل چھٹے اور سورج لگا تو حساب کتاب صاف اور نفع نقصان واضح ہو گیا تھا۔ اور چار ماہ بعد وہ گھر واپس آنے کی باتیں کرنے لگا۔ ماں سوچ رہی تھی کہ یہ اچھا ہی ہوا کہ ان دونوں نے بیٹے کو اپنی تنہائی کا واسطہ دے کر جذباتی دھاؤں کے ساتھ رہنے پر اصرار نہیں کیا۔ اور چونکہ وہ اپنی مرضی سے گیا تھا۔ تو اس کی آزادی کی تمنا اور الگ رہنے کی خواہش بھی یوں پوری ہو گئی تھی۔ سب ارمان پورے ہو گئے تھے۔ اب وہ آتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ بڑے دھیمے، دھیمے لہجے میں کئی دفعہ پوچھتا۔ ”آپ اجازت دیں تو میں واپس آ جاؤں؟“ یہ بھی کہتا۔ ”میں واپس آ جاؤں تو آپ کو تکلیف تو نہیں ہوگی۔۔۔۔۔“

”یہ تمہارا گھر ہے بیٹا جب دل چاہے بلا تکلف آ جاؤ۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ساتھ رہو۔“ اور پانچ ماہ ختم ہونے سے پہلے ہی وہ اپنے گھر واپس آ گیا تھا۔

پھیلا جاتا۔ یاسر جو یونیورسٹی کا طالب علم تھا۔ اس کے قائدے، قوانین بہت سخت تھے۔ ایک دن وہ ماں سے روٹی صورت بنا کر کھڑا تھا۔

”یاسر صفائی کے معاملے میں بہت سخت ہے۔ بالکل ناصر کے برعکس۔ جب میری باری ہوتی ہے تو میں محنت سے ہاتھ روم صاف کرتا ہوں، شاور دھوتا ہوں۔ ناصر اپنی باری میں سب گندا چھوڑ دیتا ہے۔“ وہ ماں کو ستلہ جاتا اور وہ دل مسوس کے سختی جاتی۔

جب ناصر اور یاسر کے مزاج میں تناؤ آنے لگا تو یاسر نے ان سے الگ ہو جانا چاہا کہ وہ اپنی زمین خریدنا چاہتا تھا۔ اور اسے سلسلے میں اس نے ساجدہ کے بیٹے سے بھی پچاس ہزار روپے قرض لینا چاہا۔ وہ ماں سے پوچھنے لگا کہ وہ کیا کرے؟ وہ سوچ۔۔۔ بچار میں پڑ گئی۔ ”بھئی بیٹا فارسی کی لیکچرل ہے کہ ”قرض مقرض محبت است“ قرضہ محبت کا رشتہ توڑ دیتا ہے اور یہ ہمیشہ ہوتا ہے۔ وہ بینک سے قرضہ کیوں نہیں لے لیتا بیٹا؟“

”وہ اس پر سود ادا کرنا نہیں چاہتا۔ مجھ سے قرضہ لینے سے اس کا سود کج جائے گا۔ ویسے ماں تم اس بات کے لیے بھی تیار رہو کہ وہ شاید ہی قرض بھی واپس کر سکے۔“

”اس سے دوستی تو ضرور ٹوٹ جائے گی بیٹا!“

”ماں میں بھی تو پیسے جمع کر کے کسی قلیل یا زمین میں انویسٹ کرنا چاہتا ہوں۔“ ماں خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

”دراصل وہ ہمارا گھر دیکھ کر گیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے ہم بہت امیر ہیں۔ اس کا باپ بچپن میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ اس پر ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کی ذمے داری رہی ہے۔ وہ خود کو ہمیشہ مظلوم سمجھتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کے امیر دوستوں کو اس کی مدد کرنی چاہیے۔“ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گیا۔ ماں نے آخری فیصلہ اسی پر چھوڑ دیا۔

”ویسے تو تمہارا جو دل کرے فیصلہ کرو۔ وہ پیسہ تمہارا ہی ہے لیکن میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ زمین

نارنگ

پتھر کا دلیر

مدیحہ شاہد

دوسرا حصہ



Downloaded From
Paksociety.com

کیا ضروری تھا کہ وہ لمحہ اس کی زندگی میں آتا
جس لمحے راین نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کی
سمت دیکھا تھا اور وہ اس کا اسیر ہو گیا۔ کاش کہ وہ
راین کو وہاں بیٹھے دیکھ کر ہرگز نہ رکتا..... اسے نظر
انداز کر کے گزر جاتا، اس کا ذہن تھکا ہوا تھا۔ وہ یہی
سب سوچتا کچھ دیر کو سو گیا تھا۔

جب وہ شام کو سوکرا تھا تو احمد وہاں نہیں تھا۔ اس
نے احمد پر دو حرف بھیجے۔ اب احمد کی جاسوسی سے

ماہنامہ پلکیزہ 70 جون 2016ء

READING
Station



Downloaded From
PAKSOCIETY.COM

HEATING
Section

اسے بہت جلدی تھی شہرام بھی اس کے ساتھ، ساتھ چلنے لگا۔

”میں بس اسٹاپ تک آپ کو چھوڑ آتا ہوں۔“ وہ رامین کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے اپنائیت سے بولا۔

”ارے نہیں..... میں چلی جاؤں گی.....“ اس نے غلٹ میں کہا۔

”تکلف نہ کریں رامین، میری بھی واک ہو جائے گی۔“ شہرام خوش دلی سے مسکرایا۔ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

رامین عاجز آگئی، شہرام کسی صورت بھی پلٹنے کو تیار نہیں تھا۔

”میں تکلف نہیں کر رہی، مجھے یہ مناسب نہیں لگ رہا۔“ اس نے کچھ مضطرب انداز میں شہرام کو دیکھا۔

”اور شام ڈھلے اکیلے جانا آپ کو مناسب لگ رہا ہے؟“ شہرام نے اسے لاجواب کر دیا۔

رامین کے ہونٹ ہنچ گئے..... وہ خاموشی سے چلتی جا رہی تھی۔ شہرام جنور کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے

اس کے ساتھ، ساتھ چل رہا تھا۔ زمین پر درختوں کے سائے مدھم ہو گئے تھے۔ سرسبز وادی کچھ ہی دیر

میں جگنوؤں سے روشن ہونے والی تھی۔ رامین کو ابھمن ہونے لگی۔ اسے محسوس ہونے لگا

کہ شہرام بدل رہا ہے۔ اس کی نظریں، اس کا لہجہ، اس کا طرزِ خطاب، سب بدل رہا ہے۔ نہ جانے یہ اس کا

وہم تھا یا واقعی ایسا ہی تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے چلتے بس اسٹاپ تک پہنچ گئے تھے..... ایک طرف مختلف شہروں کو جانے والی

بسیں کھڑی تھیں۔ دوسری طرف ٹکٹ کاؤنٹر بنا ہوا تھا۔

”آپ کا ٹکٹ ہو گیا ہے؟“ شہرام نے پوچھا۔

”نہیں، ابھی لیتا ہے.....“ رامین نے سرنگی میں ہلاتے ہوئے کہا اور اپنا بیگ کھولنے لگی۔

”آپ یہیں رکیے..... میں آپ کا ٹکٹ لے کر آتا ہوں..... اس بھیڑ میں ہرگز اپنا بیگ نہ

کہیں زیادہ دوسرے اہم کام تھے۔ اس نے ریپشن سے اصرار کے بارے میں پتا کیا..... اس نے ابھی تک

چیک آؤٹ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنا کمرالاک کیے بغیر نیچے لان میں نکل گیا۔ تھوڑی دیر وہ لان میں بیٹھا رہا۔

افق کو دھنن کرتی شام اسے مسحور کرنے لگی..... وہ بلا ارادہ ہی سڑک پر نکل آیا..... گھومتا پھرتا یونہی اونچی

نیچی سڑکوں پر چلتا رہا..... نہ جانے رامین کہاں تھہری ہوئی تھی۔ ایک سڑک کا موڑ مڑتے وہ یہی سوچ رہا تھا

کہ دفعتاً وہ یک دم رک گیا۔ اس کے چہرے پر بڑی خوشگوار سی حیرت اتر آئی۔

کندھے پر ہینڈ بیگ لٹکائے رامین ڈھلوانی سڑک پر چلتی جا رہی تھی۔ وہ لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی

طرف لپکا۔ رامین نے اب اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ بری طرح ٹھنک گئی۔

”مس رامین! کہاں کی سیریں ہو رہی ہیں؟“ وہ تیزی سے قدم بڑھاتا اس تک جا پہنچا..... شہرام کا

دل رامین کا اسیر ہو گیا تھا اور اب رامین کی ہر مشکل اس کی مشکل تھی۔ اس کا ہر غم، شہرام کا غم تھا۔

”میں واپس جا رہی ہوں۔“ اس نے کچھ حیرت کے ساتھ شہرام کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں بتایا۔

شام گہری ہو رہی تھی۔ افق کے رنگ مدھم پڑ گئے تھے۔

”اس وقت؟“ وہ بے ساختہ فکر مندی سے بولا۔

”میں عادی ہوں، کوئی فرق نہیں پڑتا..... کیا یہ ضروری ہے کہ ہر جگہ آپ سے میرا اتفاقاً ٹکراؤ

ہو جائے۔“ اس نے کاندھے پر لٹکائے بیگ کا اسٹریپ مضبوطی سے تھامے ہوئے قدرے چڑ کر

کہا اس کی آنکھوں میں جھلمکتی دوپہر جیسی تپش تھی۔

”اسے حسین اتفاق سمجھ لیں.....“ اس نے رامین کے صبح چہرے کو دیکھتے ہوئے شوخ انداز میں

کہا۔ وہ اس کی بات سن کر خاصا محفوظ ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی دلنشینی سی مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

”مجھے دیر ہو رہی ہے، آپ سیر کریں، میں چلتی ہوں۔“ اس نے آگے کی طرف قدم بڑھا دیے۔ لگتا تھا

پیام پاکیزہ کے نام

میری محبت کا کوئی عنوان نہیں جاناں

نہ ہی کوئی انسانہ ہے

یہ تو بس محبت ہے

تم سے شروع ہوتی ہے اور تم پر ہی

ختم ہوتی ہے

از: امینہ عندلیب، سلا نوالی

روشنی تھی جس نے رامین کی نظروں کو خیرہ کر دیا تھا۔ وہ زیادہ دیر اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پائی کتنا خوب صورت دن تھا آج..... وہ رامین کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ یہ اس کی زندگی کا یادگار ترین سفر تھا۔

”آپ کا سامان؟“ رامین نے جیسے اسے یاد دلایا، وہ اس شاک سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی جو اسے شہرام کو ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے دیکھ کر لگا تھا۔ شہرام نے جیب سے موبائل نکالا اور احمر کو ٹیکسٹ کیا۔

”احمر ایک ایمر جنسی ہو گئی ہے۔ ہوٹل میں میرا کمرالا کڈ نہیں ہے۔ تم آتے ہوئے اپنے ساتھ میرا بیک بھی لے آنا۔ مجھے ایک لڑکی کو لاہور چھوڑنے.... ایمر جنسی میں جانا پڑ رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آج کل تم مجھے ایوانڈ کر رہے ہو۔ شوق سے ایوانڈ کرتے رہو۔ بس میرا بیک لیتے آنا۔“ شہرام میسج کر کے مطمئن ہو گیا۔ احمر چاہے اس سے جتنا بھی دور بھاگتا مگر تھا تو اس کے بچپن کا دوست.....

چند لمحوں بعد احمر کا میسج آیا۔ شہرام نے فوراً پڑھا۔ ”کون سی لڑکی کو چھوڑنے لاہور تک جا رہے ہو؟ اور ایسی بھی کیا ایمر جنسی ہو گئی کہ اپنا سامان چھوڑ کر چلے گئے۔ کیا تمہارے پاس دس منٹ بھی نہیں تھے؟“ احمر نے ریڈائی کیا..... وہ اس پر خفا ہو رہا تھا۔ شہرام بے ساختہ مسکرایا۔ رامین سیٹ کی بیک سے سر نکائے خاموش بیٹھی تھی۔

”ایک منٹ بھی نہیں تھا۔ وہی لڑکی جس کے

کھولیں.....“ وہ اسے ہدایت دیتا ہوا تیزی سے وہاں سے ہٹ کر گیا اور ٹکٹ کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ رامین کا بیک کی رپ کھولتا ہاتھ رک گیا۔ رش کی وجہ سے وہ ایک سائڈ پر کھڑی ہوئی۔

تھوڑی دیر بعد شہرام ہاتھ میں ٹکٹ لیے آتا دکھائی دیا اور رامین کو لیے ایک بس کی طرف بڑھا۔

”بید ہی آپ کی بس اور بید ہا آپ کا ٹکٹ.....“ اس نے رامین کو ٹکٹ چھایا اور بس پر سوار ہونے کا اشارہ کیا۔

”میں ٹکٹ کے پیسے ابھی آپ کو دیتی ہوں۔“ وہ ٹکٹ لیتے ہوئے بولی۔

”اب مجھے اتنا بھی شرمندہ نہ کریں۔ چلیں بس چلنے ہی والی ہے۔“ اس نے جلدی سے کہا۔ رامین بس میں سوار ہو گئی مگر یہ کیا..... شہرام بھی اس کے ساتھ ہی بس میں سوار ہو گیا اور اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ رامین دم بخود رہ گئی..... اور حیران پریشان اعزاز میں اسے دیکھنے لگی۔

”آپ..... آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟“ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں وہ تو اسے بس میں بٹھانے آیا تھا۔ اور اب خود بھی سوار ہو گیا تھا۔ پتا احمر کو بتائے پتا اپنا سامان لیے۔

”کیوں.....! میں اس بس میں نہیں بیٹھ سکتا کیا؟“ وہ جیب سے اپنا ٹکٹ نکالتے ہوئے مسکرایا۔

رامین چند لمحے کچھ بول ہی نہیں سکی۔ اس کا اندازہ درست تھا، شہرام واقعی بدل رہا تھا۔ بس آہستہ سے چلتی ہوئی سڑک پر آگئی تھی۔

”آپ کو صرف بس اسٹاپ تک چھوڑنے کا کیا فائدہ..... آپ کو لاہور، آپ کے ہاسٹل تک چھوڑ کر آؤں گا.....“ اس کے انداز میں کچھ ایسی بات تھی جس نے رامین کو بری طرح چونکا دیا..... وہ پلکیں جھپکائے بغیر ساکت انداز میں اسے دیکھتی رہی۔ اسے سمجھ نہیں آئی کہ شہرام سے کیا کہے۔

”کیا ہوا رامین.....؟“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ اس کی آنکھوں میں ایسی

بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میری سفید مہر ان کی دھوے دار ہے۔" شہرام موبائل پر میسج ٹائپ کر رہا تھا۔
 بس اپنے راستے پر گامزن تھی۔ راجن ششے سے باہر تیزی سے گزرتے مناظر کو دیکھ رہی تھی۔ ایک آدھ بار شہرام کو بھی میسج ٹائپ کرتے اور پڑھتے دیکھ لیتی۔
 چند سیکنڈز بعد احمر کا جواب آیا۔
 "کیا کہہ رہے ہو؟ میں تمہاری بات بالکل سمجھ نہیں پایا۔" احمر کے انداز میں بڑی بے چینی تھی۔
 "بس تم میرا بیک لے آنا، مہر پانی ہوگی۔" شہرام نے اسے میسج کیا۔ اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمک رہی تھیں۔

چند لمحوں بعد پھر احمر کا میسج آیا۔

"تم اس لڑکی کے ساتھ کیوں جا رہے ہو؟ وہ اکیلی نہیں جاسکتی کیا؟" احمر کے انداز میں محسوس کیے جانے والا اضطراب تھا۔
 "اکیلی جاسکتی تھی مگر میرا دل نہیں مانا کہ اسے اکیلے جانے دوں۔۔۔۔۔ اسی لیے ساتھ ہو لیا۔" شہرام مسکراتے ہوئے ٹائپ کر رہا تھا۔
 "شہرام! تم کس چکر میں پڑ گئے ہو؟ صاف صاف بتاؤ؟" احمر نے گلی لٹی بغیر میسج میں پوچھا۔
 "اب سفر کے دوران کیا بتاؤں۔۔۔۔۔ جب میرا بیک لے کر آ جاؤ گے تو سب بتا دوں گا۔۔۔۔۔" شہرام نے اطمینان سے میسج پر لکھا۔

اب احمر کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ بس سفر کرتی جا رہی تھی اور راستے میں موبائل سکتلر ختم ہو گئے تھے۔ شہرام کو یقین ہو گیا کہ احمر نہ صرف راجن کے اُن دھوکے باز رشتے داروں کو جانتا ہے بلکہ وہ راجن کو بھی جانتا ہے۔ یہی تو اس قدر بے چمن ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ اور شہرام کو یقین تھا کہ اب تو احمر کو اس کے پاس آنا ہی پڑے گا۔

"سفر بہت لمبا ہے، آپ کچھ دیر سو جائیں۔" شہرام کے انداز میں نرمی اور فکر مندی تھی۔
 "مجھے لمبے سفر کی عادت ہے۔" راجن نے۔۔۔

بے تاثر انداز میں کہا۔ ایک لمحے کے لیے دونوں کی نظریں ملیں پھر وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
 "راجن۔۔۔۔۔ میں آپ سے کوئی بھی پرسل سوال نہیں کروں گا۔۔۔۔۔" شہرام نے گویا اسے تسلی دی۔
 "آپ کیوں آئے ہیں میرے ساتھ؟" راجن نے کچھ الجھ کر پوچھا۔ اس کی نظروں میں کئی سوال تھے۔
 شہرام کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔
 "میرے دل نے کہا کہ آپ کو اکیلے نہ جانے دوں۔۔۔۔۔" اس نے پُر اعتماد انداز میں دل کی بات کہہ دی۔ راجن اس اعتماد پر چپ کی چپ رہ گئی۔
 "کیوں۔۔۔۔۔؟" اس نے چند لمحے خاموش رہنے کے بعد سوال کیا۔

شہرام مسکرایا۔ نظریں راجن کے سفید ہاتھوں کی طرف اٹھ گئیں۔ سفید گلاب جیسے نرم اور خوب صورت ہاتھ۔۔۔۔۔ شہرام کے دل میں بے اختیار ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش پیدا ہوئی۔
 "بس پونجی۔۔۔۔۔ سوچا کہ راستے میں آپ کو کوئی مشکل نہ ہو۔" اس نے مدھم مگر جذبات سے پوچھل آواز میں کہا۔

"آپ نے مجھے وہ گاڑی دینے کا فیصلہ بھی اسی لیے کیا کہ میرے لیے وہ گاڑی بہت قیمتی ہے۔" اس نے بے ساختگی سے سوال کیا۔
 "ہاں۔۔۔۔۔ بالکل۔" شہرام نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"وہ گاڑی آپ ہی کی امانت ہے۔ میں آپ سے کوئی رقم بھی نہیں لوں گا۔ جب آپ فری ہوں تو میرے ساتھ چلیے گا۔۔۔۔۔ میں وہ گاڑی آپ کے نام فرانسفر کروا دوں گا۔" اس نے رسائی سے کہا۔
 "مگر۔۔۔۔۔" راجن کچھ کہنے لگی تو شہرام نے فوراً ٹوک دیا۔

"نوا اگر مگر۔۔۔۔۔ بس ڈن ہو گیا۔" اس کا لہجہ قطعی تھا۔
 "مگر میرے پاس رقم ہے۔" وہ مدھم انداز میں بولی۔
 "تو وہ رقم آپ اپنے پاس ہی رکھیں۔۔۔۔۔ مجھے

”مجھے یہ سب بالکل اچھا نہیں لگ رہا.....“ اس نے کچھ خفگی سے کہا۔
 ”کوئی بات نہیں..... کبھی، کبھی اپنی خوشی کے علاوہ دوسروں کی خوشی کے بارے میں بھی سوچ لینا چاہیے۔“
 شہرام نے اس کی خفگی کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔
 ”اب آپ بہت عجیب ہو گئے ہیں۔“ اس نے جھلاتے ہوئے تبصرہ کیا۔
 ”آپ بھی تو پراسرار ہو گئی ہیں۔“ اس نے بے ساختہ

ضرورت نہیں، میرے لیے آپ کی خوشی سب سے زیادہ اہم ہے۔“ شہرام نے گویا قل اسٹاپ لگا دیا۔
 ”آپ یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟“ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ اس نے بے بسی سے گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔
 ”آپ کیوں، کیسے، کس طرح کے چکر میں نہیں پڑیں۔ سمجھ لیں کہ یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ ہے۔ اچھے دوست ایک دوسرے کے غم اور خوشیاں شیئر کرتے ہیں۔“ شہرام نے جیسے اسے سمجھایا۔
 ”اگر آپ کا دوست آپ کا سامان نہ لایا..... یا آپ کا سامان چوری ہو گیا تو پھر آپ کیا کریں گے؟ پھر آپ کو میرے ساتھ آنے پر افسوس ہو گا نا؟“ اس نے جیسے شہرام کو ڈرانے کی کوشش کی تھی۔
 ”میرا سامان اتنا قیمتی نہیں ہے..... اور اگر قیمتی بھی ہوتا..... تو میں بخوشی نقصان اٹھا لیتا.....“ شہرام کے لہجے نے راین کو لرزادیا۔ اس نے کانپتی نظروں سے شہرام کو دیکھا۔

”میرا خیال ہے آپ کو بھی سائیکالوسٹ کی ضرورت ہے۔“ اس نے دل کا خوف دہا کر جیسے اسے مشورہ دیا تھا۔ اس نے سلتی نظروں سے اسے دیکھا شہرام کا دل چاہا کہ ایک زوردار ہتھکڑے لگائے مگر بس میں لوگوں کی موجودگی کے باعث اس نے اپنی ہنسی کو دبایا۔

”ایک یادگار سطر تھا جس میں کوئی حکم نہیں تھی۔ لاہور پہنچ کر شہرام ٹیکسی میں اسے اس کے ہاسٹل تک چھوڑ کر آیا۔ راین اس کے بدلتے ہوئے رویے سے نہ جانے کیوں خوفزدہ ہو گئی تھی۔

”آپ کیوں میری عادتیں خراب کر رہے ہیں؟“ اس نے چڑ کر احتجاج کیا۔ وہ ان مہربانیوں کی عادی جو نہیں تھی۔

”آپ کی عادتیں ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ شہرام کے لہجے میں شرارت تھی۔ راین کو جو کچھ محسوس ہو رہا تھا وہ اس پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی۔

قارئین متوجہ ہوں

پچھا
 نہیں ملتا

کچھ عرصے سے بعض مقامات سے یہ شکایات مل رہی ہیں کہ ڈرامائی تاخیر کی صورت میں قارئین کو پرچا نہیں ملتا۔ ایجنٹوں کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ہماری گزارش ہے کہ پرچانہ ملنے کی صورت میں ادارے کو خط یا فون کے ذریعے مندرجہ ذیل معلومات ضرور فراہم کریں۔

☆ ایک اسٹال کا نام جہاں پر چادر دستیاب نہ ہو۔
 ☆ شہر اور علاقے کا نام۔

☆ ممکن ہو تو ایک اسٹال کا PTCL یا موبائل نمبر۔

ٹیم عباس 0301-2454188

حاسو سس دانست بلس کسٹر

سپنس جاسوئی کیا یہ نہ سہرشت

مندرچہ ذیل فلی فون نمبروں پر بھی رابطہ کر سکتے ہیں

35802552-35386783-35804200

ای میل: jdpgroup@hotmail.com

پاؤں پھول گئے۔ اس نے غجالت میں اٹھ کر پرس میں
آئی ڈی کارڈ چیک کیا۔
”اوکے۔“ شہرام نے نرمی سے کہا اور فون بند
کر دیا۔

راہین نے سلیپے سے دوپٹا اوڑھا، بالوں کو برش کیا
پرس اٹھایا اور غجالت میں باہر آگئی۔ اس نے درخت
کے نیچے کھڑی سفید مہراں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ خاموشی سے
گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ شہرام نے اس کے بیٹھے ہی
گاڑی چلا دی۔

”ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ شہرام کو دیکھ کر اس
نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

”اپنا آئی ڈی کارڈ دیں۔“ شہرام کی طرف سے
بالکل مختلف جواب آیا۔ راہین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے
پرس سے آئی ڈی کارڈ نکال کر شہرام کو تھمایا۔

”راہین، آپ کو وہی کرنا ہے جو میں کہوں گا۔
آپ نے میری ہدایات پر عمل کرنا ہے۔ وہاں ہنگامہ
کھڑا نہیں کرنا۔۔۔۔۔ لوگوں میں میری کچھ عزت
ہے۔“ شہرام نے اس کا آئی ڈی کارڈ جیب میں ڈالتے
ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ راہین حواس باختہ انداز
میں اسے دیکھنے لگی۔

”مگر۔۔۔۔۔ میری بات تو سنیں۔۔۔۔۔“ راہین نے
کچھ کہنا چاہا تو شہرام نے نرمی سے اسے ٹوک دیا۔

”راہین۔۔۔۔۔ میں بہت ضروری کام چھوڑ کر آیا
ہوں۔۔۔۔۔ پلیز میرے ساتھ تعاون کریں۔ میں جیسا
کہوں، آپ نے ویسا ہی کرنا ہے، رائٹ۔۔۔۔۔؟“ وہ
سامنے سڑک کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

راہین سخت کنفیوز ہو گئی۔۔۔۔۔ آخر کبے تو کیا
کہے۔۔۔۔۔ شہرام کا انداز قطعی اور بے چک تھا۔ نہ جانے
وہ کیا کرنے والا تھا۔ کہاں جا رہا تھا۔ اس نے ایک
عمارت کے پاس گاڑی روکی، راہین کو اترنے کا اشارہ
کیا، وہ کچھ متذبذب سی اس کے ساتھ اس عمارت
میں داخل ہو گئی۔

یہ حتمہ بھی جلد اس پر کھل گیا۔ شہرام سفید مہراں

اسے بتایا۔

راہین لا جواب ہو گئی۔ شہرام نے راہین کو ہاسٹل
کے دروازے تک چھوڑا اور پھر گھر آ گیا۔

راہین، شہرام کے بدلتے رویتے سے پریشان
تھی۔ وہ ساری رات سو نہیں پائی۔ محبت کب اور کیسے
ہو جاتی ہے بالکل پتا نہیں چلا۔ محبت ارادے سے
نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ یہ سوچ سمجھ کر بھی نہیں کی جاتی۔ اس
میں سود و زیاں کا حساب نہیں رکھا جاتا۔ یہ تو بس ہو جاتی
ہے۔ اچانک۔۔۔۔۔ بلا ارادہ۔۔۔۔۔ بے اختیار شہرام اپنی
کیفیات پر حیران تھا۔ وہ تو اس سے بیزار رہا کرتا تھا
پھر اسے اس سے ہمدردی ہونے لگی مگر محبت کا انکشاف
تو مری کی سرسبز وادیوں میں ہوا۔۔۔۔۔ راہین کا چہرہ اس
کے لاشعور کے پردے پر جگمگا رہتا۔۔۔۔۔ اس کی بیگلی
پلکیں جیسے اس کے دل میں اتر گئی تھیں۔ محبت اوس کی
طرح قطرہ، قطرہ دل میں گرتی ہے۔ سورج کی طرح
زندگی کی تاریک راتوں میں روشنی بکھیرتی ہے۔ محبت
کتنی خوب صورت ہوتی ہے۔۔۔۔۔ جیسے جھیل کے شفاف
پانی میں جھللاتا جاند کا ٹکس۔۔۔۔۔ جیسے برف زاروں پر
پڑتی سورج کی پہلی کرن۔۔۔۔۔ جیسے کسی دلہن کے ہاتھوں
میں گھنٹی دھنک رنگ چوڑیاں۔۔۔۔۔ جیسے کسی جنگل میں
اڑتی چمکیلے پروں والی تلی۔۔۔۔۔

شہرام نے راہین کو خوشیاں دینے کے لیے پہلا
قدم اٹھالیا تھا۔

☆☆☆

”راہین! میں آپ کے ہاسٹل کے باہر کھڑا
ہوں۔ آپ اپنا آئی ڈی کارڈ لے کر باہر آ جائیں۔“
شہرام، راہین سے فون پر کہہ رہا تھا۔ راہین کا ماتھا ٹھنکا۔
وہ اس غیر متوقع اور اچانک اقدام پر ہڑبڑا کر رہ گئی۔
”کیوں، خیریت۔۔۔۔۔؟“ وہ حواس باختہ انداز
میں بولی اور ساتھ ہی اس نے جلدی سے جوتے پہنے۔
”جی۔۔۔۔۔ آپ آرام سے آئیں۔۔۔۔۔ میں انتظار
کر رہا ہوں۔“ وہ بے حد شائستگی سے بولا۔

”جی۔۔۔۔۔ جی میں آرہی ہوں۔“ اس کے ہاتھ

غزلیں

اب کے احسان بھی جتانے نہیں آیا کوئی
میں جو روٹھا تو مٹانے نہیں آیا کوئی

اک وہ دور کہ سونے بھی نہیں دیتے تھے مجھے
اک یہ وقت کہ جگانے نہیں آیا کوئی
ڈمگاتا تھا تو سوہا تھا پکے تھے تھانے کے لیے
گر گیا ہوں تو اٹھانے نہیں آیا کوئی

جانے احباب پہ کیا گزری خدا خیر کرنے
اک عرصے سے نیا دھم لگانے نہیں آیا کوئی

ایسے اُترا ہوں دلوں سے کہ ہسانا تو دور
اک مدت سے مٹلانے نہیں آیا کوئی

یوں تو سو بار ٹوٹا جڑا مگر اب کے وحشی شاہ
ایسا ٹوٹا کہ مٹانے نہیں آیا کوئی

کلام: وحشی شاہ

انتخاب: کرن ناز، کھاریاں

جانے کیسی خطا ہوئی مجھ سے

ساری دنیا خفا ہوئی مجھ سے

جس کو کوئی نبھا سکا نہ یہاں

رسم وہ بھی ادا ہوئی مجھ سے

جب گلے سے لگایا اس نے مجھے

روح میری جدا ہوئی مجھ سے

جشن کا اہتمام تھا کل شب

یاد اس کی رہا ہوئی مجھ سے

جس نے بھی دل دکھایا تمغیلہ

اس کے حق میں دعا ہوئی مجھ سے

شاعرہ: جمشیدہ لطیف، پسرور

راہین کے نام ٹرانسفر کروا رہا تھا۔ وہ شاہک کے عالم
میں بیٹھی رہی۔ بس میں جب شہرام نے اسے اس
بارے میں بتایا تھا تو اس نے اس کی بات کو سنجیدگی سے
نہیں لیا تھا۔ وہ اسے شہرام کی وقتی جذباتیت بھی مگر
وہ اپنی زبان کا پکا ٹکلا..... اس نے دبے، دبے الفاظ
میں شہرام کو منع کیا مگر اس نے اس کو سخت نظروں سے
گھورا۔ سب کچھ پہلے سے طے تھا۔ اور بالآخر اس کے
دبے، دبے احتجاج کے باوجود بھی گاڑی اس کے نام
ہوتی گئی..... وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ یہ شہرام کی سخاوت
تھی، دریا دلی یا پھر کوئی اور جذبہ.....

ساری کارروائی مکمل کرنے کے بعد وہ دونوں
واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔ راہین کو یقین ہی نہیں آیا
کہ جس گاڑی کو وہ اپنا پلاٹ بیچ کر خریدنا چاہتی تھی اور
پانچ لاکھ کے بجائے پندرہ لاکھ بھی دینے کو تیار تھی.....
اسے وہ گاڑی پتا کوئی قیمت دے دیے یونہی مل گئی تھی۔ اس
کے مرحوم ابو کی گاڑی، ان کی قیمتی نشانی..... یہ کوئی معجزہ
تھا یا پھر قدرت کی طرف سے کوئی انعام..... وہ سمجھ نہیں
پاتی۔ اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

”پلیز راہین! آج کے دن مت روئیں.....“
شہرام نے اس کی شبنم میں بھیگے پھولوں کی طرح نرم پلکیں
دیکھ کر بہت محبت سے کہا۔ اس نے ڈیش بورڈ پر پڑے
ٹشو بکس میں سے ٹشو نکال کر راہین کو تھمائے۔

”میں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں.....!“

آپ نے تو مجھے اپنا قرض دار کر لیا ہے۔ ”وہ ٹشو سے اپنی
آنکھیں صاف کرتے ہوئے بھڑائی ہوئی آواز میں بولی۔

”آپ خود کو میرا قرض دار سمجھیں اور نہ احسان مند.....“

شہرام نے بہت نرمی سے کہا۔ وہ کچھ دیر اس پر سے نظریں
نہیں ہٹا سکا۔ اس کا دل چاہا کہ راہین کی آنکھوں کے
اشک اپنی انگلیوں کی پوروں سے چن لے۔

”آپ نے یہ سب کیوں کیا.....؟ مجھے مری سے

لاہور تک چھوڑنے آئے پھر ہاسٹل تک ساتھ آئے،

اپنی گاڑی میرے نام کر دی، کیوں کر رہے ہیں آپ

انتا کچھ؟“ وہ جرح کرتے ہوئے سوال کر رہی تھی۔

”کیونکہ میں ایک بہت اچھا انسان ہوں۔“
 شہرام نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔
 ”چتا نہیں لڑکیاں اتنی بے وقوف کیوں ہوتی ہیں۔ سامنے کی بات نہیں سمجھ پاتیں۔ جذبات محسوس نہیں کر پاتیں۔ شاید اس لیے کہ وہ واضح اظہار چاہتی ہیں۔ ان کے لیے الفاظ اہم ہوتے ہیں۔“ شہرام نے دل ہی دل میں سوچا۔
 ”ہاں یہ تو ہے۔۔۔۔۔ آپ واقعی بہت اچھے انسان ہیں۔“ راجن نے بے ساختہ کہا۔ کاش کہ وہ اس کی آنکھیں پڑھ لیتی۔
 ”میں آپ کو بہت جلد اس کے پیسے۔۔۔۔۔“ راجن کی بات ادھوری رہ گئی۔
 ”راجن۔۔۔۔۔ آئندہ ہرگز بھی پیسوں کا ذکر نہیں کیجیے گا۔۔۔۔۔ ہر چیز کی قیمت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ اور خیردار جو آپ نے اپنا پلاٹ بیچا۔۔۔۔۔ پلیز آئندہ کبھی میں آپ کے منہ سے یہ بات نہ سنوں۔۔۔۔۔“ شہرام نے مان بھری سختی سے کہا۔ وہ رونا بھول کر شہرام کو دیکھنے لگی۔
 ”یہ شخص کتنا عظیم، کتنا بلند ہے، کیا انسان ایسے بھی ہوتے ہیں؟“ وہ حیران ہوئی۔
 ”مجھے نظر لگانے کا ارادہ ہے؟“ شہرام نے اس کا دیکھنا محسوس کر کے شرارت سے کہا۔
 ”میں حیران ہو رہی ہوں کہ اس دنیا میں آپ جیسے بے غرض لوگ بھی ہوتے ہیں۔“ وہ شہرام سے سخت متاثر ہو گئی۔
 ”دنیا میں ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں۔ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ ہمارا واسطہ کس قسم کے لوگوں سے پڑتا ہے۔۔۔۔۔ آپ اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دیں۔۔۔۔۔ ریلیکس کریں۔“ شہرام نے مسکرا کر اسے سمجھایا۔ پیٹھے پانی جیسا لہجہ اسے چھوٹا گیا۔
 گاڑی سڑک پر رواں دواں تھی۔
 ”یہ گاڑی اب آپ کی ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں کبھی کبھار استعمال کر لیا کروں؟“ شہرام نے مصنوعی سادگی سے پوچھا تو راجن مسکرا دی۔

”آپ ایسی باتیں کر کے مجھے شرمندہ تو نہ کریں۔۔۔۔۔ یہ گاڑی آپ اپنے پاس ہی رکھیے۔۔۔۔۔ میں اسے کہاں رکھوں گی اور یہ گاڑی اصل میں تو آپ ہی کی ہے ناں۔۔۔۔۔“ راجن نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 ”اور جب آپ اپنا گھر خرید لیں گی جب اپنی امانت بھی لے جائیے گا۔۔۔۔۔“ اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
 ”آپ دعا کریں۔۔۔۔۔ میں جلد اپنا گھر لے لوں۔۔۔۔۔ آپ بہت ٹیک انسان ہیں، آپ دعا کریں گے تو ضرور قبول ہوگی۔“ اس نے حقیقت سے اسے دیکھتے ہوئے احترازا کہا۔
 ”ارے۔۔۔۔۔ یعنی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں کوئی ولی نہیں ہوں مگر آپ کے لیے دعا ضرور کروں گا۔“ وہ کچھ شرمندہ ہو گیا۔ راجن نے اس کی تعریف میں مبالغے کی حد ہی کر دی تھی۔ وہ اسے بتا نہیں سکا تھا کہ انسان جس سے محبت کرتا ہے اس کے لیے بڑی سے بڑی قربانی بھی دینے کو تیار رہتا ہے۔۔۔۔۔ یہ تو صرف ایک گاڑی تھی۔۔۔۔۔ اگر اس کے پاس کوئی سلطنت ہوتی تو وہ بھی آرام سے راجن کے نام کر دیتا۔
 ”مگر کیا پتا۔۔۔۔۔ آپ کی شادی ہو جائے۔۔۔۔۔ آپ اپنا گھر لینے کے بجائے بیا دیں سدھار جائیں۔“ شہرام نے شوخی سے کہا۔
 راجن کے چہرے پر گہری سیاہ رات کی تاریکی چھا گئی۔ وہ اس شوخی کو سمجھ نہیں پائی۔ اس کی آنکھیں غزاں کی شام جیسی ویران ہو گئیں۔۔۔۔۔ شہرام اس کے خطرناک حد تک سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر لکھک گیا۔
 ”کیا ہوا راجن؟“ اس نے بہت حیرت سے راجن کو دیکھ کر پوچھا۔
 ”میں بھی شادی نہیں کروں گی۔“ راجن نے لڑتی، کانپتی، ٹھٹھرتی آواز میں کہا۔ اس کی آنکھوں میں کسی انجانے خوف کے سائے تھے۔

”ہاں..... میں یہ نہیں جانتا تھا کہ جن لوگوں سے میں نے وہ گاڑی لی تھی ان سے رامین کا کوئی تعلق ہے، میں رامین کو کسی اور حوالے سے جانتا ہوں۔“ احمر نے سنجیدگی سے بتایا۔

”کس حوالے سے؟“ شہرام کو جھٹکا لگا۔

”جس میں میری منگیت کا تو پتا ہے ناں.....“ احمر نے شہرام کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں، وہی جو اسلام آباد میں رہتی ہے۔“ شہرام کو یاد تھا۔

”ہاں..... رامین میری منگیت..... گڑیا کی کزن ہے۔“ احمر نے نیا انکشاف کیا۔

شہرام بے یقینی کے عالم میں اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے رامین کی منگیت یاد آئی جو وہ فون پر کسی گڑیا باجی سے کر رہی تھی جو شاید اس کی کوئی عزیز تھیں۔

”اوہ اچھا..... بڑی حیرت انگیز بات ہے۔“ شہرام نے کوشش کر کے اپنی حیرانی چھپائی۔ اسے لگا کہ وہ خود تو رامین کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں بس محبت کر بیٹھا تھا۔

”مجھے بعد میں پتا چلا کہ وہ گاڑی رامین کی تھی۔ میں نے جن سے گاڑی خریدی تھی، سب کاغذات ان ہی کے نام تھے۔“ احمر بتا رہا تھا۔

”اور وہ کون لوگ تھے؟“ شہرام نے بے ساختہ پوچھا۔

”میں تمہیں ان کے بارے میں جلد بتاؤں گا۔ بس مجھے تھوڑا سا وقت دے دو.....“ احمر نے لجاجت سے کہا۔

شہرام نے گہری سانس بھر کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اوکے..... میں تمہیں وقت دے رہا ہوں.....“ شہرام نے سنجیدگی سے کہا۔ ”اگر احمر کچھ وقت لینے پر اصرار کر رہا ہے تو ضرور اس کی کوئی ٹھوس وجہ ہوگی۔“ شہرام نے گویا کمپر ومانز کر لیا۔

”رامین میری سسرالی رشتہ دار ہے میری منگیت گڑیا کی کزن اور دوست ہے وہ۔ شہرام! میں نہیں

چاہتا کہ اس کے ساتھ کچھ برا ہو۔ گڑیا اس سے بہت گلوڑ ہے۔ تم اسے چھوڑنے مری سے لاہور آئے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ کیا تم رامین کو پسند کرتے ہو؟“ احمر نے اس سے ڈائریکٹ ہی پوچھ لیا۔ وہ کچھ مضطرب اور بے چین سا نظر آ رہا تھا۔

”صرف پسند نہیں، مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے۔“ شہرام نے اعتراف کرتے ہوئے کہا اس کی آنکھوں میں چراغ جل اٹھے۔ احمر مسکرا کر بھی نہ سکا۔ ساکت نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن جیسے بہک سے اڑ گیا تھا۔

”محبت؟“ احمر شاک کے عالم میں بڑبڑایا۔ ”ہاں، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ پتا نہیں کب اور کیسے میرے دل میں اتر گئی۔“ شہرام کی آواز میں کیا کچھ نہیں تھا۔ جذبات، اعتراف، اظہار، محبت، شدت..... احمر کو لگا کہ وہ مل نہیں سکے گا۔ وہ دم سادھے اسے دیکھتا رہا۔

”تم اس کے متعلق کیا جانتے ہو؟“ چند لمحوں بعد احمر نے سوال کیا۔ اس کی آواز کسی کھائی سے آتی محسوس ہوئی۔ ”یہی کہ اس کے پیرش کی ڈیجھ ہوگئی ہے وہ۔ ان کی اکلوتی اولاد ہے۔ اور اس کا سارا اثاثہ اس کے دھوکے باز رشتے داروں نے اپنے قبضے میں لے لیا اور اب وہ ایک ہاسٹل میں رہتی ہے۔“ شہرام نے بتایا۔

”اور..... اس نے کیا بتایا کہ وہ مری کس سے ملنے جاتی ہے؟“ احمر کا چہرہ خطرناک حد تک سنجیدہ تھا۔ شہرام نے کچھ حیران ہو کر احمر کے ریڈیئل کوٹ کیا۔ ”یہ تو نہیں بتایا اس نے.....“ شہرام نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”تم کیوں اتنے حیران اور سیریس لگ رہے ہو؟“ شہرام نے الجھ کر احمر کو دیکھا۔

”شاید وہ یہ نہ بتا سکے۔ شاید ہی تمہیں معلوم ہو کہ اس کا سائیکلو جیکل ٹریڈنٹ بھی چل رہا ہے۔“ احمر کی آواز مدھم اور افسردہ تھی۔ شہرام بری طرح چوٹکا۔ احمر کو رامین کے بارے میں کتنی معلومات تھیں۔

”ہاں، مجھے معلوم ہے۔“ وہ بے ساختہ بولا۔

احمر نے دائیں ہاتھ سے اپنی کپٹیاں دبائیں۔
”اچھا تم بتاؤ..... وہ ہر ویک ایڈ پر مری کس
سے ملنے جاتی ہے؟“ شہرام نے تجسس ہو کر بے قراری
سے پوچھا۔

احمر کچھ ہل خاموشی سے شہرام کو دیکھتا رہا۔ پھر
گویا اس نے دھماکا کیا۔

”اپنے آٹھ سال کے بیٹے شیردل سے ملنے.....“
احمر کے الفاظ تھے یا سگلتے ہوئے انگارے..... شہرام

پہٹی، پہٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا..... اسے اپنی
سماعت پر یقین ہی نہیں آیا..... کہیں کوئی زلزلہ آیا تھا۔

اس زلزلے نے شہرام کے پورے وجود کو ہلا دیا
تھا۔ وہ شاک کے عالم میں بے یقینی سے سامنے بیٹھے

احمر کو دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے تو اسے اپنی سماعت پر یقین
ہی نہیں آیا۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا تھا۔

”ہاں..... وہ اپنے آٹھ سال کے بیٹے شیردے
ملنے ہر ویک ایڈ پر مری جاتی ہے۔ وہ وہاں کے ایک

بورڈنگ اسکول میں پڑھتا ہے۔ رامن کی زندگی کے
کچھ مسائل تھے جن کی وجہ سے اسے وہاں داخل

کر دیا۔ رامن کی کل کائنات اس کا بیٹا شیردل ہی
ہے۔“ احمر کی آواز کھر کے سائے کی طرح مدھم مدھم تھی۔

شہرام اپنی جگہ پر فریز ہو گیا..... اس کے چہرے
پر سیاہ راتوں جیسی تاریکی تھی، اس کے دماغ کو

زبردست جھٹکا لگا۔
”مجھے یقین نہیں آرہا.....“ وہ افسردہ اور شکست

لجھ میں بے یقینی سے بولا۔ اس کا ذہن ماؤف
ہو گیا..... اس کے لہجے میں ٹوٹے آئینوں کی کرچیاں

تھیں۔ اب کیا کہے، کیا نہ کہے..... لفظ جیسے اپاچ
ہو گئے تھے۔

”یہی سچ ہے۔“ احمر نے آہستگی سے جیسے اسے
یقین دلانے کی کوشش کی۔ اسے شہرام کے چہرے کی

مایوسی و تاریکی دیکھ کر دکھ ہوا۔ شہرام کے لیے یہ بہت
بڑا شاک تھا۔ اسے یاد آیا۔ مری کی وہ سرسبز وادی، سگی

ٹیچ پر بیٹھی، روتی ہوئی رامن، اس کی بہم باتیں..... وہ

کس لیے وہاں جایا کرتی تھی..... اس کے موتیوں جیسے
وہ آنسو..... اسے بہت کچھ یاد آنے لگا۔ اس کا کھویا،
کھویا پُر اسرار انداز، عائب دماغی، گہری شام جیسی
اداسی اور اپنا گھربٹانے کی شدید خواہش جس کے لیے
وہ دو، دو نوکریاں کر رہی تھی۔ اس نے اپنا سر تھام لیا۔
اسے اپنے روم، روم میں اذیت محسوس ہونے لگی۔

احمر نے اسے اہم ردی سے دیکھا مگر وہ اس کا ٹم
ہانٹنے سے قاصر تھا۔

”اس کا ہز بینڈ کہاں ہے؟“ شہرام نے دل کا
ورد دیا کر ایک تکلیف دہ سوال کیا..... اس کی آواز کسی

زرد موسم کی طرح افسردہ تھی۔ اسے لگا جیسے اس کی نبض
ڈوب رہی ہے۔

احمر خاموش رہا۔ اس کے چہرے کی سنجیدگی دکھ
میں تبدیل ہو گئی۔

”کیا ڈرائیو رس ہو گئی؟“ شہرام نے چند لمحوں
بعد خاموشی توڑتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آنکھوں کے

سورج بڑی خاموشی سے غروب ہو گئے تھے۔
”نہیں.....“ احمر کے لبوں سے کانپتا ہوا ایک

لفظی جواب آیا۔
”تو پھر کیا اس کے شوہر کی ڈی۔تھ ہو گئی؟“ شہرام

کے ہر لفظ سے بے چینی چھلک رہی تھی۔ اس نے حیرت
سے احمر کے چہرے پر پہلے دکھ اور افسوس کو دیکھا۔

احمر نے نظریں چرا لیں۔
”نہیں.....“ احمر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد

گہری سانس بھر کر بولا۔
”تو پھر.....؟ کہاں ہے اس کا شوہر؟ کیا اس آدمی

نے دوسری شادی کر لی؟ اور رامن کو طلاق نہیں دی۔“
شہرام چند لمحوں کے لیے دم بخود بیٹھا رہ گیا.....

وہ مضبوط اعصاب کا مالک تھا مگر ان انکشافات نے
اس کے اعصاب چھینچوڑ ڈالے تھے۔

”یہ بہت لمبی داستان ہے..... جسے کہنا اور سننا
اتنا آسان نہیں.....“ احمر نے تھکے، تھکے انداز میں سر

کرسی کی پشت سے ٹکا دیا۔
ماہنامہ پاکیزہ 85 جون 2016ء

آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

”زندگی میں ایسا بہت کچھ ہوتا ہے جو کبھی ہمارے گمان کے قریب سے بھی نہیں گزرا ہوتا۔“

احمر کے چہرے پر لڑکھانہ سی مسکراہٹ آئی۔
 ”ہاں..... سچ کہا تم نے..... کیا وہ لوگ کوئی کرملو ہیں؟“ شہرام نے بے اختیار سوال کیا..... اس کے وجود میں گہری تھکاوٹ اتر آئی تھی۔ احمر خاموشی سے دیوار پر لگے وال کلاک کی سوئیوں کی حرکت دیکھتا رہا۔
 ”تاؤ.....“ شہرام نے اصرار کیا۔

”میں خوفزدہ ہوں کہ رامن کے بارے میں سب کچھ جان جانے کے بعد بھی تم محبت کے اس دعوے پر قائم رہو گے!“ احمر کے چہرے پر پڑا سرا سارا تاثر تھا..... شہرام کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

”محبت شرمیلوں سے بہت پرے کی چیز ہوتی ہے۔ یہ حالات نہیں دیکھتی۔ لمحوں میں جنم بدلتی..... میں یہ سب انکشافات سن کر شاکہ ضرور ہوں..... مگر میں رامن سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا، ڈرو نہیں احمر..... مجھ میں سچ سننے کا حوصلہ ہے، چاہے وہ جتنا بھی تلخ کیوں نہ ہو.....“ شہرام نے بے حد سنجیدگی سے کہا اس نے خود کو ہر طرح کی صورت حال کے لیے تیار کر لیا۔

احمر چند لمحوں سے یونہی دیکھتا رہا۔ جیسے کچھ کہنے کے لیے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

بعض کہانیاں انسان کو خوفزدہ کر دیتی ہیں..... ان کا ہر لفظ تشتر ہوتا ہے جو سننے والے کی روح اور دل کو زخمی کرتا جاتا ہے۔ احمر نے تھکے تھکے انداز میں گہری سانس لی۔

”میں تمہیں سچائی بتاتا ہوں..... اس کے بعد ہی تم تمام فیصلے کرنا مگر میں تمہیں اس کے ماضی کے بارے میں بتاؤں گا۔ حال میں کچھ ایسا ہے جو وقت آنے پر بتاؤں گا۔“ وہ پیلیوں کے رازوں کے تالے میں چابی گھمانے لگا۔ پیلیوں کے پہرے ٹوٹنے لگے۔

شہرام دم سادھے اس کے منہ سے نکلی کہانی بنور

”احمر پلیز مجھے بتاؤ سچائی کیا ہے..... کون تھا وہ بد قسمت آدمی؟“ اس نے بڑی بے چینی سے پوچھا۔ کم از کم اب وہ اس سسپنس کا خاتمہ چاہتا تھا۔ رامن کی زندگی اس کے دل سے جڑی تھی۔

”ہاں..... بد قسمت ہی تو تھا..... اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اسے اپنی بد قسمتی کا احساس ان آٹھ سالوں میں کبھی نہیں ہوا۔ یہ وہی آدمی ہے جس نے رامن کا سارا پینک بٹلس دھوکے سے ہڑپ کر لیا، اس کی گاڑی جبراً اپنے قبضے میں لے لی۔ اس کے زیورات اور سارا اثاثہ ہتھ لیا۔ صرف وہی شخص نہیں بلکہ اس کا سارا خاندان فراڈ، دھوکے باز اور لاپٹی تھا۔“ احمر نے مدغم آواز میں سنجیدگی سے بتایا۔

”مائی گاڈ!“ شہرام تاسف سے بولا۔ اس کا دل غم سے بھر گیا۔

”دنیا میں کیسے، کیسے لوگ ہوتے ہیں۔ اتنے خود غرض، لاپٹی اور سفاک؟“ اسے بے حد افسوس ہوا۔

”میں تمہیں ان لوگوں کے بارے میں سب بتاؤں گا..... مگر ابھی نہیں..... پلیز شہرام مجھے تھوڑا وقت دے دو..... رامن کے ساتھ بہت ٹریجڈی ہوئی مگر وہ بالکل بے قصور ہے۔ مقدار انسان کو انتخاب کا حق نہیں دیتا۔“ احمر کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس نے شہرام کو چوکا دیا۔

”تم مجھ پر اعتبار کرو، مجھے بتاؤ..... میں کبھی کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ یہ باتیں ہم دونوں میں راز کی طرح رہیں گی۔“ شہرام نے گویا اس کی منت کی۔ وہ سمجھ نہیں پایا کہ احمر اس سے وقت کیوں مانگ رہا ہے اور فوری تفصیلات بتانے پر کیوں راضی نہیں..... آخر ایسی کیا وجہ ہے؟ احمر بے بسی سے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں کرب تھا۔ چہرے پر اداسی تھی۔

”مجھے ہمیشہ محسوس ہوتا تھا کہ رامن کے ساتھ کوئی مسئلہ ضرور ہے۔ مگر میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی ایسی بات بھی ہو سکتی ہے۔“ شہرام کی

عملیات رمضان

☆ رمضان شریف میں ہر نماز عشا اور تراویح کے بعد تین بار کلمہ طیبہ پڑھنے کی بہت فضیلت ہے۔

☆ پہلی فضیلت گناہوں سے معفرت دوسری فضیلت دوزخ سے آزادی تیسری جنت کا حق ہونا۔

☆ ماہ رمضان کی ہر شب سورہ قدر پڑھنی بہت افضل ہے۔ اس سے معصیت دور ہوتی ہے۔

☆ ماہ رمضان کی پہلی شب یعنی چاند رات کو بعد نماز عشاء تین دفعہ سورہ فاتحہ پڑھنے والے کو اگلے رمضان المبارک تک رزق کا انتظام فرما دیا جاتا ہے۔

☆ رمضان المبارک کی ہر رات میں دو رکعت نماز اس طرح پڑھیں کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنے والے کو اللہ تعالیٰ ہر رکعت کے بدلے ستر لاکھ فرشتے بھیجتا ہے۔

☆ رمضان المبارک کے ہر دن میں چار رکعت نفل ادا کریں، ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد تین بار سورہ اخلاص پڑھیں۔ اور رمضان المبارک کے ہر جمعہ کو دس رکعتیں پڑھیں۔ ہر رکعت میں سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھیں۔ دس رکعتیں دو دو رکعت کر کے پڑھیں، بڑی فضیلت ہے۔

از: مسز خدیجہ جمیل، لاہور

شادی کے لیے

ماہ رمضان کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ کو بعد از نماز عشاء نفل دو، دو رکعت کر کے پڑھیں..... ہر نفل میں سورہ فاتحہ کے بعد بارہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھنی ہے۔ تمام نفل اس طرح ختم کرنے ہیں اور پھر سلام کے بعد درود ابراہیمی سورجہ (نماز والا) پڑھ کر شروع و ختم سے دعا کریں۔

از: لائبریا کائنات، نیو کیپیٹس لاہور

☆☆☆

تیور کیفے ٹیریا میں داخل ہوا تو علیزہ کو نے والی سیٹ پر بیٹھی نظر آئی۔ وہ خوش دلی سے مسکراتا ہوا اس کے قریب آیا۔

”میں لیٹ تو نہیں ہو گیا علیزہ ڈیر.....“ وہ مسکراتے ہوئے اس کے سامنے کرسی بھیج کر بیٹھ گیا۔

”زیادہ نہیں.....“ علیزہ مسکرائی۔ سرخ رنگ کے لایک اسکرٹ اور سرخ رہن والے بلاؤز میں وہ Red riding hood کی طرح دلچسپ اور چمکش نظر آ رہی تھی۔ سرخ لپ اسٹک سے بچے ہونٹ سرخ گلاب کی طرح حسین لگ رہے تھے۔

”علیزہ! میری مدد اور سسر تمہارے گھر آنا چاہتی ہیں۔ میرے لیے تمہارا پروپوزل لے کر.....“ تیور اسے بے خود ہو کر دیکھتے ہوئے خوشی سے بولا۔

”اچھا واقعی.....“ علیزہ نے مسکرا کر کہا۔ اس کی آنکھوں پر آج سنہری لینس لگے ہوئے تھے۔ سونے جیسی چمک والی یہ آنکھیں تیور کو سسراتے کر رہی تھیں۔

”ہاں..... اب ہم بہت جلد ایک ہو جائیں گے۔“ تیور نے پیار سے علیزہ کا ہاتھ تھاما۔

”تیور! تمہیں پتا ہے ناں کہ میرے پاپا کتنے بڑے بزنس مین ہیں اور میں ان کی اکلونی بیٹی ہوں۔ میرے ایک ہی بڑے بھائی ہیں جو امریکا میں بزنس کرتے ہیں۔ میرے گھر والوں کا اسٹینڈرڈ بہت ہائی ہے۔ اگرچہ میں ان باتوں کو نہیں مانتی مگر میں اپنی فیملی کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی۔ اس لیے جب تمہارے گھر والے آئیں تو ان سے کہنا کہ دم درواج کا خیال رکھیں، آئی مین.....“ علیزہ قدرے نرم دلی ہو گئی۔

”میں سمجھتا ہوں مائی ڈیر..... تم بالکل ٹکرنہ کرو، تمہارے گھر ہم خالی ہاتھ تو نہیں آئیں گے ناں.....؟“ تیور نے کچھ سوچتے ہوئے اسے تسلی دی۔

”پاپا، شادی کے بعد میری پراپرٹی مجھے دے دیں گے۔ ڈیفنس میں ایک بہت بڑا گھر ہے۔ کچھ

”بس می مان جائیں..... باقی کوئی کام مشکل نہیں ہے اور مجھے تو ویسے بھی گولڈ کا شوق نہیں ہے۔ میں تمہاری امی کے دے گئے گولڈ کے گلفس شادی کے بعد انہیں واپس کر دوں گی۔ می نے بھی میرے لیے اتنا گولڈ، ڈائمنڈز اور ایمرلڈز جمع کیے ہوئے ہیں۔“ علیزہ نے اس کی سنجیدگی کو دیکھ کر گویا اسے دلاسا دیا اور ایک ادا سے اپنے بال پیچھے کیے۔

”ارے کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہی تو ہے۔“ تیمور اس کے ناخنوں پر تکی رہی ٹیل پالش کو دیکھتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

”تمہارا پاسپورٹ بنا ہوا ہے؟“ علیزہ سے پوچھا۔
”نہیں..... مگر میں بنواؤں گا.....“ تیمور نے اپنے دل کی خوشی دباتے ہوئے کہا۔

”شادی کے بعد ہم لوگ مینی مون کے لیے حیریں اور اٹلی جائیں گے..... تمہیں جو بھی جگہ پسند ہو، بتا دو..... میں تو امریکن نیشنل ہوں..... اسی وجہ سے تمہارا پاسپورٹ اور ویزا بھی جلد مل جائے گا۔“ علیزہ مسکرا کر کہہ رہی تھی..... تیمور کے دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔

”مجھے ہر وہ جگہ پسند ہے جو تمہیں پسند ہے۔ جیسی تمہاری مرضی.....“ ان دونوں کا رشتہ لکھنات سے آزاد ہو چکا تھا۔ تیمور کوئی تکلف کیوں کرتا اس نے جھٹ رخصا مندی دے دی۔ علیزہ کی سنہری آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

☆☆☆

اس نے سیاہ کاجل کی طرح بھیگی برسات کی رات کو دیکھا۔ وہ کمر کی کے پاس کھڑا حیر ہواؤں کی خشکی محسوس کر رہا تھا۔ ہوا سے لہراتا پردہ اس کی پشت سے ذرا پیچھے لہرا رہا تھا۔

خیر اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ آج اسے خیر آتی بھی کیسے..... وہ ضبط کے مشکل مرحلوں سے گزر رہا تھا..... کاش کہ وہ احمر کے انکشافات بھی نہ سنتا۔

کاش کہ وہ راتین کے آنفل کی گمروں میں بند پھیلیاں نہ کھول..... اس کا سارا وجود جیسے زخم بن گیا تھا۔

پلاس اور زمین ہے جو میرے نام ہے اور مر سڈیز تو ہے ہی میری..... مگر میں شادی سے پہلے اسے پہنچ کر دوں گی، لیسٹ ماڈل لے لوں گی۔“ علیزہ مصحوبیت سے بتا رہی تھی۔ تیمور کا دل خوشی سے بھر گیا۔ وہ اپنی قسمت پر نازاں تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ علیزہ کروڑوں میں ایک تھی۔

”علیزہ! مجھے تمہارے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے۔“ وہی ڈیوچک سی بات جو شروع میں سب کرتے ہیں۔

”مجھے پتا ہے کہ تم بہت اچھے ہو اسی لیے تو تمہارا انتخاب کیا ہے مگر میں پاپا کا دل نہیں توڑنا چاہتی۔ انہوں نے اتنے پیار سے میرے لیے پراپرٹی بنائی ہے۔ اب میرے ساتھ، یہ سب کچھ تو آئے گا ناں.....“ وہ دہرا اعداد میں آنکھیں جھپکاتے ہوئے بولی۔

تیمور کس قدر خوش تھا، بتا نہیں سکتا تھا۔

”بس..... جب تمہاری مدد میرا پروپوزل لے کر آئیں..... تو تم چند باتوں کا خیال رکھنا۔ می کو خوب امپریس کرنا..... تحفے تحائف لے کر آنا..... بٹ می کو..... ordinary gifts اچھے نہیں لگتے۔ تم اپنی امی سے کہنا کہ میرے لیے کوئی گولڈ کی جیولری تحفے میں لائیں۔ یوں می کو یقین ہو جائے گا کہ تم لوگ ہائی اسٹیشن کے لوگ ہو۔ می اگر امپریس ہو گئیں تو وہ پاپا کو خود ہی منالیں گی۔ باقی میں سب سنبھال لوں گی۔“

علیزہ نے اسے ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

تیمور کے چہرے پر سوچ آگئی..... وہ سوچ رہا تھا۔
”اتنے بڑے گھر میں رشتہ لے کر جانا ہے تو خالی ہاتھ تو نہیں جائیں گے..... گولڈ کی کوئی چیز، ہاں وہ بھی ہو جائے گی۔ بس ایک بار رشتہ پکا ہو جائے..... پھر خیر ہے۔“

”کیا سوچ رہے ہو؟“ اس نے تیمور کو سوچ میں گم دیکھ کر پوچھا۔ سنہری دھوپ جیسی آنکھیں نہ جانے کس جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔

”نہیں کچھ نہیں..... سب ہو جائے گا تم فکر نہیں کرو.....“ تیمور اسے یقین دلاتے ہوئے مسکرایا۔

نیل پر پڑا موہاٹل تھر تھرایا..... اس نے بے دلی سے موہاٹل اٹھایا۔

”ہیلو.....“ راین کی مترنم آواز کو اس نے بے حد افسردگی سے سنا۔

”ہیلو راین.....!“ وہ یہ مشکل بولا ضبط کی کوشش میں اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔

”میں کافی دیر سے آپ کا فون ٹرائی کر رہی تھی مگر رابطہ ہی نہیں ہو سکا۔“ وہ چپکٹی آواز میں کہہ رہی تھی۔

”میں تھوڑا بڑی تھا۔“ اس کی سنجیدگی غیر معمولی تھی۔ وہ چوہے کے ہاتھ نہیں رہ سکی۔

”اوہ..... اچھا.....“ اس نے اپنا چوکنا ظاہر نہیں کیا..... ظاہر ہے وہ مصروف بندہ تھا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ شہرام نے اس کی خاموشی محسوس کر کے پوچھا۔ وہ آج کسی سے کوئی بھی بات کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

”جی..... میں نے آپ کی خیریت پوچھنے کے لیے فون کیا ہے۔“ راین نے فون کرنے والی حرکت پر یونہی پردہ ڈالتے ہوئے کہا۔

شہرام نے ایک گہری سانس لی، وہ کچھ بول نہیں پایا۔ اس کی خاموشی میں بڑی پراسراریت تھی۔

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ راین کو اس کا رویہ آج بے حد عجیب لگ رہا تھا۔

شہرام نے بہت سائیکین پانی اپنے اندر اتارا۔

”نہیں..... آج میری طبیعت بالکل ٹھیک نہیں ہے۔“ اس کا دل چاہا کہ رووے..... مگر ضبط کر گیا۔ اس

ٹوٹے بکھرے، شکستہ لہجے پر وہ ٹھٹک گئی..... اسے احساس ہوا کہ کہیں کچھ غلط ہوا تھا۔

”کیوں..... کیا ہوا ہے آپ کو؟“ اس نے پریشانی اور فکر مندی سے پوچھا۔ یہ شہرام کی آواز تو نہیں تھی..... یہ تو کسی اجنبی کی آواز تھی۔

”بس بخار ہو گیا ہے۔“ شہرام نے افسردگی سے بہانہ بنایا۔ وہ قدم، قدم چلتا ہوا رانگ چیرٹیک آیا اور آہستگی سے بیٹھ گیا۔

”تو آپ بخار کی ٹیبلٹ لے لیں..... بدلتے موسم کا اثر ہوگا، کوئی بات نہیں..... آپ آرام کریں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔“ راین نے اسے تسلی دی مگر جیسے اسے کوئی الہام ہو گیا تھا کہ شہرام جھوٹ بول رہا ہے۔ وہ اس کے لہجے پر پریشان سی ہو گئی۔ چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

”شہرام! کیا آپ پریشان ہیں؟“ بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

”پریشانیوں ہماری مرضی سے کب آتی ہیں.....“

مقدور جو دکھ ہماری قسمت میں لکھ دیتا ہے، وہ ہماری زندگی کا حصہ بن جاتا ہے..... کیا آپ جانتی ہیں کہ انسان کھڑے، کھڑے کیسے مر جاتا کرتے ہیں..... دل راکھ کا ڈھیر بن جاتا ہے..... اونچی ناک والی انا خاک کے غبار میں گم ہو جاتی ہے۔“ کسی بوڑھے کی آواز جیسا لرزتا ہوا سنجیدہ لہجہ..... جو کسی کو بھی تھرا کر رکھ دے..... راین کو اس کی آواز سے خوف آیا۔

”آپ ایسی سنجیدہ باتیں کیوں کر رہے ہیں! پلیز مجھے اپنی پریشانی بتائیں.....“ راین کو کسی انہونی کا احساس ہوا۔

”نہیں..... کچھ نہیں..... آپ پریشان نہ ہوں..... یونہی کبھی کبھی میں کچھ زیادہ ہی سنجیدہ اور قنوطی ہو جاتا ہوں۔“ وہ خود کو سنبھال کر بولا۔

”آپ کسی بات پر مجھ سے ناراض تو نہیں؟“ اس نے ڈرتے، ڈرتے گویا اپنی تسلی کے لیے پوچھا۔ اسے خیال آیا شاید وہ اس سے خفا تھا۔

شہرام کے ہونٹوں پر ایک تھکی ہوئی پڑمردہ مسکراہٹ چمکی..... اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

”کیوں..... ایسا کیوں سوچا آپ نے..... مجھے بخار اس لیے تو نہیں چڑھا کہ میں آپ سے ناراض ہوں..... ایسا نہ سوچیں..... نہ آپ نے ایسا کچھ کیا ہے جس پر میں خفا ہوں گا اور نہ ہی میں آپ سے کبھی ناراض ہو سکتا ہوں۔“ اس کا لہجہ نرمناک ہو گیا..... مگر اس نے جلد ہی خود پر قابو پا لیا۔

مہینہ پانچواں 89 جون 2016ء

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

ایک بچہ کی ماں ہے، دل نے کہا کہ وہ ایک عورت بھی تو ہے۔۔۔۔۔ وہ اپنے دل کی سرکشی پر حیران رہ گئی۔ دل کب اور کیسے بدل جاتے ہیں، پتا ہی نہیں چلتا ناں۔۔۔۔۔ آج وہ شہرام کے رویے سے بہت ہرٹ ہوئی تھی مگر اسے بتا نہیں پائی۔ عزت نفس آڑے آگئی۔۔۔۔۔ کسی سے متاثر ہونا، انسان کو کتنا کمزور کر دیتا ہے۔

اس نے منہ چادر میں چھپالیا۔ وہ کمرٹ پر لیٹی تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ اس کی روم میٹ اس کے آنسو دیکھے اور اپنی مرضی کی کہانیاں بتائے، اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اب شہرام کو خود سے فون نہیں کرے گی۔ اسے فون کرنا ہوگا تو وہ خود ہی کرے گا۔ جن کے سر پر اپنی چھت نہ ہو، انا تو ان میں بھی ہوتی ہے۔ وہ خفگی سے سوچتی رہی۔ وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

شہرام رانگ چیمیز پر بیٹھا آزدگی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ ایک بارش اس کے اندر بھی ہو رہی تھی۔۔۔۔۔ موسلا دھار، بہت تیز۔ وہ خود کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔ اسے آج پتا چلا کہ محبت اپنی تمام تر خوب صورتیوں کے ساتھ انسان کو کڑی آزمائش میں بھی ڈال دیتی ہے۔ محبت میں دکھ بھی ملتے ہیں، محبت کا ایک روپ سوگوار بھی ہوتا ہے۔

اس کی آنکھوں کی نمی بڑھ گئی۔ برسوں پہلے رانین جس کرب سے گزری تھی وہ آج اپنے دل پر اس دکھ کو محسوس کر رہا تھا۔

محبت افسردہ اور غمزہ بھی تو ہوتی ہے۔ کسی مشنوم بیوہ کی سونی مانگ کی طرح خالی۔۔۔۔۔ بے نشان منزلوں کے تھکے مائدے مسافر کی طرح مایوس۔۔۔۔۔ خار دار جھاڑیوں میں اٹکے تار تار آئینے کی طرح بے وقعت۔۔۔۔۔ شہرام نے اپنی آنکھیں موند لیں۔۔۔۔۔ سرکشی کی رشت سے نکال دیا۔ دو آنسو بڑی خاموشی سے اس کی آنکھوں سے نکلے۔۔۔۔۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو بہنے دیا۔۔۔۔۔ وہ مرد تھا مگر رو رہا تھا۔ بے آواز۔۔۔۔۔ بہت خاموشی کے ساتھ۔۔۔۔۔ وہ آج رونا چاہتا تھا۔

(باقی آئندہ)

”مجھے آپ کی آواز سے ایسا لگا، اس لیے پوچھ لیا۔“ وہ مدہم لہجے میں بولی۔

”انسان میں سچ اندازے لگانے کی صلاحیت ہی کہاں ہوتی ہے۔۔۔۔۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔۔۔۔۔ سنجیدگی کو خفگی نہ سمجھیں۔“ اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ رانین کا وجود سن ہو گیا۔۔۔۔۔ اس کے خدشات بے بنیاد نہیں تھے۔ وہ کچھ بول ہی نہیں پائی۔

”میں چند دن آپ سے رابطہ نہیں کر پاؤں گا۔ کام کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا ہے۔۔۔۔۔ اور بھی کچھ اہم مصروفیات ہیں۔“ اسے اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔۔۔۔۔ وہ خود کو کچھ وقت دینا چاہتا تھا۔۔۔۔۔ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ رانین سمجھ نہیں پائی۔ کیا وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا۔۔۔۔۔ خوب صورتی سے معذرت کر رہا تھا۔۔۔۔۔ یا اب وہ اس سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر کیوں۔۔۔۔۔ ایسا کیا ہوا تھا اس کا ذہن الجھ گیا۔

”جی، ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ آپ اپنے کام پر دھیان دیں۔“ اس نے پانی میں لرزتے ٹکس کی طرح کا پتی آواز میں کہا اور وہ کیا کہتی بھلا۔۔۔۔۔ اس کی بھی عزت نفس تھی۔

”اوکے رانین۔۔۔۔۔“ اس نے گویا اجازت چاہی۔

”خدا حافظ۔۔۔۔۔“ اس کی آواز مدہم ہو گئی۔

فون بند ہو گیا۔۔۔۔۔ رانین حیرت زدہ سی بیٹھی رہ گئی۔۔۔۔۔ وہ شہرام کے رویے کو سمجھ نہیں پائی۔۔۔۔۔ اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔ شہرام وہ واحد مرد تھا جس سے وہ متاثر ہوئی تھی۔۔۔۔۔ جس کی طرف اس کا دل کھینچا تھا۔ وہ دل کے سامنے بے بس ہو گئی۔ دل نے کوئی تاویل، کوئی دلیل نہیں سنی۔ وہ عمر کے اس دور میں تو نہیں تھی جب لڑکیوں کو محبت ہو جایا کرتی ہے۔۔۔۔۔ مگر اس پر انکشاف ہوا۔۔۔۔۔ محبت کا عمر سے کوئی تعلق نہیں، یہ تو کسی بھی وقت، کسی بھی عمر میں، کسی بھی لمحے ہو سکتی ہے۔ عورت، مرد کی شکل صورت سے نہیں، اس کے کردار سے محبت کرتی ہے اور رانین اس کا دل شہرام خان نے اپنے مضبوط کردار اور بیش بہا خوبیوں کی وجہ سے جیت لیا تھا۔۔۔۔۔ اس نے خود کو سمجھایا کہ اسے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔۔۔۔۔ وہ



Downloaded From
Paksociety.com

آسیان راستے تاتہ رابعہ

کلاس روم میں شور مچا ہوا تھا..... بس دو ہی
آپشن تھے پہاڑی علاقوں میں ٹرپ لے کر جانا یا فن
فیکر کا انعقاد..... جس میں کچھ وعظ و نصیحت، موج میلا،
ہلا گلا بھی ہو..... ہر اچھے استاد کی طرح مس فرزانہ نے
بچیوں سے پہلے نکتے پر ہاتھ کھڑے کروائے.....
مرف تین بچیوں نے ہاتھ بلند کیے۔
”کیوں بھئی.....؟ گرمیوں میں ہی تو پہاڑی
علاقوں پر جانے کا مرہ آتا ہے.....“ مس فرزانہ نے

READING
Section

ماہنامہ پاکیزہ 91 جون 2018ء

حیرانی سے کہا۔

”رمضان آرہا ہے ناں..... اس کی تیاری کروں یا ڈراموں کی۔“ یعنی نے رکے بھیجکتے بتایا۔
”کیا.....؟“ قاترہ، حمہ، شیمہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

”یعنی کی بچی ابھی پورے پانچ چھ ہفتے پڑے ہیں رمضان میں، تم نے کیا تمہیں دلوں کی افخاریاں، سحریاں بنا، بنا کرے فریز کرنی ہیں؟“ سمیعہ نے منہ پھاڑ کر کہا۔

”جو مرضی سمجھ لو.....“ یعنی نے دھیمے لہجے میں کہا۔
”کیا مطلب ہے تمہارا؟ صاف، صاف بتاتی کیوں نہیں۔“ حمن نے مداخلت کی۔
”یعنی گوگو کی کیفیت میں رہی۔“

”یعنی ہم نے تمہیں پروٹوکول دیا، ہر لحاظ سے تمہارا راری گاڑ دیا، تمہارا دل لگانے کے لیے ہر طرح کی خدمات پیش کیں کہ تمہیں یہاں اجنبیت کا احساس نہ ہو مگر تم کوئی سراہی نہیں پکڑا رہی ہو.....“ قاترہ نے ذرا چیختے لہجے میں کہا۔ ”چلو نہ بتاؤ تمہاری مرضی.....“
اب نروٹھے پن سے اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔
”یعنی نے اس کا ہاتھ پیار سے پکڑا۔“

”تم سب صحیح کہتی ہو، میں دل سے تم لوگوں کی قدر دان ہوں۔ یہاں آنے سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ سے دو قفل پڑھ کر دعا بھی کی تھی کہ مجھے اچھی کہنی ملے..... مگر بات وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو۔“ بہت محبت سے یعنی نے انہیں کہا۔

”یہ کیا تم پراسرار سی باتیں کر رہی ہو، مکمل کے بتاؤ.....“ کوئی اس کی بات سے حلق نہیں تھا مگر حمن ذرا بد لحاظ تھی وہ فوراً بولی۔

”بات یہ ہے کہ رمضان کی تیاری میں ڈیڑھ دو ماہ پہلے سے شروع کر دیتی ہوں..... مثلاً عید کی تیاری، کپڑے، جوتوں سے سمیلیوں اور رشتے داروں کے لیے عید گفٹ خریدنا، رمضان میں..... کرنے والے کاموں کی فہرست بنانا، رمضان میں اللہ سے زیادہ سے زیادہ جڑے رہنے کے لیے گھر کے کچھ کام کاج

”مس دل تو چاہتا ہے مگر اجازت کا مسئلہ ہے۔ ملکی حالات کی وجہ سے ہمارے والدین نہیں مانیں گے اس لیے پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں.....“ جی آر نے سب کی طرف سے کہا۔

”اوہ..... تو پھر یوں کرتے ہیں کالج میں تقریبات کا ہفتہ مناتے ہیں، ہر کام اپنی مدد آپ کے تحت خود ہی کریں۔“ مس فرزانہ نے مشورہ دیا۔
”مثلاً؟“ ایک طالبہ نے سوال کیا۔

”مثال کے طور پر خود ہی ڈراما لکھو خود ہی کمڈیوں کا انتخاب کرو اور خود ہی اداکاری کا شوق پورا کرو.....“ مس فرزانہ نے جواب دیا۔

”اوکے مس.....“ سب نے متفقہ طور پر حامی بھری کچھ بحث و مباحثے کے بعد یعنی کا نام سامنے آیا جس کے کندھوں پر ساری ڈتے داری ڈالی گئی۔ یعنی اس دن غیر حاضر تھی..... اگلے دن پرجوش ہو کر سب نے اسے بتایا کہ ”تم اس سارے پروجیکٹ کی ڈتے دار ہو.....“

”بھئی آتے ہی میدان مار لیا ہے تم نے۔“ قاترہ نے اسے داد دیتے ہوئے کہا۔

”یعنی بہاول نگر جیسے دور دراز شہر سے چند ماہ پیشتر ہی فیصل آباد شفٹ ہوئی تھی۔ نئی کلاس فیلو، نیا ماحول، نیا ادارہ..... مگر اس کے اچھے اخلاق اور ذہانت نے بہت جلد سب کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا اس لیے قرعہ قال اس کے نام نکلا۔“

”میں تو یہ کام نہیں کر سکتی.....“ یعنی نے صاف انکار کیا۔

”ہائیں..... مگر کیوں؟ کوئی مسئلہ ہے؟“ سب حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”جہیں مسئلہ تو کوئی نہیں مگر ابھی میں یہ کام نہیں کر سکتی۔“ یعنی نے ہنوا انکار پڑنے رہے ہوئے کہا۔

”مگر کوئی وجہ تو ہو.....“ اس کی کلاس فیلو ایک ساتھ بولیں۔

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں

گھر بیٹھے

جاسوسی ڈائجسٹ، سسٹمز ڈائجسٹ
ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

800

سرکاری نیٹ آفیشیال ہندوستانی لینڈ کے لیے 9,000 روپے

8,000

آپ ایک وقت میں کئی سال کے لیے ایک سے زائد
رسائل کے خریدار بن سکتے ہیں۔ رقم اسی حساب سے
ارسال کریں۔ ہم فوراً آپ کے دیے ہوئے پتے پر
رجسٹرڈ ڈاک سے رسائل بھیجنا شروع کر دیں گے۔

ہر دن ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے
ذریعے رقم ارسال کریں۔ کسی اور ذریعے سے رقم بھیجنے پر
ہماری بینک فیس عائد ہوتی ہے۔ اس سے گریز فرمائیں۔

0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

C-63 فیز 11، بینیشن ڈائریکٹریٹس ہاؤس، اتحادی مین کورنگ روڈ، کراچی
فون: 021-35895313، 021-35802551

ماہنامہ پاکیزہ 93 جون 2016ء

قبل از رمضان ہی کر لینا کہ وقت کی بچت
ہو جائے..... میں بس چھیل کر، اورک کا پیٹ بٹا کے
دائیں صاف کر کے رختی ہوں..... کپڑے وغیرہ
سارے سینے کے لیے دھو دھلا کر پرپس کرتی ہوں،
اپنے بھی اور سب گھر والوں کے بھی۔ بازار کے جتنے
چکر لگانا ہوتے ہیں رمضان سے پہلے ہی لگاتی ہوں
کہ آنے یہاں بازار جانے کی نوبت نہ آئے۔“

”ہائے مجھے تو سمجھ میں نہیں آئی تمہاری بات،
رمضان میں کیا یہ سارے کام منع ہیں؟“ حسن پھر
پوچھنے سے باز نہ آئی۔

”منع تو نہیں میری بہن مگر اس کا ایک، ایک لمحہ
انتہائی اور انمول ہوتا ہے کہ جی چاہتا ہے اس سے
قائدہ اٹھائیں۔“ یعنی نے کہا۔

”تو تم رمضان میں یہ کام نہیں کرو گی تو پھر سارا
وقت کیا کرو گی؟“ قائدہ نے سوال کیا۔

”بات یہ ہے کہ رمضان کا مطلب ہے جلانے
والا، تیز کرنے والا، یہاں لے جانے والا..... اس میں
اللہ رب العزت بندے کے ہر اس گناہ کو معاف کرتے
ہیں جس کی وہ نادم دل کے ساتھ معافی مانگ لے.....
جس طرح جلی چیز کا سراغ نہیں ملتا اسی طرح گناہوں کا
نامہ اعمال تک جلا دیا جاتا ہے۔ میں الحمد للہ ہر سال
اپنے گناہوں کی معافی مانگتی ہوں..... گناہ یاد کر کر کے
نکلتی ہوں، آنکھوں کی بد نظری، زبان سے فلفل بات،
کان سے لغو بات، مناسبات کو شمار کرنے کی کوشش کرتی
ہوں پھر اللہ سے معافی مانگتی ہوں۔“ یعنی کی آواز بھیگی،
بھٹکی سی تھی۔

”اور بہا لینے سے کیا مطلب ہے؟“ حسن گنگ
سی تھی۔

”جس طرح تیز بارش یا سیلاب ہر چھوٹی بڑی چیز
کو بہا کر لے جاتا ہے..... اللہ تعالیٰ کی رحمت ویسے تو
سارا سال ہی ہوتی ہے مگر رمضان تو خاص اللہ کا مہینہ
ہے، اس میں اللہ کی رحمت تیز بارش کی طرح بدستی ہے
اور بندے کے ہر گناہ کو ”جس کی وہ معافی

Section

مانگے....." بہا کر لے جاتی ہے..... اب رہا حیز کرنے کا
تو رمضان ٹیکوں کا اسلحہ حیز کرنے کا مہینہ ہے اور ٹیکوں کا
اسلحہ ایک ہی ہے۔" اس نے سسپنس پیدا کرتے ہوئے
کہا۔

"وہ کیا.....؟" ساری سکیاں سہیلیاں اکٹھے بولیں۔
"تقویٰ..... پرہیز گاری..... جس کو ہم عام طور
پر اونچے منوں تک کی شلوار، ہاتھ میں تسبیح یا ماتھے پر
محراب سے پیوستہ سمجھتے ہیں حالانکہ تقویٰ صرف دل کی
کیفیت کا نام ہے جو خوفِ خدا سے پیدا ہوتی
ہے..... بندے کو اللہ کی نافرمانی سے روکتی اور
فرمانبرداری پر آمادہ کرتی ہے۔" مثنیٰ نے سمجھایا۔
"لیکن پرہیز گاری کیسے پیدا کی جائے؟" حمن
نے بے ساختہ کہا۔

"قرآن کی تلاوت اور تدبیر سے۔" مثنیٰ نے
دو ٹوک لہجے میں کہا۔ "یہ تو اللہ نے قرآن کے شروع
ہی میں حدیٰ اخصیٰ کہہ کر واضح کر دیا تھا کہ پرہیز
گاری اور قرآن لازم و ملزوم ہیں..... پورے قرآن کو
پڑھو..... اس کے معنی و مطالب پر غور کرو اور عمل کے
لیے کمر بستہ ہو جاؤ۔" مثنیٰ بہت آسان الفاظ اور لہجے
میں بہت بڑی، بڑی باتیں بتا رہی تھی اور وہ سب سن
رہی تھیں۔ "دیکھو جس طرح جسم کے لیے گیارہ ماہ تک
دو کرتے ہو ایک ماہ روح کے لیے..... ان دیکھی چیز
کے لیے کمر کس لو، صحابہ کرامؓ نے جسموں کے ہارے
میں نہیں سوچا تھا بس روح کی خوراک کا بندوبست
کرتے رہتے تھے..... ہم روح کو نظر انداز کر، کر کے
بد پرہیز گاریاں کر، کر کے اس کو بیمار کر لیتے ہیں، میرا
اللہ اس کی توانائی کے لیے رمضان لے آتا ہے۔ پورا
ماہ اس کا دھیان رکھو..... ٹیکوں کے ذریعے، تلاوت
کے ذریعے، قیامِ اہل کے ذریعے روح کو خوراک
پہنچاؤ تمہاری عاقبت بن سکے..... بس میں پہلے بھی
پلان کرتی ہوں کہ مجھے ہر کام رمضان سے پہلے مکمل
کر لینا ہے تاکہ رمضان میں یکسو ہو کر رب کو راضی
کر سکوں....." مثنیٰ کا چہرہ تاناک ہو رہا تھا۔ اس کی

ماہنامہ پکیزہ 94 جون 2016ء

کلاس فیلوز دم بخود اسے دیکھ رہے تھے۔
"یعنی ایک بات سچ، سچ بتانا چاہیں یہ سب
باتیں کس نے بتائیں، کیا تمہارے چہرے میں مولوی
ہیں؟" حمن نے اس سے پوچھا تو وہ ہلکھلا کر ہنسی۔

"میری امی اور ابو دونوں ڈاکٹر ہیں۔ روح کے
بھی اور جسم کے بھی..... ہم سب گھرواے رات کو مل کر
قرآن پاک کا ترجمہ اور حدیث کی ایک کتاب سے
حدیث ضرور پڑھتے ہیں..... میری امی کہتی ہیں اگر
بچوں کو میں اعلیٰ تعلیم دلوادوں لیکن اپنے رب اور رب
کے محبوب سے آگاہ نہ کروں تو پھر روزِ حشر اللہ کو کیا منہ
دکھاؤں گی۔ اور....."

کلاس روم میں سناٹا چھایا ہوا تھا..... بس، بھیگی
تھی جو باقی طالبات میں تھی..... اگرچہ ہر کسی کے پاس
اپنا لپ ٹاپ، اپنا موبائل، اپنی سرگرمیاں..... پر
والدین کے پاس وقت، نہ اولاد کے پاس..... جنہیں
آج کی تیاری کی توفیق نہیں مل رہی تھی وہ کیا کام میں گے۔
"مثنیٰ تھوڑا سا ہوم ورک اس رمضان میں ہمیں بھی
کرواؤ گی، اصل میں ہمارے چہرے میں....." قاترہ رک
گئی..... وہ تذبذب میں تھی کیا بولے اور کیا نہ بولے۔
مثنیٰ نے اٹھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"کیوں نہیں..... آج میری دوست بنی ہو تو کل
آخرت میں دوستی نہیں بھائی..... بس نیت کر کے اللہ
سے مدد مانگو، راستے خود ہی آسان ہو جائیں گے۔"
"ایسی ہی شاگرد ہوتی ہیں جن پر استاد ہی نہیں
زمانہ بھی رشک کرتا ہے....." کلاس روم کے
دروازے پر مس فرزانہ بس بھی سوچے جا رہی تھیں۔
جبکہ کلاس روم کی باقی بچیاں یہ سوچ رہی تھیں کہ وہ جو
مثنیٰ کی ذہانت کی وجہ سے اس سے متاثر تھیں ان کے
دلوں میں اس کا اونچا مقام تھا تو یہ غلط تھا یعنی ذہانت
نہیں، محض رب کی معرفت اور محبت..... جس نے اس
کے چہرے و دل کو پاکیزہ اور معصوم بنا دیا..... اس کی
محبت خود بخود ان کے دلوں میں بستی چلی گئی تھی۔



نصیب کی بات

ثمینہ فیاض



”ای سب ٹھیک ہے خیریت تو ہے ناں..... کیا ہو گیا؟“ وہ جلدی سے اپنے سارے نوٹس اور کتابیں سمیٹتے ہوئے بولی۔

”خیریت نہیں بیٹا، تمہارے دادا کو دل کا دورہ پڑا

ماہنامہ پاکیزہ 95 جون 2016ء

”سعد یہ بیٹا جلدی کروا شد بھائی سے کہو گاڑی نکالیں۔“ ای ہانپتی کانپتی اس کے کمرے میں آ کر کہہ دی تھیں۔ اُن کے چہرے کی گھبراہٹ اور آئے ہوئے پسینے کو دیکھ کر سعد یہ خود بھی گھبرا گئی۔

READING
Section

شفقت ہو گئے تھے اور دادا ابواب اپنے بڑے بیٹے احسن کے گھر ہی رہتے تھے۔ کیونکہ ان کے مطابق جب وہ آمنہ کے گھر جاتے ہیں تو بیٹے کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ پورے پانچ دن دادا ابواب کی پوسی میں رہے، ان کے پوتے، پوتی، بیٹا اور دونوں بہویں ہر وقت حاضر تھیں۔ باری، باری سب کی ڈیوٹی لگتی رہتی۔ ملنے کی صرف چند لمحوں کی اجازت تھی مگر وہ بے ہوش تھے۔ اس لیے ان سے کسی کی کوئی بات نہ ہوئی اور پھر اسی بے ہوشی میں ان کا انتقال ہو گیا۔

ہر دل اداس تھا۔ سجدیہ اس خاندان کی واحد بچی ہونے کی وجہ سے دادا ابواب سے زیادہ ہی اٹیچڈ تھی، وہ اس کی ہر فرمائش پوری کرتے تھے۔

دادا ابواب کی تدفین کے تمام مراحل بخیر و خوبی انجام پا گئے تھے۔ لوگ تعزیت کرنے اب بھی آرہے تھے۔ ان کے ملنے جلنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی۔ انگریزوں کی مہک پورے گھر میں بسی تھی۔ قرآن خوانی اور تسبیحات کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ گھر کی تینوں خواتین یعنی دونوں بہویں (آمنہ اور شاکرہ) اور پوتی (سجدیہ) کارو، رو کر برا حال تھا۔ ایک طرف بڑی بہوشا کرہ رو رہی تھی کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے تو خدمت کا موقع ہی نہیں دیا ایسے ہی چلتے پھرتے چلے گئے۔

تو دوسری جانب آمنہ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھیں کہ شوہر کے بعد لہاجی ہی ہر بات کا خیال رکھتے تھے۔ اب وہ بھی چلے گئے۔ سجدیہ کتنی میرے ابو تو جب گئے تو مجھے اتنی سمجھ نہیں تھی لیکن دادا ابواب نے ہی ابو کا پیرا دیا۔ اب میں اصل محسوس میں تھیم ہو گئی ہوں۔

شاید انسان کو کسی ایسی بات پر غمزدہ ہونے میں تسکین ملتی ہے جو اس کے اختیار میں نہیں ہوتی کیونکہ اس بات پر کسی قسم کا گھٹ یا شرمندگی نہیں ہوتی اور جو بات انسان کے اختیار میں ہوتی ہے اور وہ ناکام ہو جائے تو اسے خود سے بھی چھپاتا ہے تاکہ شرمندگی نہ ہو اور الزام دوسروں پر ڈال دے۔

☆.....☆.....☆

ہے۔ احسن بھائی انہیں اسپتال لے کر گئے ہیں ابھی تمہاری مائی امی کا فون آیا تھا۔“

”اجھا!“ وہ سب ایسے ہی پھیلا چھوڑ کر جلدی سے تقریباً بھاگتے ہوئے راشد بھائی کو بتانے لگی جب تک امی اپنے پرس میں کچھ پیسہ رکھ چکی تھیں اور چادر اوڑھ دی تھیں۔

”امی میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔“ سجدیہ ماں کے پاس آ کر بولی۔

”نہیں بیٹا، تم یہیں رکو، میں تمہیں فون پر بتا دوں گی۔“ گاڑی اشارت کر کے راشد بھائی، امی کو اسپتال لے گئے۔ وہاں احسن تایا کے ساتھ باسٹ بھائی بھی تھے۔ باسٹ بھائی، احسن تایا کہ بڑے اور اکلوتے بیٹے تھے۔ دادا ابواب کو آئی پوسی میں لے گئے تھے۔

”السلام علیکم احسن بھائی! یہ اچانک کیسے ہو گیا.....“ آمنہ اپنے جیٹھ سے پوچھ رہی تھیں ان کے چہرے سے فکر صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

”بس آمنہ کیا بتاؤں..... کتنا منع کیا ہے انہیں احتیاط کیا کریں..... مگر پرہیز ہی نہیں کرتے۔ ہم منع کرتے ہیں تو چڑ کر کہتے ہیں۔ ابھی مرا نہیں ہوں صرف بوڑھا ہوا ہوں۔ تم لوگوں کا بس چلے تو کچھ کھانے کو ہی نہ دو..... بھوکا مرو جھے.....“

آمنہ اثبات میں سر ہلا رہی تھیں جیسے ان کی بات کی تائید کر رہی ہوں۔

”جی، میں کل ملنے گئی تھی۔ تو بیٹھے پھاٹھے کے ساتھ خوب ملائی والی کسی پی رہی تھی.....“ آمنہ گرمندی سے کہہ رہی تھیں..... کچھ دیر توقف کے بعد بولیں۔ ”میں نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو بولے ”کمزوری کافی ہو گئی ہے۔“ میں نے کہا بھی کہ آپ کو ڈاکٹر نے منع کیا ہے تو کہنے لگے ان کی تو ایسی کی تھی، ہمیں نہیں اچھی لگتی وہ تمہاری پھوک ڈبل روٹی..... نہ کوئی حرہ نہ طاقت..... پیٹ بھی نہیں بھرتا.....“

آمنہ کے شوہر یوسف کا پہلے ہی ایک حادثے میں انتقال ہو چکا تھا۔ وہ اپنی زندگی میں ہی ملحدہ گھر میں

ماہنامہ پبلکیز 98 جون 2016ء

ہے۔ باسط کی بیوی کو دینے کے بعد بھی بھینا بچا ہوگا۔
”چلو ان سے بات کر کے دیکھتی ہوں۔“ انہوں نے
دل ہی دل میں سوچا۔

”راشد بیٹا آج آفس سے جلدی گھر آ جانا کچھ
شاپنگ پر بھی جانا ہے اور تمہارے تایا ابو کے گھر بھی
جانا ہے۔“ آمنہ نے ناشتا کرتے ہوئے بیٹے سے
کہا۔..... وہ چائے بنا کر بیٹے کو دیتے ہوئے بولیں۔
”سوچ رہی ہوں تمہاری دادی کے زیور کو کھلا کر
کسی نئے ڈیزائن کا بنوا لیتے ہیں اور اگر کوئی بہت خوب
صورت ہوا جیسے ان کا ایک نگین تھا جس کا ڈیزائن مجھے
بہت پسند تھا۔“ وہ جیسے کہتے، کہتے کسی سوچ میں چلی
نکلیں۔..... ”تھے تو دو لیکن ایک تمہارے تایا لوگوں کو
طے گا دوسرا ہمیں۔..... تو اس پر پالش کروا لیتی ہوں اور
وہی نگین تم منہ دکھائی کی رسم میں دہن کو دے دیتا۔“

”جی امی! راشد بھی بڑی فرمانبرداری سے بولتے
ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔“ جلدی آچاؤں گا آپ بگرنہ
کریں۔..... سحری جلدی کرو پھر تمہیں کالج سے دیر
ہو جائے گی۔..... راشد بہن کو آواز دیتے ہوئے باہر کی
جانب بڑھا۔

”جی بھائی آپ گاڑی نکالیں میں آرہی
ہوں۔“ وہ آدھا سلاٹس منہ میں خمبستی اور راک
سیٹر وچ اٹھا کر باہر کی جانب نکلی۔
”ارے آرام سے، گر جاؤ گی۔“ امی اس کے
بچپنے سے تنگ تھیں۔

شام میں امی، سحر یہ اور راشد سب ہی احسن تایا
کے گھر گئے۔ دروازہ شانزے بھابی نے کھولا۔
”ارے چچی جان کیسی ہیں، السلام علیکم، آئیں،
آئیں، اندر آئیں۔.....“ انہوں نے خوش اخلاقی سے کہا۔
”وعلیکم السلام جیتی رہو بیٹا، کیسی ہو۔.....“
سب گھر میں۔“ امی نے بھی بہت پیار سے ان کے سر
پر ہاتھ رکھا۔

”جی، جی سب گھر میں ہیں۔..... ابھی آئے ہیں
باسط اور ابو جی بھی اندر ہیں۔ سب ٹی وی دیکھ رہے

تم آہستہ آہستہ مندرل ہو گیا تھا۔ دادا ابو کے
انتقال کے دو سال بعد احسن تایا کہ بیٹے باسط کی شادی
بھی ہو چکی تھی۔ اور اب آمنہ نے اپنے بیٹے راشد کی
شادی کا فیصلہ کر لیا تھا اور اس کی تیاریاں جاری تھیں۔
گزشتہ تمام ماہ و سال میں احسن تایا اور تائی امی
کاروبار بہت اچھا تھا اکثر دونوں گھرانے ایک دوسرے
کے گھر آتے جاتے۔ راشد کے رشتے کے لیے تایا اور
تائی امی بھی ساتھ گئے تھے، سب کو ہی لڑکی بہت پسند
آئی تھی۔ خاندان بہت اچھا اور مہذب تھا۔ لڑکی بہت
محصوم اور بھولی بھالی سی تھی۔ سب کو ان لوگوں کی
سادگی بہت پسند آئی اور رشتہ دیکھنے کے بعد معلوم ہوا
کہ یہ لڑکی باسط بھائی کی بیگم شانزے بھابی کی دوست
بھی ہے۔ بہت اچھی عادت کی ہے سب فوراً ہی راضی
ہو گئے۔ یوں راشد بھائی کا رشتہ ماہم سے طے ہو گیا،
شادی ایک سال بعد طے پائی تھی۔

☆.....☆.....☆

”مہنگائی تو بہت زیادہ ہو گئی ہے، تم شادی کے
لیے لون لے لو، مل سکتا ہے کیا آپس سے؟“ آمنہ بیٹے
سے پوچھ رہی تھیں۔

”میں بات کر کے دیکھتا ہوں امی۔“ راشد آپس
جانے کے لیے تیار ہو کر ابھی ڈانگنگ نچل پر آیا تھا۔ امی
اسی سٹے میں انجھی ہوئی تھیں۔

”شادی تو ہو جائے گی اب زیور کا کیا ہوگا سونا تو
آسمان سے ہاتس کر رہا ہے اور دینا بھی ضروری ہوتا
ہے۔ میں نے اپنا زیور آدھا تو جب یہ مکان خریدا تھا،
بچ دیا تھا۔ اور آدھا سحر یہ کی شادی کے لیے رکھا ہوا
ہے۔ اسے بھی تو کچھ دینا ہوگا۔“ ان کا تو سوچ، سوچ کر
برا حال تھا۔ اولاد کی خوشی، سفید پوشی کا بھرم اور خاندان
و معاشرے میں عزت کا سوال؟ وہ کس سے کہیں کہ اس
مہنگائی نے ان کی کمر تو ڈر کر رکھ دی ہے۔ اچانک ان کے
ذہن میں ایک خیال آیا اور چہرے پر مسکراہٹ کسی
محصوم چلی کی طرح آ کر بیٹھ گئی۔ انہیں یاد آیا کہ ان کی
ساس کا بہت سنا زیور تھا جو احسن بھائی کے پاس رکھا ہوا

رکھ کر سر جھکا کر بڑی فرمانبرداری سے راشد بھائی کہہ رہے تھے..... "مگر ایک بار کرلیں ناں نہیں، اس سوٹ کی فٹنگ صحیح نہیں آئی ہے۔ یہ جوتا تو کاٹ رہا ہے۔ اس لپ اسٹک کا شیڈ میرے سوٹ سے بچ نہیں کر رہا۔ اتنے چکر لگوائے کہ کھن چکر ہو گیا ہوں۔" سب ہی زور سے ہنسنے لگے۔

"تو کیا کروں، اب بھائی کی شادی ہے تیاری بھی نہ کروں....." سعد یہ معنوی فیسے سے منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔ راشد بھائی اسے اور چڑانے کے لیے بولے۔ "بندریا! کچھ میری اگلی شادی کے لیے بھی چھوڑ دو....."

"تو بہ ہے لڑکے..... کچھ تو سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" تقی بار کہا ہے کوئی بھی قبولیت کی گھڑی ہو سکتی ہے۔ "آمنہ نے قریب بیٹھے بیٹے کے ایک چپٹ لگائی۔ "لڑکے تمہارے ارادے تو بڑے خطرناک ہیں....." تایا جی بھی ہنستے ہنستے کہہ رہے تھے۔

"ارے نہیں تایا ابو، یہ تو ایسے ہی ہنسی مذاق کے لیے کہہ دیا تھا۔ ورنہ ایسا کوئی ارادہ نہیں..... مصیبت جتنی کم ہو اتنی ہی اچھی ہوتی ہے۔" راشد بھائی نے ہاسٹ بھائی سے تالی مارتے ہوئے کہا اور ان کے اس بے ساختہ جملے پر سب ہی ہنس دیے۔ اسی دوران گھر کی ملازمہ جوس سرو کرنے لگی۔

"شادی ہال بک ہو گیا؟" جوس کا گلاس اٹھاتے ہوئے تایا ابو نے راشد بھائی سے پوچھا۔ "جی تقریباً ہو ہی گیا ہے۔" انہوں نے بھیجتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا تم اس کو دھڑو، میرے ایک جاننے والے ہیں جہاں ہاسٹ کی شادی ہوئی تھی..... اسی میں تمہارے لیے بھی بات کر لیتا ہوں کافی کنسیشن کرویتے ہیں وہ۔"

"لیکن تایا ابو..... وہ تو کافی مہنگا تھا میں اتنا افورڈ نہیں کر سکتا۔ مجھے تو کوئی چھوٹا ہال ہی چاہیے۔" اب کی بار راشد نے بہت صاف گوئی سے کام لیا۔

"چلو ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔"

ہیں۔" وہ ان تینوں کو لے کر ڈرائنگ روم تک آ چکی تھیں۔ "ارے آمنہ آئی ہیں..... کیسی ہو بیٹا سعد یہ آؤ، آؤ۔" احسن تایا انہیں دیکھتے ہی خوش ہو گئے۔

وہ راشد بھائی سے مصافحہ کر کے بیٹھ گئے ان کے استقبال کوتاہی امی بھی آگے بڑھیں اور آمنہ سے ہاتھ ملا کر سعد یہ کو گلے لگا لیا۔ "کیسی ہو بیٹے....."

"جی ٹھیک ہوں....." وہ بھی اپنی خوب صورت آواز میں اپنی خیریت کا بتا کر بیٹھ گئی۔

ہاسٹ بھائی آمنہ چچی کے قریب ہو کر سر جھکا کر سلام کرنے لگے۔ آمنہ نے بھی سر پر ہاتھ پھیرتے، پھیرے دل سے ان کو سلامتی اور صحت کی ڈھیروں دعائیں دے دیں۔

تالی امی، ہاسٹ بھائی، شانزے بھائی اور تایا سب وہاں موجود تھے۔ خیر خیریت دریافت ہوتی رہی۔ تالی جی نے تو شانزے کو فوراً کھانا بنانے بھیج دیا۔

"اب رات کا کھانا کھا کر ہی جانا۔" آمنہ بھی ان کی محبت سے بھرپور رویے سے متاثر ہوئے جا رہی تھیں۔ "اور سناؤ بھئی شادی کی تیاریاں کہاں تک پہنچیں۔" تالی جی بڑے خلوص سے پوچھ رہی تھیں۔ "جی بھائی تقریباً سب ہو ہی گیا ہے....." آمنہ نے بہت سادگی سے ان کا جواب دیا۔

"ہاں چلو یہ تو اچھا ہو گیا۔ ورنہ شادی کے تو بہت کام ہوتے ہیں آخری وقت تک چلتے رہتے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے کہاں ہو گیا۔ اس پھٹی کی اتنی شاپنگ ہو گئی پھر بھی اس کا دل نہیں بھر رہا اور ایک، ایک چیز میں دس کام نکلتے ہیں۔ گھر لے آئی ہیں پھر یاد آتا ہے کہ اس کی فلاں میچنگ تو رہ گئی..... یہ رہ گیا وہ رہ گیا۔" راشد بھائی منہ بنا کر بول رہے تھے۔

"ارے بھائی کی شادی ہے۔ اتنا تو حق بنتا ہے یا رہ..... ہماری ایک ہی تو بہن ہے....." ہاسٹ بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"جی جی..... بالکل حق بنتا ہے۔" سینے پر ہاتھ

سعدیہ شاخزے بہابی کی پہلیپ کرنے یکن میں
چلی گئی تھی۔

”اور جوڑے وغیرہ کہتے بن گئے ہیں“ شاکرہ بھی دیہاتی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

”بس بھابی گیارہ جوڑے بنائے ہیں باقی تو ماہم خود آ کر بنالے گی۔ آج کل کی لڑکیاں اپنی پسند سے ہی کپڑے بنانا پسند کرتی ہیں۔ پھر پسند آئیں نہ آئیں یوں ہی ضائع جائیں گے۔“

”ہاں یہ تو ہے۔۔۔ تاکہ جی نے ہات کی تائید کی۔ آمتہ انہیں حریدہ تفصیل بتا رہی تھیں کہ شانزے نے سب کو کھانے پر بلا لیا۔

”ارے واہ بہو، تم نے تو بڑی جلدی سب کر لیا۔“ آتشہ شائزے کی تعریف کر رہی تھیں۔

سب ڈانگ روم کی طرف بڑھ گئے جہاں
میز پر انواع و اقسام کے کھانے بچے تھے جو شانز
نے لگ کے ساتھ مل کر تیار کروائے تھے۔

سب کو کھانا بہت پسند آیا اور کھانے کے بعد گرین ٹی کا کہہ کر سب لاؤنج میں آکر بیٹھ گئے۔ ابھی ہنسی مذاق جاری ہی تھا کہ شاہدہ ہمالی نے آمنہ سے کہا۔

”آمنہ کسی بھی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک کہہ دیتا ہوں تمہارے اپنے ہیں اور اپنے کام نہیں آئیں گے تو کون آئے گا۔“

”جی، جی آپ لوگوں کے علاوہ ہے ہی کون اپنا، کس سے کہوں گی آپ ہی سے کہنا ہے۔“ آمنہ نے بھی دل سے ساری جھجک دور کر کے اپنے بوجھ کو کم کرنا چاہا مگر ابھی وہ اصل بات کی طرف نہیں آئی تھیں۔ کچھ دیر توقف کے بعد آمنہ نے کچھ ہمت پکڑی۔ ”ویسے بہابی اس وقت تو ہم آپ سے ایک ضروری بات کرنے ہی آئے تھے۔“ جیٹھ اور جیٹھانی دونوں ایک دم متوجہ ہو گئے۔

”ہاں، ہاں آمنہ بتاؤ..... ہم سے جو ہو سکا ہم کریں گے تم بس بولو۔“ یہ تاپا ابو کے الفاظ تھے جس کی حمایت میں شاہرہ تائی نے بھی سر ہلا کر اپنی رائے کا

انکھار کیا تھا۔

”بس ایک جھوٹی سی پریشانی تھی۔“ آمنہ نے اور اچھلکتے ہوئے کہا۔

”کیوں، کیا ہوا۔۔۔؟“ تاجی اس بات چوکے تھے۔
 ”ارے ایسی کوئی بڑی بات نہیں۔۔۔۔۔“ راشد
 بھائی نے بھی اس گفتگو میں حصہ لیا۔

”مسئلہ کیا ہے مجھے بتاؤ تو..... شاید میں تمہاری
کچھ مدد کر سکوں۔“ وہ ایک بار پھر اپنی مدد کی پیشکش
کر رہے تھے۔

”وہ اصل میں ویسے تو سب ہو گیا ہے لیکن راشد کی بری چڑھانے کے لیے زیور کا مسئلہ ہے، بہت مہنگا ہو گیا ہے سونا۔۔۔۔۔“ آفتاب نے بات شروع کی۔

”ہاں یہ تو ہے، مہنگائی تو بہت ہوگئی ہے اور سونا خریدنا تو ہر ایک کی استطاعت سے باہر ہو گیا ہے۔“ اب کی بار تانیا الود را منجیدہ تھے۔

”وہ ہم دراصل یہ چاہ رہے تھے کہ اماں جی کا جو زیور ہے اگر اس میں سے جو بھی ہمارا حصہ ہے مل جائے تو.....“ آمنہ نے تصدائیات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

”آم..... آمہ.....!“ آمہ کے نام کو لبھا کھینچے ہوئے وہ اپنی خیرت کا اظہار کر رہی تھیں۔ ہانکی ای کو تو جیسے کرنٹ لگ گیا تھا۔ اس جیزی سے کھڑی ہوئیں..... اور۔۔۔ ان کی آواز میں حیرت اور غصہ دونوں ہی آگے تھے۔ ”تم کیسی باتیں کر رہی ہو، اماں جی کا رویہ تھا تو کتنا دو ٹوٹا اور ایک سونے کا سیٹ۔ باقی تو جو کچھ بھی تھا سب ان کی بیماری پر لگ گیا تھا۔ اور رہی بات اس سونے کے سیٹ کی تو وہ اباجی کے انتقال سے پہلے ج ان کا باکی پاس ہوا تھا اس میں لگ گیا۔“ آمہ جیسٹھ چہرہ دیکھنے لگی تو وہ بھی اپنی بیوی کی بات کی حمایت کرنے لگی۔

”ہاں آمنہ تمہاری بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔“
پھر بیوی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے بولے۔ ”
کیوں کھڑی ہو گئی ہو بیٹھو، بیٹھ کر بات کرو۔“

ساتھ زیادتی کی ہے، تمہیں کچھ نہیں دیا لیکن حقیقت یہی ہے کہ اب کچھ بچا ہی نہیں..... آمنہ، راشد کو دیکھ کر آنکھوں ہی آنکھوں میں چپ رہنے کا اشارہ کر رہی تھیں..... راشد ماں کے دہاؤ میں خاموش تو ہو گیا لیکن دل میں اپنے تایا کو بے ایمان کہہ رہا تھا۔

”آمنہ ہم تمہاری ہر، ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہیں تمہیں جتنا بھی پیسہ ادھار چاہیے ہوتا دو میں تمہیں دے دوں گا۔ آخر میرے بچے کی شادی ہے۔ یہ بھی مجھے اپنے باسط کی طرح ہی عزیز ہے۔“

تایا جی بات ختم کرنے کی پوری کوشش کر رہے تھے کہ معاملہ نرمی اور بغیر کسی جھگڑے کے ختم ہو جائے۔ باسط جو اس معاملے میں اب تک خاموش بیٹھا تھا۔ وہ بھی اب اس گفتگو میں شامل ہوتے ہوئے کہنے لگا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں تم لوگ ہی میرے بھائی بہن ہو..... بچپن سے تمہیں ہی اپنا سا بھائی، بہن مانا ہے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو بلا جھگڑا دیتا۔“

”ارے بھئی شانزے تم اپنے ہاتھ سے گرین ٹی بنا کر لاؤ بہت اچھی بناتی ہے ہمارے بہو“ تایا ابوسب کے اترے ہوئے چہرے دیکھ کر سب کا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جبکہ پریشانی اور دکھ آمنہ اور راشد کے چہروں سے صاف ہو رہا تھا۔

بات آئی گئی ہو گئی۔ آمنہ کو غصہ تو بہت تھا لیکن صبر کر کے بیٹھ گئیں۔ کبھی کبھی مصلحت ایسے آڑے آجاتی ہے کہ دل کو ایک طرف رکھ کر دماغ کی ہی سنی پڑتی ہے۔

سارے راستے راشد کا منہ پھولا رہا۔ آمنہ بھی دکھی تھیں اور بیٹے کی جذباتیت کو محسوس کر رہی تھیں۔ گھر آتے ہی راشد کا موڈ سخت خراب ہو گیا۔

”امی آپ نے مجھے روکا کیوں، بولنے کیوں نہیں دیا۔ ہمارا حق مار کر کہتے ہیں..... تمہیں ادھار دے دوں گا جتنا تم چاہو..... احسان کر رہے ہیں ہم پر.....“ اس کے ہر انداز میں غصہ اور نفرت بھی آمنہ تو

آمنہ بات بڑھانا نہیں چاہتی تھیں کیونکہ شوہر تو ان کے حیات تھے نہیں ہر اچھے برے وقت میں بھی احسن بھائی اور شاکرہ بھابی نے ہی ان کی مدد کی تھی۔ کچھ لحاظ و مروت اور کچھ احسانات کے بوجھ تلے دب کر وہ چپ ہونے پر مجبور ہو گئیں۔ حالانکہ وہ جانتی تھیں کہ امی جی کے وقت ان کے شوہر یوسف نے اپنے آفس سے پینل پر سارا علاج کر دیا تھا۔ اور ان کے سر کے علاج میں اتنا سارا سونا نہیں لگ سکتا تھا۔ ان کے ذہن میں اپنی ساس کے پانچ سونے کے بڑے اور تین چھوٹے لاکٹ سیٹ، بیس سونے کی اچھی بھاری انگلیاں، تین یا چار چنچر، چھ کا ہالیاں اور چار چوڑیوں کے علاوہ دو سونے کے نگین بھی تھے۔ جن کا ڈیزائن انہیں بہت پسند تھا۔ وہ تو جیسے احسن بھائی اور شاکرہ بھابی کی بات سن کر دمک ہی رہ گئیں، ان کے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ لوگ ایسے بدل جائیں گے۔

”اور وہ نگین وہ تو اباجی نے مجھے خاص کر کہا تھا کہ وہ سجدہ یہ کو دیں گے اس کی شادی پر ان کی ایک ہی تو پوتی ہے.....“ آمنہ نے خاموشی سے بات بکدب جانے سے پہلے ایک کوشش اور کرنی چاہی۔

”لو جی کر لو بات..... ساری زندگی خدمتیں ہم کرتے رہے اور نگین لے جائیں پوتی صاحبہ.....“ تائی امی کے لہجے میں اچانک طعنا آ گیا تھا۔

”وہ تو میں نے شانزے کو اس کی بری میں چڑھا دیے..... آخر ہمارا بھی تو کچھ حق ہے اتنے سال ان کی خدمت کی ہے۔“ آمنہ تو خاموشی سے سب دیکھتی رہیں اور احسن بھائی بھی کچھ نہ بولے۔

راشد اپنی ماں کو اور تایا جی کو دیکھتا رہا کہ شاید یہ لوگ کچھ بولیں لیکن جب کوئی کچھ نہ بولا تو بیڑوں کے آگے اس میں بھی بولنے کی جرأت نہیں تھی۔ اس لیے وہ بھی خاموش ہی رہا۔ تایا جی بات کو ختم کرنے کے لیے ذرا صوفے سے آگے ہو کر بیٹھے اور بہت نرمی سے بولے۔

”دیکھو آمنہ تمہیں شاید لگے کہ ہم نے تمہارے

نصیب کی بات

اور اگر نہیں ہے نصیب میں تو کوئی لاکھ کوشش کر لے
دے نہیں سکتا ہمیں۔" وہ بیٹے کے چہرے کے بدلتے
تاثرات دیکھ رہی تھیں۔

"لیکن امی..... وہ تو سراسر سفید جھوٹ بول
گئے۔ کتنی عزت کرتا تھا میں ان کی ایک لمحہ میں گر گئے
میری نظر سے وہ۔"

"تم دیکھنا بیٹا..... ایک دن انہیں اپنی غلطی کا
احساس ضرور ہوگا۔" ماں کے اسنے سمجھانے پر راشد
خاموش تو ہو گیا تھا مگر دل میں کھنیاں سی کھل رہی
تھیں۔ بار بار تاپا ابو کے کھے ہوئے الفاظ یاد آرہے
تھے۔ "تم ادھار لے لو جتنا چاہو، میں تمہاری مدد
کروں گا۔"

"ہونہ۔" وہ سوچے، سوچے اپنے کمرے کی
جانب بڑھ گیا۔ اور امی مصلیٰ بجھا کر نماز کی ادائیگی میں
مصروف ہو گئیں۔ اپنی پریشانی کو دور کرنے کے لیے دعا
گو تھیں۔ اعتبار کسی بے دارغ آئینے کے مانند ہوتا ہے۔
جس میں انسان قابل اعتبار شخص کو عکس کی طرح دیکھتا
ہے۔ جب یہ ٹوٹتا ہے تو کرجی، کرجی ہو کر بکھرتا ہے اور
ان کرجیوں کی چھین ساری زندگی محسوس ہوتی ہے۔

اس دن کے بعد سے راشد کی مہندی کے دن
تک نہ کوئی تاپا ابو کے گھر گیا اور نہ ہی وہاں سے کوئی
آیا۔ انوشیشن کارڈ بھی آمنہ اکیلے جا کر کھڑے،
کھڑے دے آئی تھیں۔ آمنہ کے گھر شادی کا ماحول
تھا اور آمنہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی بدحرکی ہو۔ اس لیے
بیٹے کو پہلے ہی تنبیہ کر دی تھی کہ اس بارے میں مزید
کوئی بات نہیں ہوگی۔

مہندی کی خوشبو اینٹن کی خوشبو میں ایسی بسی تھی کہ
سارا گھر مہک رہا تھا۔ ساتھ گلاب اور گیندے کے
پھول اپنی مہک جگا رہے تھے۔ گانے بجانے اور شور
ہنگامے میں مہندی کے فنکشن کی تقریب ہوئی۔ تاپا ابو
اور ان کے سب گھر والے شریک بھی ہوئے اور اپنی
خوشی کا اظہار بھی کرتے رہے۔ آمنہ کے دل میں ان
سنگٹوں کا ملال سب سے زیادہ تھا باقی تو وہ چھوڑ ہی

دیکھتے ہی دہل گئیں۔

"سجد یہ جاؤ بھائی کے لیے پانی لاؤ۔"

"یہ لیں بھائی۔" مسعد یہ دوڑ کر پانی لے آئی۔

آمنہ نے بیٹے کو بیٹھنے اور پانی پینے کو کہا اب اس
کا حصہ کسی حد تک کم نہ سہی مگر حد سے باہر بھی نہیں ہو رہا
تھا۔ پھر آمنہ بھی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

"دیکھو بیٹا..... دکھ مجھے بھی ہے اور حیرت بھی کہ
انہوں نے ایسی بات کی، مجھے تو جیسے یقین ہی نہیں آ رہا
تھا مگر یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے تمہارے ابو کے
جانے کے بعد ہماری بہت مدد کی ہے۔ تم اکیلے سب
نہیں سنبھال سکتے تھے تب احسن بھائی آگے بڑھے
اور تمہارے ابو کے سارے دفتری معاملات انہوں نے
ہی دیکھے مجھے کہاں یہ سب آتا تھا۔"

راشد تو جیسے پھٹ ہی پڑا۔

"مدد کی تو کون سا احسان کر دیا ہے انہوں نے؟ دادا
جان کا مکان جس میں ہمارا بھی حصہ ہے ابو نے ان کو
دے رکھا تھا۔ جس کا کرایہ آج تک وہ وصول کرتے
ہیں۔ ہمیں کون سے پھوٹی کوڑی مل گئی اس گھر سے.....
کیا ہمارا اس پر کوئی حق نہیں تھا۔ دادا جان کے اس ہزار
گز کے ڈبل اسٹوری مکان میں آج بھی وہی رہ رہے
ہیں اور ہم ایک سو بیس گز کے چھوٹے سے مکان میں سڑ
رہے ہیں۔" اس کا چہرہ غصے سے لال ہوئے جا رہا تھا۔
آمنہ بیٹے کی جذباتیت اور غصے کو سمجھ رہی تھیں۔ لیکن
جوان بیٹے کا غصے سے ابلتا ہوا خون بدھائے کی مصلحت
جوئی کے سامنے زیادہ دیر تک نہیں ٹک سکتا، وہ جانتی
تھیں اسی لیے اسے پیار سے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

"دیکھو بیٹا تمہارے ابو نہیں چاہتے تھے کہ کسی
بھی قسم کی کوئی رنجش ہم سب کے درمیان آئیں۔ اسی
لیے وہ دل برے ہونے سے پہلے اس گھر سے نکل آئے
اور کس گھر میں اونچ نیچ نہیں ہوتی۔ انہوں نے جو کچھ
کیا وہ ان کے اعمال..... ہم سے ہمارا حق کوئی نہیں
چھین سکتا۔ جو اور جتنا ہمارے نصیب میں لکھا ہے وہ
ہمیں ضرور ملے گا کوئی ایک جگا بھی ہم سے نہیں لے سکتا

پکی تھیں۔ مگر سوچا یہ تھا کہ وہ اپنے راشد کی دلہن کو پہنائیں گی۔ سو وہ مقصد تو حاصل نہ ہو سکا۔ سہیہ ایشن والے دن پہلے اور ہرے رنگ کے کنٹراس میں انگرکھا پہنے بیٹھی تھی۔ جس کے ساتھ گہرے ہرے رنگ کا چوڑی دار پاجامہ اور بڑا سا پیلا دوپٹا جس پر ہرے گولے سے بڑی نزاکت سے کام ہوا تھا۔ اس کی گلابی رنگت پر بہت کھل رہا تھا۔ اپنے لیے گھنے بالوں میں چوٹیل ڈالے لمبی گھنی پلکوں میں چمپسی آنکھوں میں خوشیوں کے دیپ جلائے ماتھے پر ایک چھوٹا سا ٹیکا سجائے لڑکی والوں کی آمد پر سب کا استقبال کرتی ہستی مسکراتی وہ بہت ہی نازک اور پیاری لگ رہی تھی۔ حالانکہ وہ بھری محفل میں تھی مگر کبھی، کبھی اسے ایسا محسوس ہوتا کہ وہ کسی کے نظروں کے حصار میں ہے۔ لیکن وہ ان آنکھوں کا تعاقب نہیں کر پار رہی تھی اپنا وہم سمجھ کر وہ اس بات کو ذہن سے جھٹک دیتی اور پھر کسی دوست یا جاننے والی خاتون کے ساتھ باتوں میں محو ہو جاتی۔

خیر برات کا دن بھی آن پہنچا۔ مگر کا واحد لڑکا کبھی شادی ہال بھاگتا تو کبھی بہن کو پارلر لینے، کبھی مووی سیکر کو فون کرتا تو کبھی اپنے دوستوں کو گاڑی بھوانے کے لیے، کچھ دوست کمر اڈیکورٹ کروارہے تھے تو کچھ ان کی مدد میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ مگر باسط بھائی اور تایا ابوعاصب تھے۔

بارات والے دن فان شیروانی پر میروں کلاہ میں راشد بھائی بہت فچ رہے تھے۔ دلہن بھی اپنے تمام حسن کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ ماہم زیادہ تر بغیر میک اپ کے ہی راتنی تھی اور آج میک اپ میں اس پر ایسا روپ آیا تھا کہ ہر کوئی اس کی تعریفیں کر رہا تھا۔ راشد بھائی کی تو بیسی ہی بند نہیں ہو رہی تھی اسچ پر بیٹھے راشد کو اس کے دوست دوز سے اشارہ کر کے چھیڑتے ہوئے بتا رہے تھے کہ بھابی بہت خوب صورت ہے۔ آمنہ بلائیں اتارے جارہی تھیں۔ دعائیں ان کے دل سے نکل رہی تھیں کہ اللہ دونوں کی جوڑی سلامت رکھے۔

سہیہ بھی بہت پیاری لگ رہی تھی۔ نکاح ہو گیا تھا۔ مبارک سلامت کی آوازیں کے ساتھ ہی چھوڑے دیگر لوازمات کے ساتھ تقسیم کیے جانے لگے۔ تایا ابو اور باسط بھائی نے مہمانوں کی طرح راشد بھائی کو گلے مل کر مبارک باد پیش کی۔ جبکہ شانزے اور تایا امی بھی مبارک باد دے کر بیٹھ چکی تھیں۔ انہوں نے اپنی ایک ٹیبل پر جگہ بنائی ہوئی تھی۔ اور دونوں بالکل ریزرو تھیں۔ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہو رہا تھا۔ جیسے پہلے ہوتا تھا۔ آمنہ کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔ آمنہ کو اس وقت اپنے مرحوم شوہر یوسف کی بہت یاد آ رہی تھی۔ سہیہ بچ لڑکی بہت نازک کام والی فینسی فرائک کے ساتھ پلازو پہنے اس پر سلیقے سے پن کیا ہوا دوپٹا جو ریشم کی کڑھائی سے بھرا ہوا تھا اور ہائی ہیلو میں کسی کھلتے ہوئے گلاب سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ اس کے لمبے بال پشت پر پھلے ہوئے تھے وہ بھائی، بھابی کے ساتھ اسچ پر تھی۔ جبکہ دلہن کے بھائی، بہن بھی موجود تھے۔ ایک لڑکا مستقل اس کی تصویریں لے رہا تھا۔ اسے اتنا محسوس اس لیے نہیں ہوا کہ وہاں دو لہا دلہن بھی موجود تھے اور بہت سے دلہن کے کزنز بھی ان کی تصویریں بنا رہے تھے۔ لیکن اسچ سے اترنے کے بعد بھی اسے کئی جگہ اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ لڑکا جو دکنے میں کافی وقت سم تھا اور تسلیم یافتہ بھی لگتا تھا۔ اس کی تصویریں لے رہا ہے۔ حالانکہ اسے کافی غصہ آ رہا تھا کہ ابویں پیچھے ہی پڑ گیا ہے۔ مگر وہ اپنا موڈ خراب کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ اس لیے وہ انگریز کرنی رہی۔ شادی بھی اپنی تمام خوب صورتیوں کے ساتھ مکمل ہوئی۔ ماہم کو رخصت کرا کے گھر لے آئے تھے اور آمنہ بیٹے کو اپنی سونے کی چوڑیاں دے رہی تھیں کہ میری خواہش تھی کہ وہ کلن میں تمہاری بیوی کو دوں لیکن شاید تمہارے نصیب میں نہیں تھے۔ کوئی بات نہیں اللہ دینے والا ہے۔ پھر بن جائیں گے۔ راشد اپنے نصیبوں پر غصہ کرتا کہ اسے کلن نہیں ملے یا رشک کرتا کہ ماہم جیسی خوب صورت، ہم سفر کا ساتھ ملا اور وہ

جنگی کہانیوں آپ بیتیوں جنگ بیتیوں کی مثال محمود

سرگزشت
ماہنامہ کراچی

شمارہ جون 2016ء

کی جھلکیاں

حکیم الشعرا

اردو ادب کے ایک باکمال شاعر کا تذکرہ

المناک

تاریخ کا انتہائی المناک ہوائی حادثہ

فخر انسانیت

مکمل ہستی کی لڑکی نے کئی عالمی ایوارڈ حاصل کیے

ذرا بنا آفتاب

اداکار ونگیلیا کی دکھ بھری زندگی کا تس

انجمن مثال سے تورا فتو

سادہ لفظوں سے نئی نئی دلچسپ سفر کہانی

اشتبہ

مادہ پرست دنیا میں رشتے کس طرح

پامال ہوتے ہیں ایک پراثر سچ بیانی

اس کی علامت

طویل کہانی سیراب اختتامی مراہل میں دلچسپ

انعامی مقابلہ علمی آزمائش

اور بھی بہت سارے سچے واقعات دلچسپ سچ

بیانیاں، تاریخ کی کوکھ سے جنم لینے والے سچے قصے

بس ایک بار سرگزشت بڑھیں پھر آپ

خود ہی رہیں کے اسیر جہان میں

ماہنامہ پاکیزہ 103 جون 2016ء

مستقبل کے منہرے رستے پر چلنے کے لیے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

اگلے دن ولیمہ تھا اور دلہن کو پارلر کے لیے روانہ ہونے سے پہلے آمنہ نے بیٹے اور بہو کے لیے بکروں کا صدقہ دیا۔ سحد یہ بھی ماہم کے ساتھ پارلر گئی۔ سارے دن کی بھاگ دوڑ کے بعد ماہم وائلٹ اور گولڈن کے کنٹراس میں دیکا مروڑی کے کام کے ساتھ شیشے کے بہت چھوٹے، چھوٹے پنجرے سے بھرے شرارے میں بیٹوس تھی جس کا ہارڈ پوری طرح کڑھائی سے بھرا ہوا تھا۔ چوڑیوں سے بھرے ہاتھ مہندی کی خوشبو سے مہک رہے تھے۔ جبکہ سحد یہ آج راتل بلیو کلر پروائٹ گینگنوں سے سجے بہت نفیس و نازک کام کے سوٹ میں جلوہ افروز تھی۔ شادی ہال مہمانوں کی آمد کے ساتھ ہی رونق سے بھر گیا تھا۔ شام میں دونوں مند بھابی پریوں کی طرح لگ رہی تھیں۔ فوٹو گرافر مہارت سے دولہا، دلہن کی تصویریں بنا رہا تھا۔ آمنہ بیٹے، بہو اور بیٹی کی بار بار نظرا تار رہی تھیں۔ ماہم، راشد کے دل کی سر زمین پر ڈیرے ڈالنے کو تیار تھی اور سحد یہ ان انجمنی آنکھوں کو اپنے اوپر محسوس کر کے پریشان تھی۔ لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں ان کی چھٹی حس انہیں یہ آگاہی دے دیتی ہے کہ اس نظر میں پاکیزگی ہے یا جھٹ ہوس۔ اور سحد یہ یہ محسوس کر رہی تھی کہ ان نظروں میں اس کے لیے محبت بھری پسندیدگی ہے لیکن اس کے باوجود اسے اس لڑکے کا یوں اپنی تصویریں لینا اور گھورتے رہنا پسند نہیں آیا تھا۔

☆.....☆.....☆

ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ سحد یہ کے لیے ماہم کے بھائی کے دوست کا رشتہ آگیا۔ لڑکا جیولری کا خاندانی بزنس میں تھا۔ جو بہت اچھا چل رہا تھا۔ شکل صورت کے اعتبار سے وہ سب کو ہی پسند آیا اور ماہم نے اس کے مزاج و کردار کی گارنٹی دی کہ بہت دھیمے مزاج کا شریف لڑکا ہے اور سحد یہ کو بہت خوش رکھے گا ان کے گھر والوں کو سحد یہ بہت پسند آگئی تھی اور وہ جلد

Section

شادی میں جا رہے تھے اور بھابی نے وہی گولڈ کے کنگن پہنے ہوئے تھے۔ کانوں میں آرٹیفیشل مگر گولڈن کلر کی جھمکیاں اور میکس تھا ہاتی سب تو انہوں نے شہر کے حالات کی وجہ سے چھپایا تھا لیکن اچانک فون کی بیل بجی اور وہ اپنی کھلی سے باہر نکلتی تھیں کہ دو موٹر سائیکل سواروں نے ان کے سگنل پر رکنے کی وجہ سے پستول تان دی اور انہیں موبائل سیٹ کے ساتھ ساتھ کنگن، میکس اور جھمکیاں بھی دینی پڑیں۔ باسٹ بھابی کے تھوڑی حراحت کرنے پر وہ ان کی ٹانگ میں گولی مار کر فرار ہو گئے۔ وہ تو شکر ہوا کہ شانزے کو ڈرائیونگ آتی تھی اس طرح وہ لوگ فوراً اسپتال پہنچے۔ سارے خاندان میں کھلبلی مچ گئی، تائی کا تو رو، رو کر برا حال تھا۔ آمنہ نے ہی ان کو بہت تسلی دی۔ تایا جی بھی اپنی پریشانی کسی سے شیر نہیں کر رہے تھے۔ باسٹ بھابی کو پہلے تو کوئی اسپتال ایڈمٹ نہیں کر رہا تھا کہ یہ پولیس نہیں ہے گورنمنٹ اسپتال جائیں۔ گورنمنٹ اسپتال جانے پر دیگر پولیس کارروائیاں ہوئیں جب تک ان کا کافی خون ضائع ہو چکا تھا۔ خدا خدا کر کے آپریشن شروع ہوا تو ہلڈ کی ضرورت پڑی ان کے گردپ کا ہلڈ کہیں نہیں مل رہا تھا سارے ہلڈ ٹینکس چھان لیے تھے۔ سب بہت پریشان تھے۔

”ارے راشد میرا ایک ہی بیٹا ہے بھلے ساری جائداد لے لو مگر کہیں سے بھی خون کا انتظام کرو، میرے بچے کی جان بچالو۔“ اس وقت تایا جی راشد بھابی سے رو، رو کر یہ کہہ رہے تھے۔

”تایا ابو جائداد کی کیا بات کرتے ہیں آپ..... وہ تو ہمیں مل ہی جائے گی یہاں نہ سبھی اوپر جا کر..... لیکن میں اپنے غمیر اور محبت سے مجبور ہو کر باسٹ بھابی کے لیے جو کر سکا ضرور کروں گا۔ آپ کی غلطی کی سزا باسٹ بھابی کو ہرگز نہیں دوں گا۔“ یہ راشد کے الفاظ تھے جو وہ بہت نرمی سے مگر بہت معنی خیز انداز میں کہہ کر خون کی تلاش میں نکل گیا۔

جسے سن کر تایا ابو جیسے کسی گہری کھائی میں گر گئے

ہی شادی پر زور دے رہے تھے۔ روایتی انداز میں معلومات کرنے کے بعد راشد بھابی اور آمنہ کافی مطمئن تھے لیکن اس کے باوجود آمنہ چاہتی تھیں کہ اس بارے میں احسن بھابی سے بھی کوئی مشورہ لے لیں کیونکہ وہ ایک تجربے کار انسان تھے۔ ساری دنیا دیکھی تھی انہوں نے بیٹے کو بہت مشکل سے راضی کیا کہ تایا ابو تمہارے بڑے ہیں۔ ہم سے زیادہ جانتے ہیں اگر کوئی اونچے نیچے ہو گئی تو تم اس کے ذمے دار ہو گے۔ راشد بھی امی کی باتوں کو مان دینے کے لیے راضی ہو گیا۔ یوں تایا ابو سمیت سب کی رضامندی سے یہ رشتہ بھی طے ہو گیا۔ آمنہ جلد ہی اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی تھیں۔ اب سعدیہ کی شادی کی تاریخیں طے کرنا تھیں۔ تیاریاں شروع کر دی گئی تھیں۔ آمنہ کو ایک بار پھر وہ کنگن بہت شدت سے یاد آ رہے تھے۔ اب کی بار ان کو یہ یاد آ رہا تھا کہ سعدیہ کے دادا کی یہ خواہش تھی کہ ان کی پوتی کو یہ کنگن اس کی شادی میں دیں لیکن اب تو وہ کنگن ان کے پاس تھے ہی نہیں۔ اس لیے وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ ہاں یہ سعدیہ کی قسمت تھی کہ جیولرز کا بیٹا اس کے نصیب میں لکھا گیا تھا اور صرف کنگنی پر ہی بھاری سائیٹ آیا تھا۔ اور دوسرے یہ وہی لڑکا تھا جو سعدیہ کی تصویریں کھینچ رہا تھا اسے من پسند لڑکی مل رہی تھی۔

رشتہ طے ہونے سے جیوز کی تیاریوں تک آمنہ نے جیٹھ جیٹھانی کو ہر معاملہ میں شریک رکھا شاید وہ بھی سمجھ چکے تھے کہ اب آمنہ ان سے اپنے حق کے بارے میں سوال نہیں کریں گی۔ اس لیے ان کے مزاج بھی بہتر ہو گئے تھے۔ انہوں نے راشد کی شادی کی خوشی میں آمنہ کے پورے گھر کی دعوت بھی کی، یوں یہ تعلقات ایک بار پھر بہتری کی طرف چل دیے۔ جبکہ راشد کے دل میں اب بھی اپنے تایا۔۔۔ کی طرف سے کی گئی زیادتی کی پرکھ تھی۔ لیکن ماں کی خاطر چپ تھا۔ سب ہی سکون میں آگئے تھے کہ اچانک ایک حادثہ ہو گیا جس نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہوا کچھ یوں کہ باسٹ بھابی اور شانزے بھابی اپنی ایک دوست کی

تائی اور احسن تایا کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے باہمی مشورے سے اماں جی کے زیور کو صحیح شرعی طریقے سے وراثت کے مطابق آدھا، آدھا بانٹ کر ان کی جائیداد کو بھی بانٹا اور آمنہ کے حوالے کر دیا۔ آمنہ بہت خوش تھیں۔ اور دونوں نے اس بات کا اعتراف کر لیا تھا کہ ان کی نیت خراب ہو گئی تھی۔

”ہم توبہ کرتے ہیں آمنہ، ہماری تو کل جائیداد ہمارا بچہ ہے اگر اسے کچھ ہو جاتا تو ہم کیا کرتے، اس روپے پیسے کا کیا ہے؟ تو آئی جانی چیز ہے، رشتوں میں جھگڑیں ہونی چاہئیں۔“ یہ سب کچھ ہو جانے کے باوجود ایک کک اب بھی آمنہ کے دل میں تھی ان کنگٹوں کی جس کا ڈیزائن اور اماں جی کے الفاظ آمنہ نہیں بھولتی تھیں کہ ”چاہے کچھ بھی ہو جائے یہ ننگن سحدیہ کی شادی پر میں اسے دوں گا اور میں نہ رہا تو تم لوگ اسے میری طرف سے دے دینا۔“ اور آج آمنہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا کہ انہوں نے بھی تو یہ ننگن راشدہ کی بیوی کو دینے کا سوچا تھا۔ شاید اسی لیے وہ ننگن کسی کے بھی ہاتھ نہ لگے۔ سحدیہ کی شادی میں اب بہ مشکل ایک مہینہ باقی تھا۔

شا کرہ اور آمنہ کے دلوں میں ملال تو تھا لیکن کچھ کر نہیں سکتی تھیں۔ ہاں ان کے دل پھر ایک دوسرے کی طرف سے صاف ہو گئے تھے۔ آمنہ نے سحدیہ کی شاپنگ کے لیے جانے کا ایک دن پروگرام بنایا تو اتفاقاً شا کرہ بھی بہو کے ساتھ ان کے گھر آئیں تو سب ہی مل کر شاپنگ کرنے چلے گئے۔

”امی.....“ سحدیہ نے ماں کی توجہ ایک جیولری شاپ کی جانب کرواتے ہوئے کہا ”مجھے کچھ آرٹیفیشل جیولری بھی لینی ہے۔ اب ہر وقت تو سونے کے زیور نہیں پہن سکوں گی۔ حالات ہی ایسے ہیں۔“

”بات تو صحیح ہے چلو کچھ دیکھ لو۔“ آمنہ اور شا کرہ نے بھی اس بات کی حمایت کی۔

دیکھتے، دیکھتے آمنہ کو کچھ کڑے پسند آ گئے لیکن اچانک ان کی نظر دو کنگٹوں پر پڑی جو بالکل دادی جان

تھے، وہ رورہے تھے انہیں اپنی آنکھوں کے آگے اندھیرا ہوتا محسوس ہو رہا تھا وہ خود کو دنیا کا سب سے بے بس اور کمزور انسان تصور کر رہے تھے۔ اولاد بھتیجا ایسی ہی چیز ہے جو ماں باپ کے لیے ہر دولت سے، ہر چیز سے بھاری ہوتی ہے۔ جس اولاد کے لیے انہوں نے قیمتی بچوں کا حق مارا تھا آج وہی لوگ ان کے کام آ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے رب سے رو، رو کر معافی مانگی اور دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ ان لوگوں کا جائز حق ضرور دیں گے۔ تائی امی علیحدہ رورہی تھیں۔ راشدہ بھائی نے اپنے دوستوں میں معلوم کیا تو دو تین مل گئے۔ جبکہ آخری یوٹل راشدہ نے خود دی کہ ان کا ہالڈ گروپ بھی اوپریٹو تھا۔

اس وقت تین گھنٹے کی کوششوں کے بعد آپریشن کامیاب ہو گیا تھا۔ کامیابی کی خبر ڈاکٹر نے سنا کی تو تایا ابو راشدہ کے گلے لگ کر بہت دیر تک روتے رہے۔ وہ اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پا رہے تھے۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے راشدہ کا شکریہ ادا کریں۔ جس کی کوششوں سے ان کے بیٹے کو ایک نئی زندگی مل گئی تھی اور اگلے کئی گھنٹے سب باسٹ بھائی کے ہوش میں آنے کا انتظار بہت بے چینی سے کرتے رہے۔ انہیں ہوش آ گیا تھا۔ تایا ابو نے بیٹے کی زندگی کے صدقے بکروں کی قربانی کروائی۔ اگلے دو مہینے باسٹ بھائی کے لیے کسی سزا سے کم نہ تھے۔ ٹانگ تو بچ گئی تھی مگر تکلیف اور خوف ان پر اب بھی حاوی تھا۔ وہیل چیئر پر چلتے اپنے جوان بیٹے کو دیکھ کر تایا ابو تکلیف اور درد کے سمندر میں غوطے کھانے لگتے۔ بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر شا کرہ تائی بھی بہت کڑھتی تھیں۔ آمنہ انہیں ہر طرح سے تسلی دیتیں کہ بھائی بچے کی جان بچ گئی یہی شکر ادا کریں۔ اب شا کرہ تائی کو احساس ہوتا کہ کاش وہ ننگن دیورانی کو دے دیتی تو باسٹ کے ساتھ یہ حادثہ نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ ان ہی کنگٹوں کی وجہ سے ان لٹیروں سے الجھ پڑا تھا۔ ورنہ باقی سب تو آرٹیفیشل تھا۔

سحدیہ کی شادی کی تاریخ نزدیک آ رہی تھی اور اب تک اس کے زیور کا کوئی انتظام نہیں ہوا تھا۔ شا کرہ

READING
Section

کے نگن جیسا ہے۔“ اب کی بار شاکرہ تائی اور شانزے نے بھی غور سے دیکھا۔
”چچی یہ تو وہی نگن ہیں جو..... جو مجھ سے چنے تھے دس دن پہلے۔“

”یعنی یہ..... یہ وہی..... سونے والے..... اماں جی کے.....“ اب کی بار آمنہ کے منہ سے بھی ٹوٹ کر جملے ادا ہوئے تھے۔ خوشی سے سب کے چہرے دمک گئے تھے مگر ایک بار وہ کنفرم کرنا چاہتی تھیں۔ اس لیے قریبی جیولری شاپ پر معلوم کروایا تو ہوتا چلا کہ یہ وہ، دو تولے کے سونے کے نگن ہیں۔ شانزے نے وہ نگن شاکرہ تائی کی رضامندی سے آمنہ چچی کے ہاتھ میں رکھے اور اسے سجدہ کو اس کی شادی پر دینے کا کہا۔
”چچی یہ ہم سے تو چھین ہی گئے تھے اب یہ ہمارے نہیں سجدہ کے نصیب کے ہی ہیں۔ اسے ہی ملنے چاہئیں۔“

بعد میں سب قیاس آرائیاں کرتے رہے کہ وہ لوگ ہاتی چیزوں کی طرح انہیں بھی اسیٹیشن سمجھ کر آرٹیفیٹل جیولری شاپ پر بیچ گئے ہوں گے اور وہ کئی داریاں کرتے ہوئے گئے تھے۔ اس لیے ان کے پاس اچھی بڑی پوٹی تھی۔ شاید اسیٹیشن جیولری کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی ہوگی۔ اس لیے انہوں نے بیچ دی ہوگی۔
جبکہ آمنہ کا کہنا تھا کہ یہ سجدہ کے لیے اس کے دادا اور دادی کی طرف سے اس کی شادی کا تحفہ ہے۔ کبھی کبھی کوئی لمحہ قبولیت کا بھی ہوتا ہے اور اس لمحے میں کبھی کوئی بات ایسے دعا بن کر قبول ہوتی ہے۔ راشد کو ماں کی کبھی ہوئی بات یاد آگئی تھی۔

”بیٹا آپ کے نصیب میں جو کچھ لکھ دیا گیا ہے تو کوئی چھین نہیں سکتا اور اگر نصیب میں نہیں ہے تو کوئی دلا نہیں سکتا۔ اس لیے جو چیز اختیار میں نہیں ہے اس پر ملال نہ کرو کہ یہی تمہارے حق میں بہتری ہوگی۔ کیونکہ وہ جو اوپر بیٹھا ہے سب کو دیکھ رہا ہے۔ ہر شے کو اپنے مقام پر پہنچا ہی دیتا ہے۔“

کے نگنوں کی طرح دیکھتے تھے۔ آمنہ نے دھاٹھالے۔
”کتنے کے ہیں بھائی!“

”میری بہن یہ ہزار کے ہیں۔“ دکاندار نے کہا۔
”لیکن یہ تو تھوڑے، تھوڑے کالے بھی ہو رہے ہیں.....“ آمنہ نے انہیں بہت حور سے دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”اسی لیے تو درنہ پانچ ہزار سے کم میں نہ بیچتا.....“ دکاندار نے ایک اور تو جیہ پیش کی۔
”چھوڑو آمنہ.....“ شاکرہ نے مشورہ دیا اور وہ وہاں سے آگے بڑھنے لگیں تو دکاندار نے آٹھ سو کی جوڑی کر دیے۔

”آمنہ نے کہا اچھا چلیں ٹھیک ہے..... لائیں دے دیں۔“
”ایہ یہ کیوں لے رہی ہیں.....“ سجدہ یہاں کو منع کر رہی تھی۔

”بیٹا اس کا ڈیزائن مجھے بہت پسند ہے، اس پر پالش کروالوں گی۔“ ان کی خوشی کو دیکھتے ہوئے سجدہ یہ اور شاکرہ دونوں ہی خاموش ہو گئیں۔ اس دن ان لوگوں نے سجدہ کے لیے اور اپنے لیے بہت ساری شاپنگ کر ڈالی تھی۔ اب وہ سب بہت تھک گئی تھیں تو گھر کی راہ لی۔ گھر آ کر سب ایک دوسرے کو اپنی اپنی چیزیں دکھا رہے تھے کہ کسی دکان میں کوئی کیا تھا اور کسی میں کوئی۔

”ارے جہاں تم لوگوں نے پرس لیا تھا اس کے سامنے ہی تھا یہ شوز اسٹور، دیکھو کیسی پیاری سیٹل ہے۔“ تائی شانزے اور سجدہ سے کہہ رہی تھی۔ بڑے اچھے ماحول میں وہ لوگ کھانا کھا کر اب سکون سے بیٹھی تھیں کسی کو یاد بھی نہیں رہا کہ وہ کوئی کڑے یا نگن بھی لائی ہیں۔ جو آمنہ کے پرس میں رکھے تھے۔ اب آمنہ کو جو خیال آیا تو وہ نگن نکال کر بیٹھ گئیں۔ آمنہ خوشی سے شاکرہ بھائی کو نگن دکھا رہی تھیں۔

”دیکھیں بھائی بھلے یہ کناروں سے تھوڑے کالے ہو گئے ہیں لیکن ان کا ڈیزائن بالکل امی جی

کترنے لگی۔ بلال (شوہر) کو ناشتے میں پراٹھا اور
آلیٹ پسند تھا جبکہ اس کی ساس کارن فلیکس یا ولیا
کھاتی تھیں۔ بلال کی آفس کی گاڑی ٹھیک آٹھ بجے
آتی تھی۔ ساس، بلال کے ساتھ ہی ناشتا کرتی تھیں

وہ صبح سے معمول کے مطابق سارے کام انجام
دے رہی تھی۔ شاہ ویز کو فیڈ روے کر اس نے دوبارہ
سلا دیا اور ناشتا تیار کرنے کے لیے کچن میں آگئی۔ فریج
سے آٹا نکال کر سلیب پر رکھا اور آلیٹ کے لیے پیاز

مستی کی عورت کی

گہمت اعظمی

Downloaded From
Paksociety.com

ہوں۔“ اس نے بلال کو مطمئن کرنا چاہا لیکن وہ پھر بھی مطمئن نہیں ہوا۔

”شام کو تیار رہنا احمر کی ویلنگ لہجہ سہری ہے۔“ بلال نے گھر سے نکلتے ہوئے اسے یاد دلایا۔ احمر، بلال کا بہت گہرا دوست تھا۔ دونوں کی شادیاں ایک ہی مہینے میں ہوئی تھیں۔ احمر کو تقریبات کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ تقریبات کرنے کے لیے یہاں ڈھونڈتا۔۔۔۔۔ جبکہ بلال کو اس قسم کا کوئی شوق نہیں تھا اور وہ تو بالکل ہی بلال کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی جو بلال کو پسند ہوتا وہی اسے پسند ہوتا اور جو بلال کو نا پسند ہوتا وہ اسے بھی پسند نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس بات پر پختہ یقین آتا تھا کہ واقعی جوڑے آسمان پر بنتے ہیں۔

”یار ہمارے گھر میں کبھی جھگڑا کیوں نہیں ہوتا۔“ بلال کبھی کبھار مذاق میں کہتا تو وہ بھی سوچتی کہ ایسا کیوں ہے؟

یہ حقیقت تھی کہ نہ ان کے گھر میں ساس، بہو والی چپقلش تھی نہ میاں، بیوی میں کسی بات پر لڑائی ہوتی۔ بلال اپنی بیوہ ماں کا اکلوتا بیٹا تھا۔ شادی کی رات ہی اس نے اپنی ماں کے ہارے میں مانگہ کو کھل تصنیلات سے آگاہ کر دیا تھا کہ اس کی ماں نے کس، کس طرح محنت کر کے اسے پڑھایا لکھایا۔ اور وہ اپنی ماں سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اس کی ماں کو کیا پسند ہے، اس کی ماں کن لوگوں سے ملتی ہے اور کن لوگوں سے نہیں ملتی۔ آدمی رات تک وہ بلال کی زبان سے امی نامہ سنتی رہی اور مسکراتی رہی۔ آدمی سے زیادہ رات گزرنے کے بعد بلال کو خیال آیا کہ آج ان کی شادی ہوئی ہے اور یہ ان کی سہاگ رات ہے۔

صبح سویرے اس کی ساس نے ناشتا بنایا اور پھر اپنی امی کے ہاتھ کے بنائے ہوئے پراٹھے کھاتے ہوئے اس نے پھر وہی باتیں شروع کر دیں۔

”امی کے ہاتھ میں بہت لذت ہے۔ وہ صرف دال بھی پکا دیں تو لوگ اگلیاں چانتے رہ جاتے ہیں۔“ وہ پھر مسکرا دی۔

اس لیے وہ ساڑھے سات بجے تک بلال کے ساتھ ان کا ناشتا بھی تیار کر دیتی۔۔۔۔۔ ناشتے کے بعد وہ بلال کے روانہ ہونے تک اس کی تیاری میں مدد کرتی وہ گھر سے نکلتے، نکلتے اسے آوازیں دیتا رہتا۔ کبھی اس سے ٹانگی کی ٹانگ سے نہ ہتی، کبھی اسے پیچنگ کے موزے نہیں ملتے۔۔۔۔۔ کبھی گھڑی، کبھی موبائل کی پکار مچتی۔۔۔۔۔ پھر بلال کے جانے کے بعد وہ گھر کے کاموں میں لگ جاتی۔ ساس کو بے شمار امراض لاحق تھے۔ ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر اور اب السر کی تکلیف بھی ہو گئی تھی۔ ان کے لیے پریشی کھانا الگ پکنا۔۔۔۔۔ جبکہ بلال کو خوب مریخ مسالے والے چٹیلے کھانے پسند تھے۔ وہ صبح سے اٹھ کر رات تک گھر کے کاموں میں مصروف رہتی لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ کبھی کام کرتے ہوئے جھنجھلائی نہیں تھی۔ ہر کام ہنستے مسکراتے کرتی رہتی، نہ کبھی غصہ ہوئی اور نہ کبھی اٹھاٹھو کر کے غصے کا اظہار کرتی۔ کتنا ہی کام کا بوجھ کیوں نہ ہو اس کی تیوری پر کبھی بل نہیں آتے۔ لیکن کچھلی رات سے بلال کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ، وہ نہیں ہے۔ وہ معمول کے سایہ کام ہی طرح انجام دے رہی تھی اسی طرح مسکرا رہی تھی لیکن کچھ تو ایسا تھا جیسے وہ محسوس کر رہا تھا لیکن کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔

”کیا بات ہے۔۔۔۔۔ سب خیریت ہے ناں۔۔۔۔۔؟“ بلال نے چائے پیتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“ وہ چائے میں چینی ملا تے ہوئے چونک گئی۔

”میرا مطلب ہے تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے۔۔۔۔۔“

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔“ اس نے حسب معمول مسکرا کر جواب دیا۔

”ہو سکتا ہے پھر میری نظروں کا قصور ہو۔۔۔۔۔ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ جیسے، جیسے۔۔۔۔۔“ وہ کھل کر اپنی بات کی وضاحت نہیں کر سکا۔

”آپ بلاوجہ پریشان نہ ہوں، میں بالکل ٹھیک

کامیابی کا گڑ

کامیاب لوگ اپنے ہونٹوں پر دو چیزیں رکھتے ہیں۔ خاموشی اور مسکراہٹ۔۔۔۔۔

مسکراہٹ۔۔۔۔۔ مسئلے حل کرنے کے لیے۔۔۔۔۔
خاموشی۔۔۔۔۔ مسئلوں سے دور رہنے کے لیے۔

از: بشریٰ رضوی، کراچی

دعا

کچھ لوگ قسمت کی طرح ہوتے ہیں، جو دعا سے ملتے ہیں۔ اور کچھ لوگ دعا کی طرح ہوتے ہیں جو قسمت کو بدل دیتے ہیں۔

خدا ہم سب کی جائز دعا میں قبول فرمائے اور ہماری قسمتیں اچھی کرے۔

علم کیا ہے

علم وہ نہیں جو تم نے حاصل کیا۔۔۔۔۔ بلکہ علم تو وہ ہے جو تمہارے عمل و کردار سے ظاہر ہوا۔

از: مہرین ضیاء، کراچی

خوب صورت قطعہ

کون جانے میرے امروز کا فردا کیا ہے
قربتیں بڑھ کے پشیمان بھی ہو جاتی ہیں
دل کے دامن سے لپٹی ہوئی رنگیں نظریں
دیکھتے، دیکھتے انجان بھی ہو جاتی ہیں

شاعر: زمان کجھای

پسند: فرخندہ جعفری، گجرات

اصل خوشی

حب حاصل ہوتی ہے جب آپ کسی کے لیے کچھ اچھا کرتے ہو، اچھا سوچتے ہو کچھ زیادہ نہیں بس کسی کا دکھ بانٹ لو کسی کے آنسو کو پونچھ دو کسی کو مسکراتا سکھا دو کسی مصوم بچے کی مصوم سی خواہش پوری کر دو۔ کسی بزرگ کو سڑک پار کروادو کسی غریب کی مدد کرو کسی کو جینا سکھا دو پھر دیکھو آپ کو نکلے گا اصل خوشی تو یہی ہے کہ دل کو بھی سکون ملتا ہے اور یہ سکون ہی اصل خوشی ہے۔

از: سارہ ظفر، ساہیوال

چند ہی دنوں میں بلال کو اندازہ ہو گیا کہ وہ یونتی کم ہے اور مسکراتی زیادہ ہے اور جب وہ مسکراتی ہے تو مسکراتے ہوئے اس کی آنکھیں گلابی ہو جاتی ہیں۔

جلدی وہ اپنی ساس کی بھی بڑی چٹیتی بہو بن گئی۔ وہ بھی اسے بہت چاہنے لگی تھیں۔ وہ ان کی ذرا، ذرا سی چیز کا خیال رکھتی۔

”میری بہو میرا ہے، میں اپنے مالک کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔“ وہ ہر آئے گئے سے اس کی تعریفیں کرتیں۔

”واقعی آج کل کے دور میں ایسی لڑکیاں چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔“

وہ بھی اپنی خوش بختی پر جتنا بھی ناز کرتیں کم تھا۔

بلال عام سی شکل صورت کا نو جوان تھا جبکہ مادہ بہت حسین اور خوب صورت تھی۔ شادی کے ابتدائی دنوں

میں اس کی ساس کو ہر وقت یہی خوف رہتا کہ کہیں ان کا بیٹا بہو کا ہی ہو کر نہیں رہ جائے اور بڑھاپے میں وہ بالکل تنہا نہ رہ جائیں۔ لیکن جلد ہی انہیں اندازہ ہو گیا

کہ شادی کے بعد بلال ان کا اور زیادہ خیال رکھنے لگا تھا۔ پہلے سے زیادہ ان کے پاس وقت گزارنے لگا۔

وہ دونوں کہیں بھی اکیلے نہیں جاتے، ہر بات میں ان سے مشورہ طلب کرتے ہر مسئلے کو ان سے ڈسکس کرتے، ان سے رائے لیتے، ان کی رائے کا احترام کرتے۔۔۔۔۔ وہ مادہ سے بہت خوش تھیں اور پھر سال

کے اندر شاہ ویز کی آمد نے ان کی زندگی کو مزید خوشیوں سے بھر دیا تھا۔

شام کو بلال کے آنے سے پہلے وہ تیار تھی، اس نے بلال کی پسند کا ڈریس پہنا تھا۔ میرون اور مسٹرڈ

کامی نیشن کی فراک اور چوڑی دار پا جاسے میں اس کی خوب صورتی نمایاں تھی۔

”آج تو تم نے خوب صورتی کے سارے ریکارڈ ہی توڑ ڈالے۔۔۔۔۔“ بلال نے اسے دیکھتے ہوئے جھنجھکی

سے گوشی کی تو اس نے مسکرا کر نظریں جھکا لیں۔ پارٹی بہت ڈیڑھ گھنٹہ رہی۔۔۔۔۔ مادہ کی ہر فرد نے دل کھول کر

تعریف کی۔

”کل اتوار ہے تم صبح سے اپنی امی کی طرف چلی جانا۔ میں شام کو تمہیں لینے آ جاؤں گا۔“ بلال نے واپسی میں گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں، کل مجھے بہت سارے کام ہیں میں امی کے یہاں نہیں جاؤں گی۔“ اس نے گاڑی سے باہر تارکی میں دیکھتے ہوئے سختی سے انکار کر دیا۔

”کام تو ملتے رہتے ہیں تم تھوڑا سا آرام کر لو۔۔۔۔۔ امی بھی یاد کر رہی ہوں گی۔“

”نہیں بلال، مجھے گھر میں ہی آرام ملتا ہے۔ اور فون پر بات ہو جاتی ہے ناں۔۔۔۔۔!“ اس نے پھر انکار کر دیا۔

”تم بہت تھک جاتی ہو، کوئی ملازمہ رکھ لو۔“ وہ ہمیشہ کی طرح اس پر مہربان تھا۔

”آپ کتنی دفعہ یہ بات کہہ چکے ہیں اور میں آپ سے ہر دفعہ یہی کہتی ہوں کہ گھر کے کاموں میں مجھے بالکل سکن نہیں ہوتی۔“ اس نے پھر اپنے چہرے پر مسکراہٹ سجا کر نرمی سے کہا۔

”پھر میں کیا کروں۔۔۔۔۔؟“ وہ جیسے جھنجھلا گیا۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔؟ اس نے حیرانی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں میرا دماغ خراب ہے۔۔۔۔۔“ اس نے ایک سیلر میٹر پر پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا۔

”آج پارٹی میں شادی بھائی کتنی پیاری لگ رہی تھیں۔“ اس نے ماحول کا تناؤ کم کرنے کے لیے پارٹی کا ذکر چھیڑنا چاہا۔

”ہوں۔۔۔۔۔“ اس کا موڈ بدستور آف تھا۔

”آپ کو کس بات پر غصہ آ رہا ہے۔“

”مجھے نہیں پتا۔۔۔۔۔“ وہ الجھ کر بولا۔ وہ بھی خاموش ہو گئی اور گاڑی سے باہر دیکھنے لگی اسے لگا جیسے وہ آنسو بہنے کی کوشش کر رہی ہو۔

”آئی ایم سوری۔۔۔۔۔“ وہ سمجھا اس کے جھنجھلانے پر وہ رورہی ہے اور اس کے سوری کرنے پر اس نے فوراً آنکھوں سے آنسو خشک کر لیے۔ شاہ ویز اس کی گود

ماہنامہ پاکیزہ 110 جون 2016ء

میں سوچکا تھا۔ امی ان دونوں کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ وہ دونوں بیڈروم میں آئے شاہ ویز کو کاٹ میں لٹا کر وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنا میک اپ صاف کر رہی تھی تو وہ اس کے قریب آ گیا۔

”تم بہت خوب صورت ہو، بہت حسین اور بہت دلکش۔۔۔۔۔“ اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر سرگوشی کی تو اسے محسوس ہوا جیسے اس کی آنکھوں میں زندگی کی چمک منقود ہے وہ پھر الجھ گیا۔

☆☆☆

نہ جانے غلطی کس کی تھی اور سزا کون بھگت رہا تھا۔ سب کچھ ٹھیک تھا لیکن کچھ بھی ٹھیک نہیں تھا۔ کہیں تو ٹھوکر لگی تھی، کوئی قدم تو غلط اٹھا تھا۔ کہیں تو جھیر پھسلا تھا اور اس چھوٹی سی غلطی نے کیسا عذاب ڈھایا تھا۔ زندگی کی خوشیوں کو کیسا نگل لیا تھا۔ اس نے کیا کیا تھا؟ بس اتنی ہی تو غلطی ہوئی تھی کہ اس نے غلط کو غلط نہیں سمجھا۔

☆☆☆

”مجھے کینیڈا کا ویزا مل گیا ہے لیکن میں جانے سے پہلے امی کو تمہارے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔“ وہ تو عثمان کے کینیڈا جانے کا سن کر ہی ہراساں ہو رہی تھی اور اب عثمان کی زبان سے یہ جملہ سن کر وہ سناٹے میں آ گئی۔

”عثمان پلیز ایسا نہ کرنا، تم تو جانتے ہو، پاپا اور انکل ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کے روادار نہیں۔۔۔۔۔ پاپا تو یہ سن کر ہی بھڑک اٹھیں گے۔ مجھے ڈر ہے کہیں تمہاری امی کی انسلٹ نہ کروں۔“ وہ چند لمحوں بعد ہوش میں آئی تو اس نے سختی سے اس کی بات رد کی۔

وہ دونوں ایک درمیانی درجے کے ریسٹورنٹ کے فیملی کیمین میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ کالج سے اپنی بیماری کا بہانہ بنا کر لٹی تھی۔ عثمان اس کے گھر کے سامنے رہتا تھا۔ چند سال پہلے تک ان دونوں گھرانوں میں مثالی محبت تھی۔۔۔۔۔ عثمان کے والد ریاض صاحب اور مائدہ کے والد حامد صاحب ایک دوسرے کے جگری دوست تھے۔ ہر شام یا تو ریاض صاحب

مقبول خواتین رائیٹرز کے ساتھ کارناول شائع ہو گئے ہیں

1000/- روپے

عفت صفا

بن مٹانگی دُعا

1000/- روپے

آسیہ مرزا

وُکھ کا ویسا سکھ کا ساگر

600/- روپے

مہوش افتخار

جامِ آرزو

500/- روپے

نازیہ کنول نازی

برف کے آئینو

600/- روپے

نازیہ کنول نازی

اے مثرگانِ محبت

600/- روپے

فاخرہ گل

وہی اک لمحہ زیست کا

کتابیں خوبصورت سرورق بہترین کمپوزنگ و طباعت کے ساتھ شائع ہو گئی ہیں

سرکلر روڈ، چوک اردو بازار لاہور

فون: 042-37668958 — 37652546

القریش پبلی کیشنز

Section

حامد صاحب کے گھر میں موجود ہوتے یا حامد صاحب ان کے گھر میں چائے پی رہے ہوتے جس طرح وہ ایک دوسرے کے دوست تھے اسی طرح ان کی بیویوں میں بھی بہنوں سے بڑھ کر محبت تھی۔ آئے دن دونوں گھروں میں کھانے پینے کی چیزوں کا تبادلہ ہوتا رہتا..... حامد صاحب کے گھر میں حکیم پتی تو گھر والوں کے کھانے سے پہلے ایک پیالہ ریاض صاحب کے گھر میں بھجوا دیا جاتا اسی طرح اگر ریاض صاحب کے گھر میں بریانی پتی تو گھر والوں کے کھانے سے پہلے گرم، گرم بھاپ اڑاتی، مہک والی بریانی کی ایک پلیٹ حامد صاحب کے گھر پہنچ جاتی۔ حامد صاحب کے گھر میں مجلس ہوتی تو ریاض صاحب کی تنگم اور بچے صبح سے مجلس کے اہتمام میں مصروف ہو جاتے اور ریاض صاحب کے گھر میں میلا دیا قرآن خوانی ہوتی تو حامد صاحب کی تنگم اور بچے اپنا گھر سمجھ کر برابر سے اہتمام کرتے۔ دونوں گھرانے برابر سے ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شریک رہتے اور اس طرح شریک رہتے کہ لگتا دونوں گھرانوں کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے۔ حامد صاحب کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی جبکہ ریاض صاحب کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ ریاض صاحب کا عثمان اور حامد صاحب کی مائدہ تقریباً ہم عمر تھے اور ایک ہی کلاس میں پڑھتے تھے۔ اس لیے دونوں میں بے انتہا دوستی تھی اور پھر بچپن کی یہ دوستی بڑھتے، بڑھتے نہ جانے کب محبت میں تبدیل ہو گئی۔ ابھی اس محبت کا علم گھر کے بڑوں کو نہ ہوا تھا کہ یہ اعدہ ناک واقعہ پیش آ گیا۔ حامد صاحب کا بڑا بیٹا اسد ٹارگٹ کنگ میں مارا گیا۔ اس کی موت نے پورے محلے کو آنسوؤں اور سسکیوں میں ڈبو دیا۔ جس دن اس کا جنازہ اٹھا ہر فرد اس کی جواں عمر کی پریشک ہار تھا۔ ریاض صاحب، حامد صاحب سے زیادہ غم زدہ اور دکھی دکھائی دے رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔ ان کے گھر میں کئی دن تک شام غریباں کی اداسی چھائی رہی۔ ریاض صاحب

ماہنامہ پاکیزہ 112 جون 2016ء

کی تنگم تو صبح ہوتے ہی حامد صاحب کے گھر چلی جاتیں اور سارا دن ان کی بیوی اور بچوں کی دلجوئی میں لگی رہتیں۔ ان دنوں انہیں نہ اپنے گھر کا ہوش تھا اور نہ اپنے بچوں کا انہوں نے کبھی حامد صاحب کے گھر کو اپنے گھر سے الگ نہیں سمجھا..... پھر نہ جانے کیا ہوا کہ انہیں احساس ہونے لگا جیسے حامد صاحب کے خاندان والوں کی نظروں میں ان کے لیے عجیب سی بے گانگی اور سرد مہری در آئی۔ وہ باتیں کرتے، کرتے انہیں دیکھ کر چپ ہو جاتے ہیں، کبھی کبھار کسی کی طرف سے کوئی دل دکھانے والا جملہ بھی انہیں سننا پڑتا..... اور اس دن تو حد ہی ہو گئی..... جب حامد صاحب کی چچا زاد بہن کسی سے سرگوشیوں میں کہہ رہی تھیں۔

”میرا بس طے تو میں ان لوگوں کو گھر میں بھی نہیں گھسنے دوں، یہ لوگ ہمارے گھروں میں کس کس ساری معلومات حاصل کر کے دہشت گردوں تک پہنچاتے ہیں۔“ وہ شاید انہیں پہچانتی نہیں تھیں جیسی ان کے برابر میں بیٹھی کسی اور رشتے دار سے اس قسم کی زہریلی باتیں کر رہی تھیں۔ انہیں لگا جیسے کسی نے ان کا دل مسل دیا ہو۔ کتنے دکھ کی بات ہے لوگ کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ سالوں سے ایک دوسرے کے ساتھ رہ رہے ہیں۔ اسد، ریاض صاحب کے گھرانے کو اپنے بچوں کی طرح پیارا تھا۔ اس کو مارنے والا ان کے سامنے آ جاتا تو وہ اسے جان سے مار ڈالتیں۔ لوگ کیسے ایک دوسرے کے دلوں میں نفرتیں پیدا کر رہے ہیں۔ ان گزرے ہیں سالوں میں آج تک ان کے درمیان کسی بات پر اختلاف نہیں ہوا۔ وہ ان موضوعات پر بحث ہی نہیں کرتے تھے جس سے ایک دوسرے کی دل آزادی ہو..... وہ ایک دوسرے کے عقائد کا دل سے احترام کرتے تھے، وہ حامد صاحب کے گھر میں ہونے والی مجالس کو اسی طرح مقدس سمجھتی تھیں جیسے اپنے گھر میں ہونے والے میلا داد اور قرآن خوانی کو وہ بھی نواسر رسول کا غم مناتی تھیں بس ان کا طریقہ مختلف تھا۔ اسی طرح

”ظاہر ہے، میں تو ایسا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔“
 ”میں نے بھی کب سوچا تھا کہ حامد کے دل میں
 میرے بارے میں بھی کبھی شک پیدا ہو سکتا ہے۔“
 ریاض صاحب اپنے عزیز ترین دوست اور پڑوسی کے
 رویے کی تبدیلی کو بہت شدت سے محسوس کر رہے تھے۔
 ”اصل میں اتنے بڑے صدمے کی وجہ سے
 انسان کا دماغ ویسے ہی کام نہیں کرتا پھر لوگوں کی
 باتیں..... اس کے دماغ کو اس کی سوچوں کو اور زیادہ
 پرانگندہ کر دیتی ہیں۔“

”پھر بھی حامد کو سمجھنا چاہیے۔ ہم ہیں سالوں
 سے ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔“

”میرا خیال ہے ابھی تازہ، تازہ غم ہے۔ وہ
 لوگوں کی باتوں کا زیادہ اثر لے رہے ہیں۔ چند دنوں
 بعد جب وہ صحیح طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل ہو جائیں
 گے تو انہیں احساس ہوگا کہ ہم ان کے دوست ہیں،
 دشمن نہیں۔“ انہوں نے شوہر کو اتنا مایوس اور دل گرفتہ
 دیکھ کر انہیں دلاسا دیا۔

”کاش ایسا ہو..... اور ہماری دوستی پر کوئی آج
 نہ آئے۔“

”ایسا ہی ہوگا.....“ انہوں نے امید اور اس کے
 جتنوں کو مضبوطی سے مٹھی میں بند کیا لیکن بہت جلد ہی یہ جگنو
 ان کی مٹھی سے آزاد ہو گیا اور رفتہ، رفتہ دونوں گھرانوں
 میں فاصلے بڑھنے لگے۔ اب اکثر ایسا ہی ہوتا کہ ریاض
 صاحب کے گھر بریانی بکتی تو وہ حامد صاحب کے گھر
 بھجوانا بھول جاتیں اور حامد صاحب کے گھر حلیم بکتی تو
 وہ ریاض صاحب کے گھر نہ بھجوائی جاتی۔

وہ دونوں دوست ملتے تو بات سلام دعا سے
 آگے نہ بڑھتی۔ بچوں کا بھی ایک دوسرے کے گھر آنا
 جانا تقریباً ختم ہو گیا تھا۔ ایک دن حامد صاحب نے
 مائدہ کو ریاض صاحب کے گھر سے ٹکٹے دیکھا تو وہ
 آگ بگولا ہو گئے اور چند لمحوں بعد جب عثمان گھر سے
 نکلا تو انہوں نے بلاوجہ ہی اسے ڈانٹنا شروع کر دیا۔
 جبکہ مائدہ، عثمان سے فزکس کے نوٹس لینے گئی تھی۔ عثمان

ماہنامہ پاکیزہ 113 جون 2016ء

حامد صاحب کی بیوی بھی ان کے گھر میں ہونے والی ہر
 قرآن خوانی اور میلاد میں شریک ہوتیں بلکہ ان کی
 بیٹیاں تو میلاد بھی پڑھتی تھیں۔ وہ دونوں گھرانے تو
 رشتے داروں سے بڑھ کر ایک دوسرے کے قریب
 تھے۔ وہ حامد صاحب کے گھر سے بہت دگمی ہو کر
 آئیں۔ انہوں نے گھر آ کر شوہر سے ذکر کیا۔

”مجھے تو یہ سب سن کر اتنی تکلیف ہوئی جیسے کسی نے
 میرے کلیجے کے ٹکڑے، ٹکڑے کر دیے ہوں۔ آپ کو یاد
 ہے میں اسد کو کتنا پیار کرتی تھی بلکہ کبھی کبھار تو آپ بھی
 ہنس کر کہتے تھے لگتا ہے کہ تمہارے تین نہیں چار بیٹے
 ہیں.....“ وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”ہوں.....“ ریاض صاحب نے کوئی جواب
 نہیں دیا بلکہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

”اسد کو میرے ہاتھ کا بیٹھا پر اٹھا کتنا پسند تھا۔
 جب بھی آتا تھا فرمائش کر کے پکوانا تھا بلکہ سائرہ تو کہتی
 تھی کہ آخر تم کس طرح پکاتی ہو۔ میں بھی تمہارے
 طریقے سے پکاتی ہوں مگر اسد کو پسند ہی نہیں آتا۔“ ان
 کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔

”بڑے دکھ کی بات ہے، حامد کو دیکھ کر کلیجہ کو آتا
 ہے۔ دل چاہتا ہے کہ کس طرح اسد کو لا کر اس کے سامنے
 کھڑا کر دوں۔ میری نظروں کے سامنے ہر وقت اس کی
 تصویر پھرتی ہے۔ کسی کام میں دل نہیں لگتا..... کیسا پیارا بچہ
 تھا۔“ ریاض صاحب کی آنکھیں بھی بھیگ رہی تھیں۔

”سائرہ اور مائدہ کے روتے میں تو کوئی فرق
 نہیں آیا لیکن ان کے رشتے دار..... بہت عجیب، عجیب
 باتیں کرنے لگے ہیں۔“ انہوں نے پھر ان تکلیف دہ
 جملوں کو دہرایا۔

”مجھے تو حامد کے روتے میں بھی تہذیبی محسوس
 ہونے لگی ہے۔ کئی دنوں سے مجھے اس کے اعزاز بدلے
 بدلے نظر آ رہے ہیں بلکہ وہ دن پہلے ہی میں نے تم سے
 ذکر کیا تھا تو تم نے کہا تھا، آپ کو وہم ہوا ہوگا..... ایسا
 کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ آپ کو بھانئیں سے بڑھ کر چاہے
 ہیں۔“ ریاض صاحب اداسی سے بولے۔

دونوں اکثر ویسٹر ریسٹورانوں میں، پارکوں میں ملے گئے۔ وہ دونوں سمجھتے تھے کہ شاید ان دونوں کی محبت کی شدت کو دیکھ کر ان کے والدین کے دل سہم ہو جائیں گے۔ اسی دوران عثمان کو کینیڈا کا ویزا مل گیا۔ عثمان چاہتا تھا کہ وہ مائدہ سے نکاح کر کے جائے۔ لیکن مائدہ نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی ابھی اس ذکر سے گھر میں طوفان کھڑا ہو جائے گا۔

”کچھ عرصے بعد جب تم واپس آؤ گے تو اس وقت تک حالات شاید بہتر ہو جائیں۔“ مائدہ اسے سمجھاتی تو وہ اور جذباتی ہو جاتا۔

”مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں میری غیر موجودگی میں تم کسی اور کی نہ ہو جاؤ۔“

”تم بے فکر رہو، ایسا ممکن ہی نہیں۔۔۔۔۔ میری زندگی میں تمہارے سوا کوئی نہیں آ سکتا۔ میں مرجاؤں گی، ہر کھالوں کی لیکن کسی دوسرے شخص سے شادی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔“ اس نے عثمان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے یقین سے دعویٰ کیا تھا۔

”میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمہاری شادی کسی اور سے ہوگی تو میں اپنے آپ کو ختم کر دوں گا۔“ عثمان کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپکنے لگا تھا۔

”ہم ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں اور ہمیں کوئی جدا نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔“ وہ اس کے وعدے پر یقین کر کے کینیڈا چلا گیا۔ اور پھر عثمان کے جانے کے ایک سال بعد ہی اس کی شادی ہو گئی وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی اور کچھ بھی نہ کر سکی۔

☆☆☆

رات کو ہی عثمان کا فون آیا تھا وہ دودن پہلے ہی کینیڈا سے آیا تھا۔

”مائدہ تم نے شادی کر لی۔ تم نے تو کہا تھا کہ تم ہر صورت میرا انتظار کرو گی۔ میرے سوا کسی اور سے شادی نہیں کرو گی۔“ وہ غصے سے بھڑک رہا تھا۔

”میں کچھ نہیں کر سکتی تھی۔“

”تو تم نے وعدہ کیوں کیا تھا۔ مجھے یقین کیوں

سر جھکائے حامد صاحب کی ڈانٹ سنتا رہا۔ اس نے ایک جملہ بھی نہیں کہا۔ انہوں نے اسے نہ جانے کیا، کیا کہہ ڈالا لیکن وہ خاموش رہا۔ اب دونوں گھرانوں میں رسمی سلام دعا بھی ختم ہو گئی۔ مائدہ نے بھی ان کے گھر جانا چھوڑ دیا۔ حامد صاحب نے سختی سے کہہ دیا تھا کہ اب اگر ان کا کوئی بچہ بھی ریاض صاحب کے گھر کی طرف سے گزرا تو وہ اس کی ٹانگیں توڑ دیں گے۔ باپ کا حکم مائدہ کے لیے قیامت بن گیا۔۔۔۔۔ وہ جلے پاؤں کی ٹیلی کی طرح گھر میں پھرا کرتی۔ جب ملنے پر پابندی نہیں تھی تو اتنا احساس نہیں تھا اور اب جب ملنے پر پابندی لگ گئی تو لگتا جیسے دنیا ہی ختم ہو گئی۔ عثمان کا بھی یہی حال تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ماں، باپ، بہن، بھائی خوشی، غم، رسوم و رواج، محبت، نفرت سب ایک نقطے پر مرکوز ہو گئے۔ مائدہ کے لیے عثمان سب کچھ تھا اور عثمان کے لیے مائدہ کے سوا زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔

اس عمر کی محبت تو اس سیلاب کے مانند ہوتی ہے جو راستے میں آنے والی کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرتا اور راہ میں آنے والی ہر شے کو بہا کر لے جاتا ہے۔ اور یہ تو سیلاب کے گزرنے کے بعد ہی پتا چلتا ہے کہ کیا، کیا اس کی زد میں آیا اور اس نے کس، کس کو کیسا، کیسا نقصان پہنچایا۔ کیا اس سیلاب کو روکا نہیں جاسکتا۔۔۔۔۔؟ کیا وہ یاؤں کے آگے بند نہیں باندھے جاسکتے۔۔۔۔۔ اگر وہ یاؤں کے آگے پہلے ہی مضبوط بند باندھ دیے جائیں تو آنے والے سیلاب پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ پر یہ بند باندھے کون۔۔۔۔۔؟ جن کی ذمہ داری ہے وہی اگر عقلیت کی نیند سو رہے ہیں تو بچتا تو مقدربے گا۔ پھر کسی سے شکوہ کیا۔۔۔۔۔؟

عثمان تو بالکل بھون بھون چکا تھا۔ وہ گھنٹوں کالج کے سامنے کھڑا رہتا۔ فون پر اس کی منتیں، سنا جتیں کرتا کہ وہ اس سے کہیں باہر ملے۔ پہلے تو وہ انکار کرتی رہی لیکن جب اس کا اصرار بڑھتا گیا تو وہ بھی سب کچھ بھول گئی۔ ماں کی سختیں، باپ کا حکم، خاندان کی شرافت، وہ

خوب صورت دعا

اے میرے اللہ!

جو چیز ہمارے دین و دنیا کے لیے فائدہ مند ہے۔ ہمیں اس کے قریب کر دے اور اس کا حصول ہمارے لیے آسان بنادے۔ اور جو چیز ہمارے دین و دنیا کے لیے نقصان دہ ہے اسے ہم سے اور ہمیں اس سے دور کر دے۔۔۔۔۔ (الہی آمین)

از: مجیدہ ضیاء بخش، کراچی

انجانہ میں

وہ رشتے اور تعلق بھی نہیں ٹوٹے جن کی بنیاد میں سچائی، خلوص اور پیار ہوتا ہے۔ آپ کی خوشی اور پرسکون زندگی کے لیے دعا میں دینے والوں کی قدر کرو کہیں تم انجانے میں ان کا دل نہ دکھا دو۔۔۔۔۔

از: نگہت اعوان، سرگودھا

شادی کی مبارک باد دوں گا، تمہارے باپ کا ڈر نہیں ہوتا تو میں اسے چائے پر روکتی بس یہاں سے گیا اور تھوڑی دیر بعد ہی اُن کے گھر سے حج و پکار کی آوازیں آنے لگیں پتا چلا اس نے خود کو گولی مار کر ہلاک کر لیا۔ وہ اسے ساری تفصیل بتا رہی تھیں اور اس کے اندر رات کی تاریکی اپنے نیچے گاڑتی جا رہی تھی۔

”ای میں آپ کو بعد میں فون کروں گی۔ ابھی بلال آنے والے ہیں۔“ وہ فون رکھ کر داش روم چلی گئی داش روم سے باہر آ کر اس نے چہرے کو خشک کیا ہلکا ہلکا میک اپ کیا آنکھوں کے میک اپ پر خاص طور پر توجہ دی اور جب بلال آفس سے آئے تو وہ روزمرہ کے معمولات روز کی طرح مسکراتے ہوئے انجام دے رہی تھی۔ وہ گھر کے سارے کام ہمیشہ کی طرح نمٹاتی رہی تھی۔ ساس سے بھی باتیں کر رہی تھی، شاہد بزرگ کو بھی پیار کر رہی تھی اس کی طرف بھی محبت سے دیکھ رہی تھی لیکن پھر بھی بلال کو ایسا کیوں لگ رہا تھا جیسے اس کی بیدی جیتی جاگتی عورت نہیں ہے۔

دلایا تھا۔ مجھ سے قسمیں کیوں کھاتی تھیں؟“

”وہ جذباتی باتیں تھیں۔ اس عمر میں لڑکے، لڑکیاں ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔“ اس نے اپنی ساری قسموں اور وعدوں کو ایک دم ہی صفر کر دیا تھا۔

”تم بہت جھوٹی ہو، تم بھول گئیں تم نے کہا تھا کہ اگر تمہاری شادی مجھ سے نہ ہوئی تو تم زہر کھا کر مر جاؤ گی۔“ وہ چلانے لگا۔

”میں جھوٹی ہوں تو تم کون سے سچے ہو، تم نے بھی تو کہا تھا کہ اگر میری شادی تم سے نہ ہوئی تو تم بھی اپنے آپ کو مار ڈالو گے۔۔۔۔۔“ اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں اسے اس کا وعدہ یاد دلایا۔

”میں جھوٹ نہیں بولتا۔ میں نے جو کہا ہے وہ کر کے دکھاؤں گا۔“

”فضول باتیں نہیں کرو، کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا۔۔۔۔۔ تم بھی شادی کر لو۔۔۔۔۔ اور جی خوشی زندگی گزارو۔۔۔۔۔ یہ محبت و محبت بیکار کی باتیں ہیں اور پلیز اب مجھے فون نہیں کرنا اور نہ ہی ملنے کی کوشش کرنا۔۔۔۔۔ میں بہت خوش ہوں، میرے شوہر بہت اچھے ہیں اور مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے بہت محبت کرتی ہوں۔ مجھے شادی کے بعد احساس ہوا ہے کہ اصل محبت کیا ہوتی ہے؟“ اس نے یہ کہہ کر جلدی سے فون بند کر دیا۔

☆☆☆

اور پورے ایک گھنٹے بعد گھر سے اس کی امی کا فون آ گیا۔

”مامدہ غضب ہو گیا۔ حنان نے خودکشی کر لی۔“

”کون حنان۔۔۔۔۔؟“ اس کا دماغ جیسے اندھیروں میں ڈوب گیا تھا۔

”ارے وہی حامد صاحب کا بیٹا جو کینیڈا چلا گیا تھا۔ ابھی کل ہی تو آیا تھا، آج شام کو ہمارے گھر بھی آیا تھا۔ بڑا ہی خوب صورت ہو گیا تھا۔ سب کی خیریت پوچھتا رہا۔ تمہارے بارے میں بھی پوچھا بلکہ تمہاری سسرال کا نمبر بھی لیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ میں مامدہ کو خود

گنگا منہ بہ منہ

قسط 5

انجمن انصار

انسان نہ کچھ پنس کر سیکھتا ہے، نہ رو کر سیکھتا ہے، جب بھی
سیکھتا ہے یا کسی کا ہو کر سیکھتا ہے یا پھر کسی کو کھو کر
سیکھتا ہے... چونکہ لوگ دل کے امیر کم، کم ہوتے
ہیں، اس لیے زندگی کی کتاب میں

اتنی غلطیاں نہ کرو کہ پنسل

سے پہلے ریڑ ختم ہو جائے

اور توبہ سے پہلے

زندگی...

جو آنکھوں اوٹ ہے چہرہ اسی کو دیکھ کر جینا

یہ سوچا تھا کہ آساں ہے مگر آساں نہیں ہوتا

نہ بہلاوا نہ سمجھوتا، جدائی سی جدائی ہے

ادا سوچو تو خوشبو کا سفر آساں نہیں ہوتا

بیت کے اندر رہ کر سورتی ایک سورتی

تشریف



Downloaded From
Paksociety.com

ماہنامہ پاکیزہ 118 جون 2016ء

READING
Section



READ
BOOKS

اگلے دن جب میں آفس گئی اور سرفریڈ کے روم میں گئی تو وہ ندیم خان کے ساتھ شاید کوئی مسئلہ دیکھ کر رہے تھے۔ مجھے اپنے روم کے دروازے پر کھڑا دیکھا تو بولے۔

”جی مس صبا..... آئیں..... کوئی بات ہے کیا؟“

”سوری سر..... میں غل ہوئی..... میں تو صرف آپ کی سبز کا شکریہ ادا کرنے آئی تھی۔ ان کا گفٹ مجھے بہت پسند آیا ہے۔“

مگر اس وقت سرفریڈ کے بجائے ندیم خان سرعت سے بولے۔

”ارے شکریہ ادا نہیں کیا جاتا مگر چلو ہو گیا، اس وقت تو اس نوٹس کو پڑھو فریڈ تم، جو خواہ مخواہ ہمیں بھیجا گیا ہے۔“ ندیم سر نے مجھے جانے کا اشارہ کر کے فائل کی طرف اشارہ کیا۔ شاید انہیں میرا یوں آنا اچھا نہیں لگا تھا۔ اس لیے انہوں نے مجھے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔

”ندیم ایک منٹ.....“ سرفریڈ نے فائل بند کر کے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

”مس صبا آپ کس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں..... ابھی؟ فضا حیرت بھرے لہجے میں گویا ہوئے۔

”آپ کی سبز کا۔“

”میری سبز کا.....؟“ وہ ہنسے۔

”جی سر.....“ مجھے ان کے ہنسنے پر اچھا سا ہوا۔

”میری سبز نے آپ کو کوئی گفٹ بھیجا ہے؟“ وہ پھر مسکراہٹ لہجوں پر سجا کر بولے۔

”جی سر.....“

”گفٹ ہے..... آپ کو کوئی فائل تھی ہوئی ہے۔“

”مجھے فائل تھی کیوں ہوتی.....“ میں نے ندیم خان کو دیکھا جو اس تمام معاملے سے بے خبر نہ صرف فائل کے مطالعے میں مگن تھے بلکہ اس پر اپنے کتھن بھی لکھ رہے تھے۔

”مس صبا.....“ سرفریڈ کھنکھناتے، اپنی نظر کا چشمہ اتارا اور گلاسز پر پھونک مار کر دوبارہ اسے لگاتے ہوئے بولے۔

”میری سبز تو گزشتہ ایک ماہ سے اپنے میکے لاہور گئی ہوئی ہیں اور وہ اپنے اکلوتے بھائی کی شادی کی تیاریوں میں اتنی مگن ہیں کہ نہ انہیں اپنا گھر یاد آ رہا ہے اور نہ گھر والا۔“

”مگر سر..... یہ سب تو مجھے نہیں پتا۔“

”اچھا.....“

”جی سر..... مجھے تو بتایا گیا تھا.....“ میں نے ندیم خان کو دیکھا جو اپنے کام میں اتنے مغلغل نظر آ رہے تھے جیسے انہیں ہماری باتیں سنائی تک نہ دے رہی ہوں۔

”بھئی ندیم.....“ سرفریڈ نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”کیا ہوا.....؟“ وہ چھوٹے سے ہوئے۔ ”ایسا برا بلیم.....“ وہ فریڈ سر سے پوچھ رہے تھے۔

”یار اب تم ہی بتاؤ ناں..... میری سبز لاہور میں شادی کے گھر میں بیٹھی مس صبا رحیم کو کس سلیبلے میں گفٹ بھیجی۔ کوئی بات بھی ہو..... وہ تو ان سے حصار تک نہیں ہے۔“ اب سرفریڈ نے مدد کے لیے ندیم خان کو بھی جھٹٹ لیا۔

”ہونہ..... بھول جانا تو تمہاری عادت ہے فریڈ..... اب مس صبا اپنے سالگرہ گفٹ کی بات کر رہی ہیں جو سارہ بھائی نے لاہور جانے سے پہلے آفس کے لوگوں کے لیے دیے تھے۔“ وہ چہرے پر کسی قسم کا کوئی رد عمل

لائے بغیر انتہائی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

”اچھا..... اچھا..... وہ.....“ سرفرید کو بھی یاد آ گیا۔

”ہاں وہ.....“ عدیم خان نے خلی بھرے لہجے میں جملہ چبا کر کہا۔

”بالکل یاد آ گیا..... بات پرانی تھی ناں..... اس لیے یادداشت کی دہلیز پر آنے میں دیر لگی۔“

”ہاں دو سال پرانی بات تھی ناں..... جو تم بھول بیٹھے۔“ سرفرید خان کا لہجہ ہنوز خلی بھرا تھا۔

”ارے یار..... میں واقعی بھول گیا تھا..... سارہ نے ایک ساتھ بہت سارے گفٹس آفس بھجوائے تھے کہ

یہ سب ایک ہی جیسے ہیں اور ہر ورکر کی سالگرہ پر انہیں دیتے جانا۔ شاید کسی کلائنٹ نے ڈیئر سارے بھیج

دیے۔“ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے انہوں نے مزید بے پروائی کا تاثر سہاتے ہوئے کہا۔

”سب کو ایک جیسے گفٹ.....؟“ میں نے حیرت سے سرفرید کی طرف دیکھا۔

”جی ہاں.....“ لہجہ وثوق بھرا تھا۔

”واؤ.....“ میرے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”وہ اس لیے کہ ہمارے لیے تو سارے ورکرز برابر ہیں ناں.....“

روانی میں وہ میرے لہجے پر غور نہیں کر سکے تھے۔

”جی سر.....“

”کیوں عدیم..... ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔“

”جی بالکل.....“ عدیم خان نے بھی سادگی سے کہا۔ اس وقت وہ اپنے لیپ ٹاپ پر کام کرنے میں اس

قدر محو تھے کہ سرفرید کی بات کا جواب بھی نظریں جھکائے، جھکائے ہی دیا گیا تھا۔

”سر کیا آج کل کوئی نیا فیشن حعارف ہوا ہے کہ اب لڑکیوں..... کی طرح، لڑکے بھی بالی، چین، انگوٹھی کے

ساتھ ماتھے پر بندیا بھی لگائیں گے۔“

”ارے، ایسا کب سے ہو رہا ہے.....؟“ وہ جسفرانہ لہجے میں پوچھ رہے تھے۔ جیسے میری بات سے لطف

رہے ہیں۔

”سر، یہ بات تو میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میرے گفٹ بکس میں سے تو یہ سب ہی برآمد ہوا ہے اور آپ

کہہ رہے ہیں کہ سارے ورکرز کو ایک جیسے گفٹس دیے جائیں گے۔“

سرفرید..... اب عدیم خان کی جانب متوجہ تھے..... اور میں اپنے موبائل پر کال آتے دیکھ کر باہر کی جانب

جار ہی تھی۔

عدیم خان نے سرفرید سے کیا کہا..... یہ سب تو مجھے معلوم نہیں تھا..... مگر اگلے دن صفر سب کو بتا رہا تھا کہ

عدیم خان نے کہا کہ آئندہ سے ہر سالگرہ پر ورکرز کو گفٹ واؤچر دیے جائیں گے کہ انہوں نے میل باکس چیک

کیے..... تو پرفیومز کی شیشیاں، ٹوٹی ہوئی قمیص اور بعض ایکسپنسیو ٹی شirts اسی طرح انٹیشن جیولری ہر ایک کو پسند نہیں

ہوتی..... اس لیے آفس کی جانب سے گفٹ باکسز کا سلسلہ ختم سمجھو۔

”یہ سلسلہ تو ابھی صحیح طرح سے شروع نہیں ہوا تھا کہ ختم بھی ہو گیا۔“ فرزانہ نے مضحکہ اڑایا۔

”گفٹ واؤچر..... بھی اتنے معمولی ہوں گے کہ ان سے ایک وقت کھانا بھی نہیں کھایا جاسکے گا۔ ہونہر یہ

مالکان ورکرز کی سالگرہ منائیں گے۔“

”تمہیں تو بریانی پسند ہے اکثر ایک سو اسی کی پلیٹ منگواتی ہوتی..... اس لیے اگر گفٹ واؤچر پانچ سو روپے

ماہنامہ پاکیزہ 119 جون 2016ء

Downloaded From
Paksociety.com

کا بھی ہوا تو تم اور ساہو تو مرے سے بریانی کھا کر مزید پیسے بھی بچا لو گے۔“
 ”پلیز..... ایسے اوجھے مذاق مجھ سے مت کیا کرو..... مجھ سے برداشت نہیں ہوتے۔ مجھے تمہاری باتوں پر
 ہنسی چھیں آتی السوس ہوا کرتا ہے۔“ ناعمر نے مذاق میں ہنس کر کہا تھا۔ مگر فرزانہ کے کس کر لگا..... جیسی انتہائی
 کڑوے لہجے میں بولی تھی۔

☆☆☆

افسر دگی اور اداسی نے اس کی شخصیت کو جیسے کچل کر رکھ دیا تھا۔ بات بے بات ہنسنے والا حادثہ خاموش سا
 ہو گیا تھا۔ آج بھی وہ اپنے بچپن کے دوست کے پاس جا رہا تھا۔ راستے میں اسے شہلا ٹکرائی تھی اور وہ اس کی
 باتیں سوچ کر برا سامنہ بنانے لگا۔

”ہونہہ..... یہ لڑکیاں بھی ہر وقت اپنی ہتھیلی پر اپنا دل لیے گھوما کرتی ہیں۔ جہاں کوئی نظر آیا ان کے
 ڈائلاگز شروع.....“ وہ سوچ رہا تھا کہ آج پھر وہ بے وجہ کی بکواس شروع کر دے گی کہ حفظہ مقدم کے طور پر اس
 نے اسے دیکھ کر اپنی تیوری بھی چڑھائی تھی۔

اس سے قبل کہ شہلا اس کے قریب آ کر اس سے بات کرتی وہ مڑا اور گھوم کر تیزی سے اپنی گاڑی لے
 کر اس پھرتی سے نکلا جیسے اسے کسی اہم جگہ جانے کی بہت جلدی ہو۔“ ریحان سے بعد میں مل لوں گا۔“ اس نے
 سوچا۔

گاڑی کے بائزر جس انداز میں آواز نکالتے ہوئے موڑے گئے تھے اس کی جلد بازی کا اندازہ اسی سے
 ہو رہا تھا..... مگر افسوس کہ اس سے قبل کہ وہ گاڑی تیزی سے آگے لے جاتا۔ اسے اپنا دوست ریحان سامنے سے
 آتا نظر آ گیا تھا..... اور وہ اسے دیکھے بغیر تیزی سے اپنے آفس جا رہا تھا۔

اب یہاں سے کہیں اور جانے کا کوئی قاعدہ نہیں تھا۔ اگر وہ چلا جاتا تو ریحان سے ملاقات نہ ہوتی۔
 ناچار پھر گاڑی واپس اپنی جگہ کھڑی کی اور باہر نکلا..... تو شہلا وہیں کھڑی تھی اور اسے دیکھ کر پھیکے انداز
 میں مسکرا رہی تھی۔

”آج کل کی لڑکیوں کے پاس بڑا قاتلوتاٹم ہے.....“ یہ سوچ کر اس نے قدم بڑھائے۔

”یہ لڑکی..... پتا نہیں کالی بلی کی طرح ہمیشہ میرا راستہ کیوں کاٹ جاتی ہے۔“ اس نے جیسے اپنے
 آپ سے کہا۔

شہلا اسے دیکھے گئی۔

ریحان سے اس وقت تفصیلی بات ہو سکے گی بھی یا نہیں..... ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا۔ ایک چھلوا و اہم کا لڑکا
 تیزی سے اس سے گرایا..... اور اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر یہ جاوہ جا..... لوگوں کی بھیڑ میں وہ نظری نہیں
 آیا۔

”حادثہ آپ کا موبائل..... وہ چور لے کر بھاگ بھی گیا اور پتا نہیں کہاں گیا۔“ شہلا بھاگ کر اس کے
 پاس آئی اور حواس باختہ لہجے میں بولی۔

”جی ہاں..... جب، جب آپ مجھ سے ٹکرائیں گی تو نقصان تو میرا ہونا ہی تھا۔“ وہ غصے سے بولا۔

”تو کیا..... آپ کا موبائل میری وجہ سے گیا ہے؟“ وہ حیران تھی۔

”ہاں، تمہاری وجہ سے..... اپنے گھر میں بیٹھا نہیں جاتا تم سے یا ہر وقت باہر ہی گھومتی رہتی ہو؟“

”میں تو ضروری کام سے آئی تھی یہاں.....“ وہ آنسو پیٹتے ہوئے بولی۔

”ہاں تمہارے ضروری کام ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتے، ہے ناں۔“

”مجھ سے بہت نفرت کرتے ہو کیا؟“ وہ اب رندھے ہوئے لکچے میں پوچھ رہی تھی۔

”نفرت تو میں ان دنوں اپنے آپ سے کر رہا ہوں کہ کیسے، کیسے لوگ مجھے پاگل بنا دیا کرتے ہیں۔“ وہ

کلس کر بولا اور ریحان کے آفس کی جانب قدم بڑھا دیے۔

اور شہلا اپنے آنسو حلق میں اتارتی ہوئی گھر کی جانب چل دی۔۔۔۔۔ وہ جو راحیلہ کے لیے کتابیں لینے آئی تھی

اسے یہ تک یاد نہیں رہا، وہ آخر کبھی کس کام کے سلسلے میں تھی۔

اور وہ سر جھک کر ریحان کے آفس میں داخل ہو گیا۔

شہلا کے آنسو مسلسل گر رہے تھے۔۔۔۔۔ اور اس کے دماغ پر حادث کی باتیں کسی کوڑے کی طرح لگ رہی

تھیں۔ شائیں، شائیں کی آوازوں نے اسے خاصا ہراساں کر دیا تھا۔

”شاید۔۔۔۔۔ میرے نصیب میں خوشی ہے ہی نہیں۔“ اس نے یکبارگی سوچا۔

”یار کیا دوست ہے تو میرا۔۔۔۔۔ سراغ رساں کہتی میں کام کرتا ہے اور ایک نو سر باز شخص کو پکڑوانے

میں میری مدد نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔؟“ وہ چلا یا۔

”ارے بھائی۔۔۔۔۔ وہ بے حد شریف آدمی کا پوسٹر اپنے ماتھے پر سجائے ہوئے ہے، رفاہی کام چلچلے کرتا

ہے، مجھے اس پر کچھ شک تو ہے کہ یوتیک کے بزنس کی آڑ میں وہ کوئی غلط کام بھی کرتا ہے مگر میرے پاس اس کے

خلاف کوئی ایسے ثبوت نہیں ہیں اور جب تک ثبوت نہ ہوں، ہم کسی شخص کے خلاف کوئی ایکشن لینے کا کوئی سوچ

بھی نہیں سکتے۔“

”پھر بھی معلومات تو کرو کہ اس نے مجھے بے نقصان کیوں پہنچایا۔۔۔۔۔ میں نے اس کا کیا بگاڑا تھا۔ وہ تو جب

پینک آیا کرتا تھا تو میں اس کی مدد کرتا چائے یا کافی سے کیا کرتا تھا۔۔۔۔۔ جس کا اس نے مجھے یہ صلہ دیا ہے۔“

”اتنا مجھے اندازہ ہے کہ وہ نفسیاتی مریض تو ہے مگر وہ اس حد تک کسی پر وار کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ مجھے یہ بات ہضم

نہیں ہو رہی۔“

”تمہارا کیا خیال ہے، میں تم سے جھوٹ بول رہا ہوں۔۔۔۔۔ بھیس لاکھ میں نے اڑائے ہیں۔“ حادث کا

لہجہ دکھ اور غصے سے بھرا ہوا تھا۔

”میں یہ کہاں کہہ رہا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”پھر اس جھوٹے، مکار، چور شخص کی تعریفیں کیوں کر رہے ہو۔“

”یار، اس شخص کی مارکیٹ میں اچھی خاصی عزت ہے اور وہ بے حد سوفا اسپون کن بھی ہے۔۔۔۔۔ اس لیے

میری سمجھ میں خود نہیں آ رہا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔۔۔۔۔“

”اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ مہذب قسم کا ٹھگ ہے۔۔۔۔۔ اور اس طرح کی وارداتیں کیا کرتا ہوگا۔“

”مگر اس نے آج تک ایسی کوئی واردات نہیں کی ہے۔۔۔۔۔ یہ میں نے معلوم کر لیا ہے۔“

”میں نہیں مان سکتا کہ کسی انجانے شخص کو نقصان پہنچانے والا شخص کسی دوسرے کو نقصان نہیں پہنچاتا ہوگا۔“

”میں مزید معلومات کروانا ہوں۔“ ریحان سوچتے ہوئے بولا۔

”مگر بہت جلدی کہ سوچ، سوچ کر میرا دماغ پھٹا جا رہا ہے۔“

”تم پریشان مت ہو۔۔۔۔۔ میں جلد ہی پتہ لگاتا ہوں کہ تم پر یہ اتنا دیکوں توڑی گئی ہے؟“

☆☆☆

چھوٹی آپا کی ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا..... آپریشن کے ذریعے راکٹ ڈالا گیا تھا..... ذکیہ، راحیلہ کو لے کر کئی مرحلہ بہن کی مزاج پر ہی کوئی نہیں۔ ڈاکٹر نے کہا تھا پلاسٹریں تین ماہ بعد اترے گا۔
ذکیہ بیگم نے سوچا..... چلو راحیلہ کی شادی کی تیاری میں مزید ایک دو ماہ اور مل جائیں گے۔ چھوٹی آپا اب پلاسٹر کٹوانے سے پہلے ہی شادی کا تقاضا تھوڑی ناں کریں گی۔ مگر چھوٹی آپا کا ہر فون پر یہی کہنا تھا۔
”راحیلہ اور کریم کا سادگی سے نکاح کر کے رخصتی کر دو..... جب میں ٹھیک ہو جاؤں گی تو خوب دھوم دھام سے ولیمہ ہو جائے گا۔“

”مگر آپا..... ایسی جلدی کی شادی میں تو کوئی مہمان بھی نہیں آسکیں گے..... صرف گھر، گھر کے لوگ ہی ہوں گے..... شادی والا ماحول بن ہی نہیں پائے گا۔“ ذکیہ بیگم اپنے دل کی بات زبان پر لے آئی تھیں۔
”تو کیا ہوا..... اچھا ہے تمہارا خرچہ بھی نہیں ہوگا جو تمہیں دینا ہے دے دو..... مہمان داری پر پیر لٹانے کا کیا فائدہ.....“

”مگر ایک ہی میری بیٹی ہے، اس کے بھی تو ارمان ہوں گے۔“ ذکیہ بیگم کی بات بھی غلط نہیں تھی۔

”اس کے ارمان اللہ رکھے میرا کریم پورے کرے گا۔“

”مگر مجھے شہلا سے بھی تو پوچھنا ہوگا ناں.....“

”اب یہ شہلا کی شادی تو نہیں ہو رہی..... جو تم اس کی مرضی پر چھوگی۔“

”تم کچھ ہی کہو..... میں ہر معاملے میں اس کی رائے ضرور لیتی ہوں۔“

اور شہلا نے صاف انکار کر دیا۔

”نہیں امی..... اب راحیلہ شادی کے بعد گھوڑے کی یا جاتے ہی کچن اور خالہ کو سنبھالے گی..... چھوٹی خالہ

کی شادی شدہ بیٹیاں ان کے پاس آجائیں اور ان کی خدمت کریں ناں!“

”مگر بیٹا اگر چھوٹی آپا کریم کی شادی کے بعد اپنی ٹانگ تڑوا بیٹھتیں تب بھی تو راحیلہ نے ہی ان کا خیال رکھنا تھا تو ابھی کر دے گی، اس میں کیا بات ہے.....“ ذکیہ بیگم کی بات کس حد تک صحیح بھی تھی۔

”میرا خیال ہے کریم بھائی اس لیے جلدی شادی کرنے کے خواہاں ہیں کہ انہیں فری کی میڈل جائے۔“

”وہ ایسا کیوں چاہے گا..... راحیلہ کا خیال وہ تو پہلے سے ہی کتنا رکھ رہا ہے۔“

”نہیں امی..... یہ صرف دکھاوا ہے اور بس، ورنہ وہ بے حد سنجوس ہیں..... ان کی اصل حقیقت تو میں جانتی

ہوں۔ جلدی شادی کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ راحیلہ جاتے ہی کچن کو بھی سنبھالے اور خالہ کو بھی..... اور اس کے

ساتھ، ساتھ ان کی لشکر بھر بہنوں کی مہمانداری بھی کرے۔“

”اچھا یہ بات ہے.....“ ذکیہ بیگم پریشان سی ہو گئیں۔

”ہائل بھی بات ہے اور اس جلد بازی کی شادی کا انجام بھی یہی ہوگا کہ میری بہن بھی جاتے ہی گھبرا

جائے گی کہ اسے جاتے ہی شادی کی دعوتوں میں جانے کے بجائے اپنی ساس کو بیڈ ٹین دینا پڑے گا..... اس کی

شادی کوئی اس وجہ سے تھوڑی ہو رہی ہے۔“

”دیری گڈ.....“ اپنی پشت پر تالیاں بجاتے کریم کو اچانک دیکھتے ہوئے شہلا سر اسیمہ سی ہو کر یک دم

چپ ہو گئی۔

”میں بھی یہی سوچ رہی تھا کہ اتنی خوب صورت لڑکی کو پسند کرنے کے باوجود اگر کوئی شادی نہ کرنا چاہے تو

اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہوا کرتی ہے جیسے میرے دل میں تمہارے لیے از خود دلرت چلی آئی اور اگر تمہارے آئیے

ہی اطور رہے تو یقین کرو کوئی تمہاری شکل کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا کہ تم بدتمیز تو ہو ہی..... مگر بے حس اس سے بھی زیادہ ہو۔ تم تو ایسی لڑکی ہو جس سے بات کرنے کا بھی فائدہ نہیں..... کوئی تو ایسی بات ہوگی جو حارث تم سے بات نہیں کرنا چاہتا اور واقعی مجھے تو تم سے صرف اللہ نے بچایا ہے۔“ کریم اس پر تسخربھری نظریں ڈالتے ہوئے بلا ٹکان بولا چلا چارہا تھا..... اور راحیلہ اسے خاموش کروانے کے لیے اپنی سی ہرکوشش کر رہی تھی مگر وہ خاموش..... ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

☆☆☆

نام تو اس نے کسی کا نہیں لیا تھا مگر سلی بیگم ماں تھیں انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ عدیم کسی کو پسند کر رہا ہے۔ بے ترتبی اور پھیلاوے سے اسے چڑھتی۔ چھوٹے بھائی کو ڈانٹ پڑنے کی وجہ اس کا چیزوں کا پھیلانا تھا مگر اب وہ اس کے کمرے میں آ کر بیٹھ رہا تھا۔
”امی..... یہ عدیم کب بڑا ہوگا..... دیکھیں تو ذرا اس کی الماری کے پٹ کھلے رہتے ہیں اور کمرے کی..... بے ترتبی بدھتی ہی جا رہی ہے، کچھ دنوں کے بعد تو یہ چیزیں ہٹا، ہٹا کر کمرے میں داخل ہوا کرے گا..... شادی ہو جائے گی تو بیوی کے سامنے ہر چیز خود اٹھا کر رکھا کرے گا۔“

”یہ بے پروائیاں اسی وقت تک کی ہوتی ہیں جب تک ذمے داری سر پر نہ پڑے.....“ امی کہہ رہی تھیں۔
”اور اگر اس کی بیوی بھی اسی کی طرح پھو ہڑنگی تو پھر آپ کیا کریں گی؟“ وہ بے اختیار کلکلاتے ہوئے بولا اس کی ہلکی سی جوکھنکھی اور چہرے پر جو شادابی تھی وہ اپنی جگہ علیحدہ ہی نمایاں تھی..... اور سلی بیگم بیٹے کے چہرے کی سرشاری دیکھ رہی تھیں۔ ٹنگن اسے پسند نہیں تھے مگر اس نے خوشی، خوشی کھا لیے تھے۔ سین کی سرال کی تقاریب میں وہ کبھی ماں کے ساتھ نہیں جایا کرتا تھا مگر جب سلی بیگم نے اس سے ساتھ چلنے کو کہا تو اس نے فوراً ہائی بھر لی تھی۔

”کیا بات ہے..... آج کل بہت خوش نظر آ رہے ہو۔“ ایک دن ماں نے اسے خاص طور پر تیار ہوتا دیکھ کر کہا کہ وہ تو ہمیشہ سے لاہالی انداز میں کپڑے پہننے کا عادی رہا تھا۔
”میں تو ہمیشہ ہی خوش رہتا ہوں۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
”گلتا ہے دال میں کچھ کالا ضرور ہے.....“ سلی بیگم نے مسکرا کر بیٹے سے کہا۔
”ارے امی جان..... اگر آپ دال میں لال، لال کہیں تو بات بھی ہوتی.....“ یہ کہہ کر وہ کلکلاتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

اور سلی بیگم حق دق سی رہ گئی تھیں۔ یہ عدیم اس انداز میں بولنے کا تو کبھی عادی نہیں تھا۔ وہ جو اپنی شادی کے ذکر پر ہنستے سے اکڑ جایا کرتا تھا اب از خود اس ٹاپک کی طرف آرہا تھا۔
”امی..... ایک وقت ایسا خود ہی آ جاتا ہے..... جب لڑکے اپنی شادی کی بات کرنے لگتے ہیں۔“ سین نے ماں کی کتھان کر کہا تھا۔ اس کے لہجے میں بے پروائی رچی ہوئی تھی۔
”پھر بھی پتا تو چلے..... کون پسند آئی ہے..... اور ہمیں کب جانا ہوگا؟“ سلی بیگم بھی ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی فکر میں تھیں۔

”میرا تو پکا خیال ہے، وہیں اخبار کے دفتر کی کسی لڑکی نے اپنے بھتیجے میں کس لیا ہوگا..... ورنہ تو وہ کسی کے دامن میں آنے والے نہیں۔“
”چلو..... کوئی تو پسند آئی۔“

”جلد ہی پتا چل جائے گا..... ہو سکتا ہے کسی دن وہ ان محترمہ کو اپنے ساتھ لے کر گھر چلے آئیں کہ یہ آپ سے ملنا چاہ رہی تھی تو میں نے بھی کہا چلو گھر چلے ہیں۔“ سین نے بھائی کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

”چلو یہی سہی..... مجھے تو اس کی خوشی عزیز ہے۔“

”ہم نے درجنوں لڑکیاں دکھائیں..... وہ سمجھ میں نہیں آئیں..... اب پتا نہیں کس کو پسند کر بیٹھے ہیں۔“

”میرے بیٹے کا معیار..... بہت اعلیٰ ہے، اسے یہیٹا کوئی بہت اچھی لڑکی ہی پسند آئی ہوگی.....“ تسلی بیگم نے شاداں سے لہجے میں بتی سے کہا۔

”ہاں..... ہاں..... دیکھ لیں گے کہ وہ کسی چھوٹے گھرانے کی ہے یا بڑے گھرانے کی۔“ سین نے.... بے پروائی سے کہا۔

☆☆☆

شہلا بہت چھوٹی سی ہی تھی جب اس کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا مگر ان کی کہی ہوئی ایک بات اس کے دماغ پر جیسے نقش سی تھی شاید..... وہ اس بات کی بے حد تکرار کیا کرتی تھیں..... یا معصوم سے ذہن میں وہ بات ٹٹ ہو گئی تھی کہ.....

”زندگی کبھی آسان نہیں ہوتی، اسے آسان بنانا پڑتا ہے۔ کچھ باتوں کو نظر انداز کر کے اور کچھ کو برداشت کر کے۔“

مگر وہ تو ایک عرصے سے کریم کو نظر انداز کر رہی تھی..... اور راحیلہ سے اس کی مگنی کے بعد تو خاصا برداشت بھی..... مگر اس کی بدتمیزی تو کیا بد لحاظی بھی بے حد بڑھ گئی تھی..... اور اب وہ جلدی شادی کے حوالے سے کیا کچھ نہیں اسے سنا گیا تھا جیسے کریم سے شادی کرنے کے لیے وہ مری جا رہی تھی اور اس نے اسے دھکار کر راحیلہ سے شادی کرنے کا فیصلہ کر کے اسے کوئی سزا دی تھی۔

”اپنے بارے میں لوگوں کو کتنی غلط فہمیاں ہوا کرتی ہیں۔“ اس نے سوچا..... اور پھر بھل بھل رونے لگی۔

کریم کی ایک بات نے تو اس کا کلیجا پھٹنی کر دیا تھا..... یہی وجہ تھی کہ وہ رات بھر رونے اور جاگنے کے باوجود بھی اس جیلے کی کک کم نہیں کر سکتی تھی۔

”پلیز آپا، مجھے معاف کر دو..... نہ میں بات بڑھاتی اور نہ ہی وہ اس حد تک پہنچتی..... ساری غلطی تو میری ہے۔“

”ہاں، ایک غلطی تو واقعی تمہاری ہے۔“ شہلا کا لہجہ دکھ بھرا تھا۔

”صرف ایک غلطی.....؟“ راحیلہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

”راحیلہ اگر کوئی بہن..... اپنے دل کی کوئی بات اپنی بہن سے کر لے تو اسے کیا چوک میں اچھا لانا چاہیے.....؟ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی ایسا.....“

شہلا کا لہجہ رندھا ہوا تو تھا ہی مگر شکایتی بھی.....

کریم کی زبان سے حادث کا حوالہ..... اس کی نہ صرف تضحیک کر گیا تھا بلکہ دکھ الگ پہنچا تھا۔

”جی آپا..... میں نے تو آپ کے حوالے سے بھی ایسی کوئی بات ان سے کی ہی نہیں..... میں حادث کے بارے میں کریم کو کیوں بتاؤں گی۔“

”تو پھر کریم کو کیسے پتا چلا؟“

”شاید اس نے خود سنا لیا ہو..... اکثر خاموشی سے آکر بیٹھ جاتے ہیں..... اور میں اور آپ اپنے کمرے

میں دنیا بھر کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔“

”ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ کریم کو یہ سب امی نے بتا دیا ہو..... امی کو تو پتا ہے ناں..... حادثہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ مگر کیا امی..... ایسا کر سکتی ہیں؟“ شہلا کا لہجہ تذبذب بھرا تھا۔

”ہاں..... ضرور امی نے ہی بتایا ہوگا..... میں نے بارہا انہیں کریم سے رازدارانہ لہجے میں باتیں کرتے بھی دیکھا ہے..... اور سب سے بڑی بات یہ کہ انہیں اس بات کا خیال ہی نہیں، اپنے گھر کی ہر بات کبھی داماد سے نہیں کرنی چاہیے۔“ راحیلہ نے برملا اعتراف کر لیا۔

”میں کتنی بد نصیب ہوں ناں..... کہ مجھے تو میرے گھر کے لوگوں نے ہی ذلیل کر کے رکھ دیا۔ کریم مجھے میں جتنی دل چاہے بکواس کرتا رہتا مجھے اس کی پروا ہرگز نہیں تھی۔ مگر اس نے حادثہ کے حوالے سے مجھے..... بے مایہ سا کر دیا۔“ شہلا اب سسکیاں بھر رہی تھی..... اور راحیلہ کی آنکھوں سے بھی جھڑی جا رہی تھی۔

”میں جانتی ہوں..... حادثہ کو میری رتی بھر پروا نہیں ہے..... مگر مجھے تو اس کی ہے ناں.....“

”پیاری آپا..... آپ نے کریم کا رشتہ ٹھکرا کر ہالک لکھ فیصلہ کیا تھا..... اور اب میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتی کہ کسی ایسے شخص سے شادی کرنے کی ہامی بھروں جو میری بڑی بہن کو بے عزت کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں..... بھل، بھل، روٹا دیکھ کر راحیلہ کا دل دکھ سے بھر گیا اور وہ گلو گھر لہجے میں بولی۔

”اے تو شاید مجھ سے خدا جانے کا ہر ہے..... خواہ خواہ میری ذات کو نشانہ بنا کے اسے شاید طمانیت محسوس ہوا کرتی ہے۔“ اب شہلا بھی اپنی دلی کیفیت کا اظہار کر رہی تھی۔

”اری پاگل ہو گئی ہے کیا..... بھری تھالی میں لات مارے گی کیا..... خواہ خواہ بکے چل جا رہی ہے..... جیسے کریم کسی کے ہمالا مار گیا ہو.....“ ذکیہ بیگم نے جو دروازے کے پیچھے کھڑی ساری گرد و ادسن رہی تھیں سامنے آ کر بیٹی کو لٹا ڈا۔

”ہاں امی..... میں ایسے شخص سے ہالک شادی نہیں کر سکتی جو میری بہن کو ذلیل کرے..... اس سے زیادہ برا شخص تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا.....“

”اری چپ کر..... اگر تو نے ایسا کچھ کیا تو ساری عمر بیٹھی رہ جائے گی اور تیری آپا کی بھی شادی ہو جائے گی۔“ ذکیہ بیگم نے غصے سے لٹا ڈا..... اور چھوٹی آپا کی مزاج پر سی کرنے چل دیں کہ وہاں کی خبر بھی جتنی تھی کہ کہیں کریم نے وہاں جا کر کچھ کہہ نہ دیا ہو۔

”آپا میں ابھی فون کر کے کہتی ہوں کہ لے جاؤ اپنا سب سامان.....“ ماں کے جانے بعد بھی اس کے انداز وہی تھے۔

”کیوں ختم کر دو گی..... تم کریم سے رشتہ؟“ شہلا نے اپنے آنسو پونچھ کر اس سے حیرت سے پوچھا۔

”وہ مجھے اچھا نہیں لگ رہا ہے۔“

”مگر تم تو اس سے شروع سے محبت کرتی ہو۔“ شہلا بولی۔

”محبت کرتی تھی..... مگر اب نہیں کرتی۔ مجھے تو اب اس کا ذکر کرنا بھی اچھا نہیں لگ رہا۔“

”اچھا..... اتنی آسانی سے محبت کا باب کھول دیا جاتا ہے کیا.....؟“ وہ تسخیر بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

”یہ سب تو مجھے نہیں معلوم..... مگر اب وہ مجھے ہالک لکھ اچھا نہیں لگ رہا ہے۔“

”مگر کیوں اچھا نہیں لگ رہا..... وہ تو کل بھی تمہارے لیے ڈھیروں لکھس لایا تھا۔“

”آپا میں نے اس کے وہ لکھس ابھی کھول کر دیکھے تک نہیں بس میرے ذہن میں صرف ایک ہی بات ہے

کہ کریم میری بیوی بہن کو اتنی باتیں سنا کر گیا ہے..... وہ آپ کی نہیں، میری بے عزتی کر کے گیا ہے اور آپ..... یہ بات آپ ہی تو کہتی تھیں کہ محبت سے پہلے عزت ضروری ہے۔“

”میری باتیں کہاں پکڑ کر بیٹھی ہو..... مجھے تو محبت ملی اور نہ عزت..... نہ اپنے گھر میں اور نہ ہی باہر.....“

شہلا کے آنسو پھر بہنے لگے۔

”اللہ نہ کرے، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ..... آپ میری بہن ہیں، آپ سے میرا خون کا رشتہ ہے اور آپ سے بڑھ کر نہ تو مجھے کوئی عزیز ہو سکتا ہے اور نہ ہی پیارا.....“

”کون کہتا ہے..... کہ سوتیلے رشتوں میں محبتیں نہیں ہوتیں..... ہم دونوں بہنوں میں جتنی محبت ہے، اس کا تو شاید کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔“ شہلا نے اسے اپنے گے سے لگاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ..... یہ اندازہ تو شاید میری سگی ماں تک نہیں کر سکتی کہ آپ مجھے کس حد تک پیاری ہیں۔“

اور شہلا چپ چاپ راحیلہ کو دیکھنے لگی..... جو اسے روتا دیکھ کر واقعی بے چین سی تھی۔

”جی آ یا..... میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کریم کا یہ روپ اتنا بد شکل ہوگا۔“ شہلا کا دل چاہا کہ اسے بتائے کہ ابھی تم کریم کو جانتی ہی کہاں ہو مگر وہ چپ رہی۔

”آپ چپ کیوں ہیں..... میں کوئی غلط تھوڑی ناں کہہ رہی ہوں، کریم ایسا نہیں ہے جیسا وہ نظر آ رہا تھا..... اس کے قصے نے اس کی اصل حقیقت دکھا دی ہے ہمیں۔“

”راحیلہ..... شاید وہ ایک اچھا بیٹا بن کر سوچ رہا تھا کہ اس کے ساتھ اس کی بیوی بھی اس کی ماں کی خدمت کرے تاکہ اس کی ماں بستر سے جلد اٹھ کھڑی ہوں۔“

”ہاں نہیں.....“ راحیلہ کا موڈ ہنوز آف تھا۔

”چند ماہ بعد ہونے والی شادی اگر پہلے ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“

”مجھے تو لگ رہا تھا کہ آپ کریم کی بکواس سن کر نہ صرف اسے ڈانٹیں گی بلکہ اسے گھر سے بھی باہر نکال دیں گی اور آپ کو ایسا کرنا بھی چاہیے تھا..... پھر آپ خاموش کیوں رہیں؟“

”نہ اب میں اسے ڈانٹ سکتی ہوں کہ وہ میرا بہنوئی بننے والا ہے۔ اور نہ اب اسے گھر سے نکال سکتی ہوں کہ ہمارے ہاں داماد کی بہت عزت کی جاتی ہے۔“

”تو میری شادی اتنی جلدی ہو جائے گی؟“ راحیلہ سوچتے ہوئے بولی۔

”سنو تمہاری شادی..... کوئی دو سال بعد نہیں ہونا تھی جو اتنی پریشان ہو رہی ہو۔“ شہلا نے زبردستی کی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر اسے چھیڑا تو وہ یک دم شرما سی گئی۔

”مجھے تو لگتا ہے..... تم نے ہی دعا مانگی ہوگی چھوٹی خالہ کے فریگر ہو جائے تاکہ تمہاری شادی جلدی ہو جائے؟“

”اللہ نہ کرے، میں کیوں ایسی دعا مانگوں گی اور چھوٹی خالہ تو ان دنوں میری دعاؤں میں دور، دور نہیں تھیں۔ کسی بھی حوالے سے۔“

”اچھا..... تو پھر مجھے بھی تو پتا چلے کہ ان دنوں تمہاری دعاؤں میں کون تھا..... اور تم کیا مانگ رہی تھیں۔“

شہلا نے مسکرا کر پوچھا۔

”آپ..... میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں کہ میری دعاؤں میں صرف اور صرف آپ ہیں اور میری صرف یہی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ☆ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

روزے کے طبی فوائد

☆ روزہ اگرچہ عبادت ہے جس سے روحانی فیض حاصل ہوتا ہے یعنی اطاعتِ خدا اور رسولؐ سے انسان کا دینی و دنیاوی دونوں جہان میں قائمہ ہی قائمہ ہے۔ اگر طبی فوائد کی بات کریں تو ترکِ غذا سے بدن کی وہ قوت جو غذا ہضم کرنے میں ہر وقت صرف ہوتی رہتی ہے۔۔۔۔۔ وہ جمع رہتی ہے اور قوتِ مدافعت کے ساتھ ہو کر امراض کو بدن سے نکالنے لگ جاتی ہے۔

نظامِ انہضام اور جگر پر مثبت اثرات

روزہ یوں تو سارے نظامِ انہضام پر ایک ماہ کا آرام طاری کر دیتا ہے مگر درحقیقت اس کا حیران کن اثر بطور خاص جگر پر ہوتا ہے کیونکہ جگر کے کھانا ہضم کرنے کے علاوہ پندرہ مزید عمل بھی ہوتے ہیں۔ یہ اس طرح مکان کا شکار ہو جاتا ہے جیسے ایک چوکیدار ساری عمر کے لیے پہرے پر کھڑا ہو۔ اسی کی وجہ سے صفرا کی رطوبت بیلے جس کا اخراج ہاضمہ کے لیے ہوتا ہے مختلف قسم کے مسائل پیدا کرتا ہے اور دوسرے اعمال پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ دوسری طرف روزے کے ذریعے جگر کو چار سے چھ گھنٹوں تک آرام مل جاتا ہے جو روزے کے بغیر قطعی ناممکن ہے کیونکہ بے حد معمولی مقدار کی خوراک یہاں تک کہ ایک گرام کے دسویں حصہ کے برابر بھی اگر معدہ میں داخل ہو جائے تو پورا نظامِ انہضام اپنا کام شروع کر دیتا ہے اور

دعا تھی اور یہی دعا ہے کہ میری آپا کی شادی حادث کے ساتھ ہو جائے اور وہ ان کے ساتھ بہت خوش رہیں۔“
راجیلہ نے پُرسرت لہجے میں اسے بتایا۔
اور وہ اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی کوئی بات شہلا کو سنائی بھی نہ دے رہی ہو۔

☆☆☆

سنائی تو حادث کو بھی کچھ نہیں دے رہا تھا۔ ایک ذرا سی بے پردائی پہ گل کھلا جائے گی۔ وہ تو ایک ڈٹے دار بینک منیجر تھا۔۔۔۔۔ مگر اب اسے ایک انتہائی غیر ڈٹے دار ٹنگر قرار دیا جا رہا تھا۔ ان دنوں وہ بد مزاج تو ہو ہی گیا تھا مگر وہ اپنے آپ سے بھی لڑ رہا تھا۔

”ہونہ، میں جو یہ سمجھتا تھا کہ مجھ میں لوگوں کو پہچاننے کی بہت برکھ ہے تو۔۔۔۔۔ میں واقعی غلط سمجھتا تھا۔ یہ تو شاید سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔۔۔۔۔ خاص طور پر ان لوگوں کو۔۔۔۔۔ جن کو ہم اپنا دوست بھی سمجھتے ہوں۔“

پھر بھی حادث کے دوست اس کی پریشانی میں اس کے ساتھ تھے۔ خاص طور پر رحمان اور عدیم تو اس کی پریشانی کو حل کروانے کے لیے سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔

عدیم نے تو۔۔۔۔۔ ساجد کے پاس اپنے ایک جرنلسٹ دوست تک کو بھیج دیا تھا کہ معلوم کرے کہ اس کا حادث کے ساتھ کوئی دشمنی کا معاملہ تو نہیں ہے۔

تب ساجد نے برملا کہا تھا۔۔۔۔۔ وہ حادث کو صرف بینک منیجر کے طور پر جانتا ہے۔ اس سے قبل کبھی اس کی کسی دوسرے حوالے سے ملاقات نہیں ہوئی۔

”وہ ایک اچھا ٹنگر تھا مگر مجھے نہیں معلوم کہ اس کو ایسی کیا ضرورت پیش آگئی جو اس نے یہ فیمن کیا اور اس

جگر فوراً معروف عمل ہو جاتا ہے۔ سائنسی نقطہ نظر سے یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس آرام کا وقت ایک سال میں ایک ماہ تو لازمی ہونا چاہیے..... جگر پر روزہ کی برکات میں سے ایک وہ ہے جو خون کے کیمیائی عمل پر اس کی اثر اندازی سے متعلق ہے۔ جگر کے انتہائی مشکل کاموں میں سے ایک اس توازن کو برقرار رکھنا بھی ہے جو غیر ہضم شدہ خوراک کے درمیان ہوتا ہے۔ روزے کے ذریعے جگر توانائی بخش کھانا ذخیرہ کرنے کے عمل سے بڑی حد تک آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح جگر اپنی توانائی خون میں گلوبن globin پر جو جسم کے محفوظ رکھنے والے immunessystem کو تقویت دیتا ہے، کی پیداوار پر صرف کر سکتا ہے۔ روزے کے ذریعے گلے اور خوراک کی نالی کے بے حد حساس اعضا کو جو آرام نصیب ہوتا ہے، اس تحفے کی قیمت ادا نہیں کی جاسکتی۔

پھیپھڑوں کی صفائی

پھیپھڑے براہ راست خون صاف کرتے ہیں اور اس لیے ان پر براہ راست روزے کے فوائد کا اثر ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہوا کی نالیاں صاف ہو جاتی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ روزے کی حالت میں پھیپھڑے فضلات کو بڑی تیزی سے خارج کرتے ہیں۔ ان سے خون اچھی طرح صاف ہونے لگتا ہے اور خون کی صفائی سے تمام نظام جسمانی میں صحت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

از: ڈاکٹر نقیہ نہال، لاہور

معاملے میں میرا نام بھی ملوث کیا..... جبکہ میرا نام ایسے معاملات سے کوسوں دور رہنے والا ہے اگر میں چاہوں تو جگہ عزت کا دعویٰ بھی کر سکتا ہوں..... یہ میری شرافت ہے جو میں خاموش ہوں۔“

مگر اس کی ان تمام باتوں سے عدیم کی نشانی نہیں ہوئی تھی تب اس نے اپنے بڑے بھائی ندیم خان سے استفسار کیا۔

”ندیم بھائی..... یہ ساجد یہ یونیک اور کمرشل بنانے والا شخص کیسا ہے؟ آپ جانتے ہیں اس کو؟“

”اچھا ہے..... اس کے بنائے ہوئے کمرشل خا سے یونیک ہونے کے ساتھ خوب صورت بھی ہوا کرتے ہیں۔“ ندیم نے اپنے چھوٹے بھائی عدیم کو جواب دیتے ہوئے کہا۔

”مگر اس نے تو میرے دوست حارث کے ساتھ خاصی جھلسازی کر ڈالی۔“ عدیم..... نے اپنے بھائی کو بتایا۔

”حیرت ہے، ساجد کوئی کمرشل شخص تو نہیں ہے، جو وہ ایسی حرکتیں کرے گا..... اس کا تو شہر میں اپنا نام اور عزت ہے۔“

”یہی تو مجھے پریشانی ہے کہ اس نے حارث کو ایک غلط چیک دے کر کیوں نقصان پہنچایا؟“

”ہو سکتا ہے، حارث کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔“

”نہیں بھائی..... اس نے ایسا دانستہ کیا ہے، میرا دوست تو پریشان ہو گیا ہے۔“

”میں معلوم کروں گا کہ اس کے اپنے نجی دوستوں کے ساتھ کیسے تعلقات ہیں۔ وہ کوئی پاگل تو نہیں ہے کہ خواہ مخواہ ایک شریف بینک منیجر کو پریشان کر ڈالے۔“ ندیم خان نے اپنے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ وہ

ماہنامہ پاکیزہ ﴿129﴾ جون 2016ء

ضرور اس کے بارے میں معلومات کروائے گا۔

☆☆☆

”وہ پاگل تو نہیں مگر تھوڑا سا نیکی ضرور ہے..... کئی مرتبہ اس کو نفسیاتی اسپتال میں ایڈمٹ بھی ہونا پڑا تھا اور ایک نفسیاتی مریض کچھ بھی کر سکتا ہے۔“ حارث کے دوست ریحان نے اسے ساجد کے بارے میں ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”مگر اس پاگل یا سانیکی کام میں نے کیا بگاڑا تھا جو اس نے میرے ساتھ ایسا کیا؟“

”ہاں یہی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اسے تم سے کیا پر خاش ہو سکتی تھی۔“

”تو معلوم کرو تاں کہ اس نے اپنے غلیظ منصوبے میں مجھے ہی کیوں نشانہ بنایا۔“

”کرتا ہوں معلوم..... تم مبر کرو، میں وہ جلد اس کے قریبی دوستوں سے کچھ نہ کچھ انگوانے میں کامیاب

ہو جاؤں گا..... مگر ایک پریشانی ہے۔“

”کیسی پریشانی.....؟“ حارث نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کے آفس میں کام کروانے والوں کی تعداد لڑکیوں کی زیادہ ہے، لڑکے تو گنے چنے ہی ہیں۔“

”اس کا مطلب ہے کہ وہ کوئی غلط شخص ہے۔“ حارث نے کچھ سوچ کر کہا..... ”پیسے لٹانے کے لیے جہلی

چیک بھی چلاتا پھرتا ہے۔“

”جہیں..... ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔“

”اوہ..... وہ راجا جاندہ بہت شریف ہے اور اس کے خلاف کوئی ثبوت نہیں ہے۔“ حارث کو غصہ آ گیا کہ

کوئی بھی شخص اس کی بات سمجھنے کو تیار نہیں ہو رہا تھا۔

”ہاں، یار..... ایسا ہی کچھ ہے، وہ تو خیراتی ادارے تک چلا رہا ہے..... اسے کیا ضرورت پڑی تھی کہ

خواہ مخواہ کا فراڈ کرے..... وہ تو خود اپنے پاس سے پیسے خرچ کر رہا ہے۔“ ریحان نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں یا اس شخص سے مجھے کوئی ذاتی پر خاش ہے.....“ اب

حارث کا غصہ بڑھ ہی تو گیا تھا۔

”یار تم اپنے غصے پر قابو پاؤ..... مجھے معلوم ہے کہ اس پریشانی نے تمہیں بے سکون کر رکھا ہے مگر میں سب

معلوم کر لوں گا..... اور ساجد کے بارے میں جلد معلومات اکٹھی کر کے تم تک پہنچاؤں گا کہ ایک شریف شخص

ہونے کے باوجود اس نے یہ غیر شریفانہ حرکت کیوں کی۔“

”ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا۔“ حارث کی مسکراہٹ پھٹک بھی تھی اور بے جان بھی۔ اس کی شکل دیکھ کر

ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی مریض اسپتال سے وقت سے پہلے ڈسچارج کر دیا گیا ہو۔

☆☆☆

خالہ کی طبیعت خرابی کی وجہ سے میں نے آفس سے دو دن کی چھٹی کیا کر لی تھی..... عدیم خان نے پریشان کر

کے رکھ دیا تھا۔

”مس مہا آپ کے میگزین کی کاپی آج پریس میں جانے والی ہے..... کم از کم تھوڑی دیر کے لیے تو

آفس آ جائیں۔“

”سر میں نے آپ کو بتایا تو تھا خالہ کی طبیعت خراب ہے۔ میگزین کا سارا کام میں کر کے آئی ہوں۔“

”مگر آپ کا آنا ضروری ہے۔“

”تمہارے میگزین کی کاپی تو پریس میں جا چکی ہے..... پیسٹنگ کا کام ہم نے دیکھ لیا تھا..... اب آنے کا کیا فائدہ ہوا؟“ جب میں آئی تو نامہ نے مسخرے سے کہا۔

اور جب یہی بات میں نے سرمدیم سے کہی تو وہ مسکراہٹ داب کر بولے۔

”مجھے تو اپنا ہر کام اپنی موجودگی میں کروانا اچھا لگتا ہے..... اس لیے آپ کو بلوایا تھا۔“

”مگر اب کام کہاں رہ گیا.....“ مجھے خواہ خواہ کھسیا ہٹ سی ہو رہی تھی۔

”اخبار کے دفتر میں بیٹھ کر آپ کہہ رہی ہیں کہ یہاں کوئی کام نہیں ہے۔ ارے بھئی بریکنگ نیوز تو ڈھونڈنی پڑتی ہیں۔“

”مجھے خبریں لکنا کرنا نہیں آتا۔“

”نہیں آتا تو سیکھو.....“

”اچھا، اب میں جاؤں.....“

”ٹھیک ہے جاؤ.....“

”میرے چہرہ میں منٹ کے آنے کا کوئی فائدہ تو نہیں ہوتا.....“

”یہ تو آپ کہہ رہی ہیں۔ ہاں تو کل پھر آرہی ہیں نا.....“

”سر، میری کل کی بھی چھٹی ہے۔“

”اوکے..... میں بھول گیا مگر شاید میں کل آفس میں نہ ہوں..... تو آپ تھوڑی دیر ہی کے لیے آجائیے گا۔“

”میں کیا یہاں باس لگی ہوئی ہوں جو تھوڑی دیر کے لیے آ جاؤں.....“ مجھے سر کی بات پر ہنس آ گئی۔

”کل ایک بڑی شخصیت اپنا انٹرویو دینے خود آفس آرہی ہیں اور تمہیں ان کے استقبال کے لیے

یہاں موجود ہونا چاہیے۔“

”مگر ان کا انٹرویو تو نامہ کر رہی ہے؟“ میں نے حیرت سے کہا۔

”ہاں..... استقبال کے لیے آپ بھی ہوں گی۔“

اور یوں جب میں اگلے دن آئی..... تو وہ آفس میں موجود تھے اور پروگرام تبدیل ہو جانے کے باعث

نامہ ان خاتون کا انٹرویو کرنے ان کی رہائش گاہ پر جا چکی تھی۔

”ارے، جب پروگرام چینج ہو گیا تھا تو کیا آپ مجھے بتائیں سکتے تھے۔“

”مجھے یاد ہی نہیں رہا۔.....“ ان کے لہجے میں بے پردائی تھی۔

”کیا یاد نہیں رہا؟“

”یہی کہ آج کوئی انٹرویو ہے؟“

”مگر میں تو خواہ خواہ آ کر خوار ہوئی ناں۔“

”اگر آپ نہ آتیں تو یہ جواستے سارے برگر آگئے ہیں وہ تو ڈسٹ بن میں جاتے ناں۔“

”ہاں..... بہت پیٹھ ہوں ناں میں جو پلیٹ بھر کے کھا جاؤں گی۔“

”مجھے تو پتا نہیں..... ابھی آپ ہی کسی سے کہہ رہی تھیں کہ خالہ کوڈاکٹر کے پاس اتنی دیر ہو گئی کہ آج آپ

نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا..... اور ناشتا بھی آپ نہیں کرتیں۔“ وہ بول رہے تھے اور میں حیرت سے

انہیں دیکھ رہی تھی کہ ایسا ہی باس اپنے ورکر کا خیر خواہ ہوا کرتا ہے جو اس حد تک ان کا خیال رکھے۔

ماہنامہ پاکیزہ 131 جون 2018ء

اس وقت میں واقعی بھوکی تھی..... اور اب ان کے سامنے بیٹھی بڑی رغبت سے برگر کھا رہی تھی۔ وہ جو بظاہر اپنے کام میں محو تھے مگر ان کی ساری توجہ صرف اور صرف صبا کی ہی جانب تھی اور اسے یوں کھاتا دیکھ کر وہ ایسے خوش ہو رہے تھے جیسے کہ وہ خود کھا رہے ہوں،

☆☆☆

سرخ زرد رلباس میں راحیلہ، ہمیشہ سے نہیں زیادہ پیاری لگ رہی تھی اور دولہا بنا کریم خوش ہونے کے بجائے رنجیدہ سا بیٹھا تھا۔ اس کو اپنی دلہن سے کسی قسم کی کوئی انسیت تک محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ لوگوں کے ہنسی مذاق اس کے کانوں میں ایک زہر سا گھول رہے تھے اور وہ دیوانوں کی طرح صرف شہلا ہی کو دیکھے جارہا تھا اور اس کی آنکھوں میں اور عجیب سی سلی سوٹ پہنے شہلا کا ہی سراپا تھا۔ جب اسے وہ سلامی کا لٹافہ دینے آئی تو وہ اس کی گہری براؤن آنکھوں کے سوا کچھ دیکھ ہی نہیں پایا۔ ”ارے دیکھو تو سہمی..... سالی نے سلامی میں کیا دیا؟“ اس کی بہنوں نے کہنی مار کر اس سے پوچھا۔ ”پتا نہیں.....“ اس کی نظریں ہنوز اس کے گرد گھوم رہی تھیں۔

اور جب وہ راحیلہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے پہلو میں بٹھا رہی تھی تب بھی وہ اپنی دلہن کو دیکھنے کے بجائے شہلا کے لمبے بالوں میں ہی الجھا ہوا تھا۔

”شہلا کے بال بھی کتنے خوب صورت ہیں..... کسی آبشار کی طرح اس کی پشت پر پھیلے ہوئے ہیں۔“ کسی کزن نے اس کے اور راحیلہ کے مابین شیشہ لا کر رکھ دیا تھا کہ اپنی دلہن کو پہلے آئینے میں دیکھو۔ اور وہ ہنس دیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ جسے بغیر آئینے کے دیکھنے کو دل نہ چاہے اسے آئینے میں دیکھ کر کیا کروں گا۔ ”کریم بیٹا تم کہو..... راحیلہ میں تمہارا غلام.....“ کسی رشتے دار خاتون نے لٹکا لگا کر اس سے کہا تھا..... تو وہ فوراً بول اٹھا تھا۔

”راحیلہ..... تم میری غلام.....“ تو اس پر ہنسی کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”بھئی دولہا میاں بے حد شرارتی ہیں، اپنی پڑمڑاج باتوں سے کبھی باز نہیں آتے۔“

اور راحیلہ بھی اس کی اوندھی باتیں سن کر مسکرا رہی تھی۔

رہا دھروہ دیوانہ سا بیٹا..... شہلا کو دیکھے جارہا تھا۔ جیسے اسے اپنی آنکھوں میں بھر رہا ہو۔ وہ کسی کی بات پر ہنسی..... تو اسے یوں لگا ایسی خوب صورت ہنسی کی کھٹک اس سے مل اس نے سنی ہی نہیں ہو۔ منہ پر آئے بال..... جھٹک کر اس نے پیچھے کیے تو اس کا دودھیا چہرہ اس کے سامنے مزید روشن ہو گیا۔

”یہ دونوں بہنیں..... واقعی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔“ اس نے سوچا۔

”ایک بے انتہا حسین اور دوسری پر حسن کی چیونٹ تک نہیں ہے۔“ اس نے پاس بیٹھی ہوئی اپنی دلہن پر ایک نظر ڈالی۔ تو اس کا دل کھیرانے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ شبِ عروسی اس کا لہجہ خاصا کھڑل سا تھا۔ ”تم سمجھ رہی ہوگی کہ دلہن بن کر تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔“ کریم نے کمرے میں داخل ہو کر اس پر ایک گہری نظر ڈال کر کہا۔

”ہاں؟“ وہ شرمناک بولی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ ہنستے ہناتے اس کی تعریفوں کے بل باندھ دے گا۔

”غلط فہمی ہے تمہاری..... سوئی صدقہ لٹا نہیں.....“ وہ ہنس کر سے ہنسا۔

”جی؟“ وہ حیرت سے بولی اور گھونٹ بھی اس نے خود ہی الٹ دیا تھا۔

کریم کا لہجہ قطعی اجنبی تھا، یہ تو وہ کریم تھا ہی نہیں جو اُن کے گھر کے آئین میں بیٹھ کر بلند آواز میں ہنستے

ہوئے اس کی تعریفیں کرتے ہوئے بھی تھکتا نہیں تھا۔

”آپ مذاق کر رہے ہیں ناں.....؟“ راحیلہ نے از خود پوچھا۔

”نہیں، میں سچ بول رہا ہوں۔“ وہ بے رحم لہجے میں بولا۔ ”پتا نہیں، کیوں میں نے تم سے شادی کر لی۔“

”جی.....“ وہ سراسیمہ سی اسے نکلے چلی جا رہی تھی۔

”سنو..... بے حد عام سی شکل صورت کی لڑکی بھی کبھی کبھار اچھی لگا کرتی ہے..... مگر تم اتنی بھی نہیں لگ رہی

ہو۔ تمہاری شکل دیکھ کر مجھے غصہ آرہا ہے۔“

”غصہ آرہا ہے.....؟“ اس نے نسکی لی اور آنسو بھل، بھل پہنے گئے۔

”مت آنسو بہاؤ..... گرمی کی شدت کی وجہ سے تمہارا میک اپ جہاں، جہاں سے ہٹ گیا ہے وہاں سے

تمہاری کالی رنگت صاف نظر آرہی ہے..... اور تمہیں دیکھ کر مجھے اپنی بد قسمتی کا احساس ہو رہا ہے کہ یہ تمہارا

نصیب کہ تم جیسی لڑکی سے میری شادی ہو گئی ہے۔“

”یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ کو تو میرا جیسا..... کوئی لگتا ہی نہیں تھا۔“ وہ اپنے آنسو خود ہی پونچھ

کر ہمت سے بولی۔

”یا گل ہوں کیا میں جسے صحیح اور غلط کی تمیز ہی نہیں..... اور اگر میں جھوٹ بولتا رہا تو تم آنکھیں بند کر کے

کیوں یقین کرتی چلی گئیں۔“

”تو کیا مجھے یقین نہیں کرنا چاہیے تھا؟“

”نہیں..... ہرگز نہیں، تم کیا ہو، کیا تم خود نہیں جانتیں یا بھی آئینہ نہیں دیکھا.....؟“ وہ جی بھر کر اس کی ہلکی

اڑا رہا تھا۔ ”یا اگر آئینہ دیکھا..... تو اس نے تمہیں کچھ بتایا ہی نہیں، آئینہ تو جھوٹ نہیں بولا کرتا، کیا آئینوں نے

مجھے تم سے جھوٹ بولا تھا.....؟“ اس نے کرخلی سے پوچھا۔

”ہاں کریم..... جب محبت کا خمار چڑھ جائے تو آئینے بھی جھوٹ بولنے لگتے ہیں..... مجھے تو واقعی پتا ہی

نہیں چلا کہ آپ مجھ سے محبت کے پردے میں نفرت کیا کرتے ہیں۔“

”چلو..... اب تو پتا چل گیا ناں.....“ وہ مسکرایا۔

”ہاں، اب میں جان گئی ہوں کہ آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے.....“ وہ بے بسی سے بولی۔

”مگر نفرت کرنے والوں سے شادی تو نہیں کی جاتی ناں..... ایسا تو میں نے بھی نہ سنا کہ جس سے نفرت

ہو..... اسی سے جھوٹ بول کر شادی کر لی جائے۔“

”یہ بھی میری مجبوری تھی، ورنہ تم اس قاتل کہاں تھیں۔“

”ایسی کیا مجبوری ہے آپ کے ساتھ؟“

”میری مجبوری کا نام شہلا ہے۔ صرف شہلا کو پانے کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔ اگر میں تم سے

شادی نہ کرتا تو تمہارے گھر میں، میرا آنا جانا بند ہو جاتا۔“

”پر مجھ سے شادی کے بعد تو آپ، آپا سے دور ہو گئے۔“

”نہیں ہوا ہوں دور.....“ وہ مسکرایا۔ ”میں جان چکا ہوں..... تم شہلا کی کنزوری ہو۔ شہلا..... تم سے

بہت محبت کرتی ہے ناں.....“

”تو پھر.....؟“

”تمہارے حوالے سے شہلا اب مجھ سے بھی بہت محبت کرے گی۔“

”آپ جانتے ہی نہیں ہیں، آپ کی شادی بہت جلد اُن کی پسند سے ہو جائے گی۔“
”اللہ نہ کرے.....!“ کریم نے اس کے منہ پر سختی سے اپنا ہاتھ رکھ دیا اور وہ اسے پھٹی، پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

☆☆☆

شادی کے بعد جس طرح لڑکیاں بھاگ، بھاگ کر اپنے میکے آیا کرتی ہیں..... راحیلہ بالکل بھی نہیں آ رہی تھی۔ شہلانے ماں سے کہا تو انہوں نے جواباً کہا۔
”وہ چھوٹی آپا کی خدمت میں ہی اتنی مصروف ہو گئی ہے..... کہ کئی دفعہ میں نے بھی کہا تو اس نے منع کر دیا۔“

ولیمہ گھر میں ہی ہوا تھا..... مگر اس میں بھی وہ بھی، بھی ہی تھی۔
”کیا بات ہے راحیلہ..... اتنی چپ چاپ کیوں ہو.....؟“ اس نے بہن سے پوچھا تھا۔
”جب خوشیاں اتنی زیادہ مل جائیں تو ہر شخص حواس باختہ سا ہو جاتا ہے۔“ کریم اسے دیکھ کر بولا تھا۔
”مگر میری بہن بے حد ہوش مند ہے..... وہ حواس باختہ ہونے والی نہیں ہے۔“
”تو تمہارے سامنے ہی میں پوچھ لیتا ہوں۔ ہاں، بھی راحیلہ تم اپنی بہن کو یہ بتاؤ کہ شادی سے پہلے خوش تمہیں یا بعد میں۔“

”شادی کے بعد زیادہ خوش ہوں۔“ اس نے نظریں جھکا کر کہا تھا۔
”اچھا..... تو کیا تم اپنے میکے کو بھول گئی ہو۔“ شہلانے اس کو پوچھا تھا۔
”ارے بھی اپنے میکے کو کون بھولا کرتا ہے، وہ تو راحیلہ آئے گی اور بار بار آئے گی۔“
”مگر میں واقعی بھول گئی ہوں، خالہ کے پاس آ کر مجھے بہت اچھا لگا ہے۔ ہے ناں خالہ.....“ برابر بیٹھی ہوئی خالہ سے اس نے چاہت بھرے لہجے میں کہا تھا۔
اس کا ولیمہ اس کی شادی کے بارہ دن بعد ہوا تھا..... اور اس نے آتے ہی خالہ کا ہر کام جیسے اپنے ذمے لے لیا تھا۔

”کچھ کہہ ہی ہے راحیلہ، مجھے تو ایسا ہی لگا ہے کہ میرے گھر میں کوئی بہن نہیں بلکہ بیٹی آئی ہے۔“ چھوٹی خالہ نے بھی انتہائی محبت سے کہا تھا اور بات آئی گئی ہو گئی تھی۔

☆☆☆

رمضان المبارک کی وجہ سے آفس کے آنے جانے کے اوقات تبدیل ہو گئے تھے..... مگر پھر بھی لڑکوں کو رات گئے تک رکتا پڑ جاتا تھا۔
عمیم خان تو سحری کے بعد ہی گھر جایا کرتے تھے، رمضان میں اکثر آفس ورکرز سحری باہر بھی کر رہے تھے۔ اور اگلے دن آفس آ کر اس کی روداد سنائی جاتی۔
”اب سحری کرنے کا زیادہ حرج ہوٹل میں آتا ہے۔ کتنی ساری چیزیں ہوتی ہیں..... جو بندہ کھاتا چلا جائے۔“
ساجد حرجے لے، لے کر بتاتا۔

”گھر میں تو ہمیشہ میرے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ آنکھ ہی جب کھلتی ہے جب ٹائم ختم ہونے والا ہوتا ہے تو بس جلدی، جلدی جو نظر آیا حلق میں ٹھونس کر پانی پی لیتا ہوں۔“ محسن بھی باہر کھانے کا شیدائی تھا۔
”تمہارے گھر والے..... تمہیں سحری کے وقت کیا جگاتے نہیں ہیں۔“ نامہ کون کر خاصا تعجب ہو رہا تھا کہ

ایسا ایک آدمہ مرتبہ تو ہو سکتا ہے مگر روزانہ کیسے ہو سکتا ہے۔

”میرا اپنا گھر تو اس شہر میں ہے نہیں..... جن رشتے داروں کے گھر میں بے انگ گیسٹ کے طور پر رہتا ہوں..... وہ لوگ سحری میں اٹھتے ہی نہیں ہیں یا پھر بغیر سحری کے روزے رکھنے کے عادی ہوں گے۔“

”میں تو اپنے گھر میں رہتا ہوں مگر سحری پھر بھی ٹھیک سے نہیں کر پاتا.....“ صدف نے بھی دہائی دے ڈالی۔

”ویسے تو بڑے ایکٹو بننے ہو، سحری کے وقت کیا اٹھا نہیں جاتا.....“

”بات صرف یہ ہے کہ میری والدہ بیمار ہیں..... اور وہ روزے نہیں رکھ پاتیں مگر میرے لیے سحری کے پراٹھے رات کو ہی پکوا کے رکھ دیتی ہیں..... خیند میں اٹھ کر مجھ سے کوئی کام ہوتا نہیں اور ٹھنڈے پراٹھے کھائے نہیں جاتے.....“ یوں صدف بھی گھر میں سحری کرنے کے حق میں نہیں تھا۔

”چلو ایک سحری میری طرف سے اور وہ بھی آپ کے پسندیدہ ہوٹل میں.....“ ایک دن سب کی روداد سننے ہوئے عدیم خان نے مچھبت لہجے میں سب سے کہا۔

”کیا واقعی.....؟ ہم کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں سحری کریں گے؟“ ساجد نے مسکرا کر پوچھا۔

”ہاں، بالکل.....“

”کیا اس سحری میں لڑکیاں بھی انوائٹڈ ہیں؟“ فرزانہ نے دلی خوشی چھپاتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، ہاں آپ سب انوائٹڈ ہیں۔“ عدیم خان نے ایک اچھتی سی نظر اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

”ڈن.....!“

لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

”کیا خیال ہے، کمنگ ویک اینڈ رکھ لیا جائے؟“ اسے خاموش دیکھ کر عدیم خان نے اسی سے پوچھ ڈالا۔

”سوری سر، میں سحری کے لیے نہیں آسکوں گی۔“

”کیوں بھئی؟“ حیرت سے پوچھا گیا۔ ”آپ کا پورا اسٹاف آرہا ہے تو آپ کیوں غیر حاضری رہیں گی۔“ عدیم خان کی بات بھی کسی حد تک صحیح تھی۔

”وہ..... دراصل سحری ہا ہر جا کر کرنے کی اجازت مجھے گھر سے نہیں مل سکے گی۔“

”تم کوئی بہانہ کرو بنا۔“ ماہ رخ نے کہا۔

”میں بہانے کرنے کی عادی نہیں ہوں۔“ اس کا لہجہ فرزانہ کو خاصا برا لگا۔

”اوہ..... تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ ہم سب بہانے باز ہیں۔“

”میں نے بھلا ایسا کب کہا؟“

”نہیں بھئی..... یہ بات نہیں ہے۔“ ماہ رخ نے فرزانہ کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

”تو پھر بات کیا ہے.....؟“ فرزانہ کے ماتھے کی شکنیں ہنوز موجود تھیں۔

”ہماری صبا کے ساتھ ایک مسئلہ ہے کہ وہ جب بھی بولتی ہیں، سچ کے سوا کچھ نہیں بولتیں۔ پروڈکشن ہاؤسز میں کام کرنے کے اثرات تو آتی جاتے ہیں ناں.....“ ماہ رخ نے تسخرانہ لہجے میں کہا تو فرزانہ بھی تائیدی ہنسی ہنسی دی۔

”آپ سب لوگ شرکت کیجیے، ایک میرے شرکت نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑے گا.....“ اس نے۔

لہجہ کی بات کو قطعی نظر انداز کر دیا تھا کہ ہر شخص کی ہر بات کا حجاب دینا بھی نہیں چاہیے۔

”جیسی تمہاری مرضی.....“ فرزانہ نے کاغذ سے اچکائے۔

”اگر تم آج تیس تو اچھا لگتا کم از کم واپسی پر تم مجھے گھرنک ڈراپ کر دیتیں۔“ ناعمہ نے مسکرا کر کہا۔
 ”آپ پریشان نہ ہوں، یہ کام محسن بخوشی کر لے گا۔۔۔۔۔ اس کا گھر آپ کے گھر سے بہت زیادہ دور نہیں ہے مگر میرا ناواکھی مشکل ہے۔“

”نہیں بھئی۔۔۔۔۔ ہمارے لیے سب ورکرز برابری ہیں، سحری کا پروگرام کینسل۔۔۔۔۔ اب ہم کسی دن اپنے آفس میں ایک ساتھ افطاری کریں گے اور افطاری کسی بہت اچھی جگہ سے آرینج کروالیں گے۔“ ندیم خان بولے۔

”سر! پھر تو کسی کے لیے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوگا۔“ ناعمہ نے کہا۔
 ”آپ لوگ مسائل کے بغیر کیسے رہ سکتی ہیں۔۔۔۔۔ اس لیے میری رائے ہے کہ ہر لڑکی ایک، ایک ڈش بنا کر لے آئے تاکہ ہمیں بھی تو پتا چلے کہ آپ لوگ کس طرح اپنے گھر میں افطار کیا کرتی ہیں۔“ صفدر نے ہنس کر کہا تو ساجد کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

”واؤ یہ ہوئی ناں بات۔۔۔۔۔ ہم کو بھی تو پتا چلے کہ آپ سب کا قلم تو خوب چلتا ہے اب کفیر کیسے چلتا ہے اور بچن سے کتنی دوستی ہے۔“ محسن نے بھی ہنس کر لڑکیوں کو چھیڑا۔
 ”مگر یہ سب میرا پلان ہرگز نہیں ہے۔“ ندیم خان کو بھی یہ سب سن کر لطف آ رہا تھا کہ لڑکوں کی یہ بات انہیں قطعی پسند نہیں آ رہی تھی۔

”سر! پھر تو یہ دن ڈش پارٹی ہو گئی، آپ کی جانب سے افطاری کی دعوت تو نہیں ہوئی ناں۔۔۔۔۔“ فرزانہ نے برا سامنہ بنایا۔

”مجھے تو کوکنگ آتی ہی نہیں۔“ ماہ رخ نے جیسے اعلان کیا۔
 ”اور میں بچن میں جاتی تک نہیں ہوں۔“ بیلا اور عابدہ کا بیان بھی آ گیا۔
 ”روزے میں تو میں کوکنگ کر ہی نہیں سکتی۔“ فرزانہ نے بھی کہہ دیا تھا۔
 ”شادی کے بعد ساجد کیا بغیر سحری کے روزے رکھا کرے گا؟“ محسن بڑبڑایا۔
 ”شادی سے پہلے ہم ساجد کو کوکنگ کلاسز کروادیں گے۔“ صفدر نے بھی لقمہ دیا۔
 ”سر، میں بنا لاؤں گی افطاری۔۔۔۔۔“ اب میں نے سب کی باتیں سن کر دھیمے لہجے میں کہا۔
 ”آپ بھی رہنے دیں، ہم باہر سے آرینج کر تو رہے ہیں۔“ ندیم خان نے کہا۔
 ”نوسر، میں تو ضرور لاؤں گی۔۔۔۔۔ افطاری میں جب تک گھر کی بنی ہوئی چند چیزیں نہ ہوں تو سواد کہاں آتا ہے۔“

”بعض لوگوں کو ہر چیز گھر میں بنانے کی پریشانی ہوا کرتی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ وہ چاٹ مسالا تک خود بناتے ہیں۔۔۔۔۔ ارے بھئی جس کا کام اسی کو سنبھالے۔۔۔۔۔ بازار میں اب ہر چیز اور بہترین چیز مل جاتی ہے۔“ فرزانہ نے تحسّرانہ لہجے میں کہا۔

”سچ کہہ رہی ہو فرزانہ تم۔۔۔۔۔ ہمارا گھر اتنا بھی کچھ اسی قسم کا ہے۔ ہر چیز گھر میں بنا کر اور کھا کر خوش ہوا کرتے ہیں۔۔۔۔۔ جو باہر کے مقابلے میں شاید کم ڈالتے دار ہوتی ہوں مگر گھر میں صفائی سے بنی ہوتی ہے اور ہم اسی میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔“

اور پھر مقررہ دن میں ڈھیروں مول سموسے، فروٹ چاٹ، دہی بڑے، میٹھی چٹنی اور بالائی والی کھجوریں۔۔۔۔۔ جس کی کھٹائی نکال کر اس میں بادام کھوئے میں لپیٹ کر رکھا تھا۔۔۔۔۔ اور اوپر سے شہنڈی بالائی چڑھا

کرا نہیں ٹھٹھا کر دیا گیا تھا اور جسے کھاتے ہوئے ہر ایک کو بہت مزہ آرہا تھا اور ہر کھجور میں ایک ٹوتھ پک لگایا گیا تھا کسے کھاتے ہوئے کسی کے ہاتھ بھی جکھنے نہ ہونے پائیں۔

”مس صبا..... کیا آپ نے کوئنگ کا کوئی کورس وغیرہ کر رکھا ہے..... جو ہر چیز اتنی عمدہ بنا کر لائی ہیں..... کہ باہر سے آئی ہوئی کسی چیز کو کھانے کو دل نہیں چاہ رہا.....“ ندیم خان نے پوچھا۔

”سر..... میں نے کھانا پکانا اپنی امی سے سیکھا ہے..... ہمارے ہاں ہمیشہ سے افطاری اور سحری کے لیے بہت اہتمام ہوتا ہے مگر اس طرح کہ کبھی کوئی چیز بنائی تو کبھی کوئی..... مگر بہتی سب گھر میں ہی ہیں۔“

”میں سچ کہہ رہا ہوں کہ آج سے کل اتنی اچھی اور لذیذ افطاری میں نے نہیں کی تھی.....“ مندر کے ساتھ محسن نے بھی کہا اور پھر سب نے ہی کہا۔

”اب تو لازمی ہے کہ اخبار میں لذیذ پکوان کے پورشن کا انچارج صبا کو بنانا چاہیے..... کہ خواہ خواہ کھانا پکانے کی کتب بار بار چھاپی جاتی ہیں..... صبا تمام گھریلو ترکیبیں اپنے حساب سے لکھے گی تو شاید اسی وجہ سے اخبار کی سرکولیشن بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔“ فردانہ نے ہنس کر کہا۔

نامہ بھی مشورے دے رہی تھی اور ماہ رخ بھی..... مگر ندیم خان کو اپنی آپا کی باتیں یاد آرہی تھیں۔

”ارے آج کل کی لڑکیوں کو صرف کھانے سے دلچسپی ہوتی ہے مگر پکانے سے نہیں..... تمہاری شادی کے بعد بھی امی کو باورچی خانے کا نظام دیکھنے سے چھٹی نہیں ملے والی کہ مجھے تو آج کل ایسی لڑکیاں نظر ہی نہیں آرہیں۔“ مگر یہ صبا تو سو فی صد ویسی ہی لڑکی تھی جیسا وہ سوچا کرتا تھا، اس کی پسند کا ہر رنگ اس میں موجود تھا۔

”یہ کھجوریں بھی آپ نے خود بنائی ہیں؟“ اس نے خوش دلی سے کھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

”یہ تو امی نے بنائی ہیں مگر اتنی مرتبہ میرے سامنے بنی ہیں کہ اس کا بنانا کوئی مشکل ہی نہیں.....“ وہ ساوگی سے بولی تھی۔

اس کی بھی صاف کوئی تو اسے پسند تھی..... اگر وہ جھوٹ بولنا چاہتی تو بول سکتی تھی مگر اس نے برملا اعتراف کیا کہ یہ اس کی ماں نے بنائی ہیں۔

”آج کی یہ افطاری..... واقعی یادگار ہوگئی..... اس کے لیے ندیم سر، ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں.....“ آفس کے سب اراکین چلتے سے اس سے کہہ رہے تھے۔

”آپ میرا نہیں، مس صبا کا شکریہ ادا کیجیے جو اتنے مزے کی اور اتنی ذمیر افطاری بنا کر لائی ہیں۔“ اس نے مسکرا کر صبا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یار کیا چاہتا ہے تو.....“ جب فرید نے ندیم رازداری سے کہا۔ ”تیرے نام کے ساتھ صبا کا نام بھی آئے۔“

”نہیں تو.....“ اس نے گھبرا کر فرید کو دیکھا۔

”پھر کیوں..... صبا کا شکریہ ادا کروا رہا ہے۔“

”ٹھیک ہے.....“ وہ کھپکھپا کر مسکرایا اور بلند لہجے میں بولا۔

”سب سے زیادہ شکریہ فرید صاحب کا..... جن کے آفس میں بیٹھ کر ہم سب نے روزہ کھولا.....“ اور فرید مسکراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆

ماں سر تو میرا گھوم گیا تھا..... رئیسہ آنتی، میرے سامنے شاپنگ مال سے کل رہی تھیں اور میں ان کو دیکھ کر پتھری ہو گئی تھی اور پھر انہوں نے مجھے دیکھا..... اور اپنی صبا کو بے گانگی سے دیکھتی چلی گئیں۔

ماہنامہ ہلکیزہ 137 جون 2016ء

میرا دل چاہا تھا کہ حج کر انہیں پکاروں اور انہیں بتاؤں۔ ”میں یہاں ہوں، آپ کے بے حد قریب..... آپ یقیناً اپنی صبا کو ڈھونڈ رہی ہیں..... دیکھیے میں آپ کے پاس ہوں، آئی پلیز..... میں یہاں ہوں، آپ کے پاس۔“

مگر حلق ایسا سوکھ گیا تھا کہ چاہتے ہوئے بھی کوئی آواز ہی نکل پا رہی تھی..... اور میں گنگ سی کھڑی تھی۔
”آئی.....“ جب آواز نکلی..... تو وہ لوگوں کی بھیڑ میں کھو چکی تھیں اور کوئی دوسری خاتون میرا شانہ ہلا کر مجھ سے پوچھ رہی تھیں۔

”تم نے مجھے پکارا تھا؟“
”نہیں.....“ میں کھوئے، کھوئے لہجے میں کہا اور سوچا..... جن کو میں پکارنا چاہ رہی تھی وہ تو چلی بھی گئیں۔
”فرح خالہ.....! اس دن کتابوں کی نمائش میں آپ نے کیا ریسیہ آئی کو دیکھا تھا؟“ گھر آ کر میں نے پہلی بات یہی کی تھی۔

”نہیں بھئی..... اگر وہ ہوتیں تو مجھے دیکھ کر رکتیں تو سہی..... مگر وہ تو رکی ہی نہیں۔“
”انہوں نے آپ کی آواز نہیں سنی ہوگی۔“
”کیا پانچ گز کے فاصلے پر کھڑے ہو کر تمہیں میری آواز نہیں آئے گی، اور تم تو میری آواز کو ویسے بھی نکارہ کہا کرتی ہو۔ وہ یقیناً کوئی اور ہوں گی۔“ فرح خالہ اپنے موقف پر قائم تھیں۔
”سنو وہ ریسیہ بیگم ہی ہوں گی اور جان بوجھ کر تمہیں نظر انداز کرتی ہوئی چلی گئی ہوں گی۔“ امی نے ہماری باتیں سن کر اپنی رائے دی۔

”مگر وہ ایسا کیوں کریں گی؟“
”جب کوئی اپنے پرانے حساب بے باق نہ کرنا چاہے تو وہ پھر بھانکتا تو ہے ناں.....“
”آپا..... اگر وہ نہیں چاہیں گی..... تو ہم کوئی زبردستی تو اپنی بیٹی ان کے سر منڈھ نہیں رہے۔“ فرح خالہ کو بھی امی کی رائے سے اختلاف تھا۔

”ہو سکتا ہے اُن کے بیٹے کی شادی ہو چکی ہو..... اور اپنی بہو کے سامنے اپنے بیٹے سے متعلق کوئی بات بھی کھولنا نہ چاہ رہی ہوں۔“
”ایسی باتیں تو لڑکیوں کی چھپائی جاتی ہیں..... لڑکوں کو تو ان تمام معاملات سے کوئی فرق نہیں پڑا کرتا.....“

”ہو سکتا ہے ان کے بیٹے کو فرق پڑتا ہو۔“ امی اپنی بات پر قائم تھیں۔

☆☆☆

”ہاں بالکل فرق نہیں پڑتا..... اور میں سامنے آ کر اپنے انداز میں بات بھی کرتی اور بے بھاؤ کی الگ سناتی بھی مگر میں تو اپنے عامر کی وجہ سے مجبور ہوں ناں..... جس کا باپ اگر زندہ ہوتا تو شاید وہ اس چھپکلی کو اس کے سامنے کب کا حاضر کر چکا ہوتا۔“ ریسیہ بیگم..... اپنی چھوٹی بہن کو اپنی روداد سن رہی تھیں۔

”اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد بھی..... آپ ان لوگوں سے ڈر رہی ہیں..... جو خود ہی کہیں کھو گئے ہیں۔“
”وہ نہیں کھوئے..... روپوش تو میں ہوئی تھی، دیوہ کی مقدسے بازیوں میں جب پیسہ پانی کی طرح بہہ گیا تو میرا میاں نوکری کرنے لگا اور بیماری میں بغیر دواؤں کے رہا تو چل بسا بیچارہ، تو یہ تم بھی مجھے بے وجہ ہی لگا ناں..... مگر یہ دیکھو کہ پیسہ ختم ہونے کے باوجود بیٹے کے دماغ پر بھوت کی طرح صبا چھائی رہی..... جا بجا ادبک

میری زندگی بدل گئی مگر بیٹا نہیں بدلا جبکہ میں نے جان چھڑانے کے لیے کہہ دیا تھا کہ وہ لوگ امریکا چلے گئے تو..... اسے دیکھو وہاں تک ڈھونڈنے چلا گیا..... اور بالآخر خوار ہو کر آیا ہے۔“

”فرض کریں اگر اس لڑکی کی کہیں شادی ہو چکی ہو تو پھر کیا وہ اسے طلاق دلوائے گا؟“

”مجھے نہیں معلوم کہ وہ کیا کرے گا..... مگر وہ پاگل ضرور ہو جائے گا۔“

”تو آپ یہ سب اپنے بیٹے سے ڈر کر کر رہی ہیں؟“

”ہاں..... ایک ہی بیٹا ہے اگر اس کو بھی اس کی عاشقی کے قتل بیاہ دوں گی تو پھر میرا خیال رکھنے والا تو کوئی نہیں رہے گا ناں.....“

”ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکی آپ کے لیے اچھی بہو ثابت ہو جاتی۔“

”جن سے نفرت ہوتا ہے وہ کبھی دل میں پسندیدگی کا درجہ حاصل نہیں کر سکتے۔“

”تو اسی لیے آپ کتابوں کی نمائش میں اسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئی تھیں۔“

”ہاں، اس وقت تو میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کروں تو کیا کروں..... اور اس کی خالہ فرخ مجھے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر خوب پہچان بھی چکی تھی۔“

”رہیہ آپ اچانک ہو گئی بے وقوفی کی بھی..... آپ نمائش میں کتابوں کی الماری کے پیچھے ایک گھنٹے تک کھڑی رہیں؟“

”ہاں، وہ دونوں بلائیں وہاں سے چلی گئیں، جب میں وہاں سے نکلی تھی؟“

”یہی تو پوچھ رہی ہوں میں..... آپ کو ان لڑکیوں سے ڈرنے کی ضرورت کیا تھی؟“

مات

راہ حق اختیار کرنا اور پھر اس پر قائم رہنا..... بجائے خواہ ایک بہت بڑا امتحان ہے..... مگر اس نے ثابت کر دیا کہ عزم مصمم ہو تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے..... آخری صفحات پر **عمر عبداللہ** کا دلکش انداز

بہشت زار

کچھ قومیں اپنے قول و فعل کے حوالے سے اس سرزمین کے کچھ خطوں میں اپنی مخصوص پہچان قائم کر گئیں **الیاس سینا پوری** کے قلم سے انہی یادگار تاریخی لمحات کا اعادہ

شیش محل

رفاق قتل اور عداوتوں سے پردہ چاک کرتی ایک تلخ داستان..... **اسما قادری** کے قلم کا جادو

ماروی

مزید حالات و واقعات میں دور جدید کی طلسماتی رنگینیاں..... **محی الدین نواب** کے قلم کی روانی

جون 2016ء کا خوبصورت شمارہ



علامہ جاوید مغل تنویر دہاخن
سلیم انور دھرم عباس اور
ابراہیم جمالی کی تحریریں آپ کی منتظر

”اس کی فرح خالہ نے مجھے پہچان لیا تھا ناں..... اگر میں ان سے باتیں کر لیتی تو وہ دونوں گھریک آ جاتیں۔“

”آپ کوئی اُن کی چوری کر کے نکلی ہیں جو اُن سے ڈر رہی ہیں۔“
”مگر میں ان لڑکیوں کی شکل ہی نہیں دیکھنا چاہتی.....“ رئیسہ نے پانی کا چوتھا گلاس چڑھاتے ہوئے کہا۔
(حالانکہ اس واقعے کو مہینہ بھر ہو گیا تھا)

”نہ دیکھیں وہ کوئی زبردستی تھوڑی ناں کر سکتی ہیں۔“
”تمہارا کیا مطلب ہے اگر وہ کبھی دوبارہ ملیں تو میں اُن سے بات کر لوں؟“
”بات کرنے کو میں کہاں کہہ رہی ہوں..... بس پچھلے گا ہی نہیں۔“
”مگر وہ تو میری آواز تک پہچان لیتی ہیں۔“
”آپ بھی لہجہ بدل کر کہہ دیجیے گا کہ کون لوگ ہو بھی..... میں نہیں جانتی تمہیں۔“
”اور اگر انہوں نے عامر کا پوچھ لیا تو.....؟“

”تو کہہ دیجیے گا۔ میرے بیٹے کی تو شادی ہو چکی ہے..... تم کس عامر کو ڈھونڈ رہی ہو۔“
”مگر..... میرے عامر کی کہاں شادی ہوئی ہے۔“ رئیسہ کا لہجہ اب رنجیدہ ہو گیا تھا۔ ”وہ تو اس کو ہر جگہ ڈھونڈ، ڈھونڈ کر پاگل ہو رہا ہے۔“

”تو ٹھیک ہے..... پھر آپ خوش ہو جائیں اور اپنے بیٹے کی پسند کی لڑکی بیاہ لائیں۔“ بہن نے کلس کر کہا۔
”ایسا تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گی۔“
”تو پھر پُرسکون ہو جائیں..... نہ آپ نے کسی کو دیکھا نہ..... آپ کو کوئی ملانہ آپ کی کسی سے بات چیت ہوئی..... اور نہ ہی آپ..... کبھی کتابوں کی نمائش میں گئیں۔“ بہن نے ہنس کر کہا تو رئیسہ بھی مسکرائے لگیں۔

☆☆☆

ماتھا تو فرید کا بھی ٹھنکا تھا..... جب ندیم خان کو اچھا خاصا مہنگا گفٹ صبا کو دیتے دیکھا تھا اور اس پر آفس کا لیبل منڈھ دیا گیا تھا۔
”کیا ضرورت ہے یہ سب کرنے کی.....“ جب آفس میں ایک جیسے گفٹس کے حوالے سے ہماٹھ اچھوٹا تھا تو اس نے پوچھا تھا۔

”تمہارے اخبار کی وجہ سے ہی یہ سب کر رہا ہوں۔“
”اسی لیے میری بیوی کا نام لگا دیا کہ وہ میرے اخبار کے ورکرز کو گفٹس بھیجیں گی۔“ فرید مسکرایا۔ ”وہ سبجوس کسی کو دھیلے کی چیز نہ دے..... وہ دے گی کسی کو جیولری بکس..... ہونہہ.....“
”تم نے بھی تو کلائنٹ کے مخالف پر بات کو اوعدھا کر دیا تھا۔“
”یار کیا کرتا..... وہ لڑکی بھی تو وکیل بنی جرح کیے جا رہی تھی۔ کسی طور اسے بھی تو یاد رکھنا تھا کہ تمہیں کوئی دل نہیں بیٹھا۔“

”تو تمہارے خیال میں، میں اسے پسند کرنے لگا ہوں۔“
”میرے خیال میں لفظ پسند پورے معاملات کا احاطہ نہیں کر پائے گا۔“
”یہ تم کہہ رہے ہو..... جسے کسی بات کی الفب کا پتا نہیں ہوتا.....“
”ارے..... میں کیا یہ آفس، یہ کھڑکیاں، یہ دروازے یہ سب بے جان چیزیں بھی تمہیں گواہی دے سکتی

ہیں کہ مباحثیں کیسی لگتی ہے اور مباحثہ کو دیکھ کر تمہاری خوشی کیسی دیدنی ہوتی ہے۔“

”اب ظاہر ہے اخبار کے دفاتر میں لوگ یکو اس تو کیا ہی کرتے ہیں..... اس لیے مجھے تمہاری بیکاری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ ندیم خان نے اپنے دلی جذبات یکسر چھپا کر اتنی سنجیدگی سے کہا کہ فریڈ بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں وہ غلط تو نہیں سوچ رہا تھا۔

اور پھر سوچ تو ندیم خان کی غلط ثابت ہو گئی تھی وہ جس تو س قزح کو دیکھ رہا تھا وہ تو گھٹا ٹوپ اندھیرا تھا اس سے کہاں غلطی ہوئی اور کیسے ہوئی، وہ واقعی ششدر رہا تھا۔

یہ افتاد اس پر اس وقت ٹوٹی جب وہ اپنے آفس میں ہونے والی کانفرنس کی تصاویر اپنے گھر لے کر گیا تھا جس میں آفس کے ہر ورکر نے اپنے وہ تمام عزائم بتائے تھے جو وہ اس اخبار کے لیے بروئے کار لانا چاہتے تھے۔

اس کانفرنس میں آفس میں کام کرنے والے بیون تک نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا کہ ندیم خان کا کہنا تھا کہ کسی چیز کی ترقی کے لیے ہر شخص کو اپنا حصہ خود ڈالنا ہوتا ہے..... چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا.....

ان تصاویر کو اپنے گھر لے جانے کا اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ اپنی ماں اور بڑی بہن کو صبا کی تصاویر دکھا کر اس کے بارے میں بتائے کہ وہ بالکل ویسی ہی ہے جیسا کہ وہ سوچا کرتا تھا اور اسے پورا یقین بھی تھا کہ صبا کے لیے ناپسندیدگی کا کوئی دوث نہیں ہوگا۔

سلیٹی بیگم نے جب تصویریں دیکھیں تو انہیں پہلی نظر میں ہی مباحثی لگی۔

”مجھے تو یہ درمیان والی لڑکی اچھی لگ رہی ہے..... اس نے اسکارف بھی کتنے سلیقے سے پہنا ہوا ہے۔“

سلیٹی بیگم نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا۔

”مگر امی یہ بات قاعدگی سے اسکارف نہیں لیتی ہے۔ کبھی صرف بڑا دوپٹا لیتی ہے۔“

”کوئی بات نہیں..... ہمارے گھر آئے گی تو ہمارے ماحول میں بس جائے گی۔“

”آپ کو اس لڑکی میں کیا خاص بات نظر آئی، دوسری لڑکیاں بھی تو اچھی ہیں۔“

”جانتی نہیں..... اس میں کوئی متناطیسیت تو ضرور ہے جو اس کی جانب دل جتھا سار رہا ہے۔“

”کہیں یہ جادوگر نہ تو نہیں ہے.....“ ماں کی پسندیدگی جان کر وہ خواہ مخواہ شوخ سا ہورہا تھا۔

”بیٹا یہ اس کی سادگی کا جادو ہے جو دیکھنے والوں کا دل موہ رہا ہے۔“

”ابھی آپ نے لڑکی دیکھی نہیں، اس نے آپ کا دل بھی موہ لیا۔ سین آپا ٹھیک ہی کہتی ہیں آپ کو تو ہر لڑکی

ہی اچھی لگنے لگتی ہے۔ اور پھر آپ اسے اپنی بیوی کی نظر سے دیکھنے لگتی ہیں۔“ اب ندیم اپنی ماں کو چھیڑ رہا تھا۔

”بیٹا اس سے قبل مجھے جو لڑکی پسند آئی تھی وہ بھی اس سے لٹی جلتی ہی تھی ایسا لگ رہا ہے کہ شاید اس کی کوئی

ابن ہو۔“

”مگر ان محترمہ کی کوئی بہن نہیں ہے۔“ ندیم نے ماں کو بتایا۔

”اور ان کی فیملی کیسی ہے؟“ ماں نے پوچھا۔

”مجھے تو لڑکی پسند آئی ہے..... بقیہ معلومات آپ اور آپا کر لیں..... ویسے لڑکی واقعی بہت اچھی ہے۔“

اس کے لہجے میں سرشاری سی چلی تھی۔

”تمہیں پسند ہے..... میرے لیے یہ ہی بہت ہے۔“ سلیٹی بیگم بھی بیٹے کو خوش دیکھ کر بے حد خوش تھیں فوراً

ہی بیٹی کو فون کر دیا گیا اور وہ بھی فوراً ہی آگئی۔

”ایسی بھی کیا امیر جنسی آگئی..... جو آپ نے فوراً طلب کر لیا“ سبین نے پوچھا۔
 ”آپا..... میں نے ایک بڑا مسئلہ حل کر دیا ہے۔ اس لیے آپ کو بلانا تو اشد ضروری تھا۔“ ندیم خان نے
 زرب لب مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
 ”ارے کیا مسئلہ.....؟“ انہوں نے پوچھا کہ اپنے اس بھائی کو اس طرح مسکراتے ہوئے خال، خال ہی
 دیکھا تھا۔

”مجھے ایک لڑکی تو نظر آگئی ہے۔“
 ”کہاں ہے؟ کدھر دیکھا؟ آپس کے توسط سے دکھائی گئی۔“ سبین نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر
 ڈالے اس کے چہرے پر خوشی سی چھا گئی تھی۔
 ”میرے آپس میں کام کرتی ہے وہ۔“
 ”کیا وہی روٹی دھوتی پگھوسی؟“

”جی.....“ ان کے اس طرح پوچھنے پر وہ بے اختیار ہنس دیا۔
 ”دکھانا تو اس کی تصویر ذرا میں بھی تو دیکھوں کہ آخر وہ ہے کون..... جس نے میرے بھائی کے ہوش ہی
 اڑا دیے۔“ انہوں نے چڑمراہ لہجے میں بھائی سے لاڈ کرتے ہوئے کہا۔
 ندیم خان نے فوراً ہی آپس کی ڈھیر ساری تصویریں بشمول اس کی سالگرہ کی تصویروں کے ان کے سامنے
 رکھ دیں۔

”اوہ، یہ ہیں وہ محترمہ؟ یہ والی لڑکی..... تمہیں پسند آئی ہے ناں.....“ انہوں نے صبا کی ہی تصویر پر
 ہاتھ رکھا۔

”آپ کو کیسے پہچان.....؟“ آپ وہ حیرت سے بہن کو دیکھ رہا تھا۔
 ”کیا اس شہر میں اب یہی لڑکی رہ گئی ہے باقی لڑکیاں کیا کہیں کوچ کر گئی ہیں، جسے ہم لوگ بارہ بار جا کر
 دیکھیں گے؟“ سبین آپ کا لہجہ تسخراں نہ تھا۔
 ”کیا مطلب..... کیا آپ کو صبا اچھی نہیں لگی۔“ اب وہ کبھی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا تو کبھی بہن
 کی جانب۔

”بھیا..... اس کی پرانی تصویریں کیا تم بھول بیٹھے ہو؟“
 ”صبا کی تصویریں میں نے کہاں دیکھی ہیں؟“
 ”اب بھی وہ تمہاری دراز میں ہوں گی۔ اگر بھول بیٹھے ہو تو پھر دیکھ لو۔“ انہوں نے یاد دلایا۔
 ”اسی لڑکی نے پہلے تمہارے رشتے کے لیے اٹکار کیا تھا۔“
 ”صبا نے اٹکار کیا تھا؟“ وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا۔
 ”جی ہاں اسی صبا رحم نے صفا چٹ اٹکار کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کسی دوسرے سے منسوب ہے..... اس
 لیے وہ یہ رشتہ قبول نہیں کر سکتی۔ اپنی ماں اور خالہ کی پسندیدگی جاننے کے باوجود یہ بیچ میں آکودنی تھی۔ اب کیا تم
 پھر یہ چاہ رہے ہو..... ہم دوبارہ جا کر ان محترمہ کا اٹکار سن کر واپس آئیں، ایسی تو کوئی توپ چیز نہیں ہے وہ.....“
 سبین آپ اب مختصر بھرے لہجے میں اس میں کیڑے ڈال رہی تھیں۔
 مگر اب ندیم خان کا سرواٹھی مگھوم گیا تھا۔

(جاری ہے)



Downloaded From
Paksociety.com

ناولٹ

ساحل محل چھڑنا اور آئینہ

مستسریشی

”ساحل مہتر..... میرے گلاسز دینا ذرا.....“ ستارہ
بیگم سوٹربانک کو چکاتے ساحل سے مخاطب ہوئیں۔
”ساحل.....“ اس نے سنی ان سنی کر دی۔ ستارہ
بیگم نے غصیلے انداز میں پھر اس کو آواز دی تو اس نے
پلٹ کر انہیں دیکھا۔

”الہاری میں میرے گلاسز رکھے ہیں اٹھا کر
دو..... دیکھو تو یہ اخبار میں کیا خبر آئی ہے۔“ ستارہ بیگم
اس کو دیکھنے پر اس سے کہنے لگیں۔

ماہنامہ پاکیزہ 143 جون 2016ء

READING
Section

آواز اپنا جادو چگار ہی تھی اور وہ اس گانے کے بول پیچہ پر لوٹ کر رہی تھی کہ یک دم ٹی وی کا چینل بدل دیا گیا تو وہ چیخ اٹھی۔

”کیا ہوا.....؟“ اس کے چیخنے پر وہ بے پروائی سے پوچھنے لگی۔

”یار میں یہ گانا لوٹ کر رہی تھی ناں.....“ وہ جھجلائی تھی۔

”گوگل میں لکھو، ساری شاعری سامنے آ جائے گی اور آرام سے بیٹھ کر کاپی کر لو.....“ آئینہ دونوں پاؤں اور اٹھا کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس کو مشورہ دینے لگی تو جبرنا مصطفیٰ نے چیختی سی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”جو مزہ اس طرح کوئی چیز لوٹ کرنے کا ہے وہ گوگل پر سے کاپی کرنے کا نہیں ہے۔“ جبرنا نے لکھے گئے چند اشعار کو دیکھتے ہوئے کہا تو آئینہ ایک نظر اسے دیکھ کر کندھے اچکا کر ٹی وی ریوٹ سے مختل سرچ کرنے لگی۔

”یار ہیرو کیسا ہونا چاہیے؟“ یک دم جبرنا اس سے پوچھنے لگی۔

”سلطان خان جیسا.....“ آئینہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھی جہاں سلطان خان کی کسی نئی مووی کی جھلکیاں دکھائی جا رہی تھیں۔ جبرنا نے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا۔

”مطلب ٹاپ لیس.....“ جبرنا نے متغیر نظروں سے دیکھا۔

”ہااا..... حرج ہی کیا ہے.....“ وہ آنکھ دبا کر بولی۔

”محترمہ ستارہ بیگم تک میرے اس ٹاپ لیس ہیرو کا حلیہ پہنچانا تو میرا انجام بھی وہی ہوگا جو انارکلی کا ہوا تھا.....“ جبرنا نے اس کو ڈپٹے ہوئے کہا۔

”ویسے تو اگر ان تک یہ خبر پہنچ گئی ناں کہ ہماری جبرنا رائٹر بن گئی ہے تو بھی انجام انارکلی والا ہی ہوگا۔“ آئینہ نے اس کو ڈرایا۔

”بس، بس یا تم تو رہتے ہی دو۔ تم سے کچھ بھی

”دادو اخبار آپ کے ہاتھ میں ہے تو خبروں کا مجھے کیسے پتا ہوگا؟“ اس نے جھجلا کر کہا تو وہ اخبار کو سائڈ پر کر کے اپنی کمزور نظروں سے اسے گھورنے لگیں۔

”اچھا زیادہ باتیں نہ بنا..... میری عینک لا کر دے وہاں سے۔“ ستارہ بیگم اچھی خاصی ڈانٹ کے بعد دوبارہ اخبار کی سرخیوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور آنکھوں کو چند حیا کر پھر سے پڑھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

”دادو صرف پانچ منٹ، دیتا ہوں ابھی.....“ ساحل خشک اسٹیج سے موٹر ہائیک کی لیدر سیٹ چمکاتے ہوئے بولا۔

ستارہ بیگم صبح، صبح ناشتے کے بعد اخبار کے مطالعے کی شوقین تھیں۔ ملک کے حالات، سیاست کی چیٹ پٹی خبریں پڑھ کر جب تک سیاستدانوں کو صلواتیں نہ سنائیں ان کا ناشتا ہضم نہ ہوتا تھا..... آج اپنی عینک کے بغیر اخبار اٹھالیا تھا اور اب نظر کی کمزوری کے باعث کوئی بھی خبر اچھی طرح پڑھ نہیں پا رہی تھیں..... ہر لفظ نظر آنے کے باوجود دھندلا تھا ایسے میں انہیں ساحل ہی صاف دکھائی دے رہا تھا تو اسی کو پکارا اور ساحل ٹھہرا بلا کا حیلے باز آسانی سے کہاں بات مانتا تھا۔

”یہ لیں دادو گلاسز.....“ اگلی بار اخبار اٹھانے سے پہلے گلاسز اٹھا لیجیے گا.....“ ساحل نے جھجلا کر کہا تو ستارہ بیگم نے گلاسز پہن کر اسے دیکھا۔

”بھال ہے جو یہ آج کی نسل کوئی کام ماتھے پر بل ڈالے بغیر کر لے.....“ ساحل نے جاتے، جاتے پلٹ کر دادو کو دیکھا تھا۔ لیکن وہ اب اخبار کی سرخیوں میں مکمل طور پر محو ہو چکی تھیں تو اس نے کچھ بھی کہنے کا ارادہ ترک کر دیا..... اور واپس اپنی لاڈلی موٹر ہائیک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆

میرے محبوب قیامت ہوگی
آج رسوا تیری گلیوں میں محبت ہوگی
”ارے، ارے یہ کیا کیا.....؟“ کشور کمار کی

ماہنامہ پاکیزہ 144 جون 2016ء

”اوہلو..... مسٹر ہیرو..... آپ کو زحمت ہوگی لیکن اگر آپ گاڑی نکال دیں تو بڑی مہربانی ہوگی.....“ دوسرے پل اس نے چکیاں بجا کر اس کو حقیقت کی دنیا میں لا چکا اور اب وہ اپنی بے اختیاری پر شرمسار تھا لیکن اس کو پروا کب تھی۔

”معافی چاہتا ہوں میڈم..... چلیں.....“ دوسرے پل وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

”اور ہاں ایک بات.....“ وہ جاتے، جاتے پلٹی تو اس کے پیچھے قدم بڑھاتے اس نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

”تم یہ ڈے ڈیرنگ ڈراما کیا کرو.....“ وہ اپنے مخصوص انداز میں اس کو وارننگ دے رہی تھی۔

”ڈے ڈیرنگ؟“ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگا۔

”یہ جو دن بھر خیالوں میں کھوئے رہتے ہو ناں..... یہ ڈراما کیا کرو..... اور کام زیادہ کیا کرو.....“ وہ تپ کر بولی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ہونہ..... جال.....“ وہ زہر لب بڑبڑائی..... اور جل پڑی..... تو وہ بھی خلیف پر رہی چاہیاں اٹھا کر اس کے پیچھے ہولیا..... ”جھڑنا نے یہاں تک لکھ کر قلم رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

”مجھے یہ کسی صورت بھی منظور نہیں ہے..... پہلے کیا کم نمونے ہیں، ستارہ ہاؤس میں جو اب ایک اور کا اضافہ کرنا ہے.....“ ساحل نہایت ترش لہجے میں مخاطب تھا۔

”ایکسکیوز می..... یہ تم نے نمونے کس کو کہا ہے.....؟“ جھڑنا نے نیکی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”ہاں بھائی پہلے یہ تو کلیئر کریں ناں..... ہ.....“ آئینہ نے بھی کمر پر ہاتھ رکھ کر ترہی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”ہونہ یار..... ہم سب نمونے ہیں، ناموں پر غور کرو ذرا.....“ ساحل جھنجھلا کر بولا۔

”دیکھیں بھائی اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا

ماہنامہ پبلیکیزہ 145 جون 2016ء

پوچھنے کا مطلب اپنے ہنر کا بیڑا غرق کرنا ہی ہے۔“ جھڑنا اس کی طرف دیکھ کر بولی اور دوسرے لمبے کاغذ پر تیز، جیز قلم چلانے لگی۔

”خاموش محبت.....“

وہ اس سے بے انتہا محبت کرتا تھا جو اس کی آنکھوں سے عیاں ہوتی تھی۔ خاموش محبت..... اس سر و جنگ کے ماتم ہوتی ہے جس میں جیت کس کا مقدر بنتی ہے، ہمتا نہیں چلتا..... جس میں بے مہر موجیں صرف اور صرف اسی انسان کو ڈھکی کرتی ہیں جو اس بخور میں الجھا ہوتا ہے..... خاموش محبت بھی خون جلانے کے سوا کسی بھی خوش کن بات کی خبر نہیں ہوتی ہے..... وہ بھی آج کل اپنا آپ ڈھکی کرنے، خون جلانے کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں کر رہا تھا۔

”سن جھڑنا آئی..... یہ جو ہیرو ہوتے ہیں ناں.....“

”پلیز ایک منٹ رک جا.....“ جھڑنا نے اس کی طرف دیکھے بغیر مسلسل قلم چلاتے ہوئے کہا تو آئینہ نے بد مزہ ہو کر اسے دیکھا۔

”وہ اس سے شدید محبت کرتا تھا لیکن..... آج تک خاموش تھا..... کیسے اس کے سامنے اقرار کرتا کہ اس سے محبت کرنے لگا، کیسے اسے یقین دلاتا کہ جس پیرودہ اس کے دیدار سے محروم رہتا ہے، وہ پھر تارکیوں میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے..... وہ اس کے پناؤ زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا اور وہ تھی کہ بے خبر، بے پروا، خبیلی اس کی آنکھوں کی روشنی اور چہرے کی خاص مسکان سے انجان..... مکمل انجان..... اور وہ خاموش محبت کی جتنی بھیش میں دن رات جل رہا تھا۔“

”سنو..... مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے..... تم گاڑی نکال دو.....“ وہ بیڈ پیردونوں ہاؤس کے پیچھے کر کے ہاتھوں کا تکیہ بنائے لیٹا تھا کہ وہ تک سب سے تیار ہوئی اس کے سامنے کٹری کسی مہارانی کی طرح اس سے مخاطب تھی اور وہ جو اسی کے خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا اس لیے اس کی آمد اسے کسی سہانے خواب کی سی محسوس ہو رہی تھی تبھی تو یک تک اس کی طرف دیکھنے لگا۔

ناں..... اپنے آپ کو کوٹنے کا کیا فائدہ.....“ آئینہ صلح
جواز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

”اور ساحل تمہیں اب تک تو اپنے نام کا عادی
ہو جانا چاہیے تھا۔ مسئلہ کیا ہے آخر.....؟“ جبرنا اس کی
طرف دیکھ کر شکرانہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

”کیا یہ مسئلہ کم ہے کہ میرے پاس اتنا بھی اختیار
نہیں کہ میں مکمل آزادی سے اپنے بیٹے کا نام رکھ سکوں؟“
ساحل ماتھے پر بل ڈالے اس سے مخاطب تھا۔

”آہستہ بولو ساحل..... دادو نے سن لیا ناں تو دو
دن تک تمہارا کھانا پینا بند ہونا لازمی امر ہے۔“ ڈائجسٹ
کے صفحے کو پلٹتے ہوئے جبرنا نے اس کو ڈرایا تھا۔

”ہاں بھائی..... اور یہ چھوٹی موٹی سزا کس بھی
ستارہ ہاؤس کی روایت ہیں۔“ آئینہ ہنستے ہوئے مکمل
غیر سنجیدگی سے بولی تو ساحل نے قہر آلود نظروں سے
اسے دیکھا۔

”بند ہوتا ہے کھانا پینا تو ہو جائے مجھے کوئی پروا
نہیں ہے۔ لیکن اب دادو کم از کم اس معاملے میں من
مانی نہیں کر سکتیں۔“ ساحل پر اس کی دھمکی کا رتی بھر بھی
اثر نہیں ہوا تھا۔

”دیکھو ساحل تم خواہ مخواہ دادو کے غصے کو لٹکا رہے
ہو۔ جب انہوں نے پہلے ہی کہا تھا تو اس وقت کیوں ہامی
بھری تھی؟“ جبرنا اس سے اٹھنے لگی تھی۔

”میں سمجھا تھا شاید دادو اب کچھ سمجھ رہی ہوں
گی۔“ ساحل اچھے خاصے تپے ہوئے انداز میں بولا تو
آئینہ کے ساتھ ساتھ جبرنا بھی ہنسنے لگی۔

”ہاں تم تو جیسے جانتے نہیں ناں دادو کی پسند اور
مراجہ کو.....“ جبرنا تیز لہجے میں بولی۔

”غلطی ہو گئی تھی مجھ سے..... لیکن اب میں بتا رہا
ہوں کہ اس معاملے میں اب دادو کا راج نہیں چلنے
والا.....“ ساحل نے دو ٹوک الفاظ میں اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

”راج..... واؤ..... کیا زبردست نام ہے.....“
آئینہ جو خاموشی سے جبرنا اور ساحل کی نگرار سن رہی
تھی یک آنخت جھج اٹھی۔

ملتان پبلشرز 148 جون 2016ء

”ابھی جا کر دادو کو بتاتی ہوں کہ ہمارے ننھے سے
بچے کا نام ”راج“ رکھنے کا فیصلہ ہو گیا ہے اور آپ جن،
جن نگاروں کی کھوج میں مصروف ہیں پلیز اپنا ارادہ
ترک کر دیں۔“ آئینہ پرجوش تھی، جبرنا بھی ہنس دی۔
”کیا خیال ہے بھائی.....؟“ آئینہ نے ساحل
کے آگ بگولا چہرے کو دیکھ کر ہنستے ہوئے شرارت سے
پوچھا تھا۔

”کسی نے اس طرح کی کوئی حرکت کی تو میں
بالکل لحاظ نہیں کروں گا..... میرے بیٹے کا نام رکھنے کا
حق صرف اور صرف میرے پاس ہے..... اور میں اس
فروادہ خاندانی روایت کو ختم کر دوں گا.....“ وہ قہر آلود
نظروں سے جبرنا اور آئینہ کو دیکھ کر بولا۔

”تمیز سے ساحل..... بخشش ہیں تمہاری اور دادو
کے لیے تم کس طرح کی زبان میں بات کر رہے
ہو۔“ سیرت اسی لمحے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

”آپ کی وہ ساس ہیں تو آپ ڈریں ان
سے۔ میں اپنے بیٹے کا نام خود رکھوں گا۔“
”ساحل.....“ سیرت نے انتہائی غصیلی نظروں
سے اس کو دیکھ کر فقط اس کا نام لیا تھا۔

”مما پلیز..... یہ تو میرا حق ہے ناں کہ میں اپنی
اولاد کا نام خود رکھ سکوں.....؟“ وہ قدرے نرم پڑ چکا
تھا، التجا سیہ انداز میں سیرت کی طرف دیکھ کر اُن سے
کہنے لگا۔

”ساحل تم جانتے ہو.....“ ستارہ ہاؤس“
میں کسی کو بھی من مانی کی اجازت نہیں۔“ جبرنا نے
ایک بار پھر مداخلت کی تو سیرت نے قہر آلود نظروں
سے اسے دیکھا۔

”تم ڈرا خاموش رہو..... بجائے اسے سمجھانے
کے تم اور ہی شہدے ہی ہو۔“ سیرت نے اسے ڈانٹا تھا۔
”لو میری کیا غلطی ہے اس میں..... اور میں کیا
سمجھاؤں؟ یہ ماں، باپ کا بنیادی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی
اولاد کا کم از کم نام تو اپنی پسند کار رکھیں۔“ جبرنا مونگ
پھلی کو چھیل کر منہ میں ڈالتے ہوئے انتہائی بے پروائی

”کیوں نہ آئینہ کو آگے کیا جائے.....“ جبرنا نے

رازدارانہ انداز میں کہا۔

”مطلب.....؟“ ساحل نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

”دیکھو تم یا ہم میں سے کوئی بھی دادو کے سامنے

احتجاج کرے گا ناں تو دادو ڈانٹ سارا الزام ماما کو

دیں گی... لیکن آئینہ اگر بے بی کے نام کے لیے کہے گی

تو.....“ جبرنا نے سوالیہ نظروں سے ساحل کو دیکھا تھا۔

”واہ آپنی گرےٹ..... ہے ناں بھائی؟“ آئینہ کو

جبرنا کا آئیڈیا پسند آیا تھا۔

”وہ اگر یہ کر سکتی تو کیا میں یوں ریلیاں نکال رہا

ہوتا۔“ ساحل ایک بار پھر بھڑاری سے بولا تھا۔

”کیا مطلب.....؟“ وہ دونوں ایک ساتھ بولی تھیں۔

”جہیں کیا لگتا ہے کہ میرے ذہن میں یہ آئیڈیا

نہیں آیا ہوگا؟ لیکن وہ انتہائی ڈراماٹک ہے اور اپنی

ریپریشن کے معاملے میں بہت پوزیو بھی.....“ ساحل

ان دونوں کو متاثر ہوا تھا۔

”اس کو یہ تو منظور ہے کہ ہمارے بیٹے کا نام

جامد، سورج جیسا ہو لیکن یہ منظور نہیں کہ دادو اس کے

لیے اپنی رائے بدل کر اسے بد تمیزی کے تحفے سے

نوازیں۔“ ساحل انتہائی بد دل ہو رہا تھا۔

”بھائی ہمارے تو اتنے ارمان تھے کہ آپ کے

بچوں کے نام ہم اپنی مرضی سے رکھیں گے۔“ آئینہ منہ

بسور کر بولی تو ساحل نے بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا ہوا ہے؟“ وہ تینوں خاموش تھے کہ آئینہ

تھے نے سے بے بی کو اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی

اور ان تینوں کو خاموش دیکھا تو متکبرانہ انداز میں

پوچھنے لگی۔

”ہونا کیا ہے، ہم تو بس آج کل ہمارے اس

شہزادے کے نام کے سلسلے میں ہی پچھلے جا رہے

ہیں۔“ جبرنا نے آگے بڑھ کر اس سے بے بی کو لیتے

ہوئے اپنا دکھڑا سنا یا تو وہ مسکرانے لگی۔

”ڈانٹ ڈرا دیا تھا، میں بھی پتا نہیں کیا ہو گیا

ہوگا.....“ وہ نروٹھے چہرے کے ساتھ بیٹھے ساحل کی

ملہنلہ پاکیزہ ﴿147﴾ جون 2016ء

سے بولی تو سیرت نے سر ہینٹ لیا۔

”تم لوگوں کی بحث اور خواہ مخواہ کا احتجاج کسی

کام کا نہیں ہے۔ تم جانتے ہو بیٹا کہ برسوں سے ستارہ

ہاؤس کی یہی روایت ہے کہ بچوں کے نام بڑے رکھتے

ہیں۔ تم سب کے نام بھی تمہاری دادو نے ہی رکھے

تھے..... اور.....“

”کاش ماما ہمارے نام آپ دادو کو نہ رکھنے

دیتیں.....“ آئینہ منہ لٹکا کر بڑبڑائی تو بات کرتی سیرت

نے اسے گھورا۔

”ٹھیک ہے پھر جا کر دادو کے سامنے احتجاج

کرو..... میرے ساتھ بحث کا کوئی فائدہ

نہیں.....“ سیرت نے ہتھیار ڈال دیے..... اور وہاں

سے چلی گئیں۔

”ساحل تم ایسا کرو آئینہ سے پوچھو اور خود ہی نام

فائل کر کے رجسٹر کرو دادو پھر دادو کچھ نہیں کر سکیں

گی۔“ ہاتھ میں پکڑے ڈائجسٹ کا صلہ ڈھرا کر کے

اسے دیکھتے ہوئے وہ بولی تو آئینہ نے اسے دیکھا۔

”کمال کرتی ہو آپنی..... دادو کو پتا چل گیا تو

جانتی ہونا کیا ہوگا؟“ آئینہ نے ساحل کے چہرے پر

اس کی بات سے متفق ہونے کے تاثرات دیکھ کر کہا۔

”نہیں بھائی، آپ آپنی کی بات نہ سنیں..... کسی

بھی طرح سے دادو کو قائل کرنے کی کوشش

کریں.....“ آئینہ نے مشورہ دیا۔

”یا آپ بھابی سے بات کریں.....“ آئینہ اس

کو خاموش دیکھ کر گویا ہوئی۔

”اس سے کیا کہوں.....؟ وہ اس نام کے درد

کو نہیں سمجھ سکتی.....“ ساحل سنجیدگی سے بولا تو آئینہ اور

جبرنا کے فلک شکاف قہقہے پر اس نے چونک کر

انہیں دیکھا تھا۔

”ساحل ایک آئیڈیا ہے.....“ جبرنا نے کچھ

سوچ کر ساحل کی طرف دیکھا۔

”کیا.....؟“ اس کے ساتھ ساتھ آئینہ بھی

متوجہ ہوئی۔

READING
Section

طرف دیکھ کر یولی۔

”میرا چاند، میرا شہزادہ، پھوپھی کی جان کے نام کا ہی مسئلہ بن گیا۔۔۔۔۔“ جھرنا اس کو یاد کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”خبردار۔۔۔۔۔“ دوسرے پل ساحل غصے سے چیخا تو جھرنا کے ساتھ، ساتھ آئینہ اور آمنہ نے بھی چونک کر اس کو دیکھا۔

”خبردار جو کسی نے اس کو ”چاند“ کہا تو۔۔۔۔۔ میں اس طرح کے ناموں سے جان چھڑانا چاہ رہا ہوں اور تم لوگ۔۔۔۔۔ یار بات سمجھنے کی کوشش کرو ناں۔۔۔۔۔ مجھے آج تک اپنا نام بتاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ کوئی نام ہوا بھلا ”ساحل“ مجھے اب اس کا اس طرح کا نام نہیں چاہیے۔۔۔۔۔“ ساحل بے حد جھنجھلاہٹ کا شکار تھا۔ وہ تینوں فقط اس کو دیکھ کر رہ گئیں اور دوسرے پل ان کو دیکھ کر وہ ہر کل گیا۔

”کیا ہوا ہے۔۔۔۔۔؟“ آمنہ، ساحل کے ہاتھ ہونے کو ہاتھ لکھ نہیں سمجھ رہی تھی۔

”بھابی ہمارے نام دادو نے رکھے تھے۔“ آئینہ نے اسے بتانا شروع کیا۔

”اور جیسے، جیسے ہم بڑے ہوتے گئے ہمارے نام کا مذاق بنایا گیا۔ کبھی اسکول میں تو کبھی باہر۔۔۔۔۔“

”دادو کو عجیب طرح کے نام پسند آتے ہیں جیسے میرا نام ”جھرنا“ اب کے جھرنا نے بھی کہا شروع کیا۔

”اور میرا ”آئینہ۔۔۔۔۔“ بھائی کا نام ”ساحل۔۔۔۔۔“ جو بھائی کو بالکل بھی پسند نہیں ہے۔“ آئینہ پھر یولی۔

”ہمیں اس بات پر اعتراض نہیں کہ ہمارے نام دادو نہ رکھیں لیکن اس بات پر ہے کہ کم از کم نام تو ایسے ہوں جن کا مذاق نہ بنے۔۔۔۔۔“ آئینہ نے آمنہ کو بتایا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ساحل نے کہا تھا کہ جب بھی اس کی اولاد ہوگی، وہ اس کا نام اس طرح کا نہیں رکھیں گے، جس کا مذاق بنے اور اس کو ہر جگہ شرمندہ ہونا پڑے۔۔۔۔۔“

جھرنا بے بی کو بیڈ پر لٹا کر آمنہ کو بتانے لگی۔

ماہنامہ پاکیزہ 148 جون 2016ء

”لیکن اب جب ایسا موقع آیا تو اب پھر دادو اسی طرح کے ناموں کی فہرست تیار کر رہی ہیں۔ اس لیے ساحل غصے میں ہے۔“ جھرنا، آمنہ کو ساحل کے غصے کی اصل وجہ سے آگاہ کر رہی تھی۔

”تو کیا آئینہ اور انکل نے بھی آپ لوگوں کے ناموں کے معاملے میں دادو کے سامنے زبان نہ کھولی۔“ آمنہ اس نام والی اسٹوری سے بے خبر تھی۔

”کہا ہوگا تب بھی دادو کے سامنے کسی کی نہیں چلتی تھی۔“ آئینہ ایک بار پھر یولی۔

”ویسے ہم ایک بات سوچ رہے تھے۔“ آئینہ ایک لخت آمنہ سے مخاطب ہوئی تو اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”اگر آپ ہمت دکھائیں اور دادو کے سامنے بولیں تو؟“ آئینہ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”نہ بابا نہ۔۔۔۔۔ مجھے اس معاملے سے دوری رکھیں۔۔۔۔۔ ساحل نے بھی کہا تھا تو میں سوچنے لگی تھی لیکن اب ساری کہانی جاننے کے بعد تو میں نے اپنی ہی سوچ کو بدل دیا۔“ آمنہ نے صاف دامن پچایا۔۔۔۔۔ تو جھرنا اور آئینہ نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں مایوسی سے گہری سانس لی اور آمنہ صرف ان دونوں کو دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

”واہ، واہ ماشاء اللہ جھرنا آپ کی کمال کر دیا۔۔۔۔۔“ یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم نے لکھا ہے۔“ جھرنا کا قلم رکا تو آئینہ اس کے ہاتھ سے نوٹ پیڈ لے کر پڑھنے لگی تھی۔

سین ختم ہوا تو آئینہ کی واہ، واہ شروع ہو گئی۔

”دادو تک خبر پہنچی ناں کہ اپنی جھرنا میڈم خاموش محبت کو تخلیق کر رہی ہیں تو اپنی جان تو، تو چنوائی جائے گی دیواروں میں۔“ آئینہ نے اسے چھیڑا۔

”تم کبھی کوئی اچھی بات نہ کرنا۔۔۔۔۔ تم دیکھتا میرا یہ ناول سب سے اچھا ہوگا۔۔۔۔۔ ویسے تم کیا کہہ رہی تھیں بیرو کے بارے میں۔“

”یار یہ بیرو ہمیشہ اتنا اچھا ہی کیوں ہوتا ہے؟“ آئینہ نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”اس لیے کہ وہ میرا ہوتا ہے.....“ جھرنہ نے بے نیازی سے کہا۔

”لیکن ولن بھی تو میرا ہو سکتا ہے ناں.....؟“ آئینہ نے عجب نکتہ اٹھایا تھا۔

”یار ولن تو ولن ہوتا ہے پھر وہ میرا کیسے ہو سکتا ہے بھلا۔“ جھرنہ نے جھنجھلا کر کہا اور اپنا نوٹ پیڈ ڈراز میں رکھنے لگی۔

”یہ دنیا اور ہماری زندگی کتنیوں سے بھری پڑی ہے، ڈھیروں ڈھیروں مسائل ہر لمحہ ہر فرد کو گھیرے رکھتے ہیں اور ایک دم راسخ ہو جاتی فینٹسی لینڈ سے باہر نکلتے ہی نہیں ہو.....“ آئینہ قدرے سنجیدگی سے بولی۔

”فینٹسی لینڈ“ ہر لمحہ مسئلے مسائل میں گھرے لوگوں کی بھی ہوتی ہے صرف راسخ زندگی نہیں.....“ جھرنہ نے اسے دیکھ کر کہا۔

”فرق صرف اتنا ہے کہ جو کئی ایٹو مائنڈ لوگ ہوتے ہیں وہ جب زندگی کی کٹھنوں سے اکٹا جاتے ہیں اور مسئلوں سے لڑتے، لڑتے تھک جاتے ہیں تو پھر وہ چند پل سکون کی تلاش میں اپنی فینٹسی لینڈ میں چلے جاتے ہیں..... زندگی میں جب ہر پل بے سکونی ہوتی ہے تب وہاں چند پل سکون کے ایک ہی طاقت دیتے ہیں.....“ جھرنہ کی آپیلیشن پر آئینہ نے اسے دیکھا۔

”سکون کی تلاش اور فینٹسی لینڈ میں؟“ آئینہ کے ہونٹوں پر ایک تسخرانہ مسکراہٹ ابھری۔

”فینٹسی لینڈ فقط رومانس کا نام نہیں ہے مائی ڈیئر..... اس میں پوزیشنیں ہوتی ہیں، جہاں ہر چتر مسکراتی ہے، وہاں کے باسی وہاں کے نظارے، صرف اور صرف مسکراتا جانتے ہیں، وہ اپنے مسائل کو بھی مسکرا کر ڈیل کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں۔“ جھرنہ نے تلخ لہجے میں بات شروع کی تھی لیکن اب مسکرا کر خاموش ہوئی تھی۔

”نہیں خیر اب فینٹسی لینڈ کے مطلب سے تو انجان نہیں ہوں لیکن تم لوگوں کی یہ فیری مفلو (Fairy tales) مجھے ہضم نہیں ہو رہی ہیں۔“ آئینہ بے پردائی

سے بولی۔

”یہ صرف کسی فینٹسی لینڈ کی فیری مفلو نہیں ہیں،

ایک مثبت سوچ بھی ہے۔“ جھرنہ نے پھر دفاع کیا۔

”لیکن تم خود سوچو ناں مائی ڈیئر راسخ ایک شخص نے پانچ چھ ہزار کا بل دینا ہے، بچوں کی اسکول کی فیسیں دینی ہیں، مہینے کا سودا سلف لانا ہے اور آج کل ہر گھر میں ایک دو بندے تو لازمی کسی نہ کسی سیریس بیماری کا شکار ہیں..... ایک بندہ ہے کمانے والا، بجلی کا مسئلہ، گیس کا مسئلہ ایسے میں کیا کوئی موسم ہی جلا کر تم لوگوں کی اس فینٹسی لینڈ میں جائے گا کہ..... ہاں بھئی یہ جگہ سکون والی ہے چلو.....“ آئینہ بولنے پر آتی تو بولتی چلی جاتی۔

”ایک منٹ، ایک منٹ.....“ جھرنہ نے اسے حرید کچھ بھی کہنے سے روکا۔ ”ان سب مسائل کے باوجود ایک انسان کے پاس چینی کی امگ تو ہوتی ہے ناں..... ایک ایسی دنیا تو ہوتی ہے ناں جس میں اس کو چند پل سکون کے میسر آتے ہوں؟“

”خواب مسائل میں اس بدی طرح لپیٹے جا چکے ہوں کہ ان کی راکھ بھی نہ ملے تو سکون کے لیے بنائی گئی دنیا کہیں بہت پیچھے رہ جاتی ہے.....“ آئینہ نے بڑی گہری بات کی تھی۔

”وہ اس لیے کہ ہم مسائل کو اپنا اونٹ بھٹا، بچھونا بنا لیتے ہیں..... اور سمجھتے ہیں کہ یہی زندگی ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ زندگی کسی فینٹسی لینڈ کا نہیں صرف ایک ڈیزاسٹر کا نام ہے۔“

”مطلب تم ایک راسخ بن کر لوگوں کے مسائل کم کر رہی ہو؟“ آئینہ اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگی۔

”نہیں، مسائل کم نہیں ہوتے..... لیکن ہر پل ان کو سر پر سوار کرتے، کڑھنے سے حرید بڑھتے ہیں..... میں ایک راسخ بن کر ایک چھوٹی سی فینٹسی لینڈ کری ایٹ کر کے ایک پوڈیو سوچ کو ابھارنے کی کوشش کر سکتی ہوں ناں.....؟“ جھرنہ پُر یقین انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی تھی۔

بڑھاتے ہوئے التجائیہ لہجے میں ان سے کہنے لگا۔
”بہنوں کی دعائیں لیتا جا
جا بھائی تجھ کو کامیابی ملے
من کی مراد پوری ہو
اور دادو کا موڈ خوشوار ملے“

آئینہ نے لہک، لہک کر گایا تو ساحل نے اسے
دیکھا، جھرنے نے بھی حسیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔
”تمہیں منع کیا تھا کہ میری اسٹوریز کے بارے
میں کسی کو نہیں بتانا ہے تو کیا ضرورت تھی ساحل کے
سامنے نام لینے کی؟“ ساحل کے جاتے ہی اب جھرنے
کی توپوں کا رخ آئینہ کی طرف تھا۔

”تم خواہ تو آگ بگولا ہو رہی ہو..... بھائی ایسے
فہم ہیں جو اس بات کا لٹو بتا کر تمہیں روک دیں
گے“ آئینہ مطمئن انداز میں اس کی طرف دیکھ کر بولی۔
”ہاں لیکن پھر بھی میں.....“

”جسٹ چل یار، کچھ نہیں دیتا..... بھائی ابھی تو
بے بی کے نام میں اچھے ہوئے ہیں..... انہوں نے
دھیان ہی نہیں دیا..... تم بتاؤ چائے پیوگی؟“ آئینہ اس کی
بات کاٹ کر ہلکے پھلکے انداز میں اس سے پوچھتے، پوچھتے
اتھ کھڑی ہوئی تو جھرنے نے اثبات میں سر ہلا دیا اور آئینہ
کے جاتے ہی دوبارہ اپنی رائٹنگ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

☆☆☆

”اچھا ہوا تم یہاں آ گئے، میں ابھی تمہیں ہی
بلانے لگی تھی.....“ ساحل ہال میں داخل ہوا تو ستارہ
بیگم نے اس کی طرف دیکھا اور گلاسز اتارتے ہوئے
بولیں۔ اس کی نظر ان کے ہاتھ میں پکڑے ہیچر پر پڑی
تو اس کی چھٹی حس اسے خبردار کرنے لگی تھی کہ اب کچھ
گڑبڑ ہونے والی ہے۔

”جی دادو..... کیوں بلا رہی تھیں؟“ وہ اپنے
دوسروں کو ہمراہ لیے ان کی طرف بڑھا۔

”بلا نہیں رہی تھی ابھی بلانے کا سوچ رہی تھی۔“
ستارہ بیگم نے صحیح کی تو ساحل نے جھنجھلا کر انہیں دیکھا۔
”اچھا، کیوں بلانے کا سوچ رہی تھیں۔“ اس کی

”اگر ایک بھی فرد میری کری ایٹ کی گئی فیملی
لینڈ میں جا کر اپنے مسائل کو بھول کر مسکرانے لگے
تو اس کی چند ہل کی مسکراہٹ میری سیاحی کی
قیمت ادا کر دے گی۔ اور مسکراہٹیں بکھیرنا تو ویسے بھی
صدقہ جاریہ ہے۔“ جھرنے مسکراتے ہوئے بولی تو
آئینہ نے ایک نظر اس کو دیکھا اور کچھ کہنے کو لب و لہجے
ہی تھے کہ ساحل کی آمد پر خاموش ہو گئی..... اور جھرنے
ایک بار پھر دراز میں رکھے نوٹ پیڈ کو نکال کر کچھ لکھنے
میں مصروف ہو گئی۔

”بھائی آپ کو پتا ہے، یہ اپنی جھرنے آپنی رائٹر بن
گئی ہیں.....“ آئینہ نے کن آنکھوں سے جھرنے کو دیکھتے
ہوئے کہا تو ساحل نے چونک کر جھرنے کے جھکے سر اور
مصروف انداز کو دیکھا..... جو اب غصے سے آئینہ کو دیکھ
رہی تھی اور دونوں ہاتھوں کو سامنے رکھے نوٹ پیڈ پر
پھیلا..... رکھے تھے۔

”رنگی.....؟“ ساحل نے پھیلی آنکھوں کو
چھپک کر اس کی طرف دیکھ کر پوچھا تھا۔

”نہیں..... نہیں بھائی..... آئی مین ساحل، آئینہ
ایسے ہی کہہ رہی ہے.....“ جھرنے ایک دم بوکھلا گئی تو
آئینہ کھل کر مسکرائی۔

”ساحل تو کیا ڈیپانڈ کیا نام کے بارے میں؟“
دوسرے ہل جھرنے نے موضوع گفتگو بدل دیا۔

”ایک دو نام سوچے ہیں ابھی جا رہا ہوں دادو کو
بتانے.....“ ساحل ڈھیلے حالے انداز میں بتانے لگا۔

”چل آپنی اب تیار ہو جا..... کاغذ قلم تیار رکھنا
ایک اور ڈراما ہونے والا ہے.....“ آئینہ، جھرنے کی
طرف جھک کر بڑبڑائی تو اس نے اس کو دھکا دے کر
پچھے کیا۔

”تجھ سے تو میں نہیں گی، ساحل کو جانے دو
ڈرا.....“ جھرنے نے دانت چیں کر کہا تو وہ ہنس پڑی۔

”اچھا ٹھیک ہے، میں دادو کے پاس جا رہا
ہوں، پلیز تم دونوں دعا کرنا.....“ ساحل نے ان
دونوں کو کھسر پھسر کرتے دیکھا تو باہر کی طرف قدم

اس نافرمانی پر نہایت برداشت سے کام لے رہی ہیں۔

☆☆☆

”اس کی خاص بات یہ تھی کہ وہ ہر لمحہ ہر پہل مسکراتی رہتی تھی، اس کے لیے ہنسنے والے بال، بڑی، بڑی گہری کالی آنکھیں..... اور اس کے ہونٹوں پر مسکاتی مسکراہٹ..... اس کو سب سے منفرد بنا دیتی تھی۔ صاف دل کی وہ بہت مہنتی لڑکی تھی..... بارہ سال کی عمر میں، جو دن اس کے کھیلنے کودنے کے تھے، جو دن اس کے گڑیا اور گڈے کی شادی رچانے کے تھے، اس عمر میں وہ اپنے والدین کے ساتھ مل کر محنت مشقت میں لگ گئی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے والدین نے اس کے کندھوں پر ایک جھوٹے سے مشکیزے کا بوجھ لا دیا تھا۔

”وہ لڑکی کون تھی باجی.....“

”وہ شہزادی تھی۔“

”شہزادی بھی کبھی غریب ہوئی ہے بھلا.....“

کہانی سننے والا چھوٹا سا بچہ بے تحاشا ہنسا تھا۔

”اس کا نام شہزادی تھا ناں.....“ وہ منہ بسور کر بولی

تو دو گہری آنکھوں نے چلکیں جھپکا کر اسے دیکھا تھا۔

”اچھا پھر کیا ہوا؟“ وہ بچہ دوبارہ گویا ہوا..... تو

وہ مسکرانے لگی۔

”پھر وقت گزرنے لگا..... وہ اپنے والدین کے

ساتھ مل کر مشکیزے میں پانی ڈال، ڈال کر لوگوں کے

گھروں میں ڈالتی رہی اور پھر.....“

”پھر کیا ہوا.....؟“ وہ پہلے بھر خاموش ہوئی تو وہ

بچہ بے چینی سے پوچھنے لگا۔

”پھر وہ شہزادی بڑی ہو گئی۔“

”تم یہاں بھی یہ یورنگ کام کر رہی ہو،

وہاں ہال میں اتنی زبردست جھوٹیشن دیکھ کر آئی ہوں

ایک دم پرفیکٹ سین تھا تمہارے ناول کے لیے.....“

آئینہ دونوں ہاتھوں میں چائے کے کپ پکڑے کمرے

میں داخل ہوئی اور نوٹ پیڑ پر تیز، تیز قلم چلاتی جھرنٹا

کے سامنے ایک کپ رکھتے ہوئے بولی تو اس نے ایک

سے اسے دیکھا۔

”یہ کس لہجے میں بات کر رہے ہو؟“ وہ بہ مشکل

اپنے غصے کو کنٹرول کر کے بولیں۔ ان کی تلخ آواز سن کر

سیرت بھی وہاں آچکی تھیں۔

”کیا ہوا ہے۔ ساحل کیا ہوا؟ خالہ سب ٹھیک

ہے ناں؟“ وہ ہنسنے والے انداز میں دونوں کی طرف

دیکھنے لگیں۔

”مما آپ مجھے بتائیں کہ ہم انسان ہیں کہ کہیں

کے کوئی نظارے.....؟“ وہ اچھے بھلے ترش لہجے میں

پوچھنے لگا تو دونوں ہاتھوں میں چائے کے کپ پکڑے

آئینہ جو ان کی آواز سن کر ہال کے باہر کھڑی تھی، ساحل

کی اس بات پر اپنی ہنسی نہ روک سکی۔

”دل بہار، پریت، آفتاب..... دادو یہ کس

طرح کے نام ہیں.....؟“ وہ بے حد مزج ہو رہا تھا۔

”دیکھا..... دیکھا سیرت تمہارا بیٹا کس لہجے

میں بات کر رہا ہے؟“ ستارہ بیگم کی توپوں کا سرخ اب

بہد کی طرف تھا۔

”ساحل.....“ سیرت نے دانت پیس کر اسے

مخاطب کیا۔ نظروں میں خاموش رہنے کی لاکھوں

الٹائیں تھیں۔

”تمہارا بیٹا اب میرے فیصلوں کے خلاف

جائے گا سیرت..... اب یہ مجھے آنکھیں دکھائے گا.....

اور مت بھولو کہ کل تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کرے

گا.....“ ستارہ بیگم کا موڈ اکھڑ چکا تھا۔ ساحل نے سر

پیٹ لیا اور سیرت بھی روئی صورت بنا چکی تھیں۔

”دادو میں آپ کے فیصلوں کے خلاف نہیں

ہوں لیکن دادو یہ نام مجھے پسند نہیں ہیں۔“ چارونا چار

اسے اپنے لہجے میں نرمی لانی پڑی۔

”آپ ہی نام رکھیں یہ آپ ہی کا حق ہے.....“

ساحل نے سیرت کے جھکے سر کو دیکھ کر ہتھیرا ڈال دیے تھے۔

”لیکن پلیز دادو..... انسانوں والے نام.....“

وہ منت بھرے لہجے میں بولا تو ستارہ بیگم رخ موڑ

گئیں..... ان کے سرخ چہرے سے واضح ہو رہا تھا کہ وہ

ماہنامہ پاکیزہ 152 جون 2016ء

لکھ رہی تھی..... آئینہ ہونٹوں پر مسکراہٹ سجائے نظریں
نوٹ پیڑ پر جمائے بیٹھی تھی۔

”جب کسی کے ساتھ ہمارا احساس کارشتہ جڑ جاتا
ہے ناں تو اس احساس کے پیچھے ہمارے کسی ذاتی مفاد
کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ہے..... خاص ہوتا ہے تو وہ
احساس..... ضروری ہوتا ہے تو بس اس کی خوشی..... اور
ضروری نہیں کہ احساس کے رشتے کا نام..... محبت ہی
رکھا جائے..... عزت بھی اسی احساس کے ذمے
میں آتی ہے..... میں جب آپ کے لیے کچھ کرتا ہوں تو
وہ آپ کا میرے دل میں احساس ہے..... عزت
ہے..... میں نہیں جانتا میرا آپ سے یہ رشتہ
کیوں ہے؟ کب سے ہے؟ کیسے بنا؟ میں صرف اتنا
جانتا ہوں کہ میں آپ کی آنکھوں میں آنسو اور چہرے
پر کسی دکھ کی ذرا سی بھی رقت برداشت نہیں کر سکتا.....“
وہ اپنی محبت کا اقرار کر رہا تھا..... اور وہ سر جھکائے
دونوں ہاتھوں کو گود میں رکھے ایک ٹوٹے پھوٹے
موڑھے پر بیٹھی تھی۔

”چلیں.....“ اس نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے سر
اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اس کے بڑھے ہاتھ کو۔
”کہاں.....؟“

”یہاں سے باہر۔“ وہ مسکرا کر بولا تو اس نے
اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تمام لیا اور جب وہ مسکرا کر اس کے
ہمراہ وہاں سے نکل رہی تھی تو محبت بھی اس کے ساتھ
قدم سے قدم ملا کر ان کے ساتھ چلی تھی۔

”او مائی گاڈ..... زبردست..... مطلب ایک
اور.....“ لیمسی لینڈ تیار ہے.....“ آئینہ آخری سین پڑھ
کر مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

”ہاں..... اور تم دیکھنا یہ میرا بیٹ ناول
ہوگا.....“ جھڑنا مطمئن اور پریقین انداز میں اس سے
مخاطب تھی۔

”یہ..... یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟ مجھے لگتا ہے تم حد
سے زیادہ خوش نہیں کا شکاں ہو رہی ہو.....“ آئینہ نے نوٹ پیڑ
اس کی طرف بڑھا کر بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں کہا تھا۔

ماہنامہ پاکیزہ 153 جون 2016ء

سرسری نظر اس پر ڈالی پھر نیچے سر جھکا لیا۔
”کیوں، کیا ہوا؟“ وہ اسی مصروف انداز میں
بغیر اس کی طرف دیکھے اس سے پوچھنے لگی۔
”وہی جو ہونا تھا..... بھائی اور دادو کی لڑائی.....
اور حسب معمول سارا الزام ماما کے سر.....“ آئینہ
جائے کاسب لیتے ہوئے اس کو متانے لگی۔
”ساحل بھی ناں حد ہی کرتا ہے، جانتا بھی ہے
کہ دادو کے سامنے آواز اٹھانے کا مطلب ماما کو ان
کے عتاب کا نشانہ بنانے کے مترادف ہے..... لیکن پھر
بھی باز نہیں آتا ہے.....“ جھڑنا نے ہل بھر رک کر اس
کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہاں، لیکن یار آپ جیو نام دادو بتا رہی ہیں اُن کو
سن کر اچھا بھلا انسان ہنسنے سے اکھڑ جائے۔ بھائی تو
پھر بھی نام کے معاملے میں انتہائی سنجیدہ ہیں۔ میرے
خیال میں تو ان کا یہ آتش فشاں قسم کا رویہ بالکل ٹھیک
ہے.....“ آئینہ نے ساحل کی طرف داری کی تو جھڑنا
فقط کندھے اچکا کر رہ گئی۔

”بائی دادوے تم کیا لکھ رہی ہو؟“ آئینہ نے
مجس نظروں سے اسے دیکھا جو ایک بار پھر قلم کو تیزی
سے حرکت دے رہی تھی۔

”بس یار یہ خاموش محبت کا اینڈ کر رہی ہوں
ناں.....“ جھڑنا اس کی طرف دیکھے بنا قلم چلاتے
ہوئے مختصر ابولی۔

”اچھا خاموش محبت کو زبان ملی کہ نہیں.....“
آئینہ مسکراتے ہوئے اس سے پوچھنے لگی۔

”مچی محبت خاموش ہو تب بھی بے تحاشا شور مچاتی
ہے۔ آنکھوں سے سب عیاں کر دیتی ہے، طور طریقے
سے بھی اپنا آپ سامنے لے آتی ہے..... لاکھ چھپاؤ
لیکن ایک وقت ایسا آتا ہے جب خاموش محبت چیخ، چیخ
کر اپنے ہونے کا ثبوت خود ہی دے دیتی ہے اور
پھر..... محبوب کو زیر ہونا ہی پڑتا ہے۔“

آئینہ کے پوچھنے پر جھڑنا نے نوٹ پیڑ اس کی
طرف بڑھایا۔ جہاں وہ اپنے ناول خاموش محبت کا اینڈ

”سائل، اپنے نام سے ٹالاں دادو کا دشمن
..... اور ”ستارہ بیگم“ جن کو پھر سے عشق تھا۔ اور عشق کی
انتہا یہ کہ ”خدیجہ بیگم“ سے ”ستارہ بیگم“ بن گئیں اور
پوتے پوتیوں کو بھی اپنے عشق کی بیعت چڑھایا۔ نتیجتاً
بڑی پوتی ”جہرنا مصطفیٰ“ اپنے نام کی لاج رکھتے
ہوئے لفظوں کا وہ ”جہرنا“ ثابت ہوئی جو لفظوں،
احساسات اور جذباتوں کے حسین احراج سے فیملی لینڈ
کری ایٹ کر کے کائنات میں مثبت سوچوں کو فروغ
دے رہی ہے..... اور ”آئینہ“ وہ شفاف شیشہ ہے جو
اپنی مثال آپ ہے لائیک آل راڈ ٹریوٹو..... ”وہ آنکھ
دہا کر بولی تو ناول کی بریلنگ پر جہرنا پہلے تو ہونٹوں کی
طرح اسے دیکھتی رہی پھر دل کھول کر ہتھ لگایا۔

”زبردست، یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں.....
ویسے سیرت صاحبہ اور آمنہ کا کیا رول ہوگا؟“ ہنستے
ہوئے جہرنا نے اس سے پوچھا۔

”نگاروں کی اس بستی میں دو ایلین.....“ آئینہ
کا بے ساختہ جواب جہرنا کی ہنسی کو روکنا محال کر گیا۔
”پھر تو یہ ناول نہیں ڈراما ہوگا.....“ ہنسنے کے
باعث آنکھوں میں آئے پانی کو صاف کرتی جہرنا نے کہا۔
”تو ڈراما ہی لکھ ڈالو..... ویسے بھی آج کل
ایکسٹراکٹ میڈیا کا زمانہ ہے۔ کتاب کم ہی پڑھی جاتی
ہے.....“ آئینہ ہنستے ہوئے بولی تو جہرنا اس پر کسی قسم کا
خیال ظاہر کرنے کے بجائے سر جھٹک گئی۔

☆☆☆

اسی سرد ماحول میں پانچ، چھ دن حریہ گزر
مچے..... نہ سائل ستارہ بیگم کی بات ماننے کو تیار تھا اور
نہ ہی ستارہ بیگم اپنے منتخب کردہ ناموں میں کسی قسم کی
ترمیم کے لیے اپنے اندر لچک پیدا کر رہی تھیں اور ان
دوبلوں دادی، پوتا کی جنگ میں تنھے منے سنے مہمان کو
ابھی تک گم نامی کے دن گزارنے پڑ رہے تھے۔
”خالہ..... آخر کب تک آپ اس طرح ضد کرتی
رہیں گی؟“ سیرت اب اکٹا چکی تھیں۔
”یہ ضد نہیں ہے ایک روایت ہے، ہمارے

”اس لیے کہ اس محبت کی کہانی میں احساس ہے،
ہر طرف مثبت سوچیں ہیں، خوشحالی ہے، بہت مشکلوں
کے بعد آسائیاں بھی ہیں..... جہاں اصل زندگی میں
ہر طرف مسئلے مسائل بکھرے ہوئے ہیں، وہاں
ہمیں ایک پوزیٹو سوچ درکار ہوتی ہے، یقین چاہیے
ہوتا ہے..... اور اس ناول میں قارئین یہ سب پڑھ
سکیں گے.....“ دوسرے ہل جہرنا ریٹکس انداز میں
اس کو تانے لگی۔

”لیکن ضروری ہے کیا کہ ناول بھی پسند کیا
جائے؟“ آئینہ متکبرانہ انداز میں اس سے پوچھنے لگی۔
”ہماری مثبت سوچ اور یقین ہی ہمیں کامیابی
سے ہمکنار کرتی ہے..... میں یقین اور مثبت سوچوں کو
اجاگر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں تو جب تک مجھے خود
یقین نہیں ہوگا میں اس پیغام کو آگے کیسے پہنچا سکوں گی؟
ہماری کوئی بھی بات جب تک اثر نہیں کرتی جب تک ہم
خود بھی اس پر عمل نہیں کریں.....“ جہرنا نے چائے کے
کپ کو اٹھایا اور آئینہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگے۔
”اخلاقیات کا درس دینے والے اگر خود...
ہم اخلاق کی راہ پر ہی گامزن رہیں ناں تو محض لفظ بھی...
کلڈ آر ثابت نہیں ہوتے ہیں.....“ جہرنا چائے کا سپ
لے کر انتہائی پر امنہ بنا کر بولی کیونکہ چائے ٹھنڈی ہو کر
اپنا مزہ کھو چکی تھی۔
”اچھا چلو دیکھتے ہیں.....“ آئینہ اس کی طرف
دیکھ کر کہنے لگی تو وہ دھجے سے مسکرائی۔

”ویسے اب کیا ارادے ہیں؟“ آئینہ نے اس
سے پوچھا۔

”اب.....“

”ایسا کرو ہم سب پر کہانی لکھو.....“ جہرنا نے
کچھ بولنا چاہا تو آئینہ نے اس کی بات کاٹ کر کہا اس
نے متوجہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”ناول کا نام..... سائل، جہرنا اور آئینہ.....“
اس کی سوالیہ نظروں پر آئینہ چرچوش انداز میں بولی تو
جہرنا ہنسنے لگی۔

کمرے سے اٹھ کر ہال میں آئیں تو وہاں ساحل اپنے ننھے ننھے بیٹے کے ساتھ بیٹھا اس سے لاڈ پیار میں مصروف تھا تو سیرت نے بیچے کے نام کے حوالے سے ذکر چھیڑ دیا۔

”بیٹا یہ روایت نہیں احترام ہے۔ بڑوں کا حق ہوتا ہے کہ وہ بچوں کے نام رکھیں۔“ سیرت ایک بار پھر اس کو ستارہ بیگم کے منتخب کردہ ناموں میں سے کوئی نام چننے کے لیے قائل کرنے لگیں۔

”ممان کے پاس حق ہے، میں کب اس بات سے انکار کر رہا ہوں.....“ ساحل زچ ہو گیا۔

”ان کی پسند کے نام نہ رکھنا ان کو حق سے دستبردار کرنا ہی ہوتا ناں.....“ اب کے سیرت بھی اس بے مقصد کی تکرار سے اکتا چکی تھیں۔

”تو آپ کیا چاہتی ہیں؟ میں اپنے بیٹے کا نام پریت، برکھدوں؟“ ساحل مٹی سے بولا۔

”پریت کے پیچھے چلنے کا گاؤں

گاؤں میں دو پرکی رہتے ہیں

اور.....“

آئینہ اور جھرنہ ہال میں داخل ہوئیں تو ساحل کی بات سن کر آئینہ لہک، لہک کر گانے لگی..... جھرنہ نے بھرپور ساتھ دیا تو ساحل مزید طیش میں آ گیا۔

”دیکھا..... ابھی نام رکھا نہیں اور مذاق شروع ہو گئے..... یہ تو گھر ہے، باہر نکلے گا ناں تو اور بھی طرح، طرح کی باتیں جب سننے کو ملیں گی ناں تو..... تم لوگوں کو کیا..... کانفیڈنس تو میرے بیٹے کا متاثر ہوگا ناں.....“ ساحل شدید غصے اور یاسیت کے طے جلتے تاثرات کے ساتھ ان کو دیکھ کر بولا۔ جبکہ سیرت انتہائی غصیلی نظروں سے ان دونوں کو گھور رہے جا رہی تھیں۔

”ویسے اب کرنا کیا ہے؟“ آئینہ، سیرت کی تیز نظروں اور ساحل کی تیوریوں کو نظر انداز کر کے آگے بڑھ کر پوچھنے لگی۔

”تم لوگ میرے رکھے گئے نام میں نقص نکالتے ہو.....“ اس سے پہلے کوئی جواب دیتا ستارہ بیگم ہال

مابنامہ پانچزدہ 155 جون 2018ء

خامان کی روایت ہے کہ بچوں کے نام ہمیشہ بڑے ہی منتخب کرتے ہیں اور آج تک اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کیا گیا.....“ ستارہ بیگم نگ لہجے میں سیرت کی طرف دیکھ کر بولیں۔

”خالہ، ساحل یہ تو نہیں کہہ رہا تھا کہ آپ نام نہ رکھیں..... وہ صرف یہ کہہ رہا ہے کہ نام اچھے ہونے چاہئیں۔“ سیرت نے بیٹے کا نقطہ نظر ان تک پہنچایا۔

”کیا مطلب ہے کہ اچھے نام ہونے چاہیے.....؟ اب تک جتنے نام رکھے گئے ہیں کیا وہ اچھے نام نہیں تھے؟“ ستارہ بیگم نے ماتھے پر ہل ڈال کر ناگواری سے اسے دیکھا۔

”نن..... نہیں میرا مطلب ہے کہ ساحل کوئی الگ نام رکھنے کا کہہ رہا ہے.....“ سیرت اچھے نام کہہ کر بچھتاہیں۔

”ہاں تو آفتاب، نام میں کیا برائی ہے، الگ بھی ہے، اچھا مطلب بھی ہے۔“ ستارہ بیگم اپنی بات پر اڑی ہوئی تھیں۔

”خالہ اب زمانہ بدل گیا ہے..... لوگ سچے سچے نام رکھ رہے ہیں۔ اس لیے ساحل چاہ رہا تھا کہ.....“

”ساحل چاہ رہا تھا، ساحل چاہ رہا تھا..... دیکھو بہو اپنے بیٹھے کو سمجھانا تمہارا کام ہے۔ اور مت بھولو کہ تمہارے سامنے زمان چلانے والا تمہارا بوتا بھی آچکا ہے.....“ ستارہ بیگم انتہائی غصے میں سیرت کو بہو کہہ کر مخاطب کرتی تھیں۔ ستارہ بیگم کی مکافات عمل کی دھمکی نما باتیں سیرت کو دہلا گئیں۔

”آج کل تو بس فلموں اور ڈراموں والے نام ہی پسند آتے ہیں اور ری سہی کسر اس موئے اشارہ فلس نے نکال دی.....“ سیرت کی طرف دیکھ کر ستارہ بیگم مزید بولیں تو وہ سرد آہ بھر کر رہ گئیں کہ مزید کوئی اعتراض ان کے اپنے حق میں نقصان دہ ثابت ہوتا۔

”مما پلیز..... کم از کم اس معاملے میں تو داد و کی حمایت نہ کریں..... یہ کہاں کی روایت ہے اور یہ روایت رکھی کس نے ہے؟“ سیرت، ستارہ بیگم کے

میں داخل ہوئیں۔

”نہیں دادو ایسی بات نہیں ہے۔ ہم صرف اس طرح نظاروں کے نام کی وجہ سے.....“ آئینہ نے ساحل کو دیکھا جس کے ایکسپریشن سے صاف ظاہر تھا کہ اب وہ بولا تو نہایت متحجب ہو لے گا۔ اس لیے اس کے بولنے سے پہلے ہی آئینہ نے قدرے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ ستارہ بیگم کی جانب پیش قدمی کی۔ ستارہ بیگم نے ساحل کے بگڑے تیوروں کو دیکھا، سیرت کی سنجیدگی پر بھی ایک نظر ڈالی اور خراماں، خراماں چلتی اپنی مخصوص جگہ کی جانب بڑھ گئیں۔ بیٹھتے ہی دوسرے پل بڑی سی چادر کے نیچے سے ہاتھ باہر نکالتا تو ان کے ہاتھ میں ڈائجسٹ تھا۔ جس کو جبرنا اور آئینہ کے ساتھ، ساتھ ساحل اور سیرت نے بھی دیکھا تھا۔

”تم لوگوں کو لگتا ہے ناں کہ تم سب کے نام ساری دنیا میں صرف تم لوگوں کے ہیں.....“

”نہیں دادو..... ہمیں ایسا نہیں لگتا.....“ ساحل اچھائی سنجیدگی سے بولنے لگا تو ان تینوں نے اپنی، اپنی سانسیں روک لیں کہ ضرور ہی اب ساحل کوئی بلاسٹ کرے گا۔

”ہر گھر میں آئینہ ہے، جہاں جہاں پانی گرتا ہے وہاں جبرنا بھی ہے اور اور جس، جس ملک میں سمندر ہے وہاں ساحل بھی ہے..... ہمیں تو ایسا بالکل بھی نہیں لگتا کہ ہم دنیا میں اکیلے ہیں.....“ اس کا لہجہ اس کے الفاظ اور انداز طرز سے لبالب بھرے تھے۔ آئینہ نے یہ مشکل اپنی ہنسی روکی..... جبکہ سیرت نے بے اختیار سر تھاما اور جبرنا، ساحل کی بات پر دادو کے سامنے اس طرح دھڑلے سے اعتراض پر ہونقوں کی طرح اس کی ہمت کو دیکھے جارہی تھی۔ ستارہ بیگم نے اس کو دیکھ کر سرد آہ بھری۔ بجائے غصے کے ان کے چہرے کی مدد مسکراہٹ آج سب کے لیے حیران کن تھی۔

”میں پچھلے بہت عرصے سے دیکھ رہی ہوں، خود پیچہ میں چھپے آرٹیکل میں، یہ جو جبرنا اور آئینہ مختلف رسالے لے کر آتی ہیں.....“ ستارہ بیگم نے آرٹیکل اور

رسالوں کا ذکر شروع کیا تو یک لخت جبرنا کو پیروں تلے زمین چٹی ہوئی محسوس ہوئی..... سانس روک کے وہ ستارہ بیگم کی طرف یک جگہ دیکھ رہی تھی..... آئینہ نے بھی کن اکھیلوں سے جبرنا کو دیکھا اور اس کے فن چہرے کی داستان وہ اس کی رنگت سے صاف پڑھ پار رہی تھی۔ ساحل بھی عجیب نظروں سے ستارہ بیگم کو دیکھ رہا تھا۔

”رسالوں میں اور آرٹیکلز میں بہت بار میں نے ”جبرنا“ نام پڑھا ہے۔ کوئی رائٹر ہے۔“ ستارہ بیگم نے ڈائجسٹ کے صفحے پلٹے اور ثبوت ان کو دکھانے لگیں..... جہاں جبرنا کا نیا ناول شائع ہوا تھا..... آئینہ نے جبرنا کو دیکھا۔

”کیسا لگتی ہے یہ رائٹر دادو.....؟“ آئینہ بےشاش انداز میں ستارہ بیگم سے پوچھنے لگی تھی۔ اور جبرنا کی اوپر کی سلسل اس اوپر اور نیچے کی نیچہ رہ گئی۔

”اچھا لگتی ہے..... لیکن میں یہ کہہ رہی ہوں کہ تم لوگوں کے نام صرف تم لوگوں کے نہیں ہیں دنیا میں اور لوگ بھی ایسے نام رکھتے ہیں..... اور دیکھو تو لکھا ہوا بھی کتنا اچھا لگ رہا ہے.....“ ستارہ بیگم نے بالآخر وہ صفحہ ڈھونڈ لیا تھا جس کے لیے جبرنا دعائیں مانگ رہی تھی..... اللہ کرے وہ صفحہ کسی طرح غائب ہو جائے۔

”جبرنا مصطفی..... دیکھو تو اس کا نام بھی ہماری جبرنا والا ہے.....“ ستارہ بیگم بہت خوش تھیں۔ ”تم لوگ خواہ مخواہ میری پسند کو رد کرنے کے درجے ہو۔“ ساحل نے متعجب و حیران نظروں سے پہلے ستارہ بیگم اور پھر جبرنا کی اڑی رنگت کی طرف دیکھا۔

”بھائی آپ کو پتا ہے یہ اپنی جبرنا آپلی رائٹر ہیں مہنی ہے.....“ یک دم ہی ساحل کی سماعت میں آئینہ کی دی کی اطلاع گونجی تھی جس کو اس نے غلٹ میں درگزر کر دیا تھا..... اور اب جبرنا کی حالت ستارہ بیگم کے ہاتھ میں پکڑے ڈائجسٹ میں لکھا نام آئینہ کی معنی خیز مسکراہٹ ساحل پر آئینہ کی بات کی سچائی کا ثبوت تھا۔ دوسرے پل ساحل بنا ایک لفظ کہہ اپنے بیٹے کو اٹھا کر

ماتھے پر پل ڈال کر کیا اور اپنی بات سے اس کو ہٹا بگا
چھوڑ کر وہاں سے چلی گئیں..... اور دوسرے لمحے آئینہ
نے جبرنا کی طرف دوڑ لگا دی۔

☆☆☆

”مجھے سمجھ نہیں آتی آخر تم نے ایسا کیا کیوں
ہے.....“ وہ ڈائجسٹ لیے کمرے میں داخل ہوئی تو
اس کے کمرے میں براجمان مسلسل مضطرب اعزاز
میں ٹپکتے ساحل نے اس کی طرف دیکھ کر چار حانا اعزاز
میں کہا تو جبرنا نے چونک کر اسے دیکھا۔

”کیا، کیا ہے میں نے؟“ جبرنا نے متعجب
نظروں سے اسے دیکھا۔

”اگر رائٹر بننے کا اتنا ہی شوق تھا تو کم از کم نام تو
کوئی ڈھنگ کا رکھتیں ناں.....“ وہ کڑوے حلق کے
ساتھ انتہائی غمی سے بولا۔

”کیا مطلب ہے تمہارا..... ڈھنگ کا نام
رکھتی.....؟“ جبرنا نے کڑی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”اور اپنے نام سے تمہیں پرالیم ہے، مجھے
نہیں۔“ دوسرے پل جبرنا نے ڈائجسٹ کے ٹاسکل کو
دیکھا اور ساحل کی دکتی رنگ پر ہاتھ رکھا۔

”تمہیں تمہارے نام سے پرالیم نہیں ہے پر
میرے لیے تو زید پرالیم کری ایٹ کر گیا ناں.....
ناں میں پوچھتا ہوں تمہیں ضرورت کیا تھی رائٹر بننے
کی؟“ ساحل بے حد زچ ہو کر خالصتاً عورتوں والے

انداز میں اس سے پوچھنے لگا تو جبرنا قہقہہ لگا کر ہنس
پڑی..... اس کی کہانی پبلش ہوئی تھی جو اس کے لیے
سر پرانز تھا..... اور اب اس کی خوشی حد سے سوا تھی.....
ایک تو کہانی پبلش ہونے کی اور دوسری داد کی تعریف
کی..... بلاشبہ ستارہ بیگم نے اس کی تعریف انجام دینے
میں کی تھی لیکن تعریف تو اسی کی تھی ناں..... اور سراسر
جانے کے نشے میں جو سرور ہوتا ہے ناں جبرنا اس وقت
اس کے حصار میں مکمل طور پر قید تھی۔

”مجھے تو پتا بھی نہیں تھا کہ میں رائٹر بن سکتی
ہوں..... یہ تو خدا داد صلاحیت ہوتی ہے جو خود بخود دی

ملتا ہے ہلکیزہ 157 جون 2016ء

وہاں سے نکل گیا تھا..... تو آئینہ، ستارہ بیگم کے ہاتھ
سے ڈائجسٹ لے کر دیکھنے لگی۔

”سنہری دھوپ..... جبرنا مصطفیٰ.....“ لٹ
میں نام لکھا دیکھ کر وہ جبرنا کی طرف بڑھی جو یقیناً اس
میں اپنی اسٹوری کے پبلش ہونے سے انجان تھی۔

”دادو کو بتا دوں کیا کہ یہ تم ہی ہو؟ دیکھو تو
تعریف کر رہی ہیں.....“ آئینہ ڈائجسٹ اس کے
سامنے کرتے ہوئے کہنے لگی تو جبرنا نے اسے انتہائی
غصیلی نظروں سے گھورا۔

”تم خاموش رہو..... یہ پتا چل گیا کہ یہ میں ہی
ہوں تو یہی تعریف بجلی بن کر گرے گی.....“ جبرنا نے
ڈائجسٹ اس کے ہاتھ سے لیا اور دانت چیں کر اس کو
بے راز لگنے سے روکا۔

”دادو.....“ آئینہ ایک دم ان کی طرف پلٹی.....
تو جبرنا نے بے اختیار دل پر ہاتھ رکھا اور دوسرے پل
اس کو گھورتی ہوئی وہ بھی وہاں سے چلی گئی۔

”ہاں بولو.....“ ستارہ بیگم نے اس کی طرف
دیکھ کر کہا۔

”دادو بے بی کا نام اب فاضل کر دیں ناں.....
آپ ہی بھائی کی بات مان جائیں ناں.....“ آئینہ ان
کے پاس آکر ان کے گلے میں ہاتھیں ڈال کر لاڈ سے
بولی۔ ایک صرف آئینہ ہی تھی جو ستارہ بیگم کے اتنے
قریب آکر اپنی بات کہہ سکتی تھی۔

”میرے خیال میں آفتاب نام زیادہ مناسب
رہے گا.....“ ستارہ بیگم نے اسے دیکھ کر کہا تو اس
سارے معاملے میں بیٹھی خاموشی سے سب کو دیکھتی
سیرت نے ایک بار پھر سر پیٹ لیا۔ اور آئینہ بھی سرد آہ
بھر کر رہ گئی..... کہ یہ مرغی کی وہ تین ٹانگیں ہیں جو بھی دو
نہیں ہو سکتیں..... اس نے محاورہ ہی بدل دیا تھا۔

”ویسے دادو..... اگرچہ جبرنا مصطفیٰ آپنی ہوتی
تو.....؟“ آئینہ نے ستارہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہا۔

”رہنے دے..... تم لوگوں میں اتحاد ختم کہاں
ہے کہ..... خاندان کا نام روشن کرو.....“ ستارہ بیگم نے

”پلیز بتا دو دادو کو کہ یہ جبرنا مصطفیٰ تم ہی ہوتا کہ
ان کو پتا چل جائے کہ ایسے نام اور کوئی نہیں رکھتا۔۔۔۔۔“
سائل قدرے نرم اور التجا سے انداز میں بولا۔

”دادو نے حصہ کیا تو۔۔۔۔۔؟“ جبرنا ڈر رہی تھی۔
”یہ نہ ہو میرے لکھنے پر پابندی لگا دیں۔۔۔۔۔“ جبرنا،
ستارہ بیگم کے بل میں تولیہاں میں ماشہ والے موڈ سے
واقف تھی۔ اس لیے اپنے خدشات ظاہر کرنے لگی۔
”نہیں کہتی کچھ بھی۔۔۔۔۔ ابھی تعریف کر رہی
تھیں۔ اب اگر ان کو پتا چلا تو یقیناً خوش ہوں گی۔“

”اور۔۔۔۔۔“ ستارہ ہاؤس ”ایک اور“ نکلائے
سے بچ جائے گا۔۔۔۔۔“ سائل نے آئینہ کا فقرہ مکمل کیا تو
وہ دونوں مسکرانے لگیں۔ اور پھر سائل کی تھوڑی سی
منت سماجت کے بعد جبرنا راضی ہو گئی کہ دادو کو بتا دیں
کہ جس جبرنا مصطفیٰ کا نام وہ رسالوں اور اخباروں
میں پڑھ رہی ہیں وہ اصل میں ستارہ ہاؤس کی جبرنا
مصطفیٰ ہے اور پھر بچنے کے نام کا بھی مسئلہ تھا تو بھائی کی
بات ماننے میں ہی عافیت جانی یوں بھی ستارہ بیگم کی
تعریف نے اس کو سرشار کر دیا تھا۔

”دادو۔۔۔۔۔“ اور پھر وہ تینوں ستارہ بیگم کی
خدمت میں پہنچ گئے۔ جبرنا نے ڈائجسٹ ہاتھ
میں پکڑا تھا۔۔۔۔۔ سائل خاموشی سے ایک طرف رہی
کر سی پر جا بیٹھا اور آئینہ، ستارہ بیگم کے پاس جا کر بیٹھی
اور اپنے مخصوص لاڈ بھرے انداز میں ان سے مخاطب
ہوئی تو انہوں نے ان تینوں کو دیکھا۔

”دادو آپ کو ایک بات بتانی ہے۔۔۔۔۔ لیکن پہلے
وعدہ کریں کہ آپ ڈانٹیں گی نہیں۔“ آئینہ اپنے مخصوص
انداز میں ان سے وعدہ لینے لگی تو جہاں ستارہ بیگم نے
بولتی نظروں سے اسے دیکھا وہاں جبرنا نے بھی دل پر
اپنا ہاتھ رکھ لیا تھا۔ سائل نے بھی ڈری، ڈری
نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

”کیا بات ہے؟“ وہ کوئی وعدہ کیے بغیر قدرے
سپاٹ انداز میں بولیں تو جبرنا ان کے انداز کو دیکھ کر
اس لمحے کو کوٹنے لگی جب وہ دادو کو اپنے ماسٹر ہونے کے

سامنے آ جاتی ہے۔۔۔۔۔ اور پھر آج کل بہت سے مواقع
مل جاتے ہیں اپنے ہنر کو آگے بڑھانے
کے۔۔۔۔۔“ جبرنا ڈائجسٹ کی لسٹ میں اپنے ناول کے
ساتھ لکھے گئے صفحہ نمبر کو دیکھ کر ناول کو دیکھنے کے لیے
جلدی، جلدی صلے اٹھنے لگی اور ساتھ ہی سائل کو بھی
تفصیل سے آگاہ کیا۔۔۔۔۔ جس میں اسے رتی بھر بھی
دلچسپی نہ تھی۔۔۔۔۔ اس کو فکر تھی تو فقط اپنے بیٹے کے نام کی،
جواب صرف اور صرف وہی نام رکھا جائے گا جو
دادو نے کہا تھا اور سائل کو یہ کسی صورت منظور نہیں
تھا۔۔۔۔۔ وہ آرمی منٹس کر رہا تھا لیکن جبرنا کے نام نے
پیش ہو کر اس کے سارے پلانز پر پانی پھیر دیا تھا۔۔۔۔۔
اور اب اس کے موڈ کا بگڑنا یقیناً جائز تھا۔

”آئی۔۔۔۔۔ آئی۔۔۔۔۔“ ابھی وہ جبرنا کی خوشی پر
تملارہا تھا کہ آئینہ ہانپتی ہوئی آئی۔ جبرنا نے سرسری
نظر سے اسے دیکھا جبکہ سائل مسلسل اسے قہر آلود
نظروں سے گھور رہا تھا۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔؟“ جبرنا نے اپنے ناول کی اسٹاڈنٹ
۔۔۔۔۔ لائٹز دیکھتے ہوئے آئینہ سے پوچھا۔

”رنیل۔۔۔۔۔؟“ دوسرے بل آئینہ نے جبرنا کے
سامنے ستارہ بیگم کے الفاظ ڈھرائے تو وہ یقین کرنے کو
قسطی تیار نہیں ہوئی۔

”قسم سے دادو نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں اتنا دم
غم نہیں کہ خاندان کا نام روشن کر سکو۔۔۔۔۔ تو کیا کہتی ہو
محترمہ ستارہ بیگم کو بتا دیا جائے کہ جس نام کو وہ اخبار
میں اور رسالوں میں دیکھ رہی ہیں وہ کوئی اور نہیں آپ
کی بڑی پوتی ہے۔۔۔۔۔“ آئینہ نے آنکھ دبا کر شرارت
سے کہا۔

”نہیں نہیں ابھی نہیں۔۔۔۔۔“ جبرنا ایک دم گھبرا گئی۔
”ہاں، ہاں ابھی ضرور بتانا کم از کم میرے بیٹے
کا نام وہ تو ڈھنگ کا رکھنے والا ہو جائے۔۔۔۔۔“ ان کی
باتیں سننا سائل طنز سے انداز میں بولا۔

”ہیں۔۔۔۔۔ کیا مطلب۔۔۔۔۔“ آئینہ اب سائل کی
طرف دیکھ رہی تھی۔

ہے۔۔۔۔۔“ دوسرے پل ساحل نے انتہائی گہری سے ستارہ بیگم کو جھڑنا کے بارے میں بتایا۔۔۔۔۔ تو وہ شعلہ انگلی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ نام کا مسئلہ اپنی جگہ پر قرار رہا اور اب جھڑنا ان کے اعتراضات کی زد میں آگئی تھی۔

”لاج نہ آئی تمہیں خاندان کا نام یوں اچھالتے ہوئے۔۔۔۔۔“ ستارہ بیگم کے الفاظ شعلہ برسانے لگے۔

”دادو ابھی تو آپ تعریف کر رہی تھیں کہ اچھا لکھ رہی ہے۔۔۔۔۔“ آئینہ ہٹا ہٹا کر دیکھ کر رہ گئی۔

”ہاں تو مجھے کیا پتا تھا کہ تم لوگ یوں کر رہی ہو۔۔۔۔۔ خاندان کی لڑکی کا نام یوں اخباروں، رسالوں میں چھپنے لگے تو جانتی ہو کیا ہوتا ہے؟“

”دادو یہ کوئی بدنامی کی بات نہیں ہے۔ اپنی رائٹر ہے۔۔۔۔۔ اور رائٹر ہونا کوئی گناہ نہیں ہے۔۔۔۔۔“ آئینہ مزید بولی جبکہ جھڑنا فق چہرہ لیے ایک لفظ تک بولنے کی سکت کھو چکی تھی۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔۔۔۔۔ اب تمہارا نام یوں اخباروں رسالوں میں نہ چھپے۔۔۔۔۔“ ستارہ بیگم کی اس قدر دقیا لوسی باتوں اور سوچ پر آئینہ جھجلا گئی۔

دوسرے پل جھڑنا وہاں سے اٹھ کر باہر نکل گئی تھی۔ ساحل بھی ہٹا ہٹا ستارہ بیگم کی طرف دیکھ رہا تھا جو انتہائی غصے میں لال پیلی ہو رہی تھیں۔

”دادو یہ کون سی روایت ہے جو دوسروں کو سراہتی ہے لیکن وہی کام کوئی اپنا کرے تو اس کو یوں ہاتھ سنائی جاتی ہیں۔۔۔۔۔“ آئینہ انتہائی دل برداشتہ انداز میں یہ مشکل لفظوں کے چناؤ کو قاطبی برداشت بنا کر بولی۔

”دیکھ لڑکی۔۔۔۔۔ دوسروں کی لڑکیوں کی ڈتے داری ہماری نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ ہمارا فرض صرف اور صرف اپنی لڑکی کی اچھی پرورش کرنا ہوتا ہے۔ دوسرے کی لڑکی کا نام یوں سرعام آئے اس سے ہمیں کوئی غرض نہیں لیکن اس خاندان کی لڑکی کا نام اخبار یا رسالے کی زینت نہیں بنے گا۔۔۔۔۔“ ستارہ بیگم کی سفاکیت بھری

ملہنامہ پلکیزہ (159) جون 2016ء

بارے میں بتانے کے لیے ساحل کی ایسوشن بلیک میلنگ کی زد میں آگئی لیکن اب تیرکمان سے نکل چکا تھا۔

”دادو آپ جس جھڑنا مصطفیٰ کی بات کر رہی تھیں ناں۔۔۔۔۔“ آئینہ، ستارہ بیگم کے موڈ اور تنگی نظروں کا نوٹس لیے بغیر بولنے لگی۔

”ہاں، کیا ہوا اسے۔۔۔۔۔؟“ وہ تنگ کر بولیں۔

”دادو۔۔۔۔۔ ہوا کچھ نہیں۔۔۔۔۔ میں آپ کو بتانے لگی ہوں کہ وہ جھڑنا مصطفیٰ کوئی اور نہیں ہماری آپنی ہیں۔“ آئینہ فرط جوش میں جھڑنا کی زندگی کا سب سے بڑا ج ستارہ بیگم کے سامنے اگل گئی۔ اور پھر جھڑنا کو دیکھا جو آنکھیں جھپکائے بغیر ستارہ بیگم کے چہرے کے

تغیر و تبدل کو نہایت انہماک سے دیکھے جا رہی تھی۔

”تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا جو ایسی اول قول بک رہی ہو؟“ دوسرے پل ستارہ بیگم اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی ازلی گرج دار آواز کے ساتھ بولیں تو ایک لمحہ بھی نہ لگا ان کو یہ ادراک ہونے

میں کہ بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔

”نن۔۔۔۔۔ نہیں دادو، یہ آئینہ ایسے ہی کہہ رہی ہے۔“ دوسرے پل جھڑنا نے کہا۔۔۔۔۔ لیکن کمان سے نکلا

ہوا تیر اور منہ سے نکلے الفاظ کسی واپس نہیں آتے۔

”تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ہے۔ یہ سارا قصور اس انٹرنیٹ اور ٹی وی کا ہے۔ بڑوں سے بات کی تمیز ملحوظ ہی بھول گیا۔۔۔۔۔“ ستارہ بیگم اب سرخ ہو چکی تھیں۔

”پر بہت مصطفیٰ تیرے بیٹے کا نام میں نے رجسٹر کر دیا ہے۔۔۔۔۔“ دوسرے پل وہ ساحل کی طرف دیکھ کر ہم پھوڑ چکی تھیں۔

”لیکن دادو۔۔۔۔۔ اس طرح کے نام کوئی نہیں رکھتا۔۔۔۔۔“ ساحل نے پھر احتجاج کیا۔

”کیوں نہیں رکھتا۔۔۔۔۔ وہ رائٹر ہے کوئی تو اس کا مطلب ہے باقی دنیا میں بھی اس طرح کے نام رکھے جاتے ہیں ناں۔۔۔۔۔“ ستارہ بیگم نے قہر آلود نظروں سے اسے گھورا۔

”دادو وہ رائٹر کوئی اور نہیں یہ اپنی جھڑنا ہی

سوچ نے آئینہ کے ساتھ ساتھ ساحل کو بھی حیران کر دیا تھا۔

”داؤد..... یہ..... یہ تو سرا سنا انصافی ہے.....“
اب آئینہ کے ساتھ ساتھ ساحل بھی اس لمحے کو برا بھلا کہنے لگا تھا جب ان تینوں نے داؤد کے سامنے آواز اٹھانے کا فیصلہ کیا تھا۔

”جاؤ یہاں سے اب.....“ ستارہ بیگم رخ موڑ کر بولیں تو آئینہ نے ساحل کو دیکھا جو لب بچھے انتہائی افسوس اور دکھ سے داؤد کو دیکھ رہا تھا..... جو مسئلہ تھا وہ وہیں کا وہیں تھا اب ایک اور مسئلہ کھڑا ہو گیا۔
”پریت مصطفیٰ.....“ یہ نام رجسٹر کروادیا گیا تھا جس پر تھملا کر ساحل بھی اب وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تھا..... اور اب آئینہ کے پاس وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ اس لیے ایک تہر آلود نظر سے ستارہ بیگم کے رخ موڑے وجود کو دیکھا اور وہاں سے نکل گئی۔

☆☆☆

”آئی ایم رینلی سوری یار..... مجھے نہیں پتا تھا کہ ستارہ بیگم اس قدر دیتا تو سی اور جاہلانہ سوچ رکھتی ہیں۔ یعنی کہ حد ہی ہوگئی ہے۔ کسی لڑکی کا نام اخبار یا رسالے میں آنا ایک باعزت طریقے سے اور ”اچھالنا“ میں ان کو فرق ہی نہیں معلوم.....“ آئینہ کمرے میں داخل ہوئی تو جبرنا کو خاموش کھڑا دیکھ کر اس کے پاس آ کر بولی تو جبرنا فقط اسے دیکھ کر رہ گئی۔

”آئی ایم رینلی سوری.....“ آئینہ پھر بولی تو جبرنا مسکرا دی۔

”تم کیوں معافیاں مانگ رہی ہو، اس میں تمہاری کیا غلطی.....“ وہ مدہم انداز میں بولی اور اپنی مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گئی۔

”ہم کسی کی سوچوں کو اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک اس کو خود ادراک نہیں ہو کہ اس کی سوچیں مخالف سمت کی نیچ پر رواں دواں ہیں.....“
جبرنا نے دراز سے اپنا نوٹ پیڑ لٹالا۔

”لیکن تم یہ سوچ بدل سکتی ہو.....“ آئینہ پُر یقین لہجے

ماہنامہ پاکیزہ 160 جون 2016ء

میں اس کی طرف بڑھی تو جبرنا نے چونک کر اسے دیکھا۔
”ہاں، تم واقعی بدل سکتی ہو.....“ آئینہ نے اس کی نظروں میں ایک یقین کو ڈنگا تاہو دیکھ کر کہا۔
”ہاں شاید..... لیکن اب تو پابندی لگ گئی ناں.....“ جبرنا سر دلچسپی میں بولی۔

”کوئی نہیں..... جیسے پہلے لکھ رہی تھی ویسے ہی لکھو..... بے بی کا نام وہ تو ویسے بھی اب رجسٹر ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ رسک لیا تھا..... تو تم کیوں پیچھے ہٹ رہی ہو؟“ آئینہ اس کی ہمت بندھانے لگی۔

”ثابت کرو جبرنا مصطفیٰ کہ تم بھی ستارہ بیگم کی پوتی ہو، وہ سیر ہیں تو تم سوا سیر بن کر ان کی اس سوکا لڈ روایت کو ختم کرو.....“ آئینہ ٹھٹھل جوش کے ساتھ مسکرا کر بولی تو جبرنا بھی چننے لگی۔

”پائلٹ ٹھیک کہہ رہی ہے آئینہ..... آج سے ہمارا مشن ہے داؤد کی اس روایت کے خلاف ایک خاموش جنگ.....“ ساحل بھی کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”لیکن کیسے؟ ممانے ہمیں کسی قسم کی بد تمیزی یا دہان درازی سے سختی سے منع کر رکھا ہے۔“ جبرنا شکرانہ انداز میں بولی۔

”تم نے لکھا نہیں چھوڑنا ہے اور ہم ناموں کے خلاف احتجاج کرنا نہیں چھوڑیں گے۔“ دوسرے لمحے ساحل نے اپنا نقطہ نظر بیان کیا تو آئینہ نے اثبات میں سر ہلایا..... اور جبرنا نے مسکرا کر ہاتھ میں پکڑے نوٹ پیڑ پر کچھ لکھا..... اور دوسرے لمحے نوٹ پیڑ کو ساحل اور آئینہ کے سامنے کیا۔

”ساحل، جبرنا، آئینہ اور پریت.....“ آئینہ اور ساحل نے ایک ساتھ پڑھا اور قہقہہ لگایا۔

”میرے اگلے ناول کا نام.....“ جبرنا نے مسکرا کر اس کو بتایا اور پھر تینوں کا مشترکہ قہقہہ فضا میں گونجا اور پھر ہائے قانیو نے ستارہ بیگم کے خلاف جنگ پر مہر ثبت کر دی۔





پیاسی

ہابیگ

”کلو کی ماں اب مان بھی لے کتنی خوشامد
کروائے گی۔“ ویسے تو رمضو اور سیکھ کے سارے بچے
ہی کالے تھے مگر کلو تو گویا مقابلے کا کچھ زیادہ ہی تھا۔ مگر
ماں کے لیے تو اس کے سب بچے برابر ہوتے ہیں۔ کلو
سے اس کو سب سے زیادہ محبت تھی۔
”رمضو سن لے میں ایسا نہیں ہونے دوں گی تو
چاہے جو کر لے، بچے میں اپنے میکے سے نہیں لائی تھی۔
یہ تیرے ہیں تیری ذتے داری ہیں۔“
”میں نے کب کہا کہ تیری ذتے داری ہیں۔
میری اولاد ہیں اس لیے میں فیصلہ کروں گا۔ تجھ سے
پوچھتا تو عذاب بن گیا۔ ان کے اچھے مستقبل کا ہی
سوچ رہا ہوں ناں مگر تیری ضد ہے کہ ختم ہی نہیں ہو

ماہنامہ پاکیزہ 161 جون 2016ء

READING
Section

رہی۔ ہم سب کا بھلا اسی میں ہے۔“ رضوان نے غصے سے کہا۔

تھرپار کر کے ملاقاتے میں رہنے والے ہمیشہ سے بھوک اور پیاس برداشت کرنے کے عادی ہیں۔ کچھ کچھ قاصدے پر تقریباً ہر چھوٹی سی جھونپڑی میں پندرہ سولہ ذی روح کیڑوں نکوڑوں کی طرح زندگی گزار رہے ہوتے ہیں۔

ایسی ہی ایک جھونپڑی میں سیکینہ آٹھ سال پہلے بیاہ کر آئی تھی۔ ارمان تو اس کے دل میں کیا ہوتے۔ خواب دیکھنے کی عمر سے پہلے ڈسے داریوں کا پہاڑ اس کے سر پر اڑا۔ شادی کے ان آٹھ سالوں میں چھ بچے، بھوک اور پیاس سے بلبلاتے۔ ہر وقت بیمار یوں کا حملہ جب مناسب دیکھ بھال اور پیٹ بھر خوراک نہ ملے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

چاروں طرف ریت اور ان میں حشرات الارض، بیکر کے درخت، جھینگروں کی آوازیں، دودھور جھونپڑیوں میں ٹھٹھاتی روشنی سیکینہ کے دل کو مزید ہولادیتیں۔

وہ رات آنسوؤں میں گزر گئی۔ سورج نکلنے سے پہلے، پہلے پانی بھرنے کے لیے اس نے خالی مٹکے اٹھائے اور گاؤں کی عورتوں کے ساتھ چل پڑی۔

”ارمی او سیکینہ کیا ہوا، رات پھر گھر والے سے جھگڑا ہوا ہے؟ آنکھیں سو جی ہوئی ہیں؟“ سیکینہ کی دوست نے اس کی شکل اور آنکھیں دیکھ کر سوال کیا۔ آنکھیں بڑی ظالم ہیں، دل کا ہر بید کھول دیتی ہیں کوئی کتنا ہی چھپائے۔

”دن جو اوپر ہو گئے ہیں، بیچاری کیا کرے۔ ابھی چھوٹا بچہ چار مہینے کا ہے۔ مرتے، مرتے بچی ہے۔ اتنی جلدی دوبارہ! خون تو جسم میں ہے نہیں گھروالا کچھ کرتا نہیں۔ اس کی ماں بھی بس سوائے طعنے دینے کے کچھ نہیں کرتی۔ بیچاری سیکینہ کے گھر والے بھی اس کو بیاہ کر بھول ہی گئے۔“

دوسری بھی اپنی طرف سے ہمدردی میں بولی۔ سیکینہ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر برسوں کی پیاس

ماہنامہ پاکیزہ 162 جون 2016ء

ریت میں جذب ہو گئے۔

گھر پہنچی تو بچوں نے رو، رو کر گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔ رات بھر کے بھوکے پیاسے اوپر سے باپ اور دادی نے ان کو سزا میں دھوپ میں کھڑا کر دیا تھا۔ چار تندرہیں اور چار دیوڑیاں ایک بوڑھا سر۔ ساس نے اپنے بچوں کو تو ناکستا کروادیا مگر پوتے پوتیلیں کو پوچھا تک نہیں۔ سیکینہ نے جلدی سے بچوں کو رات کی بچی روٹی پانی میں ڈبو کر دی اور سب سے چھوٹے کو سینے سے لگا کر خون جگر پلانے لگی۔ وہ بخار میں جل رہا تھا۔

”اس کا بخار اور حیر ہو گیا ہے کلو کے ابا آج تو اس کو اسپتال لے جا، کل سے دودھ بھی نہیں پنی رہا۔ اس کو اپنے ساتھ بھی نہیں لے جاسکتی۔ بڑے سائیں ناراض ہوتے ہیں۔ ان کے اوطاق میں شہر سے مہمان آئے ہیں۔ ان کو بچوں کا شور پسند نہیں۔ اماں سے کہنا اس کا خیال رکھیں۔“ سیکینہ نے گھونگٹ سے منڈھا حاک کر کہا۔ تھرپار کر کی روایات میں بہو ساس کے سامنے نہ تو بول سکتی ہے نہ چہرہ کھول سکتی ہے۔ ساری زندگی اسے ساس سر سے پردہ کرنا لازمی ہے۔ اور جواب دینا تو گویا گناہ ہے۔

”ارمی پریشان نہ ہو میں اس کا خیال رکھوں گی تو وہاں دل لگا کر کام کرتا، گندم کی کٹائی بھی شروع ہونے والی ہے۔“ خلاف توقع ساس نے پیار سے چھوٹے کو گود میں لے کر پیار کیا۔

دن بھر کام میں مصروف سیکینہ ایک لمحے کے لیے بھی کلو کو بھول نہ سکی۔ اس کے رونے کی آواز کانوں میں گونجتی رہی۔ ”تہ جانے کیا حال ہوگا۔ بخار زیادہ نہ ہو جائے۔ میرا لاڈلا چار دن میں ٹھہر جائے۔ سائیں کے مہمان خوش ہو کر کچھ رقم دے دیں تو اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤں گی۔“

”آج ہوش میں نہیں ہے کیا سارا دودھ ابال دیا۔“ ایک زوردار تھپڑ سیکینہ کو خیالات کی دنیا میں واپس لے آیا تھا۔

شام ڈھلے جب وہ گھر کے سامنے پہنچی تو سامنے

بچوں کے لیے تو اس کے پاس کچھ نہیں۔“ سیکینہ سوچتی۔
آخری مہینہ شروع ہوتے ہی سیکینہ کی حالت اور
بگڑ گئی۔ ایک ہفتہ اس نے رضو کی خوشامد کی۔ ساس
نے بھی کوئی توجہ نہیں دی۔ آخری رات اس نے۔۔
بہ مشکل گزاری۔ درد کسی طرح کم ہونے کا نام نہیں لے
رہے تھے۔ رضو اور اس کی ماں اپنے بستر پر کھسک پھسر
کرتے رہے۔ صبح پڑوس کی عورتوں نے آکر ان کو لعن
طعن کی اور سیکینہ کو اسپتال لے جانے کا کہا۔ سیکینہ اس
وقت تک دردوں سے بے ہوش ہو چکی تھی۔

کسی کی بتل گاڑی پر ڈال کر دو گھنٹے کا سفر طے
کر کے وہ اسپتال پہنچے تو ڈاکٹر نہیں تھا۔ نرسوں نے
اسے دیکھتے ہی کہا۔ ”اب کچھ نہیں بچا ہم بچے کو بچانے
کی کوشش کرتے ہیں۔“ اسنے میں سرکاری اسپتال کی
ڈاکٹر فی صاحبہ نے آکر دیکھا اور بتایا۔

”بچہ تو دو دن پہلے ہی پیٹ میں مر گیا تھا اور ماں
نے راستے میں دم توڑا ہے۔ آپ پہلے کیوں نہیں لے
کر آئے مریضہ کو؟“

ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سوائے بین
کرنے کے۔ دکھوں کی ماری سیکینہ اپنے بچے کے ساتھ
اس خود غرض دنیا سے رخصت ہوئی۔

اس کی موت کے ایک ہفتے کے بعد ماں نے بیٹے
سے پوچھا۔

”کب جا رہا ہے رقم لینے؟ بچے کی دفعہ تو مہینہ
لگ گیا تھا۔ پیسے ملنے میں، اس دفعہ تو دو لاکھ ملیں گے،
جلدی کر پھر تیری تیسری شادی کر دوں۔ ان بچوں کو مجھ
اکیلی جان سے نہیں سنبھالا جاتا۔“

”اماں لے کر آؤں گا رقم، جلدی کس بات کی
ہے۔ تو نے بات تو پکی کر لی ہے ناں!“

”ارے مگر نہ کر بات تو میں پانچ ماہ پہلے ہی ملے
کر چکی ہوں۔ بس اسی گھڑی کا انتظار تھا۔“

دونوں نے ایک کمرہ قہقہہ لگایا اور رضو
جمو پیڑی سے ہا ہر کل گیا۔



مردوں کو کھڑا دیکھا اور رونے کی آوازوں نے اس کا
دل بٹھا دیا۔ وہ تیر کی طرح اندر پہنچی تو اس کا لاڈ لاکھو
سفید چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ وہ وہیں سینہ تھام کر بیٹھ گئی۔
اس کی حالت دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا تھا۔

”ممبر کر سیکینہ، معصوم روح تھی جس کی امانت تھی
اس نے واپس لے لی۔“ وہ بے جان جسم کو چومے
جار ہی تھی۔ بہ مشکل اس سے لے کر بچے کو رضو مسجد کی
طرف روانہ ہوا۔

ایک لفظ ہے محبت، اسے کر کے دیکھو تم تڑپ نہ
جاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے مقدر! اس سے لڑ کر دیکھو، تم ہارت
جاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے وفا! زمانے میں نہیں ملتی، کہیں
ڈھونڈ پاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے جدائی، اسے سہسکر دیکھو، تم ٹوٹ کر
بکھر نہ جاؤ تو کہنا!

ایک لفظ ہے اللہ! اسے پکار کر دیکھو، سب کچھ نہ
پالو تو کہنا!

بے شک مقدر سے لڑ کر کون جیت پایا ہے.....
سیکینہ کو بھی وقت کے ساتھ مبرا آیا۔ مبرا نہ بھی کرتی تو کیا

کرتی؟ سنے آنے والے مہمان نے اس کو ادھ موا کر دیا
تھا۔ پھر بھی کام پر جانا، شوہر اور بچوں کو سنبھالنا۔ جیسے،

جیسے وقت گزرتا گیا۔ آٹھواں مہینہ شروع ہوا تو کمزوری
اور بڑھ گئی۔ رضو سے کئی دفعہ کہا کہ اسپتال لے چلو مگر

وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔
ماں بیٹے کی کاٹا پھوسی بڑھ گئی تھی، وہ جب سامنے

ہوتی تو خاموش ہو جاتے۔ سیکینہ کو اپنی پریشانوں سے
کب فرصت تھی کہ وہ غور کرتی۔ ساس اسے دیکھ کر معنی

خیر انداز میں مسکراتی۔ رضو بھی اکثر میٹھی، میٹھی باتیں
کرنا اور بچوں کو بھی اس کے سامنے خوب پیار کرتا۔

اسی دوران اس نے اپنی دو بہنوں کی بھی شادی
کر دی۔

”پتا نہیں کہاں سے خرچا کر رہا ہے۔ میرے اور
READING
Section

مضی ناول

ۛ

دیگر صبح کے آجالوں میں

نایاب جیلانی

چھٹا حصہ



Downloaded From
Paksociety.com

کراپنے پیاروں کو تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ پیچھے جاتی تو لازماً گلناز کی چال سے پردہ اٹھانا پڑتا..... حاشر کے دل میں ہال آجاتا..... گلناز کا منصوبہ مکمل ہو جاتا اور سادہ لوح اسامیہ قیامت تک نہیں

ایک بات تو طے تھی..... اسامیہ کو اسی گھر میں رہنا تھا اور عمر بھر کے لیے رہنا تھا۔ ہادی اسے اپنا تا یا نہ اپنا تا..... اس گھر میں اسے جائز مقابل ملتا یا نہ ملتا..... پھر بھی ہر صورت اسے یہیں رہنا تھا۔ وہ پیچھے مڑ

164 جون 2016ء



READING
Section

چاہتی۔ وہ عاشق بہک بھی نہیں پڑنے دیتی..... ہر
ذمہ اپنی ذات پر سہ لگتی۔

اب ساری صورت حال اسما کی معاملہ جہی کے
سپر تھی۔ وہ چاہتی تو اپنے جذبات اور وقار کی ناقدری
پہ وادلا ڈال کر اپنے بھائی کی دنیا اجاڑ دیتی لیکن وہ
ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کر
کے بس اپنے شوہر، ہادی کے دل کو رام کرنے کا فیصلہ
کر لیا تھا۔ گلناز سے باز پرس یا لعنت ملامت کا خیال
دل سے نکال دیا تھا۔ اسے وقت سزا دیتا یا وہ اپنی
بھینک چال کا خود شکار ہو جاتی۔ اس نے اسے جراسزا
سے بھی بڑی کر دیا تھا۔

جو کچھ اسما کے ساتھ ہوا تھا یا جو کچھ گلناز نے کیا
تھا..... اور اس تمام بھینک پھوٹن سے اسما کو گزرتا پڑا
تھا اسے اپنا نصیب جان کر وہ اپنے لیے بہتری کی خود
کوشش کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

ہادی ایک انسان ہی تھا ناں کوئی پتھر تو تھا نہیں کہ
ٹوٹ نہ سکتا ہو..... پتھر بھی تو ٹوٹتے اور پھسلتے ہیں۔ وہ
دل میں پختہ ارادے کے ساتھ میدانِ فعل میں کودی
تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ ابھی اس کی آزمائش کے
دن سٹے نہیں..... ابھی اس کا امتحان ختم نہیں ہوا بلکہ
اصل امتحان تو اب شروع ہوا تھا۔

☆☆☆

یہ ایک کہر میں لپٹی سویر تھی۔ گرمیاں ساری پھڑی
میں رہ چکی تھیں۔ یہاں پر دن کو گرمی ہوتی اور رات کو
اتھرائی ٹھنڈ..... لیکن جیسے ہی موسم نے کروٹ بدلی تھی۔
سویر بھی کہر میں لپٹ کر نمودار ہوئی۔ ہر سو یوں لگتا جیسے
برف ہی برف گری ہے۔ موسم بدل گیا تھا۔ شاید پھڑی
میں بھی موسم بدل گیا تھا۔ وہاں پہ بھی سردی کے آثار
شروع ہو گئے تھے۔ موسم کا تو پتا نہیں تھا البتہ روتیوں
میں ”سرد پین“ ضرور آ گیا تھا۔

بھئی بھئی اسے لگتا جیسے گلناز نے اسما کو بھی اسما
سے بدگمان کر دیا ہے۔ اسما بہت کم فون کرتی تھی بلکہ
اسما ہی اسے فون کرتی۔ اسما کا رویہ بہت سرد اور برفِیلا

ہوتا تھا اگرچہ وہ اسما کی اکلوتی بھابی بننے والی تھی۔ جیسی
اس کے رویے کا سرد پین اس کے دل میں پھانس بن کر
انک جا تا تھا۔ اسما کے کون سے بہت سے بھائی تھے کہ
اگر ایک بھابی اچھا برتاؤ نہ کرتی تو دوسری سے اسما اچھی
امید رکھ لیتی..... اس کی تمناؤں کا مرکز عاشق اور اسما
تھے..... لیکن اسما اس سے بہت کچھ مٹی تھی۔ سننے
میں آیا تھا، اس کی گلناز سے کافی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ
گلناز کے ساتھ اب زیادہ وقت گزارتی تھی..... یہ اسما
کو عاشق نے ہی بتایا تھا۔ شروع، شروع میں گلناز نے
بھی اسما سے رابطہ رکھنے کی بہت کوشش کی تھی۔ اس کے
بہت دلچسپ فون اور پیج آتے تھے اور وہ اپنے ہر ایونٹ کی
تصویریں بھی بھیجتی تھی۔ تنگ آ کر اس نے نمبر ہی بدل لیا
تھا..... وہ کم از کم گلناز جیسی سنپولن سے کوئی رابطہ نہ رکھنا
نہیں چاہتی تھی۔ اسما اسے اپنی نفرت تک کا حق دار بھی
نہیں سمجھتی تھی جس نے ان کی زندگیوں میں جاپا ہیاں
بھردی تھیں۔ انہیں ایک دوسرے سے دور کر دیا تھا۔

اسما کے اس لیے نہیں جاتی تھی کہ وہاں گلناز سے
سامنا ہوگا..... اور مای کے ساتھ، ساتھ اسما کا سرد
رویہ سہنا پڑے گا..... اور اگر اماں، بابا، ہادی کو مجبور کر
کے ساتھ بیچ دیتے تو اسما کو اس معاملے میں بہت سے
خدشات لاحق تھے۔ وہ چاہتی تھی عاشق اور اسما کی خیر
خیریت سے شادی جھٹ جائے تو پھر ہادی کو اعتماد میں
لے کر گلناز کے سارے کروت کھول کر دکھا دے گی
تب ہادی کو بھی یقین کرنا پڑے گا۔

لیکن اس سے بھی پہلے ہادی کا اعتماد جیتنا
تھا..... اور یہ کام بہت کٹھن، دشوار اور اذیت ناک حد
تک مشکل تھا۔ ہادی کا اب بھی وہی معمول تھا۔ وہ
رات ایک بجے گھر آتا اور منہ اندھیرے نکل جاتا.....
اس کا کھانا پینا کہاں چل رہا تھا..... اسما کو کچھ خبر
نہیں تھی۔

جاتے سے دونوں جیٹھانیاں..... ذری اور عزہ
خواہ خواہ اپنی انرجی ضائع کرتی رہی تھیں، بار بار اسما کو
سبھا کر۔

کھسک کر بولی تھی تاکہ پھر سے دھموکا نہ پڑ جائے۔
 ”پر اس کام کے لیے آپ کو کچھ دینا پڑے گا۔۔۔۔۔“
 اس نے ڈھیلے کھما کر اپنا مطالبہ بھی سامنے رکھ دیا۔
 ”کیا۔۔۔۔۔؟“ اماں نے خفگی سے پوچھا۔۔۔۔۔ اس
 بھی دلچسپی سے اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

”میرا دل جی۔۔۔۔۔“ پھولن دیوی ذرا شرما کر
 دوپٹے کا پلو منہ میں اڑسنے لگی۔۔۔۔۔ اماں اور اسما کی
 بات پر حیران رہ گئی تھیں۔

”ارے کسے؟“ اماں نے سخت غصے میں آ کر پوچھا۔
 ”دلدار خان کو۔۔۔۔۔“ پھولن دیوی مارے حیا کے
 مر مٹی تھی۔۔۔۔۔ اپنا تریوز جتنا سر گھٹنوں میں چھپا لیا تھا۔
 اماں نے بیک وقت اسے دو تھوڑا مارا تو اچانک ہڑبڑا
 کر سیدھی ہوئی۔

”ارے وہی۔۔۔۔۔ جو اپنی فیکٹری کا چیر اسی
 ہے۔۔۔۔۔؟ سال بھر نہاتا نہیں۔ مہینہ بھر کپڑے نہیں
 بدلتا۔۔۔۔۔ بولے تو ڈھول کی ضرورت نہیں۔“ اماں نے
 تفصیل سے جتلا یا تو پھولن دیوی کا من بھر کا سراسر اثبات
 میں مل گیا۔ تب اسما کو بھی لب کشائی کرنا پڑی تھی۔

”ارے پاگل۔۔۔۔۔ محبت تو دیکھ کے کرتی۔۔۔۔۔؟
 کیا آئٹم پسند کیا ہے اوپر سے دھونس دیکھو۔۔۔۔۔ دل تمہارا
 اٹھا کر دادا خان کے حضور پیش کریں۔۔۔۔۔ وہ چاہے تو
 تمہارے دل کو اپنے دل کے ساتھ ملا لے چاہے تو اٹھا
 کر چانوروں کی خوراک بنا دے۔۔۔۔۔ حد ہے پھولن
 دیوی! خود کی ایسی ناقدری چاہتی ہو۔“ اسما نے ناسف
 سے اسے ڈپٹا تو پھولن دیوی کو یاسیت کا دورہ پڑ گیا۔

”کچھ نہ پوچھو باتی جی! یہ محبت کم بخت بڑا خوار
 کرتی ہے۔ کھوتے پہ بھی آجائے تو بس اس کو شہزادہ
 بنا دیتی ہے۔“ پھولن دیوی نے ایک جذب کے عالم
 میں محبت کی تشریح بیان کی تھی۔

”اگر کسی ڈنگر سے ہو جائے جیسے دلدار خان تو
 بس جی کچھ نہ پوچھو۔۔۔۔۔ ڈنگر بھی خود کو شہزادہ عالم سمجھنے لگتا
 ہے۔ جیسے اس میں ہیرے، تارے جڑے ہوں۔“
 پھولن دیوی نے اب کس کر کہا۔

”ہادی کے دل کو محدے سے گزر کر قابو
 کر لیتا۔۔۔۔۔ دیکھنا، کیسے یہ ”جن“ قابو میں آتا ہے۔“
 اور وہ ان دونوں کو فون پر بھی نہیں بتا سکتی تھی کہ آپ کا
 ہادی گھر میں کھانا کھائے گا تو وہ گزرگا ہوں پر غور کرے
 گی ناں۔۔۔۔۔

کشف اور فلک بھی کم، کم آتی تھیں۔ فلک دینی
 میں ہوتی تھی جبکہ کشف مانسہرہ میں۔۔۔۔۔ وہ بھی کم، کم
 یہاں آتی تھی۔

پورے گھر میں سناٹے بولتے تھے یا پھر ملازمہ
 پھولن دیوی کی آواز گونجتی۔۔۔۔۔ اماں اور اسما کے ساتھ
 پھولن دیوی کب تک لمبی، لمبی ہانکتی۔۔۔۔۔ بولنے میں تب
 حرہ آتا ہے جب آگے سے جوابات ملیں۔ تنگ آ کر
 پھولن دیوی بھی خراٹے مارنے لگتی کیونکہ یہ دونوں
 سانس، بہوانتہائی کم گو واقع ہوئی تھیں۔

اسما کی خاموشی پہ اکثر اماں کو ہول اٹھنے لگتے
 تھے۔۔۔۔۔ تب وہ پھولن دیوی کو دھموکا جڑ کے اٹھاتیں۔

”ناس بیٹی۔۔۔۔۔! میرے سارے لڑکوں کے
 ساتھ بڑی چوچیں لڑاتی ہے۔ اب زبان کہاں گروی
 رکھ آئی۔۔۔۔۔ ہڈ حرام نس نہیں سکتی۔۔۔۔۔ بول بھی نہیں
 سکتی۔۔۔۔۔ کم از کم اسما کو ہی ہسا دیا کر۔۔۔۔۔“ پھولن دیوی
 اس جملے پر اچانک بھڑک کر مار کر اٹھ بیٹھتی تھی۔ پھر
 ہڑبڑا کر آنکھیں خشکی ان کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی۔

”اماں جی! کیا ہسانے پہ بھی مخواہ ملے گی؟“ وہ
 دانت نکوس کر پوچھتی تو اماں اسے ایک اور دھپ رسید
 کر دیتیں۔

”نامراد۔۔۔۔۔! میرے لڑکوں کے ساتھ ٹھٹھے
 لگاتے ہوئے مخواہ لیتی تھی کیا؟“ تب پھولن دیوی کا
 جتنا قہقہہ پورے کمرے میں گونج اٹھتا تھا۔

”آپ کے لڑکے بہت مخولے ہیں اماں
 جی۔۔۔۔۔! بغیر ٹکٹ کے حرہ کرادیتے ہیں۔۔۔۔۔ اتنا ہساتے
 ہیں کہ آپوں آپ منہ سے لٹیفے کرنے لگتے ہیں۔ اچھا،
 آپ غصہ نہ کرو۔۔۔۔۔ میں اسما ہاجی جی کو بڑا ہساؤں گی
 ایمان سے۔“ پھولن دیوی، اماں کی گھوری پہ ذرا دور

کمرے میں رک نہیں سکتی تھی کہ اپنا نظر انداز کیا جاتا
گوارا نہیں تھا..... لیکن باہر کھڑے ہو کر ان کی باتیں تو
سن سکتی تھی..... گو کہ یہ تازہ حرکت تھی لیکن ہادی کی
آواز سننا کم از کم اس طریقے سے ہی سہی..... وہ اپنے
من کی خواہش پر بے بس ہو گئی تھی۔ کیسی بچکانہ سی
خواہش تھی۔

”تم ہمارا قصور معاف نہیں کرو گے..... ہمیں
کیوں سولی پر لٹکا رکھا ہے.....“ اماں کے آنسوؤں نے
اسے بچ دیا تھا..... وہ چپ چاپ انہیں سنتا رہا۔
”آپ کا کوئی قصور نہیں اماں..... بس میری
قسمت خراب تھی.....“ اس نے کافی دیر بعد لب کشائی
کی تھی..... اس کا باہر کھڑے دل دھڑکتا رہا۔

”قسمت کو کیوں دوش دیتے ہو..... تمہاری
قسمت تو بہت اچھی ہے، تمہیں اتنا اچھا ساتھ ملا.....“
اماں نے پیار سے اس کی پیشانی چوم کر دلا سا دیا۔
”آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں..... آپ سے
بحث نہیں کر سکتا..... آپ کا دل نہیں دکھا سکتا.....“ ہادی
کی دکھ سے بھری آواز آئی تھی۔

”اگر میری بات کا اتنا خیال ہے تو میری
جان.....! اپنی روشیں ٹھیک کرو، وقت سے گھر آیا
کرو..... صبح آرام سے ناشتا کر کے فیکٹری جایا
کرو..... میرے دل کو بھی سکون دو.....“ اماں نے اس
کے بالوں میں ہاتھ پھیر کر بوسہ دیا۔

”آپ کے دل اور سکون کی خاطر میرا سب کچھ
قربان..... کوئی اور حکم کریں۔“ آج وہ فرمانبرداری
کے سارے ریکارڈ توڑ رہا تھا..... اندر اماں کو اور باہر
اسا کو جیسے غش آنے لگا۔

”میں واری جاؤں..... بس تو پہلے والا ہادی بن
جا..... شوخ، شرارتی، ہنستا مسکراتا..... اس گھر کے
سانٹوں میں تیری آواز کی گونج درود یوار کی رونقیں
بحال رکھتی تھی۔ اب یوں لگتا ہے میرا گھر خدا نخواستہ
قبرستان ہو۔“ ان کی آواز ٹوٹ کر آنسوؤں میں گھل گئی
تھی۔ ہادی بے قرار ہو گیا۔

”تو محبت دیکھ کر کرنی تھی ناں..... بلکہ ٹھونک بجا
کر..... عقل اور دماغ کو استعمال کر کے..... ورنہ کھوتا
سمجھ کر لوگ بے وقوف بنا جاتے ہیں۔“ جانے کوئی
کب دے قدموں اندر داخل ہوا تھا۔ اتنی خاموشی کے
ساتھ کہ انہیں خبر تک نہیں ہوئی تھی۔ وہ چوکی تو تب،
جب ہادی ان کے سروں پر سوار ہو گیا تھا۔ اتنے دنوں
بعد اس کی آواز سننا بالکل اچانک سننا ایک خوشگوار
حادثہ تھا جو ان سب پر گزر چکا تھا..... اس سے اپنی
دھڑکنیں سنبھالنی مشکل ہو گئی تھیں..... اور اماں سے اپنی
بے بہا خوشی..... جبکہ پھولن دیوی بھی نہال ہو گئی تھی۔
”پائی جان.....! شکر ہے آپ کی صورت دکھائی
دی..... ورنہ ہمیں تو آپ کی شکل بھولنے کے قریب
تھی۔ اخبار میں اشتہار لگتا تو پتا چلتا..... ابھی میں آپ
کو کوئی بے انتہا مسٹنڈا سمجھ کر گھر سے نکالنے والی تھی جو
جانے کیسے اندر گھس آیا..... ابھی ڈنڈا پڑتا تو پتا
چلتا.....“ پھولن دیوی کی فرائے بھرتی زبان کو اس
بڑے رشک کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔ ہادی نے اس
کی بے دریغ بکواس پہ غصہ تک نہیں کیا تھا۔ کیسی حیرت
کا مقام تھا..... اس کا ایک مرتبہ پھر رشک آیا۔

”یعنی تمہارے ڈنڈے سے بچنے کے لیے مجھے
صبح شام اپنی صورت تمہیں دکھانی ہوگی۔ تم سے آشیر باد
لینا ہوگا۔ تم سے بھاشن سننا ہوگا.....“ ہادی نے اماں کے
قریب بیٹھتے ہوئے پھولن دیوی کو مخاطب کیا تھا۔ وہ
صاف طور پر اس کا نظر انداز کر رہا تھا۔ اس کا دل
لہوؤں میں بوجھل ہو گیا..... اسے اپنا آپ بے معنی سا لگا
تھا جیسے مس فٹ سا..... اس نے سوچا وہ یہاں سے ہٹ
جائے..... وہ جانے لگی تب اماں کی آواز سنائی دی تھی۔

”میرے بچے! کہاں ہوتے ہو تم..... اماں کو
اپنی صورت بھی نہیں دکھاتے؟ میں ترس گئی ہوں
تمہاری شکل دیکھنے کو..... وہ دو تو پولیس چلے گئے.....
تم تو قریب ہو پھر بھی سالوں کی دوریوں اور فاصلوں
پر..... آخر یہ سب کب تک چلے گا.....“ اماں کے گلوگیر
گے اور آواز پہ ہادی کی تڑپ بہت دیدنی تھی۔ اس

”پرافٹ کیوں نہیں ہوگا..... گھر سے جی چرا کر پورا دن اور آدمی رات فیکٹری میں گزارتے ہو..... پھر بھی پرافٹ کیوں نہ ہو..... لیکن ہادی، ایک بات سمجھ لو..... مادی چیزوں اور دھن، دولت سے بڑھ کر رشتے، وقت اور محبت کے حق دار ہوتے ہیں..... اب جا کر نہا سکتے ہو؟ اگر ماں پہ احسان کرنا ہوا تو کر لیتا۔ کھانا گھر میں کھانا..... بارہ بار نہ کہنا پڑے..... ورنہ سن لوکان کھول کے..... میں بھی قاتلہ کرنا شروع کر دوں گی.....“ ان کی دھمکی پہ ہادی کی گردن پوری پھنس گئی تھی۔ وہ تھملا بھی نہ سکا..... احتجاج بھی نہ کر سکا۔

”ٹھیک ہے، پر اپنی اس نام نہاد بہو سے کہیے گا میرے سامنے آنے سے گریز برتتے.....“ ہادی نے جاتے، جاتے بھی شوشا پھوڑنے سے اجتناب نہیں کیا تھا۔ اماں نے اسے گدی سے پکڑ لیا۔

”رکھو ذرا میری بات سنو..... وہ کیوں تمہارے سامنے نہ آئے؟ بیوی ہے تمہاری..... تم پر حق رکھتی ہے۔“ اماں کے سخت لہجے پہ ہادی ہمیشہ زیر ہو جاتا تھا۔ کبھی اونچی آواز نہ نکالتا..... احتجاج نہ کرتا..... یہی تو اس کی سعادت مندی تھی جس سے اماں، بابا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ وہ جانتے تھے ہادی ان کی محبت اور فرمانبرداری کی وجہ سے بے بس ہے۔

اب بھی اماں کی جھاڑ..... پہ چپ چاپ کھڑا رہا تھا۔ جب وہ خاموش ہوئیں تو بول پڑا۔

”ٹھیک ہے اماں! میں کچھ نہیں کہوں گا۔ وہ سامنے آتی رہے..... مگر میرے معمولات میں ہرگز بھی مداخلت نہ کرے.....“ ہادی کے اگلے الفاظ نے اماں سمیت باہر کھڑی اسما کو بھی سن کر دیا تھا۔ وہ جو بدول ہو کر بیٹ رہی تھی۔ اماں کا جواب سننے کے لیے رک گئی۔

”وہ کیوں نہ مداخلت کرے.....؟ بیوی ہے تمہاری..... اس کا فرض بنتا ہے تم پر کڑی نگاہ رکھے..... اس کا حق بنتا ہے تم سے آنے جانے کا حساب لے.....“ اماں کے گرجدار لہجے کی گونج باہر تک آئی تھی..... اسما کا دل خوش ہو گیا تھا۔ آخر کوئی تو تھا جو

”بس آپ اور بابا خوش رہیں۔ میں کچھ اور نہیں چاہتا۔“ ہادی نے ماں کے ہاتھ چوم لیے تھے۔

”اور ہم چاہتے ہیں بس تو خوش رہے۔ اسما کو خوش رکھے..... ہم تو تم دونوں کو خوش اور آباد دیکھنا چاہتے ہیں۔“ انہوں نے اپنے اندر کی خواہش کو ہادی کے سامنے دکھ دیا تھا۔ اس کا رنگ واضح طور پر بدل گیا تھا۔

”میں بابا کے اسی بات کے اس پاس چکراتے اتنے لمبے چوڑے لیکچر کو سن کر فیکٹری سے گھر بھاگا ہوں..... اور گھر آ کر بھی وہی بھاشن.....“ وہ شدید جھلاہٹ پہ قابو پاتا بہ مشکل اپنے لہجے کو نرم رکھ سکا تھا کہ اماں کی طبیعت کے پیش نظر وہ اپنی آواز کو بلند کر کے یا اپنے لفظوں کی کاٹ سے انہیں تکلیف سے..... دوچار نہیں کر سکتا تھا پھر اماں اور بابا کا قصور کیا تھا؟ قصور تو سارا اس چڑیل کا تھا..... اور شاید وہ بے خبر ہی رہتا..... کبھی جان نہ پاتا اگر وہ آخری میٹج اسے وصول نہ ہوتا..... اگر وہی میٹج اسے بروقت وصول ہو جاتا تو آج صورت حال یہ نہ ہوتی..... اس چڑیل کی جگہ اسارا ہوتی..... اس کی زندگی کو روشن کرتی..... مہکائی، اپنی خوشبوئیں بکھیرتی۔

”ہم تیرے بھلے کے لیے کہتے ہیں ہادی.....! تیرے دشمن تھوڑی ہیں میری جان.....! تجھے آج احساس نہیں..... کل ضرور ہوگا..... لیکن میرے لیے یہی بہت ہے کہ تجھے ہم دونوں کا احساس گھر کی طرف پہنچاتا ہے۔ پر بیٹا! وہ غریب بھی تمہاری توجہ اور چاہت کی طلب گار ہے..... اس کے حقوق سے لگاہ کیوں چراتے ہو؟“ اماں نے بڑے پیار سے اسے ایک مرتبہ پھر اسما کے جیتے جاگتے وجود کا احساس دلایا تو وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔

”اماں! میں نہاتا ہوں..... بہت تھکن ہو رہی ہے۔ فیکٹری میں بہت کام تھا۔ کتنے ٹرک لوڈ کروا کر چانکا بھجوائے ہیں کیٹو کے۔ اس دفع بڑا پرافٹ ہوگا۔“ اس نے بڑی ہوشیاری سے اماں کا دھیان بٹاتے ہوئے کہا۔ اماں گہری سانس بھر کر رہ گئیں۔

اس نواب کی بولتی بند کروا سکتا تھا۔
 ”سارے حق اس کے بنتے ہیں۔ میرا کوئی حق نہیں.....“ ہادی کی جھنجھلاہٹ اس کو مزہ دے گئی تھی۔
 اس کی پتلی حالت پر وہ شدید لطف اٹھاتی رہی۔
 ”کیوں نہیں میری جان..... اُمعا اماں کا لہجہ شہد پکانے لگا..... انہوں نے ہادی کو ہازو سے پکڑ کر پھر سے قریب بٹھالیا۔“ تمہارا اسناپ حق ہے..... اس کا تم پر حق ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں میری جان!“ اماں اس کا منہ چوم کر شہد بھرے لہجے میں بولی تھیں۔

”ہونہہ..... مجھے کالا لباس نہیں چاہیے..... میں تو کپڑوں میں سیاہ رنگ پسند نہیں کرتا کچا کہ بیوی کو برداشت کروں اس کی سیاہی سمیت.....“ ہادی کا حقیر باہر تک چھلک رہا تھا۔ اس کے معاملے میں وہ اپنی نفرت کو انتہاؤں تک لے جاتا..... اور اس کے معاملے میں بات کرتے ہوئے مبالغے کی حد کراس کر جاتا..... اب بھی اس کے چمکیلے سانولے رنگ کو سیاہی کا طعنہ مار کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ جبکہ اس کے دل پر ایک بوجھ آگرا..... قدم، قدم پر ایسی ذلت کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا..... اور نہ ہی اسے احساس دلایا تھا کسی نے کہ وہ کم صورت ہے۔ اسے تو ہمیشہ اپنی پرستاشی اور ذہانت پر اعتماد تھا۔ کبھی اس کا اعتماد ڈگر گیا نہیں تھا..... لیکن یہاں پر زندگی کے اس موڑ پر اس کو اپنی کم روئی سے شدید شکایتیں ہونے لگی تھیں۔ کاش وہ خوب صورت ہوتی اور ہادی اسے اتنا ذلیل نہ کرتا۔
 لیکن بات یہاں خوب صورتی کی نہیں تھی۔ ہادی تو اپنا اشتعال اسے ٹارچہ کر کے نکال لیتا۔ وہ اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے کا بدلہ لے لیتا..... شاید اس کو قدم، قدم پر ڈی گریڈ کر کے..... قدم، قدم پر اس کی تذلیل کر کے وہ اپنے بے وقوف بنائے جانے کا انتقام لینا چاہتا تھا۔

اس رات وہ سرشام گھر آیا تھا پھر اس کا معمول بن گیا تھا۔ وہ جلدی گھر آتا اور ناشتا کر کے صبح فیکٹری

170 جون 2016ء

چلا جاتا..... اماں اور بابا اس کے معمول پر بے انتہا خوش تھے..... کم از کم تھوڑی سی اور بہتری کی شکل دکھائی دی تھی۔ انہیں آنے والے حالات سے ابھی امید تھی کہ نہ اچھا وقت زیادہ دیر ٹھہرتا ہے نہ برا..... کبھی برے دن بھی اچھے دنوں میں ضرور بدل سکیں گے..... وہ اس آس اور امید کے ساتھ ہر چہ جتنے سورج کو طلوع ہوتا، پھیلتا اور سکڑتا دیکھتے تھے۔

☆☆☆

اماں اور بابا کے سمجھانے بچھانے اور صائم کی لمبی، لمبی کالز پر لمبی، لمبی نصیحتوں کو وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا نہیں سکتا تھا۔ بہر حال یہ اس کے مقدم رشتے تھے۔ وہ ایک چڑیل کی خاطر اپنے پیاروں سے جھگڑے ہڑائیاں مول لے کر انہیں کیوں ناراض کرتا۔

گو کہ اس کے یہ بہت اپنے اس چڑیل کی خاطر اس کے ساتھ سوتیلوں سے بڑھ کر سلوک کرتے تھے۔ ہر کوئی اس کی فکر میں مرا جا رہا تھا۔ وہ زری تھی یا عزہ..... خدا تھا یا صائم..... بس ایک کشف تھی اس کی پیاری بہن..... جسے اپنے بھائی کے خوابوں، سپنوں اور خواہشوں کے اجر نے کا صدمہ تھا..... جو اپنے بھائی کی زندگی میں آئے اندھیروں پہ کڑھتی تھی..... باقی سب تو اس اندھیرے سے سمجھوتا کر چکے تھے۔ بس کشف اور ہادی اتنا بڑا جگر نہیں کر پائے۔

سو آج کل ہادی، عزہ اور صائم سے فون پر لمبی، لمبی باتیں کرنے کے بجائے اپنی بہن کشف سے دکھڑے روتا، فیکٹری میں کام ختم کرنے کے بعد اس نے کشف کو فون کھڑکا دیا..... وہ بھی اسی کے فون کا انتظار کر رہی تھی سو فوراً ہی ریسور اٹھالیا۔

”کیا کر رہے تھے؟ کیا گھر نہیں گئے؟“

”اپنے نصیبوں کو رو رہا تھا۔ گھر کس کی خاطر جاؤں..... اس چڑیل کے لیے جو سب کچھ کر کے..... بی بی حاجن بنی بیٹی ہے..... سب کی امدادیاں وصول کرتی ہے۔ میرا کسی کو خیال تک نہیں۔“ ہادی کو موقع ملا

دیار صبح کے اجالوں میں

شنا سکو....." کشف نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تھا وہ گلا
کھٹکھٹا رہ گیا۔

"مجھے کیا خبر تھی، میری زندگی تباہ ہونے والی
ہے؟ ورنہ یہ شادی کرتا ہی نہیں۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو گیا....." کشف نے گہری
سانس لی۔

"کم از کم تم تو یہ پیکل ورڈ مت بولو..... ہر ایک سے
من و بن کر میرے کان پک گئے ہیں۔" ہادی چڑ گیا تھا۔

"تو پھر کیا کہوں.....؟ تم ہی الو بن گئے تھے۔
کبھی ایسے بھی ہوا ہے؟ مگنی کسی سے، باتیں کسی سے،

محبت کسی سے اور شادی کسی سے۔" کشف نے اس
کے پٹھے پہ ہاتھ دھرنا تھا۔ وہ کراہ بھی نہ سکا۔

"نہی میری کمزوری تھی۔" اس کا دل بھر آیا۔

تھا۔ سو شروع ہو گیا..... ویسے بھی اس کی برائیاں کشف
کے علاوہ اور کوئی نہیں سنتا تھا۔ سو وہ جی بھر کے بھڑاس
نکال کر ہی گھر جاتا۔

"میں تمہارا کرب سمجھتی ہوں ہادی انغم نہ کرو.....
میں تمہارے ساتھ ہوں۔" ہادی کا دکھ کشف کے دل پر

رقت طاری کر دیتا۔

"انغم نہ کروں تو کیا کروں.....؟ الٹا لنگ
جاؤں؟ کسی دریا میں کود جاؤں؟" وہ تپ کر چلا یا۔

"الٹا لنگو مگر جگہ دیکھ کر..... نہیں چوٹ نہ
آئے..... دریا میں کودنے کے لیے راوی مناسب

ہے..... اس میں پانی کم ہوتا ہے..... یا ہوتا ہی نہیں۔"
کشف نے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔ ہادی کلس اٹھا۔

"بہن بنو، چڑیل نہ بنو....." ہادی کو غصہ آ گیا تھا۔
"چڑیل صرف ایک ہی تمہاری جان کے لیے

کافی ہے۔ خبردار جو مجھے چڑیل کہا....." کشف نے
تپ کر بتایا۔

"اچھا، غصہ مت کھاؤ..... میرے لیے کچھ
سوچو..... میں کہاں جاؤں؟ کیا کروں.....؟ ہر کوئی مجھے

فصیحہ کرنے پر حلا ہوا ہے۔ ہر کسی نے مجھے سمجھانے کی
قسم کھا رکھی ہے۔ میرا کلوتا دوست گلریز کب آئے گا.....

میرے درد سننے، میرے درد کی دوا کرنے۔" ہادی نے
کرب و اذیت کی لہروں سے نکل کر آہ و فغاں کی تھی۔

"گلریز بس اسی ہفتے میں آجائیں گے۔"
کشف کا لہجہ منھاس سے بھر گیا تھا۔

"پھر تم لوگ چکر ضرور لگانا..... میرا دل بھی پھل
جائے گا۔ صائم بھی چلا گیا، میں کس سے اپنے دکھ

کہوں.....؟ گلریز بھی میری مدد کو نہیں تھا۔" ہادی کے
اپنے ہی دکھ بڑے بہت تھے۔

"جب گلریز نے کہا تھا۔ شادی دو ماہ ڈینے
کر لو..... وہ بھی شامل ہو سکے..... تب تو تمہارے

کانوں پہ جوں تک نہیں ریگیتی تھی۔ تم دو دن بھی شادی
آگے کرنے والے نہیں تھے۔ اب گلریز کے لیے اپنے

مطلب کو بے قرار ہو رہے ہوتا کہ اس کو اپنے دکھ بڑے

مسول ایجنٹ برائے یو۔ اے۔ ای



ویکس بک شاپ

سینس، سرگزشت، پاکیزہ، جاسوسی

خاؤ بکس: 27869 کراہ، دہلی

فون: 04-3961016 فیکس: 04-3961015

موبائل: 052-9695984

ای میل: welbooks@emirates.net.ae

ماہنامہ پاکیزہ 171 جون 2016ء

بچتا دے سے نہیں نکل سکوں گا..... میں خود کو کیسے چھین دلاؤں؟“ وہ کرب کی اتھاہ میں گر کر رہا تھا۔
 ”ہادی.....! میں تمہاری تکلیف کو سمجھتی ہوں..... لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ کچھ بھی بدل نہیں سکتا..... بابا اور اماں، اسما کے لیے بہت ہٹی ہیں۔“
 کشف نے اسے احساس دلانا چاہا۔

”بابا اور اماں کی وجہ سے مجبور ہوں۔ ورنہ اس چڑیل کو مزہ چکھا دیتا۔“ ہادی نے دانت کچکپائے تھے۔
 ”اچھا..... اب گھر جاؤ، دیکھو وقت کیا ہو رہا ہے؟ ابھی دو دن پہلے اماں سے وعدہ کیا تھا تم نے جلدی گھر آنے کا۔“ کشف نے نرمی سے اسے ٹوکا۔
 تب وہ دل پر بھاری بوجھ لیے فیکٹری سے باہر آ گیا۔
 جیب تک آنے کے بجائے اس نے پیدل گھر جانے کو ترجیح دی تھی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑے مضطرب انداز میں مڑک پر چل رہا تھا۔
 اس کی زندگی میں کیسی فلمی سچویشن بنی تھی۔ ایسا تو ڈراموں یا افسانوں میں ہوتا تھا۔ کم از کم ہادی نے اب تک ایسی کوئی سچویشن نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ساتھ اپنی طرز کا ایک الگ ہی کیس ہوا تھا۔

وہ شروعات سوچتا تو حیران رہ جاتا..... جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا کیا ایسا عام زندگی میں بھی ہوتا تھا؟ وہ چلا، چلا گھر پہنچ گیا تھا۔ جیسے ہی مرکزی دروازہ کھول کر وہ اندر پہنچا..... پھولن دیوی ڈکاریں مارتی نظر آئی تھی۔ اسما اسے سیون اپ میں نمک ڈال کر دے رہی تھی۔ یعنی شروعات ہی خراب تھی۔ آتے ہی سامنے نظر آ گئی۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔ وہ تن فن کرتا اپنے کمرے میں چلا گیا پھر نہا کر تھوڑے اعصاب ڈھیلے ہوئے تو سکون آیا پھر وہ اماں کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ اماں اسے دیکھ کر رکھل اٹھی تھیں لیکن ان کی طبیعت نا ساز گئی تھی۔ جیسے ہی وہ اماں کے قریب بیٹھا اسما ایک مرتبہ پھر فک پڑی تھی۔ پھولن دیوی کی خدمتوں کے بعد اب اماں کو ہاتھوں پہ ڈالا جا رہا تھا۔ پہلے انہیں زبردستی دودھ پلایا

”تواب“ وہ کہاں ہے؟ تمہیں الو بنانے والی.....؟“ کشف کو اس پر شدید غصہ تھا۔ سامنے ہوتی تو اس کی گردن مروڑ دیتی..... جس نے اتنی زندگیوں کا تماشا بنا دیا تھا۔

”وہ مجبور ہو گئی تھی۔ اس کا آخری میج میں نے شادی کے بعد پڑھا تھا۔ تم جانتی تو ہو..... میرا موبائل گم کیا تھا۔ وہی موبائل جس میں میرا پرانا نمبر چل رہا تھا۔ مجھے وہ موبائل بعد میں ملا..... اس میں سیکڑوں فیکٹ تھے اس کے..... کچھ ایسے عجیب تھے جو میرا دماغ گھما گئے۔ جانے وہ خود کس اذیت اور تکلیف میں تھی۔“ ہادی کنپٹیاں دہاتا خود بھی الجھا دینے والی کھٹکھٹ میں چلا تھا۔ اس کا دل اسی سے ہٹا نہیں تھا..... وہ اسے بے قصور سمجھتا تھا اور گنہگار بس اسما تھی۔

”چھوڑو اس کی مصیبتوں کو اور تکلیفوں کو..... اس نے کون سا ٹھیک کیا؟ بابا نے خود بتایا ہے انہوں نے تمہارا رشتہ اسما سے ہی طے کیا تھا۔ یہی تمہاری منگیتر تھی۔ جو بابا نے تمہارے لیے پسند کی۔ سچ میں جس نے بھی انٹری ماری، سارا قصور اسی کا ہے.....“ کشف نے پہلی مرتبہ اسما کی حمایت کرنا چاہی تھی..... ہادی بے انتہا تپ کر جھنجھلا گیا تھا۔

”تم کچھ نہیں جانتی کشف.....! اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ ساری سازش اسی چڑیل کی اور اس کے ابا کی تھی۔ بابا اسی کا رشتہ لینے گئے تھے۔ اس چڑیل کے ابا نے چالاکی سے اپنی بیٹی کو میرے پلے سے باندھ دیا۔“ ہادی نے اسی کے آخری میج میں لکھے الفاظ دہرا دیے تھے۔ وہ شدید بیجانی اذیت میں تھا۔ نہ کچھ کر سکتا تھا، نہ اسی تک پہنچ سکتا تھا نہ اس کی تکلیف کم کر سکتا تھا۔ ہر طرف سے اس کے رستے مسدود ہو چکے تھے، وہ کیا کرتا۔

”اس نے مجھے مدد کے لیے پکارا تھا۔ اس نے مجھے بہت یاد کیا..... ہزاروں کالز کیں..... سیکڑوں میج بھیجے..... اور میرا نمبر بند ہو گیا۔ میرا موبائل کھو گیا..... میں نے دوسری سم بھی نہیں نکلوائی۔ اس

”یہ کوئی باتیں ہیں کرنے کی..... آگ، نری
بوریت.....“ وہ اٹھنے کے لیے پرتول رہا تھا جب اماں نے
اسے روکا۔

”نون آیا تھا تمہاری بہن کا.....“ وہ اسے اطلاع
دے رہی تھیں یا کوئی خاص بات کہنا چاہتی تھیں؟

”مانسہرہ سے یاد دہی ہے؟“ ہادی نے چونک کر پوچھا۔
”مانسہرہ سے۔“ اماں کے لہجے میں ہنسی کے لیے

پیار تھا۔ ”تم دونوں کو دعوت پہ بلا دیا ہے۔“ انہوں نے
اسا اور ہادی سے بیک وقت کہا تھا۔ وہ دونوں ہی۔

پہلے ساختہ چونک گئے تھے۔ اس حیران تھی..... اماں نے
اس سے تو کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ شاید وہ چاہتی تھیں ان

دونوں سے اکٹھا ہی ذکر کریں۔
ہادی بھی چونک کر اماں کی طرف دیکھنے لگا.....

وہ جان بوجھ کر اس کی طرف دیکھنے سے گریز برت رہا
تھا۔ جب سے آیا تھا اراک لگاؤ قلم بھی اس کی طرف

نہیں اچھالی تھی۔ ایسے لگاؤں پہ پہرہ لگا رکھا تھا جیسے
اسا کو دیکھا تو گناہ ہو جائے گا۔

”مجھے تو نہیں کہا.....“ ہادی کو حیرانی ہوئی تھی۔
ابھی کچھ دیر پہلے تو بات ہوئی تھی۔ ”آپ منع

کردیتیں۔“
”اس کی ساس نے دعوت دی ہے۔ کیسے منع

کرتی؟ تم بھی کمال کرتے ہو؟ کیا کشف کی ساس کو
اٹکار کر دیتی؟ وہ بھی بلا وجہ..... ہمارے ہاں رواج

ہے۔ شادی شدہ جوڑوں کو دعوت پر گھر بلانا پھر وہ
تمہاری بہن کی سرال ہے۔“ اماں نے خاصی خشکی کے

ساتھ جھلایا تھا۔
”بہن کا سرال ہے اسی لیے تو کہہ رہا

ہوں..... آپ منع کردیتیں..... بہنوں کے گھروں
میں روٹیاں کھانے کا بھی ہمارے ہاں رواج نہیں، یہ

آپ کو بھول گیا.....؟“ ہادی کو بکتے پکڑنے تو آتے
تھے۔ اماں کو خبر تھی..... وہ آسانی سے ہاتھ نہیں آئے

گا۔ اسی لیے گدی سے پکڑا تھا۔
”تمہاری بہن کی سرال اصل میں تمہاری خالہ

تھا پھر ان کا سرد ہانے بیٹھ گئی تھی۔ ہادی سے بیڈ راسے
ہاڑیاں برداشت نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس کے نتھنے پھول
گئے تھے۔ یعنی پرائیوی کا یہ حال تھا۔ وہ اپنی ماں کے

ساتھ اکیلے میں بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔
”پھولوں کی طبیعت ٹھیک ہوئی ہے؟“ اماں نے

اسا کے نرم ہاتھوں کو پکڑ کر پوچھا۔ وہ اسے سرد ہانے
نہیں دے رہی تھیں۔

”کون اماں.....؟“ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی۔
”بہی بیٹا! پھولن دیوی..... نام تو اس کا پھولوں

ہے..... یہ صائم اور ہادی نے بیجاری کو پھولن دیوی بنا
رکھا ہے۔“ اماں نے وضاحت کی تو اس نے سمجھ کر سر

بلا دیا..... وہ اماں کا متواتر سرد ہار ہی تھی۔ ہادی سے رہا
نہیں گیا تو پوچھنے لگا حالانکہ کب سے اخبار پکڑے جاتی

ہیں یا نہ پکڑا تھا۔ مگر اماں کی کراہ پر متفکر ہو گیا۔
”سر میں درد ہے اماں، ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔“

”نہیں، ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت
نہیں..... میری بیٹی نے سر میں تیل ڈالا ہے، مالش بھی

کی..... اب تو آرام آ رہا ہے۔“ انہوں نے پیار سے
اسا کے ہاتھ تھپتھپائے۔ ہادی نے بل کر اخبار پر توجہ

مبذول کر لی۔
”ہونہ، ساری چالاکیاں ہیں..... جب

میں نے منع نہیں لگایا تو میرے ماں، باپ کو دوسرے
حریوں سے مٹھی میں کر لیا.....“ وہ دیکھ اخبار کو رہا تھا مگر

سارا دھیان ان دونوں کی طرف تھا۔
”پیٹ میں تکلیف تھی اسے..... قبوہ بنا کر دیا

ہے، پہلے سیون اپ پلائی..... اب کچھ بہتر محسوس
کر رہی تھی۔“ اس شاید پھولن دیوی کی طبیعت کا احوال

بتا رہی تھی۔
”نا مراد کھاتی بھی تو بے دریغ ہے۔ یہ

نہیں سوچتی، پیٹ تو اپنا ہے۔ اتنا ہی ڈالے جتنا پیٹ
سہ سکے..... بد بھنسی کروا کے آئے دن بیٹھ جاتی

ہے۔“ اماں نے تجربہ کیا تھا۔ وہ ان کی باتوں پر پور
ہونے لگا۔

ایڑھیوں کا مساج کیا تو انہیں بہت سکون ملا۔ اماں کی پانکٹی کی طرف ہادی ایزی چیئر پر بیٹھا ایک مرتبہ پھر اخبار میں گم تھا۔ تاہم وہ اس کا پانکٹی کی طرف آنکھوں سے کرچکا تھا۔ اس کی کرسی قریب ہی رکھی تھی۔ وہ اس کو نظر انداز کرتا اخبار چھوڑ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور دوسری طرف گھوم کے اماں کی پانکٹی پر بیٹھ گیا۔ یوں کہ ایک طرف اس کا کٹری اماں کے پیرو بار ہی تھی دوسری طرف ہادی ان کے ہاتھ پکڑے بیٹھا تھا۔ اور نرمی سے دبانے لگا تھا۔ اماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کے چوم لیا لیکن مخاطب وہ اس سے ہوئی تھیں۔

”اسا بیٹا! بس کرو، تم بھی تھکی ہوئی ہو۔۔۔۔۔ اب آرام کرو میری بچی۔۔۔۔۔“ اماں نے بڑے پیار کے ساتھ اس کا روکا تو وہ اپنی ازلی نرم ہوا آواز میں بولی۔

”اپنے گھر کے کاموں میں تھکاوٹ کیسی اماں۔۔۔۔۔! پھر مجھے تو عادت ہے، آپ کو آرام آیا۔۔۔۔۔؟“ اس کی ملائم آواز میں غماص جاتا ہوا تاثر تھا جیسے ”اپنے گھر پہ خاص طور پر زور دیا ہو۔ ہادی پہ ایک مرتبہ پھر جھلاہٹ سوار ہوئی تھی۔ پہلی مرتبہ اس نے مڑ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا لیکن اس کی نگاہ اس کے چہرے تک نہیں جاسکتی تھی۔ وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھتا لمحہ بھر کے لیے ساکت ہوا تھا۔ اس کے سانولے ملائم اور تھیں ہاتھوں کی لرزش واضح تھی جیسے وہ ہادی کی نگاہ کا تاثر محسوس کر چکی تھی۔ اور وہ اس کی انگلی میں اپنی پہنائی انگلی دیکھ کر دنگ تھا۔ تنہا سا ہیرائیش قیمت انگلی میں جگمگا رہا تھا۔۔۔۔۔ یوں کہ آنکھوں کو خیرہ کرنا نظر آیا۔ ہادی کی سانسیں ایک دم تیز ہو گئی تھیں۔ اس کا دل اچانک بہت زور سے دھڑکا تھا۔ شاید اندر کوئی تغیر رونما ہوا تھا؟ وہ اس تیزی سے گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھا کہ اماں کا پورا پانک بل گیا۔ اس تک گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ اماں مارے ٹھکر کے لیٹے سے اٹھ بیٹھیں۔

”ہادی، آئے ہائے کیا ہوا ہادی! تم ٹھیک تو ہو؟“

اماں کا مارے پریشانی کے برا حال تھا۔۔۔۔۔ وہ اس کا گھبرایا، گھبرایا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔ جس پر پیسے کے قطرے

کا بھی گھر ہے۔ شاید تمہیں یاد آ گیا ہو۔۔۔۔۔ آج کل تمہاری یادداشت خاصی کھو رہی ہے۔ رشتے اور چیزیں بھولتی جا رہی ہیں۔“ اماں بھی جیسے بھڑاس نکال رہی تھیں۔۔۔۔۔ یا سرد بانے والی کی ہبہ پا کر اسے سارہی تھیں۔ ہادی جھنجھلا گیا۔

”آپ کہہ دیتیں۔۔۔۔۔ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ سخت ناگواری سے بولا تھا۔ اس کا چپ چاپ سنتی رہی۔ وہ بھی ہادی کی ناگواری دیکھ رہی تھی۔۔۔۔۔ اور وہ جھنجھلا اس لیے رہا تھا کہ اس کا موجود تھی۔ وہ چاہتا تھا اس کا ہر چل جائے لیکن وہ بھی ڈیٹ بن کر بیٹھی رہی۔۔۔۔۔ آخر زچ کرنے والے کو تھوڑا زچ کر لینے میں کیا حرج تھا۔

”کیوں کہہ دیتی؟ یہ تو ہمارے ہاں کا رواج ہے۔ نئی دلہن کو اپنے رشتے داروں سے حصار کر دانے کا۔“ اماں بھی آج ہادی کے ضبط کا امتحان لے رہی تھیں۔ ابھی تو سر میں درد تھا۔ بھی ہاتھ ہولا رکھا تھا۔ ورنہ اس کی اچھی بھکی کلاس لے لیتیں۔

”میں نے اسے بتا دیا ہے اتوار کو اس اور ہادی آئیں گے۔“ اماں نے اس کے سر پر دھماکا کیا تھا۔ وہ پیشی، پیشی نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔ جیسے اسے یقین نہ آیا ہو۔

”اماں۔۔۔۔۔؟“ وہ جھنجھلا گیا پھر خواہ مخواہ حصہ کرنے لگا۔۔۔۔۔ سو دلیلیں دیں، ایک سو ایک دلائل دیے مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔۔۔۔۔ اماں نے اس کے احتجاج کو کسی خاطر میں نہیں رکھا تھا۔ وہ صاف اسے نظر انداز کر رہی تھیں۔ وہ اس کو نظر انداز کر رہا تھا۔۔۔۔۔ اس کی جھلاہٹ اس کا بڑا مزہ دے رہی تھی پھر اسے مجبوراً اماں کی دوا لینے پاہر آنا پڑا۔۔۔۔۔ جب وہ دوبارہ اندر آئی تو اماں اپنے اصرار اور جلال سے اسے مناجلی تھیں اور اس کا منہ پھولا ہوا تھا۔

اماں نیم دراز تھیں۔ ان کا سر درد اب بہتر تھا تاہم ایڑھیوں میں جلن ہو رہی تھی۔ اس نے ہاتھوں میں لوٹن لے کر اماں کے پیروں کی طرف آ کے ان کی

اچانک رونما ہوئے تھے اتنی ٹھنڈ کے باوجود.....

”تم ٹھیک ہو بیٹا.....؟“ اماں بے چین ہو گئیں۔

”نہیں اماں.....! میں ٹھیک نہیں..... جانے کیا ہوا ہے؟ سنے میں پکڑ دھکڑ چل رہی ہے جیسے اندر کچھ ہوا ہو..... کوئی گڑبڑ.....“ وہ بے ربط بولتا واقعی گھبرایا ہوا تھا..... پھر اماں کی بات سننے کے لیے رکنا نہیں تھا۔ جلدی سے باہر نکل گیا..... اماں ہٹکا بٹکا رہ گئی تھیں۔

”اسے کیا ہوا ہے، کیسی گڑبڑ.....؟ کون سی تکلیف..... مجھے بہت پریشانی ہے۔ جانے اسے کیا ہوا؟ یہ لڑکا امتحان بننا جا رہا ہے۔ کچھ سمجھ نہیں آتا..... پل میں کچھ پل میں کچھ..... تمہارے ساتھ تو اس کا برتاؤ ابھی تک اچھی ہے۔ میاں، بیوی والی بات ہی نظر نہیں آتی۔ خدا اور زری، صائم اور عزہ جیسی حقیقی ہنسی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ جانے یہ کب سنبھلے گا..... عجیب و غریب باتیں کرتا ہے۔ دل کی پوری رضامندی کے ساتھ تم سے شادی کی تھی پھر جانے کس کی نظر لگ گئی.....“ وہ ہادی کے بدلتے مزاج کے رنگوں کی مادی نہیں تھیں..... اس لیے بارہ بار گلوگیر ہو جاتی تھیں۔

”اماں..... آپ پریشان نہ ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ سب اچھا ہو جاتا ہے۔“ اسما نے ہمیشہ کی طرح انہیں تسلی دی۔

”ہتا نہیں، کب اچھا ہوگا..... ایک ماہ سے اوپر ہو گیا تمہاری شادی کو..... اس لڑکے کے مزاج اب بھی ٹھکانے نہیں..... بیٹی! تم ہی کوشش کیا کرو..... بیویوں کو سوطریتے آتے ہیں۔ وہ اعراض بردتا ہے تو تم ہی قاصطے مٹاؤ.....“ اماں کی آنکھوں میں امید چمک رہی تھی۔ اسما نے گہری سانس کھینچ کر اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے۔

”قاصطے تو تب مٹائے جاتے ہیں جب کوئی منجائش نظر آئے۔“ وہ اماں سے کہہ نہیں سکی تھی۔

”جانے کیسی بدگمانی کی گرہ ڈال رکھی ہے۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا اسے۔ ورنہ تم ساہیرا تو اندھیروں میں

ماہنامہ پاکیزہ 176 جون 2016ء

روشنیاں نکھیرے.....“ اماں کا تحریمی انداز اس کا سر جھکا گیا تھا۔ ہر ایک کی باطنی نگاہ ایسی شفاف نہیں ہوتی جو کھرے کھوٹے کی پہچان کر سکے، وہ اماں کو بتا نہیں سکتی تھی..... ان کا بیٹا ظاہری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اپنے ماں، باپ جیسی نظر اس کے پاس نہیں۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا اماں.....! نہ بھی ہوا تو میں آپ کی بیٹی بن کر ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی۔ آپ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گی.....“ اس نے اماں کے ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھوں میں دبا لیے تھے۔ اماں ابدیدہ ہو گئیں۔

”جیتی رہو میری بیٹی اسدا سہاگن رہو..... ہمیشہ ہادی کے ساتھ ہنسی ہنسی نظر آؤ..... میں تمہیں ہمیشہ آباد اور خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ ایسی سوئی اور ویران نہیں..... وہ دن نہ جانے کب آئے گا؟ جب ہادی کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوگا.....“ اماں کا آرزو کی اور رنجیدگی سے برا حال تھا..... وہ خود کو اسما کا گنہگار سمجھتی تھیں حالانکہ وہ دونوں بالکل اس معاملے میں بے قصور تھے۔ اب اسما انہیں کیا بتاتی؟ شاید ہادی بھی اتنا قصور وار نہیں تھا۔ یہ تو اسما کو اس کے اپنوں نے دوستی کے نام پر لوٹا تھا۔ وہ اماں کو گلناز کی کیننگی بھری داستان بتا نہیں سکتی تھی۔ اگر ہادی نے اماں، بابا اور سب سے چھپا رکھا تھا تو وہ کیوں اپنا بھرم توڑ دیتی۔

”اسما! میری بیٹی! تم خود ہادی کو رام کرو..... اس کی بدگمانی کو ختم کرو..... بیویوں کے پاس سوتھیار ہوتے ہیں..... بیٹا! مرد کا دل موڑنا کوئی مشکل کام نہیں، سچا بنا کرو..... اس کے آگے پیچھے پھرا کرو.....“ وہ اپنی سادگی میں اسے مشورے دے رہی تھیں۔ اسما کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آگئی تھی۔ پھر اس نے اماں کا دل رکھنے کی خاطر سر ہلا دیا تھا۔ اب وہ انہیں کیا بتاتی.....؟ ان کا بیٹا اسے دیکھتا تک گوارا نہیں کرتا..... وہ سنگار کیا دیواروں کو دکھائے؟

”اچھا..... اب جا کر اسے دیکھو، جانے کیا ہوا؟ کھانا وغیرہ دوا سے.....“ اماں نے اسے احساس دلایا تو

ماہ رمضان کی فضیلت

- ☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھیجے ماہ رمضان کی پہلی رات میں اترے۔
- ☆ حضرت موسیٰؑ پر قورات 6 رمضان المبارک کو نازل ہوئی۔
- ☆ حضرت عیسیٰؑ پر انجیل 13 رمضان المبارک میں نازل ہوئی۔
- ☆ حضرت داؤدؑ پر زبور 18 رمضان المبارک میں نازل ہوئی۔
- ☆ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن پاک 27 رمضان میں نازل ہوا۔
- ☆ اس ماہ مبارک میں حضرت خدیجہ الکبریٰ کا وصال ہوا۔
- ☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شہادت ماہ رمضان میں ہوئی۔
- اس مہینے کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں جنگِ بدر اور فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔
- مرسلہ: ایمنہ عند لیب، سلا نوالی

عجیب کشکش کا فکر تھا۔

”اتنے دن ہو چکے ہیں..... میں نے تو سمجھا تھا کہ تمہیں کچھ عقل آگئی ہوگی مگر تم تو وہی لکیر کے فقیر..... بات کو جانے نہیں دے رہے..... شرم کرو کچھ..... ایک لڑکی کے جذبات اور دل کے ٹکڑے کرنے کا جرم کر رہے ہو..... اور اس کا صبر مت آزماؤ..... بہتر ہے، حالات ٹھیک کرو۔ اچھے بچوں کی طرح اپنی زندگی میں سیشل ہو جاؤ، خیالوں اور خوابوں سے نکل آؤ۔ تمہاری تو قسمت اچھی ہے..... اتنی قانع اور صابر بیوی ملی..... ورنہ کوئی اور ہوتی تو اپنی اس قدر تذلیل پہ تمہیں دن میں تارے دکھا دیتی اور پورے خاندان میں ہماری وہ بے عزتی ہوتی کہ حد نہیں..... اب بھی وقت ہے سنبھل جاؤ..... اسما بہت ناکس ہے۔ قابل قبول، اچھے انداز و گفتار والی سلیقہ مند، باادب، خوش ماہنامہ پلکیزہ 177 جون 2016ء

وہ گہری سانس کھینچ کر مرے، مرے قدم اٹھائی اپنے کمرے کی طرف آگئی تھی۔ دل پر بوجھ سائبانہ گیا تھا۔

☆☆☆

وہ اپنے کمرے میں آنے کے بجائے باہر نکل گیا تھا۔ سامنے ہی زیر تعمیر ایک مکان تھا۔ جس کے احاطے میں اینٹوں کے چبوترے بنے تھے۔ اینٹیں، ریت، بجری اور ساری بلڈنگ میٹریل سے بھری ہوئی، ہر طرف تعمیراتی لوازمات بکھرے تھے۔

اس وقت مزدور، مستری سب گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ وہ احاطے کی خاموشی میں کچھ وقت گزار سکتا تھا۔ ابھی وہ اینٹوں کے چبوترے پر بیٹھا ہی تھا۔ جب صائیم کی کال آگئی۔ اس کی وہی نصیحتیں تھیں۔ ساری پرانی باتیں، اس کا دل ٹوٹنے کا احساس..... اور جو ہادی کا دل ٹوٹا تھا؟ اس کی فکر کسی کو نہیں تھی..... اس کے جذباتوں کا جو مذاق اڑایا گیا تھا اس کا خیال کسی کو نہیں تھا۔ پھر اسی کے وہ نتیجے، جانے اس نے کن حالات میں کیے تھے۔

”میں آپ کو بہت کچھ بتانا چاہتی ہوں..... مگر مجھے لگتا ہے وقت ہمیں مہلت نہیں دے گا..... میرے دل پر بڑا بوجھ دھرا ہے۔ کیسے کہوں؟ کس طرح کہوں؟ بس اتنا جان جائیں، میرے اینٹوں نے ہم دونوں کے درمیان اونچی فصیلیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ میرے اینٹوں نے مجھے دھوکا دیا جو میرا نصیب بن کر آیا تھا اسے زبردستی میرے پھوپھا جی نے اپنی بیٹی کا نصیب بنا دیا.....“ آگے بھی بہت سی تفصیلات تھیں..... جن کا لب، لباب یہی تھا کہ اسما کے ساتھ پورا دھوکا کیا گیا تھا۔ اور اسما کو رستے سے ہٹا کر بابا کے دوست نے اپنی بیٹی کا نصیب چکا لیا تھا۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے۔ دھوکا وہی اور زبردستی سے گھر بنائے تو جاسکتے ہیں مگر بسائے نہیں جاسکتے۔

ہادی فی الحال اس بات پر کڑھ کر غصہ نہیں کھا رہا تھا۔ اس کی جھلاہٹ اور اشتعال کی وجہ کوئی اور تھی۔ ابھی صائیم نے جو باتیں کہی تھیں انہی کے تناظر میں وہ

Section

میرے ساتھ ہی نہیں ایک جذبیوں سے گندھی لڑکی کے کے ساتھ بھی برا کیا۔۔۔۔۔ وہ دھوکا دہی سے میری زندگی میں آئی ہے۔۔۔۔۔ میں اسے کبھی قبول نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ وہ خود کو اپنے ارادوں میں قائم کر رہا تھا۔ وہ ایک عجیب کشش میں مبتلا تھا، دل اور بات کرتا۔۔۔۔۔ دماغ اور۔۔۔۔۔

”کیا پتا، اسما بے قصور ہو۔۔۔۔۔ ساری چال اس کے باپ نے چلی ہو، وہ مجرم نہ ہو۔“ دماغ اسے ایک نئی راہ دکھاتا تھا۔ دل کو کچھ اور کہتا۔۔۔۔۔ ضمیر کچھ اور کہتا۔۔۔۔۔ جذبات کچھ اور کہتے۔۔۔۔۔ اس کے اندر ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ ایک گہری کشش کی شاخیں اور جھاڑیاں بھری تھیں۔ وہ ان میں الجھ، الجھ جاتا۔

”سب کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اسما اچھی لڑکی ہے، کیا پتا، وہ اچھی ہو۔ میں سب کو اکیلا جھٹلا رہا ہوں، کون سا اسما کو آزمایا چکا ہوں۔ سب کہتے ہیں اسے ایک موقع دینا چاہیے؟ کیا اس کی گنجائش ہے؟“ وہ بری طرح الجھتا عجیب اذیت کا شکار تھا۔ اس کے اندر کچھ اور پکار اٹھ رہی تھی۔

”کیا میں اسما سے تعلق جوڑنے کا خواہش مند ہوں۔“ اس کے دل نے سوال اٹھایا تھا۔ اور ہادی کے اندر بالکل اسی طرح کی پکڑ دکھڑ ہونے لگی تھی جو کچھ دیر قبل اماں کے کمرے میں اسے بے قرار ہو کے باہر نکلنے پر مجبور کر چکی تھی۔ ایسی ہی گھبراہٹ، گڑبڑ، الجھ، دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر باہر آرہا تھا۔ اسے کیا ہو رہا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟

وہ تو اسما سے نفرت کرتا تھا۔۔۔۔۔ پھر وہ کیوں اس کے متاثرین میں شامل ہو رہا ہے؟ کیا وہ اس کی خوبیوں کا معترف ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ وہ خوبیاں جو ہر کوئی اس کے سامنے بڑھا چڑھا کر بیان کرتا؟ یا اس کی نرم روی کا؟ یا اس کی خوش اخلاقی کا؟ یا اس کے صبر و تحمل کا۔۔۔۔۔ یا اس کی قناعت کا؟ یا اپنے والدین کے ساتھ اس کا حسن اخلاق دیکھ کر۔۔۔۔۔ کیا وہ واقعی ایسی تھی اندر سے صاف شفاف؟ یا اپنی کسی چال کے تحت ڈھونگ رچا

خراج، تمہیں اور کیا چاہیے۔۔۔۔۔ ایک ہا کردار بیوی کے مل جانے پر بجائے شکر ادا کرنے کے تم الٹا ہنسنے رہے ہو۔۔۔۔۔ کیا تم خود کو لگی نہیں سمجھتے۔۔۔۔۔ تمہاری بیوی کی زندگی میں آنے والے تم پہلے مرد ہو جسے اس نے آخری بھی سمجھ لیا ہے۔ ورنہ جس طرح تم اسے منہ بھر، بھر کے دھکار چکے ہو وہ تم پر لعنت ڈال کر چلی جاتی۔“ صائم نے اس کی تفصیلاً کلاس لی تھی اور یہ صائم کی باتوں کا اثر تھا یا کچھ دیر پہلے ہونے والی الجھ کی شدت کا گہرا پڑتا احساس۔۔۔۔۔ اسما کی انگلی میں دھکی انگلی جو اس نے ابھی تک نہیں اتاری تھی۔ اس کی نرم، نرم آواز اور خوب صورت ہاتھ میں انگلی کا یوں ہوا احساس۔۔۔۔۔ پورے ڈیڑھ ماہ بعد پہلی مرتبہ اس نے اسما پر نگاہ ڈالی تھی گو کہ اس کا چہرہ نہیں دیکھا تھا تاہم اس کا وہ ہاتھ اور انگلی کی چمک ذہن و دل سے نکلنے لگا تھا صرخی۔ اسی لیے اس پر جھلاہٹ سوار ہو رہی تھی۔ وہ اس احساس سے بیچھا چھڑا نا۔۔۔۔۔ چاہتا تھا مگر ہر دفعہ منہ کی کھانی پڑی۔ یہ گہرا پڑتا کچھ یوں احساس اس کے دل و دماغ کو کھینچنے میں جکڑ رہا تھا۔

وہ خود پہ حیران تھا۔ اسما اسے آج اتنی بری کیوں نہیں لگی۔ اس کی سوچ یک لخت کیوں بدلی تھی۔ اندر تبدیلی کا احساس کیوں آیا تھا؟ وہ اسما کو متواتر کیوں سوچ رہا تھا؟ آخر یہ سب کیا ہو رہا تھا؟

”کیا میں اسما کی طرف مائل ہونا چاہتا ہوں؟ اس کے دھوکے، فراڈ اور منافقت کے باوجود۔۔۔۔۔؟“ اور صائم نے کہا تھا وہ دل سے اسما کے دھوکے، نفرت اور منافقت کو نکال کر چاہے بے دلی سے ہی کسی اگر ایک نظر اسما پر ڈالے گا تو یقیناً اس کے دل میں ایسا کوئی جذبہ ضرور پیدا ہوگا۔۔۔۔۔ جو بہتری کے آثار سامنے لاتا۔

”کیا صائم کی بات سچ ثابت ہو رہی ہے؟“ اس نے بے قراری سے سوچا۔

”نہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔۔۔۔۔“ وہ خود کو بے ساختہ جھٹلانے لگا۔

”وہ ایک بھوٹی اور مکار لڑکی ہے۔۔۔۔۔ اس نے

پن سے ٹھکے نہیں ہو رہے تھے۔ ان کا دل اس سے بھل گیا تھا۔

وہی اس جو ایک خاموش کردار تھی پر اب کیوں اتنی شدت کے ساتھ اپنے ہونے کا احساس دلا رہی تھی؟ آخر کیوں.....؟ ہادی کو تو اس کی پردا نہیں تھی وہ یہاں رہتی یا نہیں رہتی..... جہاں مرضی جاتی اس کی بلا سے۔ لیکن اب کیا ہوا تھا.....؟ کچھ انہونا؟ کچھ انوکھا.....؟

”نہیں..... مجھے اس کی ضرورت نہیں..... میں اتنا کمزور نہیں..... اس کے سامنے جھک جاؤں؟ اور اس کے قرب کی بھیک مانگوں.....؟ وہ مجھے کیا سمجھے گی؟ ایک لکس پرست انسان..... میں ایسا نہیں ہوں..... مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے بالکل بھی نہیں.....“ اس نے سر جھک کر ذرا بڑبڑا کر کہا تھا۔ وہ اپنے اندر ہونے والی کشش سے تنگ آ چکا تھا۔

”وہ مجھے کیا سمجھے گی؟ ایک لکس پرست انسان.....؟ وہ مجھ پر التفات نہجاور کرتی ہے اماں کے کہنے پر یا خود سے؟ کیا وہ چاہتی ہے میں اس کی طرف مائل ہو جاؤں، اسے توجہ دوں؟“ ہادی ہونٹ کانٹے ہوئے اب بھی بڑبڑا رہا تھا۔

”لیکن مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ اس نے جیسے آخری فیصلہ کر لیا تھا..... یوں اندر چھری جگ رکی تو نہیں تھی تاہم کم ضرور پڑ گئی تھی..... ابھی وہ اینٹوں سے اٹھنا چاہتا ہی تھا جب کسی نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھ کر دباؤ ڈالا تھا جیسے اسے اٹھنے سے روکا ہو..... جیسے ہی ہادی نے گردن گھما کر اپنے پیچھے دیکھا

چاہا وہ اپنی حیرت پر قابو نہیں پاسکا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو بھونچکا سا رہ گیا۔ اسے امید نہیں تھی وہ یہاں آ جائے گی۔ اس کے پیچھے اس کا کھڑی تھی۔ ہاتھ میں جیکٹ لیے۔ خود کو شال میں لپیٹے اور اس کے الفاظ ہادی کو سرتاپا فریز کر گئے تھے۔ یوں کہ ہڈیوں کے گودے میں اترتی شخصہ کا احساس تک نہیں رہا تھا۔

اس کی حیرت سے پھیلی آنکھیں اس کے الفاظ پہ

رہی تھی؟ اپنی اچھائی ثابت کر رہی تھی؟ خود کو اعلیٰ وارفع بنا کر پیش کر رہی تھی یعنی سستی ساوتری..... وہ شدید جھنجھلاہٹ میں پتھروں کو ٹھوکریں مارتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے غصے میں اپنے بال بوج لیے تھے۔

”کیا ہو گیا ہے مجھے؟ میں ایسا کچا تو نہیں تھا..... اگر اس کے ہاتھ خوب صورت ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میری غلط جہی میں پہنائی انگلی ابھی تک اس نے نہیں اتاری تو کیا ہوا؟ میرے دل میں اس کے لیے کوئی محبت کش نہیں..... قطعی نہیں..... ذرا بھی نہیں.....“ وہ خود کو بار بار یاد کر رہا تھا۔

”میں نے اس سے محبت نہیں کی تھی..... میری محبت کوئی اور تھی..... قسمت کی ستم ظریفی سے یا ان مکار لوگوں کی مکاریوں سے اگر کچھ الٹ ہوا ہے تو کیا ہوا..... وہ میرے دل سے نکل نہیں سکتی۔“ اس نے خود کو یقین دلایا لیکن کوئی تھا جو اندر بیٹھا اسے کچھ کے نگارہ تھا، اسے جھین دے رہا تھا۔ اس کی زیادتی کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ خود سے بھی بے بس ہو گیا..... دل چاہ رہا تھا ہر چیز کو جس جس کر دے..... یا اپنی کچھ عرصہ پرانی والی زندگی کو واپس لے آئے..... جس میں کوئی نظر، کوئی بے چینی کوئی بالکل نہیں تھی۔

وہ کتنے پُر سکون اور حرے سے بھرپور دن تھے۔ جب وہ اپنی اماں اور بابا کے ساتھ ہنستے کھیلتے وقت گزارتا تھا کبھی بھائیوں سے گپ شب لگائی..... کبھی اپنے جگری یا رگ ریز کی واٹ لگانے یا مسمرہ چلا جاتا اور کبھی پھولن دیوی کو ناک تک عاجز کر دیتا۔

یہی گھر تھا جس میں قہقہے اور ہنسی کی چھٹکار گونجا کرتی تھی..... مسرتوں کے دیے روشن ہوتے تھے۔ ہر وقت ایک گہما گہمی کا احساس رہتا پھر صائم اور فدا چلے جاتے تو ویسی بے رونق چھا جاتی تھی۔ کیا اب بھی ایسے حالات تھے؟ فدا اور صائم کے بعد گھر میں اتنی خاموشی اور تنہائی تھی۔ شاید نہیں.....؟ اب کچھ بدلا ہوا تھا۔

لیکن اس نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ہاں اب ضرور کر رہا تھا..... پہلے کی طرح اماں کو تنہائی اور اکیلے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

کچھ اور بچل گئی تھیں۔

کُن تھا۔۔۔۔۔ وہ بات کو طول دے رہا تھا یا طفر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سنبھال کر اسے دیکھا۔

”اس خوشی میں نہیں۔۔۔۔۔ پریشانی میں کہ آپ میرے شوہر ہیں۔۔۔۔۔ اتنی شحذ میں باہر بیٹھ کر اگلے چہائیں گے تو لازماً نمونیا ہو جائے گا۔“ اس کا جواب ہادی کو اچھا بھلا لٹانے پر جا لگا تھا۔ اس کی ساری طراری ہوا ہو گئی تھی۔ وہ جان تو چکا تھا اس کا بہت حاضر جواب ہے کچھ اس کے پیاروں نے بھی اسے اس کی چیدہ، چیدہ خوبیاں ازیر کر وادی تھیں سو حیران ہونا ترک کر کے وہ اس کا مزید سنانا چاہتا تھا۔

”تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔۔۔۔۔ مجھے نمونیا ہوا سرسام۔۔۔۔۔“ اس نے چیختے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

”فرق کیوں نہیں پڑتا۔۔۔۔۔ آپ بیمار ہوں گے تو لازمی طور پر روٹین ڈسٹرب ہوگی۔ آپ کی بیمار داری کرنا پڑے گی۔“ اس نے سہولت سے اسے بتایا۔ ہادی کی بھویں تن گئیں۔

”مجھے کوئی شوق نہیں تم سے بیمار داری کروانے کا۔۔۔۔۔“ اس کا لہجہ کڑا کے کا سرد تھا۔۔۔۔۔ اس کے لبوں پہ ایک بھر پور تبسم اتر آیا۔

”آپ کو شوق نہ ہو مجھے تو شوق ہے ناں۔۔۔۔۔ اور میرا فرض بھی بنتا ہے۔ آپ کو اگر حقوق و فرائض کا علم نہیں۔ نادان، ناسمجھ، کم عقل، مضموم بچے ہیں تو کیا ہوا۔۔۔۔۔ میں تو اپنے فرائض کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی ہوں۔“ اس نے بڑے گہرے لہجے میں اسے اس کی ہر کوتاہی اور۔۔۔۔۔ بے پروائی کا احساس دلایا تھا اور جتنی طور پر وہ سمجھ بھی گیا تھا۔ تاہم تسلیم کرنا اس کی شان کے خلاف تھا۔

”یہ تمہاری، استادوی مجھ پر نہیں چلے گی۔۔۔۔۔“ اس نے کاٹ دار انداز میں جتایا۔۔۔۔۔ ”اپنے علم و فضل کا رعب۔۔۔۔۔ کسی اور پیڈالنا سمجھیں۔“

”کوئی اور کیوں۔۔۔۔۔؟ آپ کیوں نہیں۔۔۔۔۔ جب سائیں گے تو سنیں گے بھی۔۔۔۔۔ اتنا حوصلہ اور ہمت ضرور رکھا کریں۔“ وہ اسے دو لمحوں میں کیسی چوٹ مار گئی تھی۔ جب بات سمجھ میں آئی تو بلبلا اٹھا تھا۔

”آپ کو میری ضرورت نہیں ہے لیکن مجھے آپ کی ضرورت ہے ہادی۔۔۔۔۔“ اس کے الفاظ اس کی شخصیت جیسے نرم اور ملائم تھے۔۔۔۔۔ اور اس سرد موسم میں اس کے لفظوں کی نرمی اور گرمی حرارت کا کام دے رہی تھی۔ ہادی سے چند لمحے بولا ہی نہیں گیا۔۔۔۔۔ اس کی زبان جیسے رک گئی تھی یا لفظ بہت ہلکے پڑ گئے تھے۔ اسے امید ہی نہیں تھی۔ وہ اس جگہ ہادی کو تلاش کرتی کھنچ جائے گی۔

بہت دیر بعد قدرے سنبھل کر ہادی نے اس کا مخاطب کیا تھا۔۔۔۔۔ اس کی نگاہیں اس پر جم گئی تھیں شاید وہ شادی والی رات کے بعد اب اس کے چہرے کو اتنے غور سے اور قریب سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں اترتی تپش اس کا رخسار تیار ہی تھی۔ اور اتنی شدید شحذ کے باعث اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

”تم یہاں کیوں آئی ہو؟“ ہادی نے یہ مشکل اپنی نگاہوں کو اس کے چہرے سے ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنا چاہا۔۔۔۔۔ وہ شکلا اتنی بڑی نہیں تھی۔۔۔۔۔ قبول صورت ضرور تھی اگر وہ اس سے نظرت نہ کرتا ہوتا تو۔۔۔۔۔؟ بظاہر وہ اچھی تھی۔۔۔۔۔ قابل قبول۔۔۔۔۔ ہادی اسے قبول کر سکتا تھا۔ اپنے ماں، باپ کی پسند سمجھ کر۔۔۔۔۔ اگر کچ میں وہ سارا سلسلہ نہ ہوتا۔

”آپ کو یہ جیکٹ دینے۔۔۔۔۔ بغیر گرم سوئٹر کے باہر نکل آئے تھے۔ اماں کو بہت پریشانی ہو رہی تھی۔“ اس نے نرم آواز میں جیسے وضاحت کی تھی۔ ہادی ایک بھوں اچکا کر جیسے چو لگا تھا۔

”صرف اماں کو پریشانی ہو رہی تھی؟“ ہادی کے لہجے میں اچانک تبدیلی در آئی۔ اس کا سوال اس کا بھی چو لگا گیا تھا۔ وہ اس کے لبوں سے کیا سنانا چاہتا تھا؟

”نہیں، مجھے بھی۔۔۔۔۔“ اس کے جواب نے ہادی کی جھلکی انا کو خاصی تسکین پہنچائی تھی۔ اس کے لبوں پر ایک نیکسا سا تبسم ابھر آیا تھا۔

”کس خوشی میں۔۔۔۔۔؟“ اس کا اگلا سوال حیران

میں..... یہ آپ کا معاملہ ہے۔ میں اپنے معاملوں میں کلیئر ہوں۔ ایک دم لیٹر..... آپ اپنی سوچ کے مطابق جو مرضی کہہ گئیں..... اس کا جواب سن کر ہادی اپنے آئے میں نہیں رہا تھا۔

”یعنی تم مجھے گھشیا اور بچ سوچ رکھنے والا کہہ رہی ہو؟“ ہادی کی آواز مارے غصے کے جھرجھرائی تھی۔ اس نے پھر سے محل کا مظاہرہ کیا۔

”میں نے یہ کب کہا ہے؟“

”تمہاری بات کا مطلب تو یہی تھا.....“ وہ جیسے غرا کر بولا۔

”مطلب تو بہت سی باتوں کے بہت سے نکتے

ہیں۔ غور کرنے پہ بیٹھے تو زندگی گزر جائے گی.....“ اس کا انداز نامحاذ تھا۔ ہادی اس کی نرمی پا کر حریفہ سل پا نہیں ہو سکا تھا۔ ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کچھ اور بھڑاس نکل جاتی۔ تھوڑا دل میں گھساخصہ کم پڑ جاتا۔

پھر اس نے جان بوجھ کر بات گھمائی۔

”تم میرا چچا کیوں کر رہی ہو؟“ کچھ دیر بعد

اسے اعتراض کے لیے ایک کھٹل ہی گیا تھا۔ اس نے

گہری سانس کھینچ کر اس کا اعتراض قبول کیا۔

”اس لیے کہ آپ پہ نظر رکھنا میرا فرض ہے۔“

اب کے اسالٹا سا سکرانی بھی تھی۔

”تاکہ آپ کی ٹانگا جھانکیاں میری نگاہ میں

رہیں۔“ اس نے جملہ مکمل کر دیا تھا۔

اب وہ ہادی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جس کا گورا

رنگ کچھ سردی کی شدت اور کچھ غصے کی گرمی سے تپ

رہا تھا۔ اس کے جواب نے اسے خوب تھمایا تھا۔

”تمہارے اور کون، کون سے فرائض ہیں؟ مجھے

ایک ہی دفعہ بتا دو..... تاکہ میں غلط نہ ہو سکوں۔“ وہ کلس

کر بولا۔

”کیسی چالاک لڑکی ہے، مجال ہے جو ہار

جائے..... دو بدو بولے جارہی ہے۔ ذرا بھی لحاظ اور

مروت نہیں۔ منہ پھاڑ کے شوہر کو جواب دے رہی

ہے..... اور اماں بتا رہی تھیں کہ کم گو ہے، بولتی نہیں.....

ماہنامہ پبلیکیزہ 181 جون 2016ء

”تم مجھے ”لکار“ رہی ہو؟“ مارے غصے اور

اشتعال کے اس نے اس کا بازو دبوچ لیا تھا۔ یوں کہ

اسا اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ وہ پتھر ملی بھری پر

لو کھڑا کر گرنے لگی۔ ہادی بے ساختہ چوٹکا پھرا سے غیر

دانستگی میں سہارا دینا پڑا..... یوں کہ اس کی ہانپوں

کے صدار میں تھی..... یہ اچانک آنے والی پھوٹیشن

تھی..... جس نے دونوں کو ہی بوکھلا دیا تھا۔ اس اپنی

جگہ شرمندہ تھی اور ہادی اپنی جگہ شرمندہ..... حالانکہ اس

میں حرج ہی کیا تھا.....؟ کون سا گناہ ہو گیا تھا اس کو

سہارا دے کر..... لیکن ہادی کی جھلاہٹ اور غفلت کم نہ

ہوئی۔ وہ خواہ مخواہ اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

”تم یوں اوجھے جھکنڈوں سے میرے نزدیک

آنے کی کوشش نہ کرو.....“ ہادی کے اگلے الفاظ اس کو

مارے تذلیل کے لال کر گئے تھے..... وہ بہ مشکل

سنبھل کر سیدھی ہوئی۔

”میں نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔“ اس نے

ہونٹ چہاتے ہوئے پلٹیں جھکا کر کہا۔ ابھی تک دل قابو

میں نہیں تھا گو کہ حادثہ گزرے دو منٹ تو ہو چکے تھے۔

”وہ تو میں دیکھ ہی چکا ہوں۔“ ہادی کا انداز گہرا

کاٹ دار تھا..... ”میرے لیے کھانے بتاتی ہو، کپڑے

تیار کرتی ہو..... ہر چیز کا خیال رکھتی ہو تاکہ میں نرم

پڑ جاؤں، تم پر التفات کی بارش کر دوں، تمہاری طرف

ماں ہو جاؤں۔ تمہیں سی سادری تسلیم کر لوں..... لیکن

ایک بات سن لو..... مجھ سے توجہ اور التفات کی

برسات کے متعلق توقع تو اپنے وہم و گمان میں بھی مت

رکھنا..... میں ہارش تو کیا بوند تک کا تمہیں حق دار

نہیں سمجھتا.....“ ہادی کے الفاظ مارے توہین و تذلیل

کے اسے لہو رنگ کر گئے تھے۔ اس کی ٹانگ لال انگارہ

ہو گئی تھی۔ اور شدت ضبط سے گال تپ اٹھے تھے۔ پھر

بھی اس نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

”آپ کا خیال رکھنا میرا فرض ہے۔ میں اپنے

فرائض سے کوتاہی کیوں کروں.....؟ کیوں گنہگار

ہوں؟ آپ اپنے حقوق سے بے شک اعراض

پھر کتا جواب دے؟ جس سے اس کی بولتی بند ہو سکے۔
 ”میں خود بھی بڑا گرم ہوں..... چاہے تو آزما
 سکتی ہو۔“ ہادی کا انداز معنی خیز ہو گیا تھا۔ اس نے
 آنکھوں میں ڈھیر سارا طغی بھر کے اسے بغور دیکھا
 تھا..... وہ اس کے دیکھنے اور بولنے پر شدید گھبراہٹ کا
 شکار ہوئی تھی۔ ایک لمحے کے لیے گڑبڑ ابھی گئی تھی پھر
 اس نے خود پر قابو پالیا لیکن اس کا لہجہ اب ہموار
 نہیں تھا۔ ہادی کو بڑا ہی حیران آیا۔ یعنی اس کے لفظوں
 نے اسما کو بولکھلانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کا اعتماد
 ڈالنا ڈول ہوا تھا۔ ہادی کو بڑی کامیابی کا احساس
 ہوا۔ یعنی وہ آئندہ بھی ایسی صورت حال کڑی ایٹ کر
 کے اسما کے اعتماد کی بنیادوں کو ہلا سکتا تھا۔

وہ اسما کو زوج کر سکتا تھا۔ اسے باتوں کے تیروں
 سے زیر کر کے میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور کر سکتا تھا؟
 ہاں وہ ایسا کر سکتا تھا۔ جب اسما خود بخود اس سے
 تنگ آ کر اس پر لعنت بھیج کر واپس چلی جاتی..... وہ
 اماں اور بابا کے سامنے مظلوم بن کر سرخرو ہو جاتا.....
 اس کے بعد ہادی کی من پسند زندگی کا آغاز ہو جاتا۔ کتنا
 زبردست خیال اس بریلے موسم میں آیا تھا۔
 وہ گھر جاتے ہوئے پہلی مرتبہ اتنے عرصے بعد
 ایک ترمک اور ایک تازگی محسوس کر رہا تھا اور ان دونوں
 کو ساتھ ساتھ اندر آتے دیکھ کر اماں اور بابا مارے
 خوش فہمیوں کے خوشی سے نہال ہو رہے تھے۔

کہتے ہیں پتھر میں بھی چونک لگ
 جاتی ہے اور قطرہ قطرہ پانی پڑنے
 سے پتھر میں بھی سوراخ ہو جاتا ہے
 تو ہادی کا دل تو پھر بھی گوشت
 پوست کا تھا..... کیا اسما کے لیے اس
 کے دل میں نرم گرم جذبات سر ابھار
 رہے تھے یا وہ کچھ اور ہی منصوبہ
 بندی کر رہا تھا..... ہادی کے دل کا
 اصل حال جاننے کے لیے پڑھیے
 جولائی کا عید نمبر

اب اماں یہاں آ کر دیکھیں..... کم گو بہو کے جوہر اتنی
 لمبی زبان ہے۔ شیطان کی آنت سی..... اتنا باطمینانی
 ہے۔ سارے زمانے کی عالم فاضل..... اتنا پتا نہیں
 شوہر کو اتنا بھی پتا تھے نہیں..... اگر وہ بچ میں پٹ جائے
 تو..... لاجول ولاقوہ..... یہ میں کیا خود کو شوہر، شوہر کا
 خطاب دے رہا ہوں۔ حد ہے یا را میں نہیں ہوں اس
 زبان وراز، فراڈن، مکارن کا شوہر.....“ وہ چلبلا تا ہوا
 بچ و تاب کھا رہا تھا۔

”فرائض کی حقیقت آہستہ آہستہ کھل کر سامنے
 آئے گی۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ ابھی تو آغاز سفر
 ہے..... پچاس ساٹھ سال تو ہمیں اکٹھے رہنا ہی
 ہے.....“ اسما نے مسکرا کر جیکٹ اپنے دائیں بازو پر
 تنخل کر لی تھی کیونکہ ہادی نے جیکٹ پہننے سے انکار
 کر دیا تھا..... وہی ذاتی اتنا کی بنیاد پر کہ ناگ نچی ہوتی
 تھی..... اور ابھی صرف ایک شریٹ پہن کے کھڑا تھا جو
 اتنے سرد موسم میں بہت نا کافی تھی۔

اسما کو شدید شخٹک کا احساس ہو رہا تھا گو کہ اس
 نے گرم سویٹر اور شال بھی اوڑھ رکھی تھی۔ پھر بھی شخٹ
 ہڈیوں میں گھس رہی تھی اور اس نے کمال بے تکلفی سے
 جیکٹ کو بازو سے اتارا اور شال ہٹا کر خود پہن لی۔

وہ آنکھیں پھاڑے ہیں، ہیں کرتا اس کی.....
 کلدولی دیکھ رہا تھا۔ جب اسما نے جیکٹ پہن کر پب بند کی
 تو ہادی تڑخ کر رہ گیا۔

”یہ تو جوتوں سمیت آنکھوں میں گھسی ہے۔ ایسی
 ویدہ دلیری.....؟ اور ابھی میری فکر کا راگ الاپ رہی
 تھی۔ یہی فکر تھی کیا؟ صرف ایک مرتبہ کہا کہ ”جیکٹ پہن
 لو“ میں نے انکار کیا تو خود پہن لی..... حد ہے.....“ وہ
 شدید سنگن کا شکار دل میں سوچے جا رہا تھا۔

”آپ کی جیکٹ بہت گرم ہے۔ بڑا سکون
 آیا.....“ اب وہ جان بوجھ کر اسے جلانے کی غرض سے
 جیکٹ کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے
 ملا رہی تھی۔

ہادی لمحہ بھر کے لیے سوچتا رہا۔ اسے کون سا

درگاہ کے چار دیوے جلا کر پانچواں ہتھیلی پر رکھ کر
جلایا اور آنکھیں بند کر کے اس نے اگر بتی کی جھک کو
اپنے اندر اترتا محسوس کیا پھر جیسے آ کی تھی ویسے ہی
اٹنے قدموں درگاہ سے باہر نکلی..... اور میڑھیاں بھی
اتر گئی۔ درگاہ کے اندر جو شخص تک تھی، باہر تو اس کا
شائبہ بھی نہیں تھا۔ صبح دوپہر میں جہاں اس کے قدم
پڑ رہے تھے۔ تہی زمین تھی۔ اس کے قدم خود بخود
درگاہ میں رکھے مٹی کے منکوں کی جانب بڑھ گئے۔

پانچواں کی دیا

طیبہ عصفہ معرسل

Downloaded From
Paksociety.com

مکے میں سے پانی پیا لے میں بھرا اور مٹی کے پالے میں بھرا ہوا پانی غٹا غٹ پی گئی پہلے گھونٹ سے ہی لگا جسے اندر تک سکون اتر گیا ہو۔ طمانیت سے مٹی نے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

”جنگم صاحبہ جوس بی لیں۔“ ملازمہ کی آواز پر حرنہ شاہ نے ٹھکی، ٹھکی آنکھیں کھولیں۔ ”پہر آسائیں کرا“ اسے ی کی بے انتہا شطرت، اس کے وجود پہ پھیلا ہوا کھیل..... اس نے ایک نظر کمرے پر ڈالی اور ملازمہ کو باہر جانے کا اشارہ کیا اور جوس کا گلاس لبوں سے لگایا۔ پہلا، دوسرا، تیسرے گھونٹ کے ساتھ ہی اس کے اندر کڑواہٹ گھل گئی۔ گلاس واپس رکھ کر ایک دفعہ پھر اس نے ہزاری سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆☆

”مٹی تو پانی میں اپنی ٹانگیں نہ ڈالا کر۔“ پروین نے جھگی سے کہا۔

”مگر کیوں؟“ مٹی نے جھگی سے اسے دیکھا۔ ”میری پہلی ٹانگوں کے ساتھ حیری گوری پنڈلیاں دھرتی ہیں مجھے۔“ اس کی بات پر مٹی نے زور سے ہتھ لگایا اور اچھل کر کھڑی ہوئی۔ ایسا کرنے سے اس کی لمبی چوٹی کے برائے کے ٹکڑے رنج اٹھے۔ اور یہی وہ لمحہ تھا کہ جب مٹی بے خبر تھی کہ اس کے ٹکڑوں کا ٹکڑا اور کے دل کے تار بھی پیچھے بٹھا ہے۔ اور وہ سوچ رہا ہے کہ ہنسی زیادہ سُر ملی تھی یا ٹکڑوں کی آواز.....

☆☆☆

”مٹی ادھی! اماں لگا تارا آواز دے رہی تھیں مگر اس کا دھیان وہاں ہوتا ہے نا۔۔۔۔۔ وہ تو اس وقت درگاہ میں جھاڑو لگانے میں مگن تھی۔ اماں نے سر پر پہنچ کر جھاڑو چھینا تو ہوش آیا۔“

”کتنی بار بولا ہے اس وقت درگاہ پر نہ آیا کر پرتو ہے کہ۔۔۔۔۔“

”اماں میری پیاری اماں کل تو مجھے چلے جانا ہے تو سوچا کہ آج درگاہ کی صفائی کر دوں۔“ وہ اماں کو پیار

مہنامہ پاکیزہ 184 جون 2016ء

PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

سے دیکھتے ہوئے بولی۔

”اچھا چل حیرا ابا انتظار کر رہا ہے۔ کھلی ہے بالکل.....“ وہ ہر بار ابا ہی کی سائیکل پر اڑے تک آتی تھی اور بڑی سڑک سے بس پکڑ کر شہر چلی جاتی تھی۔

☆☆☆

حرنہ شاہ کو آج بڑے اسپتال چیک اپ کو جانا تھا۔ بی بی جان نے ڈرائیور کو کہہ دیا تھا کہ گاڑی میں پردے کا خاص انتظام کر دے۔ حرنہ جب بڑی والی چادر میں اپنے وجود کو چھپائے باہر آئی تو بہت ساری نظریں اس کو اپنی طرف اٹھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ لیکن اسے کسی چیز سے کوئی غرض نہیں تھی، اس کی ہزاری عروج پر تھی۔ وہ کسی بھی نظر کا مضموم جانچے بغیر بی بی جان کے پیچھے دالان سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

”ابا آخر تم ہی سائیکل کیوں نہیں لے لیتے۔۔۔۔۔“ ہر بار کی طرح اس بار بھی سائیکل آدھے راستے میں بے دم ہو گئی تھی۔ مٹی نے آج دالان کا سوٹ پہنا تھا جو پسینے میں بیگ گیا تھا۔ وہ دوپٹے سے اپنا منہ پونچھ رہی تھی کہ اسے میں حویلی کی پر اڈوان کے پاس آ کر رک گئی۔ مٹی جلدی سے ابا کے قریب ہو گئی۔ گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا اور کسی نے اپنی گھبر آواز میں ابا کو پکارا۔ ابا نے اسے بتایا کہ مرشد سائیں ہیں اور خود ان سے بات کرنے لگے۔ ابا نے تھوڑی دیر ان سے بات کی اور پھر کھیتوں میں کام کرتے جن کو اپنی سائیکل دے دی کہ اسے گھر پہنچا دے۔ اور مٹی کو گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ مٹی جھجکتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی میں بیٹھ کر مٹی کو اندازہ ہوا کہ یہ مہربانی چھوٹے مرشد سائیں کی تھی پھر گاڑی میں بیٹھ کر وہ اپنے خیالوں میں کھو گئی اور اس کو اندازہ بھی نہ ہوا کہ وہ تو بے دھیانی میں کھڑکی سے باہر دیکھ رہی ہے مگر کسی کی نظریں اس کی ٹھنڈی بالی لٹوں میں ابھی سارا راستہ اس کے چہرے کا طواف کرتی رہیں۔

☆☆☆

بیس بیسلی

وہ اکثر مجھ سے کہتا ہے

سنو جاناں.....

یہ گہری آنکھیں

یہ کھو چکی ہنسی

ان کا راز بتاؤ ناں

کچھ ٹوٹا کیا؟

کچھ کھو یا کیا؟

تو میں.....

میں ہر بات پر ہنس دیتی ہوں

کچھ نہیں کھو یا

بس صرف چند خواب.....

کچھ نہیں ٹوٹا

بس صرف دل.....

نہ جانے کیوں

میں بس اتنا ہی کہہ پاتی ہوں

اس سے آگے لفظ نہیں ملتے

اور

پھر

رہا ٹوٹ جاتا ہے.....

کلام: صائمہ قریشی، یو کے

”زونی، تم یہ اتنا گند کیوں پھیلاتی ہو روم میں،
میں کسی دن واقعی اپنا روم بدل لوں گی۔“ مریم اس کی
چیزیں سیٹھتے ہوئے بولے جا رہی تھی اور وہ ڈھیٹ بنی
عرے سے ٹانگیں پھیلا کے لپٹی ہوئی تھی۔ تنگ آ کر مریم
نے کتاب اس کے سر پر ماری تو وہ ہنس پڑی۔

”سچ کہوں مریم تمہارے پیار نے مجھے بگاڑ دیا
ہے۔“ اور مریم بھی زور سے ہنس پڑی۔

مریم کراچی ہی کی رہنے والی تھی لیکن گھر میں
جوائنٹ کھلی کی وجہ سے اس نے ہاسٹل میں رہنے کو ترجیح
دی تھی کیونکہ گھر میں اس کو پڑھنے کا موقع ہی نہیں ملتا
تھا اور زونی کراچی سے دور رہائش کی وجہ سے ہاسٹل
میں رہنے پر مجبور تھی۔ چار سال سے وہ دونوں روم
میٹ تھیں۔ دونوں کی دوستی بے مثال تھی۔ مریم کی بی
اے کے بعد اپنے کزن کے ساتھ شادی طے ہو گئی جبکہ
زونی کو ابھی بہت آگے بڑھنا تھا۔

آج زونی کا پہلا پرچہ تھا۔ وہ جلدی، جلدی
چیزیں سمیٹ رہی تھی..... مریم کا آج بھی نہیں تھا وہ لمبی
ٹان کر سو رہی تھی۔ ابھی وہ چہرے پر سمیٹ کر نیچے اترنے
والی تھی کہ وارڈن نے اس کے کسی ملاقاتی کا بتایا۔ وہ
کاؤنٹر تک گئی کہ ملاقاتی کا نام معلوم کر سکے مگر
فصلہ..... (ریپیشنٹ) نے اسے ایک ڈائری بکڑائی۔
ڈائری اسی کی تھی مگر اسے بہت سوچنے پر بھی یاد نہیں آیا
کہ اس نے اس ڈائری کو کہاں کھو دیا تھا۔ پھر کو دیر
ہو رہی تھی سو وہ سر جھٹک کر باہر کی طرف چل دی۔ پھر
شروع ہونے میں ٹھوڑی دیر باقی تھی۔ نہ جانے اس
امتحان میں یا اس کی زندگی کے امتحان میں۔

☆☆☆

”مچی کے ابا آپ میری بات مان لیں۔ مچی کے
اتنے رشتے آتے ہیں۔ آپ مچی کی شادی کر دیں.....
مچی سوچتی ہو تو اس کی شادی اور بھی جلدی کر دینی چاہیے
اور وہ تو اکیسویں سال میں بھی لگ گئی ہے۔“

ابا حقے کی منہ میں دبائے سوچ رہے تھے کہ
بیوی کو کیا جواب دیں۔ کہہ تو وہ بھی ٹھیک رہی مگر وہ

اپنے بے ایمان دل کا کیا کرتے... وہ مچی کو استانی بنانا
چاہتے تھے۔ جب بیوی کے بارہ بار بلانے پر بھی
انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو آمنہ بی بی بڑبڑاتے
ہوئے باہر نکل گئی۔

اس بار مچی جب گھر واپس آئی تو بہت فراغت
تھی۔ خوب اماں سے لاڈ اٹھوائے۔ ابا کے پاؤں
دبائے، پردین سے دل بھر کے شہر کی باتیں کی اور وہ
دونوں سہیلیاں سارا دن کھیتوں کی سیر کرتیں اور پھر
درگاہ تو مچی ہی جہاں وہ پانچ دیے جلانے جاتی تھی۔
اس دن بھی وہ درگاہ پر دیے جلا کے آئی تھی اور

ملہنامہ پاکیزہ 185 جون 2018ء

READING
Section

ڈھلان اترتے ہی دور سے اسے مرشدوں کی گاڑی اپنے کچے کچے گھر کے سامنے کمزری نظر آئی۔

☆☆☆

”ارتضیٰ حیدر شاہ کیا تمہیں اس بات کا پتا نہیں کہ اس گھرانے کی روایات کیا ہیں۔ یہ بیروں کا گھرانہ ہے۔ ہماری شرافت و نجابت کا ایک زمانہ گواہ ہے اور تم..... جانتے ہو ہم سے کیا مانگ رہے ہو، اس گھرانے کے گدی نشین ہو کر تم یہ مانگ کرو گے؟“

جتنی شاہ نے اپنے بیٹے ارتضیٰ پر ایک نظر ڈالی۔

”بابا سائیں مجھے اپنے گھرانے کی ناموس کا پورا احساس ہے اور میں نے کچھ بھی ایسا نہیں کیا کہ جس سے ہمارے خاندان کی حرمت پہ حرف آئے۔ مجھے ایک لڑکی اچھی لگی اور میں نے آپ سے درخواست کی۔ اس بات کی اجازت تو میرا مذہب بھی دیتا ہے۔ بابا جانی آپ اسے میری زوجیت میں لے آئیں..... بس.....“

”لیکن کیا یہ اتنا ہی آسان ہے صاحبزادے کہ ہم ایک غیر ذات کی لڑکی کو اپنی تسلوں کی امانت داری سوئپ دیں۔ کیا وہ ہماری روایات کو سمجھ پائے گی؟“

”بابا جان وہ پڑھی لکھی ہے اور ویسے بھی ہمارے ہاں مرد کو تو اس کی اجازت ہے کہ وہ غیر ذات سے شادی کر لے۔ پھر بھی ہم نے فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا..... مگر ہماری خواہش اگر ادھوری رہی تو شاید ہم زندہ تو رہیں مگر اس سر زمین پر نہ رہ سکیں۔“ بابا جان نے ایک گہری تجزیہ کار نظر اپنے گھروں پر ڈالی اور انہیں لگا کہ ارتضیٰ شاہ فیصلہ تو دراصل کر چکا ہے۔

”ٹھیک ہے، ہم تمہاری بات مان بھی لیں تو کیا ہماری عزت و ناموس، شان و روایات کی پاسداری وہ لڑکی کرے گی۔ کیا اس کا ذمہ تم لیتے ہو ارتضیٰ؟“ جتنی شاہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

ارتضیٰ شاہ نے آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور وعدے کی پاسداری کا یقین دلایا۔

اماں کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے۔ وہ

درگاہ جس کی طرف کبھی پشت پھیر کر وہ لوگ بیڑھیاں نہ اترتے تھے، آج ان کی بیٹی کے لیے اسی درگاہ کے آنے والے گدی نشین کا رشتہ آیا تھا۔ بابا جو بھی کو بہت پڑھانا چاہتے تھے، وہ بھی مرشد جو خود چل کر آئے تھے ان کو کیسے نہ کرتے یہ مجرہ تھا۔ ان کی بیٹی اتنی مرادوں والی تھی تو وہ ناشکرے کیسے بنتے؟

اور آج وہ مریدوں، مرید نیوں کی کئی ہارات میں حویلی کی بیوی بن کر ارتضیٰ شاہ کے پہلو میں بیٹھ کر بابا کا گھر چھوڑ آئی تھی۔ کسی کو بھی اعتراض نہیں تھا کہ ہارات میں حویلی کی خواتین نہیں ہیں کیونکہ سب جانتے تھے کہ حویلی کی عورتیں باہر نہیں آتی ہیں اور اب وہ حرنہ جواماں، بابا کی مچی تھی، مریم کی زوئی تھی حویلی کی عورتوں میں شامل ہو گئی تھی۔

پہلی رات کے فسوں میں ارتضیٰ شاہ نے اسے بتایا کہ کب بھی کے پرائے کے ٹھکروؤں نے ان کے دل کے تاروں کو پھینچا تھا۔ اس دن وہ زمین کے دورے پر تھے اور اس کی بیٹی نے ان کے پاؤں باندھ دیے تھے۔ دوسری ہارت جب وہ گاڑی میں بیٹھ کر ہاسٹل جا رہی تھی تو اس کی بے نیازی نے انہیں اسیر کیا تھا۔ پھر اس کی ڈائری جو وہ اس دن ان کے ساتھ جاتے ہوئے پراڈوں میں بھول گئی تھی، اس نے انہیں بتایا تھا کہ وہ اماں کی مچی ہے۔ مریم کی زوئی ہے حنیفہ حرنہ عیاس ہے جواب ارتضیٰ حیدر شاہ کی حرنہ شاہ بن چکی تھی۔ ارتضیٰ کے پیار نے ایک رات میں اسے مچی اور زوئی سے حرنہ شاہ بنا دیا تھا۔

دوسرے دن ارتضیٰ کی مصیبتوں میں پور، پور بھتی حرنہ نے اپنی خواب گاہ کو دیکھا تو اسے لگا وہ زندگی میں ہی جنت میں آگئی ہے۔ جس کا اس نے سوچا بھی نہیں تھا وہ اچانک اس کی زندگی میں بچ بن کر آ گیا تھا۔

لیکن محبت کا یہ خمار اس وقت بھک سے اڑ گیا جب شادی کے تیسرے دن ملازمہ نے کمرے میں آکر اس کی اماں کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ اپنی اماں کے گلے لگنے کو بے تاب باہر بھاگی۔ دالان

نت نئے کرداروں کو الفاظ کے حسین
تالاب میں ڈھالتی پڑا اثر اور
حساس تحریروں کی حنائی
ماہنامہ پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی

مایہ ناز مصنفہ محترمہ

رفعت سراج

کے مشاق تسلیم کا ایک اور شاہکار ناول

عظیم شاعر مرزا اسد اللہ غالب

کی لازوال شاعری کے ایک

قطعہ سے مستعار لیا عنوان

..... یہ

کہاں بچیں

کہہ دل ہے

انشاء اللہ بہت جلد پاکیزہ کے
صفحات کی زینت بنے جارہا ہے

ماہنامہ پاکیزہ 187 جون 2016ء

میں سب رشتے دار خواتین جمع تھیں۔ وہ اماں کو
ڈھونڈنے لگی مگر یہ کیا اماں تو فرش پر بیٹھی تھیں اور
باقی سب اوپر..... وہ جلدی سے آگے بڑھی کہ اماں کو
کھلے لگائے لیکن بی بی جان کی سخت آواز نے اس کے
قدم روک لیے۔

”مرنہ بی بی اب تم اس حویلی کی بھو ہو.....
سیدوں سے نسبت ہے تمہاری اور تمہاری ماں ایک عام
عورت..... حویلی کی ہاتی بھو، بیٹیوں سے دگنی ڈتے
واری ہے تم پر ہماری روایات کو آگے بڑھانے والے
گدی تھیں کی تم بیوی ہو۔“

”پر بی بی جان اماں تو میری ماں ہیں۔“ وہ دھیمی
آواز میں بولی۔

”ہم نے تمہیں اپنی روایات کا بتا دیا ہے اور ہم
اس پر مزید بحث نہیں کریں گے۔ تم اب مرنہ شاہ ہو سکی
مت بھولنا۔“

مرنہ نے ایک بے بس نظر اماں پر ڈالی جو پہلے سے
والان کے دروازے پر پہنچ چکی تھیں۔ ایک آنسو بھری نظر
مرنہ پر ڈالی اور باہر نکل گئیں۔ اور ابا اس کے پیارے ابا
تو حویلی کی ان دیواروں سے بھی کہیں پرے اس کے لیے
ایک نامحرم کی طرح ہو گئے تھے۔ کیوں.....؟ کیونکہ وہ
اب مرنہ شاہ کی ماں مرنہ شاہ.....!

واپس اپنے کمرے کی طرف آتے اس کے قدم
بڑھ حال تھے۔ وہی کمرہ جو کل اس کو ایک جنت لگا تھا آج
کسی قید خانے کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ آنسوؤں کا ایک
ریلا تھا جو ختم نہیں رہا تھا۔ ارتضیٰ شاہ کمرے میں آئے تو
اسے یوں روٹا دیکر ان کے دل کو ٹھیس لگی۔ آگے بڑھ
کر اس کے آنسو صاف کیے اور ان کے بازوؤں کا
سہارا ملے ہی وہ ان کو سب بتاتی چلی گئی۔

”شاہ جی میں نہیں جی پاؤں گی، میں مر
جاؤں گی، اپنے اماں، ابا کے بغیر درگاہ کے دیوں کے
بغیر.....“ ارتضیٰ شاہ نے ایک لمبی سانس لی اور سر دلچے
میں جو کہا اس نے مرنہ کو ساکت کر دیا تھا۔

”مرنہ شاہ تم نے حویلی کے تمام اصولوں کے

مطابق باقی عورتوں کی طرح رہتا ہے، اس کا وعدہ میں بابا جان سے کر چکا ہوں۔ تم اب ایک عام عورت نہیں ہو۔ تم اب ارتضیٰ شاہ کی بیوی ہو، ہماری نسلوں کی امن۔ یہ کہہ کر وہ رکے نہیں باہر کی طرف بڑھ گئے۔

اور آج چار سال سے وہ اس خوب صورت جیل کی یکنین تھی۔ جہاں اس کے ایک حکم پر دس ملازمائیں ہاتھ ہاندے حاضر ہو جاتی تھیں۔ لیکن ان چار سالوں میں وہ دن بہت بھاری تھے جب اس کے اماں، ابا آگے پیچھے اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اسے کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ روئے کہ خوش ہو کہ گزرے چار سالوں میں پہلی بار ہماری پردوں والی گاڑی میں برقع اوڑھ کر وہ ماہی کی دلیز پر گئی تھی۔ لیکن وہاں اسے بھی بلانے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ ماں کی میت کے پاس دہائیں مار کر رونا چاہتی تھی مگر کیسے؟ وہ بھی نہ تھی۔ وہ حرنہ شاہ کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس گزرتے وقت میں اس کی گود میں ایک بیٹا ڈال دیا۔ مرتضیٰ حیدر کی پیدائش کے دوران اس کو دورے پڑنے لگے تھے۔ اس کو نہیں معلوم تھا کہ اللہ اس کو بیٹا دے گا یا بیٹی۔ لیکن بیٹی کے تصور کے ساتھ ہی اس کی نظروں کے سامنے ارتضیٰ کی بیوی بہن رقیہ خاتون آ جاتی تھیں جو سارا سارا دن خالی خالی آنکھوں میں وحشت لیے حوہی میں پکراتی رہتی تھیں۔ ان کی شادی نہیں ہو سکی تھی کیونکہ خاندان میں ان کے جوڑا کا کوئی نہیں تھا۔ اسے ڈر تھا کہ اس کی بیٹی بھی کہیں جوڑ نہ ہونے کے سبب رقیہ بی بی ہی نہیں بن جائے۔ لیکن اللہ نے جب اس کی گود میں مرتضیٰ کو ڈالا تو اس نے سکھ کی سانس لی۔ اور اب وہ ایک بار پھر امید سے تھی اور ایک بار پھر اس کی نمازیں اور سجدے طویل ہو گئے تھے۔ اسی دوران ارتضیٰ کے چھوٹے بھائی نے اپنے ہی خاندان میں پھوپھی کی بیٹی سے شادی کی خواہش کا اظہار کیا۔ بابا جان نے ہنسی خوشی دھوم دھام سے علی حیدر کی شادی کی اور اس کی شادی چونکہ خاندان کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے بابا جان نے علی حیدر کو اپنی بیوی کو بیرون ملک لے جانے کی بھی اجازت

دے دی۔

اس بار حرنہ کی گود میں بیٹی نے آنکھیں کھولیں لیکن حرنہ شاہ نے بیٹی کا سن کر اپنے حواس گم کر دیے۔ وہ شدید زروں پر یک ڈاؤن کا شکار ہو گئی تھی اور بہت دھاؤں کے بعد ارتضیٰ کو جب حرنہ واپس ملی تو ارتضیٰ حیدر ٹوٹ گئے۔

”یو لو حرنہ کون سا دکھ ہے یا کیا کی ہے جو تمہیں دیکھ کی طرح چاٹ رہی ہے۔ مجھے بتاؤ میں تمہیں کیا دوں؟“

تب حرنہ سوچنے لگی کہ شاہ جی سے بھی واپس مانگے یا زوئی۔۔۔۔۔ اہ۔۔۔۔۔ اماں اور کیا آئگن۔۔۔۔۔ درگاہ کا جھاڑو۔۔۔۔۔ یا نہر کا پانی۔۔۔۔۔ پانچھاں دیا۔۔۔۔۔ یا اپنی ذات۔۔۔۔۔ پردہ ہار گئی اپنی وفا کے آگے۔

اور اس دن حرنہ شاہ نے ارتضیٰ سے پہلی بار کچھ مانگا۔

”شاہ جی میری بیٹی میری وفا کو رقیہ خاتون نہ بننے دینا۔ بے شک اسے اپنی ذات سے باہر نہ بیاہنا مگر اس کے خاندان میں جوڑ نہ ہونے کی وجہ سے گھر نہ ٹھانا۔ آپ کو آپ کے مرتضیٰ کا واسطہ۔۔۔۔۔ آپ کو درگاہ کا واسطہ۔۔۔۔۔“ اور پہلی بار مرتضیٰ شاہ نے حرنہ سے وعدہ کیا۔ علی حیدر اپنی بیوی اور بیٹی کو لے کر لندن سدھار گیا تھا۔ اس وعدے کے ساتھ کہ وہ اپنی روایات کا خیال رکھے گا۔

وقت گزرتا گیا۔ حرنہ شاہ کی وقا زہرہ جوان ہو گئی۔ وعدے کے مطابق ارتضیٰ شاہ نے اپنی بیٹی احمد شاہ کے بیٹے جبران شاہ سے منسوب کر کے جلد ہی ان کی شادی کر دی۔ رواج کے مطابق دوسرے دن وقا زہرہ اپنے میکے آئی لیکن حرنہ کو وقا کی آنکھیں بھی درگاہ کی شام کی طرح لگیں۔ بیٹی سے اصرار کر کے پوچھا تو تب اسے پتا چلا کہ اس کی بیٹی کے نصیب میں رقیہ خاتون بننا ہی لکھا تھا۔ جبران شاہ دراصل آدھا ادھورا مرد تھا۔ لیکن وہ جبران صرف جبران نہیں تھا جبران شاہ تھا۔۔۔۔۔ اور آج رقیہ خاتون کی

قید یوں جیسی زندگی میں جیتے ہی مر جاتی۔ میری مجبوری کو سمجھیں۔ اب بھی وہ درگاہ پر رک گئی ہے کہ اسے درگاہ پہنچا دیا کرنا تھا۔“

”تم نے بے پردہ اسے درگاہ پہنچوڑ ڈالا اور وہ بھی تھا۔۔۔۔۔“ ارتضیٰ شاہ کا چہرہ جذبات سے سرخ ہو گیا۔ ”جاؤ اسے گھر لاؤ۔“

”سوری شاہ بھائی! آپ نے بھی تو ایک ایسی لڑکی سے شادی کی جس کی آدمی عمر بے پردگی میں گزری۔۔۔۔۔ حزنہ شاہ بھی تو پہلے ہی تھی اور میری بیٹی درگاہ میں اکیلی نہیں ہے، اس کے ساتھ اس کا بھائی خدا ہے اور عکس اب صرف عکس قاطرہ نہیں عکس قاطرہ ملک ہے۔ ملک عباس کی بہو ہے وہ۔“ یہ کہہ کر علی اپنے قدموں لوٹ گیا۔ وہ تو بہت کچھ کہہ گیا تھا لیکن حزنہ شاہ تو ابھی تک اس کے ان الفاظ میں الجھی تھی کہ ”حزنہ بھی تو کبھی تھی۔“ یہ سوچتے ہوئے حزنہ نے دیوار کا سہارا لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

ارتضیٰ نے نظر اٹھا کر حزنہ پر ڈالی اور وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئے کبھی نہ اٹھنے کے لیے۔

☆☆☆

کمرے میں اندھیرا بڑھ رہا تھا ملازمہ جس کا گلاس اٹھانے آئی تو حزنہ شاہ نے اسے پردے ہٹانے کو کہا۔۔۔۔۔ ملازمہ نے پردے ہٹائے تو باہر روشنی ابھی باقی تھی۔ حزنہ اپنے بستر سے اٹھی۔

”گٹاری تیار کرواؤ، آج مجھے درگاہ جانا ہے۔“ اس کے حکم پر ملازمہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ مرتضیٰ کو وہ پہلے ہی فون پر اجازت دے چکی تھی کہ وہ اپنی کلاس میٹ سے شادی کر لے۔۔۔۔۔ ارتضیٰ حیدر کے بعد اب اسے ہی سب کچھ سنبھالنا تھا۔۔۔۔۔ ہر فیصلہ کرنا تھا۔۔۔۔۔ کچھ فیصلے بھی بن کر اور کچھ فیصلے حزنہ شاہ بن کر۔

چار دیپے جل گئے تھے۔۔۔۔۔ پانچواں دیا وہ جلانے جا رہی تھی ہاں آج ”حزنہ شاہ بن کر۔۔۔۔۔“



ماہنامہ پاکیزہ 189 جون 2016ء

آنکھوں میں وحشت نہیں تھی۔ استہزا تھا حزنہ ان سے آنکھیں نہیں ملا پارہی تھی۔

حزنہ، وفا کو اپنے پاس ہی روکنا چاہتی تھی۔ ارتضیٰ سے احتجاج کیا تو مگر ارتضیٰ شاہ ایک بار پھر ہاپ نہ ثابت ہوئے صرف ایک گدی نشین ہی رہ گئے اور وفا کو حیران کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ کیونکہ اب تو مرتضیٰ حیدر کی بھی انا کا مسئلہ تھا۔ وفا کو واپس جانا تھا کیونکہ وہ وقار ہرہ شاہ تھی۔

☆☆☆

آج حویلی میں کافی الجھل تھی۔ وہ بھی بہت دنوں بعد بہت خوش ہو رہی تھی کہ آج علی حیدر شاہ برسوں بعد واپس حویلی آ رہا تھا۔ اور علی کی بیٹی عکس قاطرہ کو اس کی بہو بننا تھا۔

ان گزرتے سالوں میں بھتیجی حیدر تو اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور بی بی جان بستر سے جا لگی تھیں۔ بابا جان کے جانے سے پہلے وقت نے حزنہ کے لیے اتنی تبدیلی کی تھی کہ وہ بی بی جان کے ساتھ اسپتال جا پائی تھی۔۔۔۔۔ اور یہ کسی مجھڑے سے کم نہیں تھا۔ اب بھی وہ بی بی جان کو سوپ پلا رہی تھی کہ ایک دم ارتضیٰ شاہ کی اونچی آواز نے ہڑ بڑا دیا۔ وہ باہر کی طرف بھاگی۔ ارتضیٰ کو اتنے فیسے میں اس نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ارتضیٰ چھوٹے بھائی علی حیدر پر گرج رہے تھے۔

”تم نے ایسا سوچا بھی کیسے علی شاہ؟“ علی نے اپنا جھکاس اٹھایا اور دھیمی آواز میں بولا۔

”عکس قاطرہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ شاہ بھائی اور کوئی رسم، کوئی رواج میری بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا۔“

”لیکن تم بابا سائیں سے کیا ہوا وعدہ کیسے بھول گئے علی حیدر؟“ ارتضیٰ نے غصے سے کہا۔

”معاف کیجیے گا شاہ بھائی۔۔۔۔۔ مرے ہوئے لوگوں کے وعدوں پر میں اپنی جیتی جاگتی بیٹی کو کیسے سولی چڑھا دیتا۔ وہ آزاد ماحول میں پڑھی لکھی لڑکی برقع اور

اے عشق ترے ہیں کھیل عجیب

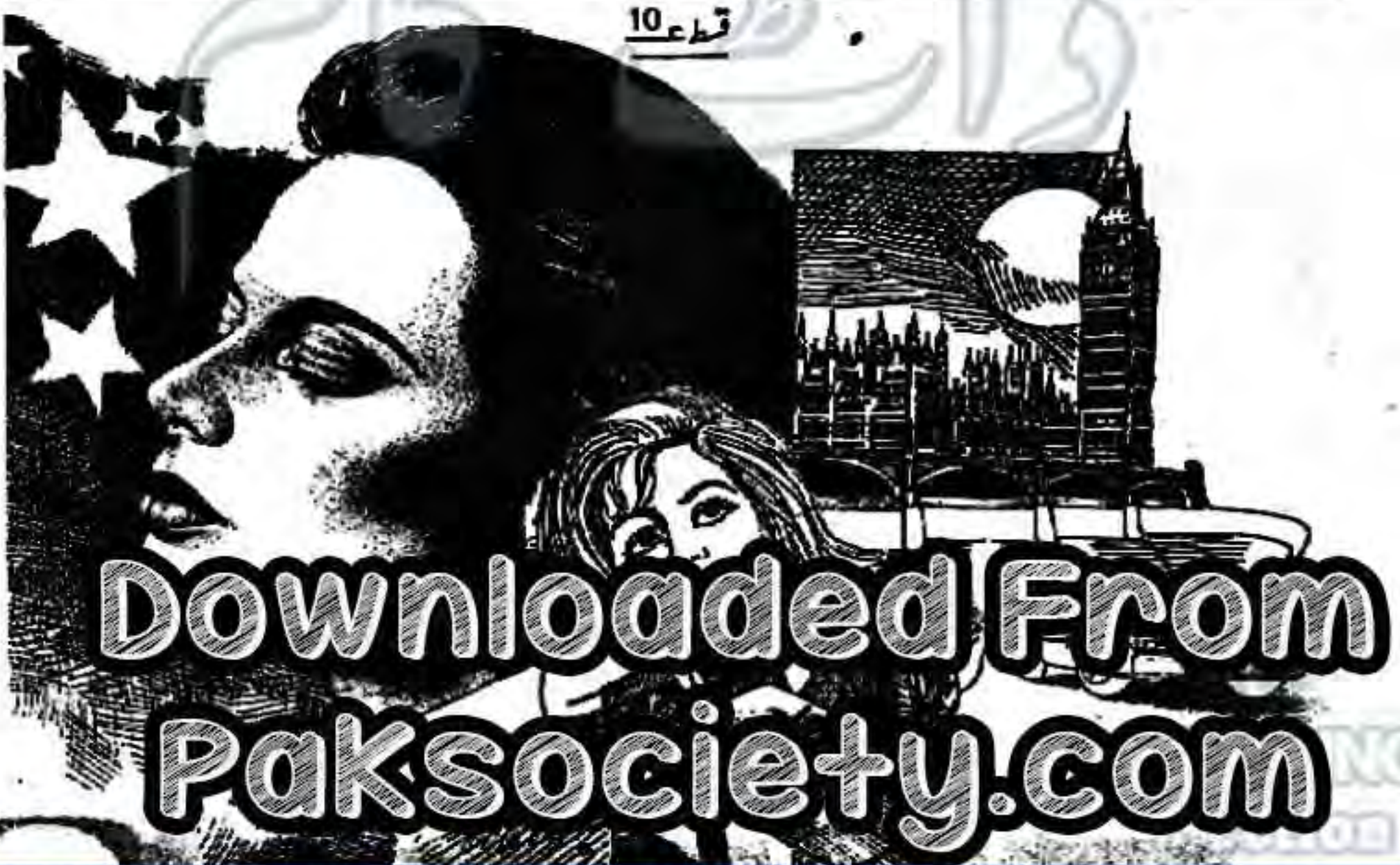
ڈراما بلال

وہ زخم دیتا گیا ہنر یوں بھی کرتا گیا
 دور اس کی نگاہوں سے منزل بھرتا گیا
 جادہ عشق میں جو بھی ڈرتا گیا
 رات پھولوں پہ شبنم برستی رہی گیا
 رنگ پھولوں کے رخ کا نکھرتا گیا

عشق، محبت، چاہت، پیار ایک جذبے کے کتنے اظہار... یہ جذبہ ہر کسی کے
 دل میں پنپ سکتا ہے بشرطیکہ دل کا ظرف وسیع اور خلوص کے موتیوں سے مرصع ہو،
 زہر نظر کہانی اسی جذبے کے اتار چڑھاؤ کو ہے۔ جذبات اثر کن انداز میں قاری کو ایک نئی
 سوچ سے روشناس کراتے ہوئے بڑھتی ہے۔

عشق کے آفاقی جذبے کو ایک نئے انداز میں بیان کرتی دلکش تحریر

قطع 10





READING
Section

گھر میں شادی کے ہنگاموں اور مہمانوں کی آمد نے نور منزل کے ملازمین سے لے کر گھر کے تمام افراد کو مصروف کر رکھا تھا۔

ڈاکٹر عمر، مناب کو ڈھونڈتے..... ایصال اور عتاب کے مشترکہ کمرے کا دروازہ ٹاک کر کے اندر داخل ہوئے تو ایصال کمرے کی دیوار پر پڑے ساز کی لگی اپنے مرحوم والدین کی تصویر کے سامنے کھڑی تھی۔
”تم یکسو کیڑی.....“ ڈاکٹر عمر نے گلا کھٹکھٹا دیا..... وہ ہلکی۔

”مناب کہاں ہے کافی دیر سے دکھائی نہیں دے رہی..... مجھے لگا وہ تمہارے ساتھ ہوگی؟“
”ابھی تھوڑی دیر پہلے تو میں نے اسے نیچے دیکھا تھا..... اپنی دے آپ کو کوئی کام ہے تو آپ مجھے بتادیں۔“
ایصال نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے ان سے پوچھا۔
”تم رورہی ہو؟“ وہ شکر اعجاز میں آگے بڑھے..... ان کے اس محبت بھرے اعجاز پر ایصال کی آنکھوں سے مزید آنسو بہنے لگے۔

”ایسا کیا ہوا.....؟ تم..... تم کیوں رورہی ہو؟“ وہ پریشانی کے عالم میں اس کے سر پر کھڑے پوچھ رہے تھے۔
ایصال دلوں ہاتھوں سے چہرہ چھپائے رو پڑی۔
”تم آن ایصال..... کچھ بتاؤ تو سہی۔“ ڈاکٹر عمر نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر چہرے سے ہٹائے۔
”مجھے ماما اور بابا کی بات بہت یاد آ رہی ہے.....“ اس کی آنکھوں سے ایک بار پھر آنسو بہنے لگے..... اس کے ہاتھ اب بھی ڈاکٹر عمر کے ہاتھوں میں تھے۔

”والدین کی یاد آنا یا انہیں یاد کر کے رونا..... یہ ایک فطری ساعمل ہے مگر جب تم ماموں اور ممانی کی مغفرت کے لیے اللہ کا کلام پڑھ کر اللہ سے دعا کرو گی تو ان کی روح کو بہت خوشی محسوس ہوگی۔“ ڈاکٹر عمر نے دھیرے سے اسے سمجھاتے ہوئے اس کے کندھے پر چھکی دی۔

”چلو شاہاش..... تم ایک بہادر لڑکی ہو، اب بزدلوں کی طرح رونا بند کرو..... اور دیکھو تم نے اپنا سارا میک اپ خراب کر لیا ہے.....“ ڈاکٹر عمر نے مسکراتے ہوئے قریب ہی ٹیبل پر رکھے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکال کر ایصال کی طرف بڑھائے۔
”کیا واقعی میرا میک اپ خراب ہو گیا ہے؟“ وہ پریشانی کے عالم میں جلدی سے ان کے ہاتھ سے ٹشو لیتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ڈاکٹر عمر اس کے ٹھکرے مسکرا دیے کہاں وہ روئے جا رہی تھی اور اب میک اپ کا سن کر پریشان ہو رہی تھی۔
”جی نہیں، اتنا زیادہ بھی نہیں ہوا..... بس تمہارا کاجل تھوڑا پھیل گیا ہے۔“ ڈاکٹر عمر نے اس کے ہاتھ سے ٹشو لے کر اس کے آنکھ کے نیچے پھیلے کاجل کو صاف کیا..... مگر اگلے ہی لمحے انہیں نہ جانے کیا احساس ہوا کہ انہوں نے ٹشو ایصال کے پکڑا دیا تھا..... ایصال پہلے تو حیران ہوئی پھر مسکرا کر اس نے ٹشو پکڑ لیا تھا۔

”اگ خدا یا..... یہ مجھے کیا ہو رہا ہے میں اس کی آنکھ کا پھیلا ہوا کاجل صاف کر رہا تھا..... میں خود؟ یہ کیسی اسٹوپڈ حرکت تھی میری؟“

”عمر بھائی آپ بہت اچھے ہیں..... میں نے آپ کو ہمیشہ غلط سمجھا۔“ ایصال اب آئینے کے سامنے کھڑی اپنے کاجل صاف کرتے ہوئے بولی تو ڈاکٹر عمر مسکرا دیے..... جیسے خود کو بزدلی مسکراتے پر مجبور کر رہے ہوں۔
”جن لوگوں کو ہم اکثر پتھر دل کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں انکے نیلی وہ اندر سے موم کی طرح ہوتے ہیں..... جلد بڑھ جانے والے..... پھل جانے والے اپنی دیر اب رونا مت..... you look good when you are happy“ ڈاکٹر عمر نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی ایک لمحے کے لیے مسکرائے اور پھر دروازے کی جانب بڑھ گئے۔

”آپ کو کافی ہنسی تھی؟“ عقب سے ایٹال نے پوچھا تو وہ دروازے میں رک کر پلٹے۔
 ”How do you know“ وہ حیرانی سے پوچھنے لگے۔ ایٹال مسکراتی ہوئی ان کے قریب آئی۔
 ”میں آپ کو اچھی طرح سے جان گئی ہوں۔ جب آپ مناب کو اس طرح ڈھونڈتے ہیں تو آپ کو اس کے ہاتھ
 کی کافی ہی ہنسی ہوتی ہے۔“

”ہاں، مجھے واقعی کافی ہی ہنسی تھی۔“ سینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ ایٹال کی ٹیٹس کوئی پر مسکرا دیے۔۔۔۔۔ بلیک
 سینٹ کوٹ میں چھ فٹ سے نکلنے قد میں ان کی ڈیسنٹ سی شخصیت میں عجیب سا حسوس ہو رہا تھا ایٹال کو۔۔۔۔۔ وہ ان
 سے آٹھ سال چھوٹی تھی۔ ڈاکٹر عمر کبھی اس کی گڈ بک میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یک دم نہ جانے ایسا کون سا حسوس پھونکا
 تھا انہوں نے کدو خود بخود ان کے قریب سے قریب ہو رہی تھی۔ وہ لاشعوری طور پر خود کو اس سانچے میں ڈھالتی جا رہی
 تھی جو انہیں پسند تھا۔ پہلے وہ ان کی شخصیت سے دور بھاگتی تھی اب ان کے آس پاس ان کے قریب رہنا اسے اچھا لگا
 تھا۔۔۔۔۔ اسے جن چیزوں سے نفرت تھی اب ڈاکٹر عمر کے لیے وہ انہی چیزوں میں دلچسپی لے رہی تھی۔

”اوکے، میں آپ کے لیے اچھی سی کافی بنواتی ہوں۔“ ایٹال ان کے قریب سے گزرتی اپنے کندھے سے
 اترتے دوپٹ کو درست کرتی باہر نکلنے لگی تو دروازے کے ہینڈل میں اس کے دوپٹے کا پلو ٹکالا۔ ان کے لبوں پر وہی سی مسکراہٹ رہ گئی تھی۔
 ”میںڈیکل کی فیلڈ کے ساتھ ساتھ آج کل ایک نئی ڈیوٹی نبھاتی پڑ رہی ہے مجھے۔“ سینے پر بازو لپیٹے وہ شریہ انداز میں بولے۔
 ”کیسی ڈیوٹی۔۔۔۔۔؟“ رخ موڑ کر دروازے میں کھڑی ایٹال حیران ہوئی۔

”تمہارے ادھر ادھر پھرنے دوپٹے کے پلو چھڑانے کی ڈیوٹی۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر عمر کا انداز کچھ ایسا تھا کدو جھینپ کر باہر
 نکل گئی۔ اس کے عارضہ ٹکلوں اور دل تیزی سے دھڑک رہا تھا تجلّت میں سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ اوپر آتی علیحدہ سے
 ٹھہرائی۔

”یار لگتا ہے تمہاری بریکس فیل ہو گئی ہیں۔“ علیہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا ایٹال کے چہرے پر بڑی
 دلچسپی سی مسکراہٹ تھی۔ اس کی نظر بے ساختہ سیڑھوں کے اوپر راہداری میں پڑی جہاں ڈاکٹر عمر کھڑے تھے اور وہ
 سیڑھوں کی جانب ہی آ رہے تھے۔

”آئی ایم شیور۔۔۔۔۔ تمہیں محبت ہو گئی ہے۔“ علیہ نے دعویٰ کیا۔
 ”شٹ اپ علیہ۔۔۔۔۔ ہر وقت فضول بکواس کرتی ہو تم۔“ ایٹال نے معنوی خفگی سے اسے ڈٹا۔
 ”تمہیں ہنڈرڈ پرسنٹ اپنی ناپسندیدہ شخصیت سے محبت ہو گئی ہے۔ تم نہ مانو تو وہ الگ بات ہے۔“ علیہ اس کے
 ساتھ کھڑی ہنوز دعوے پیدھوے کر رہی تھی۔

”اسٹاپ اٹ علیہ، آہستہ بولو اگر کسی نے سن لیا تو۔۔۔۔۔؟“ نی لیوی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ ایٹال نے بیش
 ہوتے ہوئے اس کے دعوے کو رد کیا۔۔۔۔۔ اور وہ دونوں چلتی ہوئی کچن کی طرف آئیں۔
 ”تمہاری بچپن کی دوست ہوں میں، جا کر آئینے میں اپنی شکل دیکھو تمہارے چہرے پر صاف لکھا ہے۔“ وہ اپنی
 رائے پر مصر تھی۔

”تمہیں عمر بھائی جیسے ریچھ، کھڑوس اور ہلا کو خان جیسے شخص سے محبت ہو گئی ہے۔“ علیہ اب بھی اپنی بات پر اور
 دعوے پیدھوے قائم تھی۔

”تمہیں تو بس فضول میں بکواس کرنے کی عادت ہے۔“ ایٹال نے خفگی سے اسے گھورا۔
 ”بکواس کرنے کی نہیں، سچ بولنے کی عادت ہے مجھے۔“ علیہ مسکرائی۔

ایشال نے علیہ کے دھوے کو تو جھٹا دیا تھا مگر اس کا دل ڈاکٹر عمر کی ذات تک رسائی کے لیے بے چین ہو رہا تھا۔

☆☆☆

بلیک لیوڈین پی سی کی ویلٹ پارکنگ میں رکی تو باوردی دربان نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ بلیک ویلٹ کی ڈیزائنز شیر وانی پر ریڈ کلاہ اور کامدار کھسا پہنے زارون چوہدری بڑی شان و شوکت سے باہر نکلا۔۔۔۔۔۔ فوٹو گرافر اور مووی میکرز دھڑا دھڑا تصویریں لے رہے تھے۔۔۔۔۔۔ داؤد چوہدری اور سمیرا بیگم کے ہمراہ مسکراتا ہوا زارون چوہدری ہال کی جانب بڑھا۔۔۔۔۔۔ جہاں چھتری کے سہارے کھڑی نور بیگم، ساجدہ بیگم، ڈاکٹر عمر، آقہم اور جنید کے ساتھ ساتھ دیگر مہمانوں نے برسات میں موجود تمام مہمانوں کو دیکھ کر کہا تھا۔۔۔۔۔۔ ریڈ کارپٹ پر چلتے ہوئے زارون، سمیرا بیگم کے ساتھ اسٹیج تک آیا۔۔۔۔۔۔ خوب صورت ڈیکوریٹ ہال اور دیو میٹک میوزک نے ماحول کو بہت خوب صورت بنا رکھا تھا۔۔۔۔۔۔ زارون اسٹیج پر آ کر بیٹھ گیا تو تھوڑی دیر کے بعد ریڈ کارپٹ کے نہایت خوب صورت کامدار اور قیمتی غرارے پر سیلو لیس شرٹ پہنے اسٹائش انداز میں دوپٹا لیے ماتھا پٹی لگائے، گلے اور کانوں میں قیمتی زیورات پہنے عتایہ ایک ہاتھ میں جوڑے کی میچنگ کا خوب صورت پاؤچ پکڑے دوسرا ہاتھ داؤد چوہدری کے بازو میں ڈالے تمکنت سے ریڈ کارپٹ پر چلتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی۔۔۔۔۔۔ جب وہ اسٹیج کے قریب آئی تو زارون نے اٹھ کر اس کی جانب اپنا ہاتھ بڑھایا تھا جسے تمام کر عتایہ مسکراتی ہوئی اسٹیج پر آ گئی تھی۔۔۔۔۔۔ زارون کے چہرے پہ گہری مسکراہٹ تھی وہ اس کا ہاتھ تمام کر صوفے کی جانب لے آیا تھا۔۔۔۔۔۔ جب وہ دونوں ایک ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے تو داؤد چوہدری اسٹیج کے ساتھ بنے خوب صورت ڈس پر آ کر مائیک پکڑ کر شستہ انگریزی میں تمام مہمانوں کی آمد پر ان کا شکریہ ادا کرنے لگے۔۔۔۔۔۔ نکاح چونکہ صبح ہی ہو چکا تھا۔۔۔۔۔۔ سو ہال میں موجود تمام وی آئی پی شخصیات کو نہایت شاندار منڈن دیا گیا۔

زارون اور عتایہ اسٹیج پر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے فوٹو گرافرز کو مختلف پوز دے رہے تھے۔ دونوں کے مشترک دوست احباب، ان کے سرکل کی فیملی وغیرہ کھانے کے بعد اسٹیج پر آ کر دونوں کو مبارک بادیں اور دعائیں دے رہے تھے۔ اسٹیج کے قریب کھڑی ایشال اور علیہ اپنے اپنے موبائلز سے عتایہ اور زارون کی تصویریں بناتے ہی تھیں۔

”یعنی کتنی خوب صورت لگ رہی ہیں۔۔۔۔۔۔“ ایشال نے اپنے ساتھ کھڑی علیہ سے کہا۔

”تم بھی تو دوسروں کے ہوش اڑانے کے لیے بہت حسین لگ رہی ہو۔“ ان دونوں کے صتب میں نہ جانے کب ارسل آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

علیہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔۔۔۔۔۔ جبکہ ایشال کو اس کی تعریف پر کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی۔

”تم ہمیشہ بوتل کے جن کی طرح ہی نازل ہوتے ہو۔“ ایشال کی بات پر وہ کھسا کر مسکرانے لگا۔

”اچھے خاصے پیئڈ سم بندے کو تم کن القابات سے نوازا رہی ہو۔۔۔۔۔۔ علیہ تم ہی اپنی فرینڈ کو کچھ سمجھاؤ ناں۔۔۔۔۔۔ تمہاری فرینڈ میری محبت کو بالکل بھی سیریس نہیں لے رہی ہے۔“ ارسل کی ریکوئسٹ پر علیہ نے کندھے اچکائے۔

”سوری، اس معاملے میں، میں تمہاری کوئی ہیلپ نہیں کر سکتی۔۔۔۔۔۔ تمہیں خود اس گیمبر معاملے کو ہینڈل کرنا پڑے گا۔“

”او کے تو صرف اپنی فرینڈ سے یہ پوچھ کر بتا دو کہ اپنی محبت کا یقین دلانے کے لیے مجھے ایسا کیا کرنا ہوگا کہ ہمارے بیچ یہ فاصلے کی دیوار گر جائے اور تمہاری فرینڈ کو میری محبت پر یقین آ جائے۔“ وہ امیدوار آس بھرے انداز میں ان دونوں کو ہی دیکھ رہا تھا اس سے پہلے کہ ایشال، ارسل کی بات کا جواب دیتی مناب غلط میں ان کے پاس آئی۔

”ایکسکوز می۔۔۔۔۔۔! یا تم دونوں یہاں کیا کر رہی ہو؟ دودھ پلائی کی رسم بھی تو کرنی ہے؟“

”کیا ابھی کرنی ہے؟“ ایشال کے پوچھنے پر مناب نے اثبات میں سر ہلایا۔

”ممائی کہہ رہی ہیں رسموں میں بہت تاخیر ویٹ ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ تو ظاہر ہے ابھی شروع کرتے ہیں۔“

کچھ مجازی خدا کے بارے میں

عورت، مرد کا اس دنیا کا سب سے پہلا رشتہ خاوند، بیوی کا ہی ہے اور پھر طوقانِ نوح سے اس دنیا کے ہر جامدار کا صرف یہی رشتہ بچا تھا۔ مرد دنیا میں دو بار تقسیم ہوتا ہے ایک بار جب اس کی ماں فوت ہوتی ہے اور دوسری بار اس وقت جب اس کے بچوں کی ماں فوت ہوتی ہے۔ خاوند پالنا اس قدر مشکل ہے کہ پوری دنیا میں ایک عورت بھی ایسی نہ ہوگی جس کے ایک وقت میں ایک سے زیادہ خاوند ہوں۔ جبکہ ہمارے یہاں تو ایک خاوند کو چار، چار بیویاں مل کر پالتی ہیں اور یہی نہیں خاوند پالنا وہ کام ہے کہ صرف یہی ایک کام عورت کر لے تو اسے جنت مل سکتی ہے۔ خاوند خود کو مجازی خدا سمجھتا ہے اسی لیے بیوی اس کی خاطر دن، رات ایک بھی کروے وہ پھر بھی کبھی ”شکر یہ“ نہیں کہتا کیونکہ خدا چاہے مجازی ہی کیوں نہ وہ یہ لفظ نہیں کہہ سکتا۔

بچے پالنے اور خاوند پالنے میں یہ فرق ہے کہ بچوں کو سمجھنا مشکل ہوتا ہے اور خاوند کو سمجھنا..... اچھا خاوند وہ ہوتا ہے جو وہ کہے جو بیوی سننا چاہتی ہے اور اچھی بیوی وہ ہوتی ہے جو وہ سنے جو خاوند نہیں کہنا چاہتا..... خاوند کی

مناب کی بات پر ایصال اور علینہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئیں۔ دودھ پلائی اور جتنا چھائی کی رسم میں خوب لمبی مذاق ہو گیا تھا زارون نے لڑکیوں کو منہ مانگے ٹیک دیے تھے رخصتی پر منایہ جب ایصال کے گلے ملی تو بے اختیار دونوں بہنوں کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ ویسے یہ تمام مرد حضرات نے بھی تھری پیس سوٹ پہن رکھے تھے اور سب نے کوٹ کی فرنٹ پاگٹ پر ریڈ گلاب کی گلی لگا رکھی تھی۔

آج ایصال نے نہایت خوب صورت بلیک گاؤن اسٹائل کا ڈریس پہن رکھا تھا۔ کھلے بالوں میں اس کا چاند سا چہرہ..... اور حسین سراپا ڈاکٹر عمر کی لگا ہوں کو بار بار اسے دیکھنے پر مجبور کر رہا تھا۔

نہ جانے یہ لڑکی کب، کیوں، اور کیسے ان کی ڈانٹ کھاتے، کھاتے اتنی اہمیت اختیار کر گئی تھی.....؟ کب اس نے چپکے سے کسی ماہر چور کی طرح ان کا دل چھالیا تھا؟ کب دھیرے سے اس احمق لڑکی نے ان کے ساتھ کا کوئی لمحہ اپنے نام کر لیا تھا.....؟ کب اس نے ان کی آنکھوں سے شکستہ خوابوں کو چھین کر ان کی آنکھوں کو حسین سپنوں کے راستے دکھا دیے تھے؟ ان کا دل تو ایک صحرا کی طرح تھا..... نہ جانے وہ لڑکی کب ساون بن کر ان کے غمزدل کو شاداب کر گئی تھی۔ ان کے دل کی خواہشیں تو ایک مدت سے سوئی ہوئی تھیں..... پھر کب اور کیسے اس لڑکی نے ان خواہشوں کو بیدار کر کے پھر سے انہیں یولنا اور خوش رہنا سکھا دیا تھا۔ یہ وہ ساری باتیں تھیں جو پچھلے دو دن سے ڈاکٹر عمر خود سے پوچھ، پوچھ کر تھک گئے تھے..... انہیں اپنے کسی سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔ بس دل تھا کہ ایصال کی جانب کھنچا جا رہا تھا..... وہ جتنا اپنے دل کی خواہشوں کو نظر انداز کرتے وہ اتنا ہی انہیں خدی بچے کی طرح تنگ کرنے لگتا..... ان سے الجھنے لگتا، ان سے لڑنے لگتا، ان کا اپنا ہی دل ان سے بغاوت پر اتر آیا تھا..... چند دن میں اتنا خدی اور خود مر ہو گیا تھا کہ ایصال اور ان کے بیچ سن و سال کے نمایاں فرق سے بھی اس محبت کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بس وہ خوشبو بن کر چپکے سے ان کے دل میں رچ بس گئی تھی۔

ویسے والے دن زارون نے بیش قیمت اسٹائلش تھری پیس سوٹ پہن رکھا تھا جبکہ منایہ نے سلور گرے کلر کا نہایت قیمتی اور خوب صورت ٹیل فرائک پہن رکھا تھا گلے میں ڈائمنڈ کا سیٹ پہنے..... ہاتھوں میں وائٹ گلابوں کا گلہ سہ پکڑے زارون اور منایہ رومیٹک ڈھن پر ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈالے ریڈ کارپٹ پر چلتے ہوئے لیوں پر دلفریب سی مسکراہٹ سجائے ہال کے درمیان بنی روش سے گزرتے دائیں، بائیں ٹھہلو پہ تمام مہمانوں کو اسٹائل پاس کرتے ان کو ہاتھ ہلاتے اسٹج کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ایک بات میں کئی مطالب اور بیوی کی ایک بات میں کئی مطالبات ہوتے ہیں۔ بیوی تو جوانی میں آیا، ذرا عمر ڈھلے تو ساسھی اور بڑھاپے میں خاوند کی نرس ہوتی ہے۔ دنیا کی کوئی بیوی اپنے خاوند سے ٹھکند نہیں ہوتی کیونکہ اگر وہ ٹھکند ہوتی تو بے وقوف سے شادی کیوں کرتی۔ خاوند اچھا عاشق بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ بیوی کو پتا نہ چلے۔ مگر میں بیوی کا زیادہ وقت فرنیچر اور خاوند کو جھاڑنے پونچھنے اور انہیں ان کے اصلی مقام پر رکھنے میں گزر جاتا ہے۔ شادی سے پہلے عورت کے پاس گھر گزرتی کا تجربہ ہوتا ہے اور مرد کے پاس مہینے کی تنخواہ..... جبکہ شادی کے بعد عورت کے پاس مہینے کی تنخواہ ہوتی ہے اور خاوند کے پاس تجربہ، خاوند چاہتا ہے اس کی بیوی وہ نہ کرے جو وہ چاہتا ہے بلکہ وہ کرے جو ہمسائے کی بیوی کرتی ہے۔

تحریر: ڈاکٹر یونس بٹ
پسند: نگہت زیدی، بہارہ کبیر

زارون نے پہلے اسٹیج پر کھڑے ہو کر عتایہ کی جانب ہاتھ بڑھایا تھا۔ عتایہ اس کا ہاتھ تمام کراچی پر آگئی تھی، اسٹیج پر چڑھتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا گلدستہ عتایہ نے اپنے عقب میں اچھال دیا تھا جسے پکڑنے کے لیے اسٹیج پر بہت سی لڑکیاں اکٹھی ہو کر کھڑی تھیں، ہر لڑکی اس گلدستے کو کچھ کرنے کے لیے بے تاب نظر آ رہی تھی مگر مناب نے کمال مہارت سے وہ گلدستہ کچھ کر لیا تھا..... سب لڑکیوں نے ہونٹ کی، مناب کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ گلدستہ کچھ کر لینے سے مراد پہلے کچھ کرنے والی لڑکی کی شادی جلد ہی متوقع تھی..... زارون نے عتایہ کی کمر کے گرد بازو ڈال رکھا تھا اور وہ ٹوٹو گرافر کو مختلف پوز دے رہے تھے اس کے بعد دونوں نے بیس پاؤنڈ کا کیک کاٹا تھا اور ایک دوسرے کو کھلایا تھا..... پور منزل کے تمام افراد کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے..... جس شادی کا کئی مہینوں سے سب کوشش سے انتظار تھا آج اس شادی کی تقریب کا آخری دن تھا۔ اگلے دو دن کے بعد زارون اور عتایہ کو دو مہینے کے لیے نئی مومن ٹور پر یورپ روانہ ہو جانا تھا..... جہاں سب سے پہلے ان کا پڑاؤ پیرس میں ہونا تھا۔

شادی کے ہنگامے مائیکر پڑے تو سب اپنی، اپنی روشیں میں آنے لگے۔ داؤد چچہ بدری باقاعدگی سے آفس جانے لگے تھے..... سمیرا بیگم کی بھی اپنی سوشل ایکٹیویٹیز تھیں وہ پھر سے اُن میں مصروف ہو گئی تھیں۔ ایشال ڈاکٹر عمر کے ساتھ اسپتال جا رہی ہے..... انھیں اپنے سوئگ کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا تھا، مناب کا لکھ ڈراما سیریل آن ایئر ہو گیا تھا اور اسے اپنے ڈرامے کا بہت اچھا رسپانس مل رہا تھا۔ ولی کو پاکستان آنے میں محض ڈیڑھ دو مہینے ہی رہ گئے تھے..... وہ اپنا دوسرا سیریل ولی کے آنے سے پہلے کاپیٹ کرنا چاہتی تھی سو مناب بھی اپنی دیگر ایکٹی ویٹی ترک کر کے اپنا اسکرپٹ مکمل کر رہی تھی۔

دوسری طرف زارون اور عتایہ اپنا نئی مومن ٹرپ بھر پور انداز میں انجوائے کر رہے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کو پا کر اتنے خوش اور مطمئن تھے کہ انہیں ایسا لگتا جیسے ان کی زندگی حسین رنگوں اور خوشیوں سے بھر گئی تھی۔

☆☆☆

سارہ کابی پی اب اکثر لورہ نے لگا تھا..... اکثر اسے صلی کی کیفیت محسوس ہوتی۔ سارا سارا دن وہ کچھ نہیں کھاتی بیتی تھی۔ آج بھی اس کے معدے میں درد تھا اور صلی کی کیفیت اسے بار بار واش روم جانے پر مجبور کر رہی تھی۔ زویا نے اسے سونف، مینز لاجی کے قبوے میں تھوڑا لیموں چمڑ کر پلایا تو اسے اپنی طبیعت کچھ بہتر ہوتی محسوس ہوئی۔

”مگر کے حالات کچھ بہتر ہوتے ہیں تو میں تمہیں معدے کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی.....“

ماہنامہ پاکیزہ 197 جون 2016ء

READING
Section

کچھ عرصے سے میں دیکھ رہی ہوں..... تم نہ تو کچھ کھاتی تھی ہو اس کے باوجود تمہارا دل مٹلاتا ہے، تمہیں بھوک نہیں لگتی۔“ زویا اس کے پاس چارپائی پہ بیٹھی اس کے بال سہلا رہی تھی..... اس کے لہجے میں بہن کے لیے بے پناہ نگاہ تھی..... جیسی سیما بیگم ہاتھ میں موبائل پکڑے کمرے میں داخل ہوئیں۔
”صبح نے مسلسل گلو کو فون کر رہی ہوں کم بخت نے اپنا نمبر بھی بند کر رکھا ہے۔“ سیما بیگم کے اعداد میں غصہ اور جھنجھلاہٹ تھی۔

”آپ کے لاڈلے کے کرتوتوں نے ابا کی جان لے لی..... اب شاید ہماری باری ہے۔“ زویا کے اعداد میں گلو کے لیے بے پناہ غصہ تھا..... اب کے وہ گھر سے گیا تھا تو ڈیڑھ مہینے سے اس نے گھر سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا..... چودہ دن پہلے اس نے ایک شخص کو قاصد بنا کر گھر بھیجا تھا جو انہیں بتا گیا تھا کہ گلو اپنے نام نہاد بیٹھہ کے ساتھ کام کے سلسلے میں کراچی گیا ہوا ہے..... سیما بیگم اس سے رابطے کے لیے ہر روز اس کے موبائل پر فون کیا کرتی تھیں مگر اس نے اپنا نمبر ہی بند کر رکھا تھا۔ کبھی کبھی سیما بیگم کو شا کر حسین کی پیش گوئیوں سے بڑا ڈر لگتا تھا..... وقت گزرنے کے ساتھ، ساتھ اب سیما بیگم کو بھی گلو پہ شک ہونے لگا تھا کہ وہ کہیں غلط سرگرمیوں میں ملوث تھا جیسی مہینوں گھر نہ آتا اور ہر مہینے اپنا موبائل نمبر بدل لیتا تھا۔ یہ وہ سارے خدشے تھے جو سیما بیگم کو دن رات ڈستے تھے۔
”اماں آپ خالد بھائی سے کہیں ذرا بجو کو لے کر اب چلے جائیں..... چار مہینے سے انہیں گھر بٹھا کر کھلا رہے ہیں بجائے گھر سے بیوی، بچوں کو لے جانے کے الٹا خالد بھائی بھی پچھلے ڈیڑھ مہینے سے یہاں ڈیرا بجا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔“ زویا کے اعداد میں بیزاریت تھی۔

”میں ہات کرتی ہوں اس ننگے سے..... اب بھی ساتھ والے کمرے میں بیوی، بچوں کے ساتھ بیٹھا..... ٹی وی دیکھ رہا ہے۔“ سیما بیگم چارپائی سے اٹھیں..... اسی اثنا میں گھر کا دروازہ کسی نے زور، زور سے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔

”یا اللہ خیر..... یہ کون اس طرح دروازہ پیٹ رہا ہے؟“ سیما بیگم نے پریشانی سے سینے پر ہاتھ رکھا۔
زویا پریشانی کے عالم میں کمرے سے باہر نکلی تو خالد بھی دوسرے کمرے سے باہر نکل آیا۔
”زویا تم رکومیں دیکھتا ہوں۔“

دروازے پہ جو بھی تھا وہ دھڑ دھڑا دھڑا اور دروازہ پیٹ رہا تھا۔

”ارے کون ہے اتنا بے صبر..... دروازہ توڑو گے کیا؟“ خالد نے دروازہ کھولا تو سامنے پولیس والے کھڑے تھے۔

”ادھر آؤ راجے بتاتے ہیں۔“ پولیس والے نے خالد کو گریبان سے پکڑ کر دروازے کی چوکت سے مھینٹ کر اپنے مقابل لا کھڑا کیا۔

”گلو کہاں ہے باہر نکالو اسے۔“ دوسرا پولیس والا دہاڑا۔

سیما بیگم اور زویا پریشانی کے عالم میں گھر سے دروازے کی اوٹ میں آ کھڑی ہوئی تھیں۔

”جج..... جی..... آپ کیوں پوچھ رہے ہیں جی گلو کے بارے میں؟“ خالد بری طرح سے گھبرایا

”اوتے الو کے..... گلو ہمیں چوری، ڈکیتی کی کئی وارداتوں میں مطلوب ہے۔ اس پر کئی پرچے کٹے ہوئے

ہیں اور ڈیڑھ مہینے پہلے تو اس نے ایک بینک میں ڈاکا ڈالا ہے..... اور بینک کے گارڈ کو قتل کیا ہے..... جلدی بتا کہاں چھپا ہوا ہے وہ؟“

پولیس والے کے انکشاف پر دروازے کے پیچھے کھڑی سیما بیگم اور زویا کے جسم سے جیسے جان ہی نکل گئی۔

دروازے پر کھڑے خالد کی حالت بھی اس انکشاف سے کچھ ان سے مختلف نہیں تھی۔
 ”جج..... جی آپ یقین کریں جی..... گلگ..... گلگو کو تو اس گھر سے گئے دو مہینے ہونے کو آئے ہیں جی..... اس کا تو نمبر تک بند ہے جی..... ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے.....“ خالد پولیس والوں کو دیکھ کر اور ان کے انکشاف پہ کھکھایا گیا۔

”اوائے تو گلگو کا کیا لگتا ہے؟ کیا رشتہ ہے تیرا گلگو سے؟“ دوسرے پولیس والے نے مونچھوں کو تالاؤ دیتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

”جج..... جی میں بد قسمتی ہے گلگ..... گلگو کا بہنوئی ہوں جی۔“
 ”سرخ جی اسے بھی شامل تفتیش کر لیں..... کیا پتا یہ بھی گلگو کے ساتھ وارداتیں کرتا ہو۔“ کانسٹیبل نے اپنے افسر کو شورہ دیا۔

”اوائے فیکے کہتا تو ٹھیک ہی ہے تو..... اس کی چھتروں ہوئی تو یہ گلگو کے ٹھکانے بھی بتا دے گا.....“ دوسرے پولیس والے نے بد معاشی دکھاتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

”نن..... نہیں جی..... میرا گلگو سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے جی..... آپ مجھ سے قسم لے لیں جی..... میں نے تو زندگی میں ایسا بھیانک کام کبھی نہیں کیا جی..... میری تو قسمت ہی خراب تھی جی..... جو میں اپنے ماں، باپ سے جھگڑ کر یہاں چوروں کے گھر میں آ گیا۔“ خالد گھبرا کر پولیس والوں کے آگے ہاتھ جوڑ رہا تھا..... یہ شور شرابا سن کر دارا اور سارہ بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔

”اوائے بندے کا ہتھکن کے پتل اگے لگ ورنہ گاڑی میں اٹھا کر بھیجوں گا۔“ پولیس والا دھاڑا۔
 ”بھائی صاحب! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میرا گلگو ایسے غلط کام نہیں کر سکتا.....“ سیما بیگم ہمت کر کے دروازے کی اوٹ سے پولیس۔

پولیس کی گاڑی دیکھ کر آہستہ آہستہ محلے والے اکٹھے ہو رہے تھے۔
 ”ادبی بی ہر ماں کو اپنا ہتھکنک اور پارسا ہی لگتا ہے..... تیرے ہتھ پر پچے کٹے ہوئے ہیں..... ہم تیرے جوانی کو لے کر تھانے جا رہے ہیں جب تک تیرا ہتھ راقم عرف گلگو پکڑا نہیں جاتا تیرا جھانکی شامل تفتیش رہے گا۔“
 پولیس والے نے بلند آواز میں بولتے ہوئے اطلاع دی تو برآمدے میں کھڑی دارا دوڑ کر دروازے کے پاس آ گئی۔

”اماں خدا کے لیے انہیں روکو..... وہ خالد کو کیوں لے کر جا رہے ہیں؟“
 ”بھائی صاحب!..... ہم عزت دار لوگ ہیں خدا کے لیے ہمارے حال پر رحم کریں اور میرے داماد کو چھوڑ دیں آپ کو یقیناً کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔“ سیما بیگم نے روتے ہوئے التجا کی۔
 ”بس کر بی بی یہ ڈرامے بازیاں..... اب جو بھی گل ہوگی وہ تھانے میں ایس ایچ او کے سامنے ہوگی۔“ پولیس والے نے فیصلہ سناتے ہوئے خالد کو گریبان سے پکڑ کر کھینچا۔

”خدا کے لیے میرے شوہر کو چھوڑ دیں..... ان کا گلگو کسی واردات کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔“ دارا روتی فریاد کرتی دروازے تک آئی تھی مگر پولیس والوں نے اس کی ایک نہیں سنی تھی اور خالد کو گاڑی میں بٹھا کر لے گئے تھے۔ محلے کے لوگ چہ گونیاں کر رہے تھے۔ سیما بیگم کا پورا جسم بے جان ہو گیا تھا وہ زویا کا ہاتھ تھام کر کمرے تک آئی تھی..... سارہ برآمدے کی سیڑھیوں پر گم صم انداز میں بیٹھی تھی..... دارا اپنی تینوں بچیوں کو گود میں چھپائے رو رہی تھی، اس کی بچیاں بھی انتہائی خوفزدہ ہو گئی تھیں..... زویا کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے سیما بیگم کو شوہر کی

باتوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی..... انہوں نے اپنا سر قہام رکھا تھا اور وہ رو رہی تھیں..... شاکر حسین کے ساتھ اتنے سال ازدواجی زندگی گزارنے کے دوران کبھی ایک معمولی سی بدنامی نے بھی سیمائیکم کا کبھی سامنا نہیں کیا تھا مگر آج شاکر حسین کی تیس سالہ ایمانداری اور شرافت خاک میں مل گئی تھی۔ ان کے اکلوتے بیٹے گلو نے اپنے ایمان اور کردار کو چند آسانٹوں اور حرام کی دو نمبر کمائی سے باپ کی برسوں کی کمائی عزت اور نیک نامی کو مٹی میں ملا دیا تھا ایسے میں شاکر حسین کی شرافت کے کارنامے اس کے کرتوتوں کو کیسے چھپا سکتے تھے؟ آج سیمائیکم کو شاکر حسین کی باتیں رہ، رہ کر یاد آرہی تھیں وہ سچ ہی کہتے تھے دل کی صفائی صرف حلال سے ہوتی ہے حرام کے کمائے پیسے سے برکت اٹھا کر اس میں بدنامی اور ذلت شامل کر دی جاتی ہے جب یہ پیسہ ختم ہو جاتا ہے تو بدنامی اور ذلت مل کر انسان کو بڑا ذلیل کرتی ہیں۔

شاید ذلت اور بدنامی کا وقت سیمائیکم پر آچکا تھا..... مگر یہ سزا سیمائیکم اور گلو کے ساتھ، ساتھ سب گھروالوں کو بھگتنا تھی۔

گلو کی گرفتاری کے لیے جگہ، جگہ چھاپے مارے جا رہے تھے، گھر میں کئی بار پولیس آچکی تھی، لیڈیز پولیس ان کے گھر کی تلاشی بھی لے چکی تھی۔ گلو کے کرتوتوں کی خبریں رشتے داروں سے لے کر پورے محلے میں جھل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھیں۔ اہل محلہ نے مکمل طور پر ان کے گھرانے کا بائیکاٹ کر دیا تھا..... گلو کے ساتھ، ساتھ شاکر حسین کا پورا گھرانہ جیسے مجرم بن گیا تھا۔ خالد کو پولیس والوں نے قہانے میں بند کر رکھا تھا۔

بالآخر ایک ہفتے کے بعد گلو کو خوشخبرہ سے گرفتار کر لیا گیا..... ان کے گینگ کا سرغنہ شیوا اور اس کا ایک اور ساتھی راکی فرار ہو گئے تھے اور گلو کو پولیس نے اپنی حراست میں لے لیا تھا..... سیمائیکم تو زمانے بھر کی بدنامی سمیٹ کر بستر کو جا لگیں۔ ذرا کو بیٹے کی خوشی ملی تھی تو وہ بھی ادھوری..... اس کے بھائی کے ساتھ اس کا بے گناہ شوہر بھی قہانے میں بند تھا۔ شاکر حسین کی موت اور ان کے بعد بدنامی کے اس طوفان نے اس گھرانے کے کمینوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ بے درپے غموں نے زویا کے دماغ کو موقوف کر دیا تھا..... سارہ نذرندوں میں شامل تھی نہ مردوں میں..... ایک درندہ نما عاشق آئے دن اس کی عزت کی دھجیاں اڑاتا رہتا..... آج کل جو اس کی حالت ہو رہی تھی، ایک انجانا سا خوف سارہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا خطرے کی گھنٹیاں اسے ہر وقت اپنے آس پاس سنائی دینے لگیں۔ سارہ جس برائی اور گناہوں کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھی وہاں سے اس کا نکلنا ناممکن ہو چکا تھا..... زندگی نے اسے ایک بندگی میں لا کھڑا کیا تھا..... پریشانیوں کے ساتھ، ساتھ ایک بار پھر گھر میں غربت ڈیرے بھانے لگی تھی۔ سب نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا..... صرف ایک خطرہ ہی تھا جو ان کو تسلیاں دینے کا قصدگی سے ان کے گھر آیا کرتا تھا۔ اب بھی وہ آفس سے سیدھا ان کے گھر ہی آیا تھا اس نے اپنی پچھڑی بائیک محسن میں کھڑی کی اور ہائیک پہنکایا شاہ پر اتار کر محسن میں چارپائی پر پریشان بیٹھی زویا کے پاس لے آیا۔ خطرہ کی بائیک کی آواز سن کر زارا کی پچیاں دوڑنی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی تھیں۔ شاہ پر میں کھانے والی اشیاء دیکھ کر بے مبری سے وہ شاہ پر جھپٹ کر کمرے میں واپس بھاگ گئیں۔

”خطرہ مجھے لگتا ہے میرا زویا بڑیک ڈاؤن ہو جائے گا.....“ زویا کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اس کے لہجے میں بے پناہ دکھ اور مایوسی تھی۔

”اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو..... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا زویا..... تم فکر مت کرو۔“ خطر نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے یقیناً اسے جھوٹی تسلی دی تھی۔

”خطرہ تمہیں پتا ہے بہت سی پریشانیاں اور باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے جواب میں ہم کہتے ہیں سب ٹھیک

ہو جائے گا۔ حالانکہ سب کچھ پہلے کی طرح بالکل ٹھیک نہیں ہوتا۔“

”زویا پلیز اللہ پر بھروسہ رکھو۔“

”مجھے اللہ پر بھروسہ ہے خضر مگر خود پر بھروسہ ختم ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ اور پلیز مجھے جھوٹی تسلیاں مت دیا کرو۔۔۔۔۔ میں جانتی ہوں ایک بہت بھیاںک طوفان ہمیں گھیر چکا ہے، اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ گلو گرفتار ہو چکا ہے، پتا نہیں اسے کتنی سزا ہوگی؟ گھر کے حالات روز بروز خراب ہو رہے ہیں، اماں اس غم سے بیمار پڑ کر بستر کو جا لگی ہیں۔۔۔۔۔ مجھے اسکول والوں نے نوکری سے نکال دیا ہے۔ محلے والے اب اپنے بچوں کو ہم سے ٹیوشن پڑھانا گوارا نہیں کرتے۔“ زویا رو رہی تھی اس کے لہجے میں بے پناہ تنہائی تھی۔ جیسے صدیوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ اب کے خضر اسے جھوٹی تسلی بھی نہیں دے سکتا تھا کیونکہ وہ جو کہہ رہی تھی بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی۔

”خضر پلیز۔۔۔۔۔ مجھے کہیں جاب لگوا دو۔۔۔۔۔ تاکہ گھر میں قاتے تو نہ پڑیں۔“ وہ سسک کر بولی۔

”زویا میں نے بہت عرصے سے اپنے آفس میں بات کر رکھی ہے، وہاں فی الحال کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔ میں نے اپنے کئی دوستوں سے تمہاری جاب کے لیے ان کے اداروں میں کسی خالی سیٹ کے حوالے سے بات کر رکھی ہے۔ میں تمہاری جاب کے حوالے سے بھرپور کوشش کر رہا ہوں۔۔۔۔۔ مگر تمہیں تو ملک کے حالات کا پتا ہے یہاں تو ایم بی اے والے نوکریوں کے لیے دھکے کھا رہے ہیں اور تم نے صرف بی اے کیا ہوا ہے۔“ خضر دھیسے انداز میں اسے تفصیل بتا رہا تھا۔

”بس ابا کی بیماری اور گھر کے حالات اور پھر اسکول کی جاب نے اتنی فرصت بھی نہیں دی کہ ایم اے ہی کر لیتی۔۔۔۔۔ اس کے انداز میں اذ حد افسوس تھا۔“ ہمارے طبقے کے لوگ اپنی خواہشیں مار، مار کر ایک دن چپکے سے مرجاتے ہیں۔“ خضر نے ایک لمحے کے لیے پریشانیاں اور مایوسی میں گہری اس لڑکی کو دیکھا جس کی آنکھوں میں سوائے دکھوں کے اور کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے اندھیرے رقم تھے۔۔۔۔۔ اس کے لہجے میں دکھوں کی داستانیں بول رہی تھیں۔

”تم گلو سے ملے؟“

”ہاں، میں کل تھانے گیا تھا۔“

”کیسا تھا وہ نامراد۔۔۔۔۔؟“

”بہت رو رہا تھا اور مجھ سے بار، بار اس کیس سے چھٹکارا دلانے کی التجائیں کر رہا تھا۔۔۔۔۔ وہ تم سے اور مای سے ملنے کی التجا کر رہا تھا۔۔۔۔۔ وہ بہت برے حال میں ہے پولیس والوں نے بہت مار پیٹ کی ہے اس کی۔“ خضر کی اطلاع پڑو یا کی آنکھوں سے پٹ، پٹ آنسو گرنے لگے تھے۔

”اس کے کیسے کی سزا، ہم سب کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔۔۔۔۔“ زویا نے اپنے آنسو صاف کیے۔

”زویا پلیز میری بات کو کوئی غلط رنگ مت دینا مگر یہ سچ ہے کہ گلو کا اس کیس سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے۔ کل میری ایس ایچ او سے تفصیلی بات ہوئی ہے گلو نے اقرار جرم بھی کر لیا ہے۔“

”خضر کوئی تو راستہ ہوگا؟ اماں نے رو، رو کر خود کو بیمار کر لیا ہے روز بروز ان کی صحت گرتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ باپ کی شفقت کے بعد اب ہم ماں کی ہمتا سے محروم ہونا نہیں چاہتے۔۔۔۔۔“ زویا ایک بار پھر رونے لگی۔

”ایک راستہ ہے جو گلو کی رہائی کا باعث بن سکتا ہے مگر مجھے نہیں لگتا کہ ہم ایس ایچ او کی ڈیمانڈ پوری کر سکیں گے۔“ خضر کے انداز میں بھی مایوسی تھی۔

”کیسی ڈیمانڈ۔۔۔۔۔؟“ زویا نے حیرت سے خضر کو دیکھا۔

”ایس ایچ اونے گلو کو اس کیس سے چھڑانے کے لیے تین لاکھ رشوت مانگی ہے۔“ خضر کے انکشاف پہ زویا کی آنکھیں حیرت اور دکھ سے پھیل گئیں۔

”تین لاکھ.....؟ تو بہت بڑی رقم ہے۔“

”گلو کے جرائم بھی تو بہت بڑے ہیں..... بینک ڈکیتی کے دوران گارڈ کو بھی قتل کیا ہے گلو اور اس کے دوستوں نے۔“ خضر نے دھیرے سے کہا۔ ”اچھا اب میں چلا ہوں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔“ خضر چارپائی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔“

”پھوپھی کیسی ہیں؟ اتنے دنوں سے انہوں نے چکر نہیں لگایا؟“ زویا کے استفسار پر وہ سر جھکا گیا تھا۔

”امی ٹھیک نہیں ہیں۔ انہیں موسمی بخار ہو رہا ہے۔ شاید اسی لیے وہ یہاں نہیں آسکیں۔“ خضر نے زویا سے

نظریں چراتے ہوئے جھوٹ بولا۔ وہ زویا کو کیسے بتاتا کہ اس کی ماں نے اسے یہاں اس گھر میں آنے سے سختی سے منع کر رکھا ہے اب بھی وہ اپنی ماں سے چوری چھپے یہاں آیا تھا۔

”ٹھیک ہے تم پھوپھی کو میرا سلام دینا..... اور کل ضرور آنا اماں کو اور مجھے گلو سے ملوالاتا.....“ زویا کی بات پر وہ فقط سر ہلا کر اپنی بانٹیک کی طرف بڑھ گیا۔ سورج غروب ہونے میں فقط تھوڑی ہی دیر باقی تھی سارہ..... زویا سے حنا کے گھر تک جانے کا کہہ کر دوپہر سے گئی ہوئی تھی اور ابھی تک نہیں لوٹی تھی۔

☆☆☆

آج سارہ نے اسجد کو فون کر کے خود اس سے ملنے کی درخواست کی تھی اور وہ خوشی سے دوڑا چلا آیا تھا کیونکہ ہمیشہ اسجد ہی اسے دو چار ہار فون کرتا تھا، اسے بدنام کرنے کی دھمکیاں دیتا تو وہ ڈرتے، ڈرتے اس کے پاس چلی آتی مگر آج جب سارہ نے اس سے خود ارجنٹ ملنے کی درخواست کی تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور وہ سارہ کو اپنے دوست کے خالی فلیٹ میں لے آیا تھا۔

”گلتا ہے میری جان کو آج میری بہت یاد آ رہی تھی۔“ اسجد نے مخمور سے لہجے میں اپنے ساتھ بیٹھی سارہ کے گال چھوتے ہوئے کہا تو سارہ کا بے اختیار جی چاہا کہ اسے جان کہنے والے کو وہ جان سے ہی مار دے۔ جس نے اسے ایک طوائف بنا دیا تھا۔

”آخر تم مجھے کب تک ایک نشوونما کی طرح استعمال کرتے رہو گے، خدا کے لیے میری جان چھوڑ دو یا مجھے جان سے ہی مار دو۔“ سارہ نے روتے ہوئے اسجد کے آگے ہاتھ جوڑے۔

اسجد کے ایک ہاتھ میں مشروب سے بھرا گلاس تھا اور اپنا دوسرا بازو اس نے سارہ کے کندھے پہ پھیلاتے ہوئے اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔

”جب تک میرا دل تم سے بھر نہیں جاتا، میں ایسا نہیں کر سکتا..... تمہیں ایک بات بتاؤں؟ تم میری زندگی میں آنے والی سیکڑوں بڑکیوں میں سے وہ واحد لڑکی ہو جس سے بار، بار ملنے کے باوجود میں ابھی تک بور نہیں ہوا..... ورنہ دو چار ملاقاتوں کے بعد لڑکیاں میرے دل سے اتر جاتی ہیں..... اور میں انہیں کام پر لگا دیتا ہوں..... یعنی آسان لفظوں میں..... وہ مجھے کما کر دیتی ہیں۔“ گلاس منہ سے لگانے کے بعد اس نے سارہ کی طرف رخ موڑ لیا۔ ”مگر تم میں نہ جانے ایسا کیا نشہ ہے کہ اپنے علاوہ تمہیں کسی اور کے پاس بھیجنے کو دل ہی نہیں چاہتا..... کم بخت نیند دل چاہتا ہے۔ تمہیں بار، بار دیکھنے کو تمہیں اپنے پاس بلانے کو.....“ اسجد نے سارہ کے کان کے قریب آتے ہوئے سرگوشی کی..... سارہ کا جی چاہا کہ وہ کوئی چیز اٹھا کر اسجد کے سر پر دے مارے..... مگر فی الحال وہ ایسا نہیں کر سکتی تھی۔

”اجد کچھ دنوں سے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے پلیز..... کچھ کرو اور مجھے کسی لیڈی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ..... مجھے اپنے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں سنائی دے رہی ہیں..... تمہیں خدا کا واسطہ میری مدد کرو.....“

سارہ اپنے دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ، پھوٹ کر رو پڑی تھی۔ اجد اسے تھوڑی دیر دیکھتا رہا اور پھر اس نے فون پر کسی سے بات کی اور بات کرنے کے بعد اس نے سارہ کو اپنے ساتھ چلنے کو کہا سارہ چپ چاپ چلتی ہوئی اس کے پیچھے فلیٹ سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ پھر تھوڑی ہی دیر کے بعد اجد اسے لے کر کسی لیڈی ڈاکٹر کے پرائیویٹ کلینک میں موجود تھا جہاں اس کے دوست کی محبوبہ، نرس کے طور پر چاب کر رہی تھی۔ نرس نے سارہ کو سمجھا دیا تھا کہ وہ لیڈی ڈاکٹر کے سامنے خود کو شادی شدہ ظاہر کرے..... لیڈی ڈاکٹر نے اس کا مکمل چیک اپ کیا اور اسے مبارک باد دی۔

لیڈی ڈاکٹر کی اطلاع پر اس کا سر چکرانے لگا اسے جس بات کا ڈر تھا وہ بات سچ ثابت ہو گئی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے ایک لمبا سا پرچہ لکھ کر اس کے ہاتھ میں تھا دیا تھا اور ساتھ ہی اچھا کھانے پینے کی ہدایت کی تھی اور وہ بے جان وجود کے ساتھ اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ نرس نے باہر آ کر جب ڈاکٹر کی باتوں سے اجد کو آگاہ کیا تو وہ یہ سب سن کر اس مصیبت سے جان چھڑوانے کی بات اسی نرس سے کرنے لگا۔

”کیا ہوا؟“

”اگر اس تھکے کو ختم کرو لیا جائے تو.....؟“ لگ گیا آپ اس سلسلے میں ہماری کوئی مدد کر سکتی ہیں؟“

”یہ بہت مشکل ہے کوئی ڈاکٹر نہیں مانے گی، ہاں کوئی وائی یا تجربے کار نرس شایدل جائے ویسے یہ بہت مشکل کام ہے کافی رقم خرچ ہو سکتی ہے۔“

”ٹھیک ہے، میں فون پہ آپ سے رابطہ کر کے بتا دوں گا.....“ اجد اسے لے کر گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

واپسی پر اجد خاموشی سے گاڑی چلا رہا تھا اور سارہ زار و قطار رو رہی تھی۔

”تم نے میری زندگی برباد کر دی اجد..... اور اب اس گناہ کے بوجھ کو میں دنیا والوں سے کیسے چھپاؤں گی؟ تم نے مجھے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا.....“ سارہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

اجد نے اسے کوئی تسلی کوئی دلاسا نہیں دیا تھا۔ بس وہ کچھ اور سوچ رہا تھا۔

”پلیز اجد مجھ سے شادی کر لو..... پلیز مجھے اپنا لو..... اپنے اس بچے کو اپنا نام دے دو..... چاہے بعد میں مجھے چھوڑ دینا..... طلاق دے دینا مگر خدا کے لیے مجھے اس بدنامی سے بچاؤ اجد..... میرے گھر والے مر جائیں گے۔“ سارہ جنونی انداز میں اس کا بازو پکڑے اس سے التجائیں کر رہی تھی۔ اجد نے اس کے گھر کی کچلی سڑک پر گاڑی روک دی تھی۔

”میری ماں تم جیسی بدکردار لڑکی کو کبھی قبول نہیں کرے گی۔“ اس نے بڑے آرام سے اس کی تمام التجاؤں کا ایک ہی مختصر جواب دے کر اس کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔

”میں بدکردار نہیں تھی ایک شریف باپ کی باحیثیتی تھی، میرے ایک غلط قدم نے تم جیسے لیرے کو میری عزت اور کردار کو داغدار کرنے کا موقع دیا اور پھر میں تمہارے جال میں پھنسی چلی گئی۔“

”نی الحال میں تمہاری فضول باتیں سننے کے موڈ میں نہیں ہوں..... میں ایک دو دن میں گل افشاں (نرس) سے بات کر کے تمہیں بتا دوں گا..... تم فکر مت کرنا ہم جلد ہی اس پریشانی سے چھٹکارا حاصل کر لیں گے.....“ اجد رسی سے انداز میں اسے تسلی دے کر چلا گیا تھا۔ سارہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ گھر جانے کے بجائے یہیں سڑک کے بیچ کھڑی ہو کر کسی گاڑی کے نیچے آ جائے مگر گناہوں کے ڈر سے اسے موت سے بھی خوف آنے لگا تھا۔ کاش اس کی

زندگی کا ریوٹ کنٹرول اس کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ اپنی زندگی کو فوراً ریورس کر لیتی مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ ہم جس وقت کو اپنی نادانوں اپنے تکبر یا ایسی مذاق میں اپنے پیروں تلے روند کر گزر جاتے ہیں کبھی، کبھی وہ ہی وقت ہمارے پیروں تلے سے زمین کھینچ لیتا ہے۔

☆☆☆

اگلے دن سیما بیگم اور زویا کو خضر کے ساتھ تھانے جانا تھا انہیں گلو سے ملاقات کرنا تھی وہ کافی دیر سے خضر کے آنے کا انتظار کر رہی تھیں مگر جب کافی دیر گزر جانے کے باوجود وہ نہ آیا تو زویا نے اس کا نمبر ملایا۔
"ہلو خضر کہاں ہو تم.....؟ ہم کافی دیر سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" زویا نے اس کی آواز سننے ہی خضر سے سوال کیا..... زویا کے پاس بیلنس بھی کم تھا۔

"ہاں وہ زویا..... تم اور ماما خود ہی چل جاؤ..... امی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی، ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا میں ان کا چیک اپ کروانے کلینک لایا ہوں۔"

خضر نے زویا سے جھوٹ بولا تھا..... نگہت بیگم نے خضر کو ان تھانے پچھری کے معاملات سے دور رہنے کا سختی سے حکم دے رکھا تھا تاکہ خالد کی طرح اسے بھی گلو کے معاملے میں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں۔

زویا اور سیما بیگم خود بھی جب گلو سے ملاقات کے لیے تھانے پہنچیں تو پولیس والوں نے گلو کو مارا، مار کر اس کا حلیہ بگاڑ رکھا تھا..... ماں اور بہن کو اپنے سامنے دیکھ کر گلو گڑ گڑاتے ہوئے ان سے معافیاں مانگنے لگا..... سیما بیگم بیٹے کی حالت دیکھ کر تڑپ اٹھیں۔ زویا کا دل بھی کسی نے مٹی میں جکڑ لیا تھا۔ گلو جیسا بھی تھا..... تھا تو اس کا بھائی ہی ناں.....

"اماں تجھے خدا کا واسطہ کسی طرح مجھے یہاں سے نکالو ورنہ یہ لوگ مجھ پر تشدد کر، کر کے مجھے جان سے مار دیں گے۔" وہ بک رہا تھا۔

"زویا..... زویا خدا یا مجھے اس جہنم سے نکالو..... قسم لے لو میں نے گارڈ پہ گولی نہیں چلائی..... ٹیپو نے اس پر قاز کیے تھے..... میں صرف ڈکیٹی میں ان کے ساتھ تھا۔ میں نے گارڈ کو قتل نہیں کیا..... پولیس والے گارڈ کا قتل بھی میرے سر ڈال رہے ہیں۔ مجھے بچالو..... میں نے اپنے اور تم سب کے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے..... خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔" گلو خیل کی سلاخوں کے پیچھے کھڑا ہاتھ جوڑے گڑ گڑا رہا تھا، معافیاں مانگ رہا تھا اور التجائیں کر رہا تھا۔

"اماں..... اماں کچھ بول ناں..... تو چپ کیوں ہے؟ زویا..... خدا کے لیے مجھے معاف کر دے..... ایک بار صرف ایک بار مجھے اس جہنم سے نکال دے..... ابا کی قسم ساری زندگی ایسے غلط کام نہیں کروں گا....." گلو کسی بچے کی طرح پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے ساتھ، ساتھ سیما بیگم اور زویا بھی رو رہی تھیں۔

"گلو یہ تو نے کیا کر دیا؟ اپنے باپ کی عزت کو مٹی میں ملا دیا۔ ہمیں کسی کو منہ دکھانے کے قابل تک نہیں چھوڑا تو نے....." سیما بیگم سلاخوں سے اپنا سر کھراتے ہوئے بین کر رہی تھیں۔

"گلو میں تین لاکھ کہاں سے لاؤں.....؟ ہمارے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ پورے محلے نے ہمارا بایکاٹ کر رکھا ہے..... مالک مکان نے اس مہینے مکان خالی کر دینے کا نوٹس دے دیا ہے..... تمہارے ان غلط کرتوتوں نے ہر طرف سے ہماری زندگی کے گرد گھیرا تنگ کر دیا ہے..... مجھے تو کوئی صورت نظر نہیں آرہی....." زویا نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"زویا تم..... تم خضر بھائی سے کہو ناں..... ہمیں کہیں سے دو تین لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں۔"

”اتنی بڑی رقم خضر کہاں سے لائے گا؟“ زویا پریشان ہوئی۔

”کسی سے ادھار لا دیں۔۔۔۔۔ میں باہر آ کر محنت کر کے آہستہ آہستہ قرض اتار دوں گا۔“

”گلو آج کل کے دور میں کوئی مانگے سے تین ہزار نہیں دیتا۔۔۔۔۔ خضر تین لاکھ کا بندوبست کہاں سے کرے

گا؟“ زویا بے حد پریشان تھی۔

”زویا۔۔۔۔۔ گلو ٹھیک کہہ رہا ہے۔۔۔۔۔ خضر سے کہو وہ کہیں سے ہمیں ادھار مانگ دے ہم آہستہ آہستہ وہ رقم

واپس لوٹا دیں گے۔۔۔۔۔ خضر ہمارا ہونے والا داماد ہے، وہ کیا ہمارے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔؟“ متانے سیمائیکم کو ایک بار پھر مطلب پرست بنا دیا تھا۔

”مگر اماں آپ۔۔۔۔۔“ زویا زچ ہوئی۔

”زویا خدا کے لیے یہ اگر مگر چھوڑو اور کسی طرح سے مجھے یہاں سے نکالو۔۔۔۔۔ پولیس والے مجھے پر تشدد کر کے

مجھے گاڑ کو قتل کرنے کا اقبال جرم کروانا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ مجھے ایک چور اور ڈکیت سے قاتل بنا دیں گے، مجھے

چھوٹے مجرم سے بڑا مجرم بنا دیں گے۔“ گلو ایک بار پھر رونے لگا تھا۔ اس کے چہرے اور پورے جسم پہ جا بجا نیل

پڑے ہوئے تھے اس کے ہونٹ پھٹے ہوئے تھے اور ایک آنکھ بھی سوجنی ہوئی تھی۔

”گلو تین لاکھ بہت بڑی رقم ہے۔ شاید اتنی بڑی رقم کا بندوبست نہ ہو سکے۔“ زویا از حد پریشان تھی اس کا

ذہن بری طرح سے الجھا ہوا تھا۔

نسوانی حسن میں اضافہ (بلوسم یونانی کریم) کل نہیں آج خوبصورت اور جاذب نظر آئیں



بلوسم بریسٹ ڈولپنگ اینڈ

ٹاسٹینگ کریم (ہریل)

چھوٹی بریسٹ میں اضافہ کر کے بریسٹ کی نشوونما کو مکمل کرتی ہے
بریسٹ کی نئی کود کر کے نئی لاتی ہے۔ بریسٹ کو سلاسل اور خوبصورت بناتی ہے۔

یونانی کریم
گلیسی
چہرے کے فاضل
بالوں کو چمک کیلئے
ختم کرتی ہے۔

اپنی PIC روانہ کریں
whatsapp: 0311-5508857
Email: bdhdeva@yahoo.com
skype: devapak
کریک ہوم ڈسٹری
0322-2916250
چٹری ڈسٹری
0309-2500026

051-5502903-5533528 SMS کر کے لارجر مفت مگوائیں
042-7668264
پیسے پاکستان میں گھر پر محفوظ کر کے لیے ضروری بریسٹ میں کی اضافہ کے بارے میں معلوماتی صفحہ کے لیے سیکھنا سب سے تمام ہر مرض کے شعبہ کی طبیعت بریسٹ
دلچسپ آک کے بارے میں معلوماتی خبریں حاصل کریں۔ Website: www.devaherbal.com Cell: 0333-5203553

”زویا مایوسی کی باتیں نہ کرو..... کسی طرح سے بھی ایک بار صرف ایک بار مجھے اس جہنم سے نکال دو..... میں..... میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا.....“ وہ بدستور گڑگڑا رہا تھا۔

”گلو تو پریشان نہ ہو میرے بچے..... ہم تجھے یہاں سے نکال لیں گے۔“ سیما بیگم نے دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بیٹے کو تسلی دی۔

”بس بی بی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا ہے.....“ کانٹھیل نے آواز لگائی۔

”اماں تو تو ماں ہے میری..... حیرا بیٹا یہاں مر جائے گا..... اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہے تو ایس ایچ او کی بات مان لو..... قرض لے لو اور مجھے بچا لو.....“ گلو، سیما بیگم کے ہاتھ پکڑ کر انہیں اموختل بلیک میل کرنے لگا۔

”تو پریشان نہ ہو گلو..... ہم کوئی نہ کوئی بندوبست کر لیں گے۔“ سیما بیگم نے جیل کی سلاخوں میں ہاتھ ڈال کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، اسے تسلی دی۔

”بی بی تجھے صاحب بلار ہے ہیں.....“ کانٹھیل نے ان دونوں سے کہا اور وہ دونوں کانٹھیل کی معیت میں ایس ایچ او کے کمرے کی جانب چل پڑیں۔

”السلام علیکم.....!“ کمرے میں داخل ہوتے ہی سیما بیگم نے کرسی پر بیٹھے اس موٹے پچاس بچپن سالہ شخص کو سلام کیا۔

”وعلیکم السلام.....“ موٹے سے مکروہ چہرے والے ایس ایچ او نے اپنی بڑی، بڑی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سیما بیگم کے ساتھ پریشان حال زویا کو بڑی گہری اور غلیظ نظروں سے سرتاپاؤں دیکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔

”ہاں بھئی اپنے ڈکیت بیٹے سے ملاقات ہوگئی؟“

”جج جی ہوگئی ہے..... صاحب ہم بڑے غریب لوگ ہیں، آپ کو دینے کے لیے ہمارے پاس ایک پھوٹی کوڑی تک نہیں ہے۔ خدا کے لیے صاحب میرے بیٹے کو چھوڑ دیں.....“ سیما بیگم ایک بار پھر جذباتی ہو کر رونے لگیں۔

”زویا کو عجیب سی شرمندگی ہو رہی تھی۔

”کون کہتا ہے تو غریب عورت ہے، سیر عام تو اپنے ساتھ ہیرا لیے پھر رہی ہے۔“ ایس ایچ او نے زویا کو مسلسل تاڑتے ہوئے جواب دیا۔

زویا اپنی جگہ تڑپتی ہو رہی تھی..... اس نے اپنے سر پر لپٹا ہوا دوپٹا مزید سر پر کھسکایا۔

”صاحب تین لاکھ بہت بڑی رقم ہے..... میں ایک بیوہ عورت ہوں..... گلو میرا واحد سہارا ہے۔ میں اتنی بڑی رقم کا بندوبست کیسے کر لیں گی؟“ متا کے ہاتھوں مجبور ہو کر سیما بیگم اس سرکاری کرسی پر بیٹھے موٹے غلیظ شخص سے التجا میں کر رہی تھیں..... اور زویا وہ تو جیسے زمین میں وحشتی جا رہی تھی۔

”او بی بی حیرا بیٹا مجرم ہے..... تاشے بانٹنا نہیں پکڑا ہم نے..... حیرا بیٹا راستے میں کھڑا ہو کر لوگوں کو لوٹا ہے..... ڈکیتیاں کرتا ہے، پینک لوٹا ہے اس نے..... کل میں ملوث ہے..... کوئی مذاق نہیں..... جتنا بڑا جرم اتنی ہی بڑی قیمت..... یہ میرا اصول ہے.....“ ایس ایچ او نے اکڑ اور تکبر کے انداز میں وضاحت کی اور پھر اپنی گندی نظروں سے زویا کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے ریوالونگ چیئر گھماتے ہوئے بولا۔

”ویسے یہ لڑکی کون ہے.....؟ کیا لگتی ہے تیری؟“ نکاہیں اب بھی زویا پر مرکوز تھیں مگر سوال شدید پریشانی میں جلا سیما بیگم سے کیا گیا تھا۔

زویا کا جی چاہ رہا تھا وہ نچل پر ہڈا سپروٹ اٹھا کر اس پولیس والے کے سر پر دے مارے جو مسلسل اپنی نگاہوں سے اسے ہراساں کر رہا تھا..... آج تک تھانے پکھری کا انہوں نے صرف نام ہی سن رکھا تھا، آج گلو کے

غلط کاموں نے انہیں تھانے کا ذیادہ بھی کروا دیا تھا اور پولیس والوں کا مکروہ چہرہ بھی دکھا دیا تھا۔

”سچ..... جی یہ میری بیٹی ہے۔“

”شادی شدہ ہے یا کنواری.....؟“ ایک بار پھر مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے سوال کیا گیا..... زویا کو شدید غصہ آنے لگا..... مکروہ مجبور تھی، نہ بول سکتی تھی نہ اس پولیس والے کی بے عزتی کر سکتی تھی۔

”جی غیر شادی شدہ ہے۔“ سیما بیگم کو بھی زویا کے حوالے سے اس طرح کے سوال جواب بالکل غیر مناسب لگ رہے تھے۔

”مجھے رشتہ دے دو اس لڑکی کا..... تیرے بیٹے کو تین لاکھ لے بیٹھ چھوڑ دوں گا.....“ موٹی تو نمد والے پولیس افسر نے زویا کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر آفر کی..... تو حیرت سے سیما بیگم نے اس پولیس والے کو دیکھا..... اور زویا کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔

”اماں چلو یہاں سے..... یہ پولیس والے تو ہوتے ہی گھٹیا ہیں..... ان کے گھر میں مائیں بٹنیں نہیں ہوتیں.....“ زویا غصے میں دھاڑی تھی۔

”سچ کہا ہے کسی نے خاموش جھیل میں بھی اکثر طوفان چھپے ہوتے ہیں۔ لڑکی تو بڑی جی دار ہے..... ایک پولیس والے کے سامنے پولیس والوں کو برا کہہ رہی ہے؟ جانتی ہو اس بد تمیزی کی سزا کیا ہو سکتی ہے تم لوگوں کے لیے؟“ ایس ایچ او نے رعب جھاڑا..... سیما بیگم نے زویا کا ہاتھ تھام کر دباتے ہوئے اسے چپ رہنے کو کہا۔

”تم نہیں کیا سزا دو گے؟“ سزا تو تم جیسے لوگوں کو وہ اوپر والا ہی دے گا جو ہم جیسوں کی مجبور یوں کی اتنی آسانی سے قیمت لگا لیتے ہو۔“ زویا اپنی بات مکمل کرنے کے بعد ایس ایچ او کے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

”صاحب میم میں معافی چاہتی ہوں..... میری بیٹی نے آپ سے بد تمیزی کی۔“ سیما بیگم شرمندہ اعماد میں اس پولیس والے سے معافی مانگنے لگیں۔

”بڑی لمبی زبان ہے بھئی تیری بیٹی کی۔“

”معاف کرویں صاحب..... اپنی بیٹی کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں۔“

”دل آگیا ہے میرا..... تیری اس بد زبان بیٹی پہ..... نکاح پر دھوا دے مجھ سے..... چھوڑ دوں گا تیرے بیٹے کو۔“ ایس ایچ او نے ایک بار پھر وہی آفر کی۔

”بس..... سوچ کر بتاؤں گی صاحب اتنی جلدی ایسے فیصلے نہیں ہوا کرتے.....“

”سوچ لے..... تجھے سوچنے کے لیے ایک ہفتہ دیتا ہوں..... سودا گھانے کا نہیں..... ادھر تو بیٹی کا نکاح پڑھوائے گی ادھر تیرا بیٹا گھر پہنچ جائے گا..... ورنہ ایسے، ایسے کیسوں میں الجھاؤں گا تیرے بیٹے کو کہ ساری زندگی قیل کی سلاخوں کے پیچھے ہی گل سر کر مر جائے گا۔“ ایس ایچ او نے اٹھ کر ٹیبل پہ ہاتھ رکھے اور آگے کو جبک کر سیما بیگم کو واضح دھمکی دیتے ہوئے فیصلہ سنایا۔

سیما بیگم ایک نئے امتحان میں داخل ہو چکی تھیں ایک طرف ان کے اکلوتے بیٹے گلو کی زندگی تھی اور دوسری طرف ان کی بیٹی کی خوشیاں..... اب سیما بیگم کو دونوں میں سے کسی ایک کو چننا تھا۔

زمین کی نے انہیں ایک اور کڑے امتحان میں ڈال دیا تھا۔

☆☆☆

خالد کو پولیس والوں نے بلا وجہ حراست میں لے رکھا تھا۔ گلو کے ساتھ ساتھ پولیس والوں نے خالد کو بھی تھکد کا نشانہ بنایا تھا..... ذرا الگ خالد کو پولیس کی حراست سے چھڑانے کے لیے سیما بیگم سے التجائیں کرتی

ماہنامہ پبلیزہ 207 جون 2016ء

Section

تھی..... اس وقت سیما بیگم تین رشتوں میں پھنسی ہوئی تھیں..... زویا نے گھر آتے ہی دو ٹوک انداز میں ماں سے اس موٹے غلیظ اپنے باپ کی عمر کے ایسے ایسے او سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا..... وہ اس صورت حال کو خطر کے ساتھ ڈسکس کرنا چاہتی تھی مگر اس کا نمبر بھی بند جا رہا تھا اور اب خطر بھی ان کے گھر کم ہی آیا کرتا تھا۔

دوسری طرف سارہ قابل رحم حالت میں سارا دن بستر پر پڑی رہتی، سیما بیگم اب ہمہ وقت شاکر حسین کو یاد کر کے روتی رہتیں..... ان کی ایک، ایک بات سچ ثابت ہو رہی تھی..... ایک عجیب و غریب بے سکونی تھی، دلت تھی جس نے ان کے گھر کا راستہ دیکھ لیا تھا۔

آج تیسرا دن تھا زویا صبح نوکری کے لیے نکلتی اور دھکے کھا کر شام کو گھر واپس آتی..... کہیں وہ تعلیمی معیار پہ پوری نہ اترتی اور کہیں اپنی ابھی شکل صورت کی بدولت مرد اسے غلط قسم کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کچھ اور ہی ڈیماڈ کر دیتے..... سفارش اس کے پاس نہیں تھی۔ گھر کے حالات اتنے خراب تھے کہ زویا کو اپنی سابقہ کو لیک بچھڑ..... دوست سے تین ہزار ادھار لینا پڑے۔

آج بھی زویا مایوسی کے عالم میں گھر میں داخل ہوئی تو صحن میں سیما بیگم اور زارا کو روتے ہوئے پایا..... قریب ہی برآمدے میں زارا کی تینوں بچیاں پریشانی کے عالم میں ایک ساتھ جڑ کر بیٹھی تھیں۔

”زویا خالہ پولیس والوں نے گلو ماموں کو مار مار کر ان کا بازو توڑ دیا ہے۔ انہوں نے میرے ابو جی کو بھی بہت مارا ہے، آج ناشی..... میں اور امی تھانے گئے تھے۔ ابو اور گلو ماموں سے ملنے۔“ زارا کی سب سے بڑی نو سالہ بیٹی نمرہ نے آگے بڑھ کر زویا کو اطلاع دی اور وہ پریشانی سے وہیں چارپائی کے قریب رکھے سوڑھے پر بیٹھ گئی۔

”اماں یہ نمرہ کیا کہہ رہی ہے؟“

”سچ کہہ رہی ہے اور یہ سب تیرے انکار کی وجہ سے ہوا ہے۔“ سیما بیگم کے انداز میں زویا کے لیے بے پناہ شکوے تھے۔

”زویا میری بہن..... دیکھ خدا نہ کر..... ہمیں اس عذاب سے نکال دے۔ خدا کے لیے اس رشتے کو قبول کر لے..... گلو اور خالد کو بچالے ورنہ ہم برباد ہو جائیں گے زویا..... ہمیں بچالے.....“ زارا اب زویا کے آگے ہاتھ جوڑ کر رو رہی تھی، گڑ گڑا رہی تھی۔ سیما بیگم ایک بار پھر رونے لگی تھیں..... زویا اپنی جگہ پر حیرت سے بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو خود بخود بہہ رہے تھے..... اور وہ سوچ رہی تھی کہ اپنی جان یہ بنے تو یہ رشتے بھی چند لمحوں کو کتنے خود غرض ہو جاتے ہیں۔ اپنے باپ کی عمر کے رٹو وے غلیظ آدمی جسے دیکھ کر ہی اسے گھن آرہی تھی وہ اپنے چھوٹے بھائی اور بہنوئی کی خاطر اس سے نکاح کیسے کر سکتی؟ بچپن سے اس کے دل پہ خطر کا نام رقم تھا وہ اپنے دل سے اس کا نام کیسے مٹا سکتی تھی؟ اس نے ہوش سنبھالا تھا تو خطر کے نام کی انگلی بہن کی تھی اس نے تو ہمیشہ سے صرف اس کے ساتھ کے سنے دیکھے تھے، وہ ان سہنوں سے کیسے جان چھڑا سکتی تھی..... خطر اس کی پہلی اور آخری محبت تھا..... وہ اپنی محبت کا گلا کیسے گھونٹ دیتی؟

”زارا بھوجھ سے اتنی بڑی قربانی نہ مانگیں..... میں انسان ہوں کوئی فرشتہ نہیں..... میرے اس گوشت کے وجود میں دل بھی تو ہے وہ بھی کسی کے لیے دھڑکتا ہے..... وہ بھی کئی خواہشیں رکھتا ہے۔“ زویا بات کرتے کرتے اب ہا قاعدہ رو رہی تھی..... اندر کمرے میں بیٹھی سارہ باہر ہونے والی تمام گفتگو سے انتہائی دل گرفتہ ہو رہی تھی اسے ایسے لگ رہا تھا جیسے کوئی آری سے اس کے تن بدن کو چیر رہا ہو۔

(جاری ہے)

”زائد تم نے سہما کے لیے ایک رشتہ بتایا تھا۔ اس لڑکے کا کہیں اور تو طے نہیں ہوا؟“ انہوں نے دھیمے لہجے میں کچھلی بات یاد دلا کر بات شروع کی۔

”رشتہ؟“ میں نے کچھ دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ ”اوہاں.....“ اچانک مجھے یاد آیا۔ ”مگر بھابی اس وقت تو آپ نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا۔“ میری حیرت بجا تھی۔

”اس وقت بات اور تھی مگر اب.....“

”بات اور ہے.....“ میں نے بھابی کا جملہ اچک لیا۔

”تو وہ دھیرے سے مسکرا دیں۔“

”لیکن اس بات کو تو کافی سمجھتے ہو گئے ہیں اور آپ کو وہ بات اب یاد آ رہی ہے؟“ میں حیرت میں جھلا سوال پر سوال کیے جا رہا تھا۔

”تو کیا وہ رشتہ جو تم نے بتایا تھا کہیں اور منظور ہو گیا؟“ انہوں نے گھبرا کر پوچھا تو میں نے لٹی میں سر ہلا کر ان کی گھبراہٹ کسی حد تک کم کی۔

”نہیں خیر اب تک تو کہیں بات نہیں چلی۔“ میں نے گویا انہیں تسلی دی۔

اعتراف

غزالہ جلیل راؤ

Downloaded From
Paksociety.com

”شکر ہے تو پھر ذرا ہتم لڑ کے کے گھر والوں کو کل ہی بلا لو.....“

بھابی کی اس قدر جلد بازی پر میرا ہاتھ ٹھکا۔
”بھابی پلیز پہلے آپ کھل کر مجھے پوری بات بتائیں.....“ میں نے استفسار کیا۔

”زاہد بات دراصل یہ ہے کہ.....“ وہ بولتے بولتے ہچکچاہٹ کا شکار تھیں اور میں انہی پر نظریں جمائے ان کی بات تفصیل سے سننے کا منتظر تھا۔

”بھابی اگر آپ مجھے پوری بات سے آگاہ نہیں کریں گی تو میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا.....“
ایک طرح سے یہ میری دھمکی تھی جو کارگر ثابت ہوئی۔
”زاہد دراصل سہا اپنے کلاس فیلو کو پسند کرتی ہے۔“ انہوں نے بغیر کسی تمہید کے بات بتائی۔

”کیا سہا.....؟“ مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔
”ہاں.....“ انہوں نے تصدیق کی۔ ”اور میں نہیں چاہتی کہ کل کو وہ اتنی ہاشی ہو جائے کہ اس لڑکے کی خاطر کوئی انتہائی قدم اٹھالے.....“

بھابی بھی ظاہر ہے ایک ماں تھیں اور انہیں اس قسم کے اندیشوں نے گھیرا ہوا تھا۔

”پر آپ کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟“ میں ابھی تک دروازہ حیرت میں ڈوبا ہوا تھا۔

”سہا نے خود مجھے بتایا ہے۔“ وہ فکر مند کی دکھائی دیں مجھے۔
”تم بولو اب کیا کروں؟“ میں بھی فکر سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”بس تم لڑ کے کے گھر والوں کو کل ہی مدعو کر دنا کہ میں جلد از جلد سہا کے فرض سے سبکدوش ہو سکوں۔“ انہوں نے تمام بات سمجھا کر مجھے پُر امید نظروں سے دیکھا۔

”ٹھیک ہے بھابی.....“ میں اٹھ کر کھڑا ہوا۔ ”آپ پریشان نہ ہوں میں ان سے جلد ہی بات کرتا ہوں۔“

میری بات کے جواب میں انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ جیسے کب کی رکی ہوئی ہو یا ان کے سینے سے ایک بہت بڑا بوجھ ہٹ گیا تھا۔

میں ان کی پریشانی تو کم کر کے آگیا تھا لیکن

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 210 ﴾ جون 2016ء

کمرے میں آ کر میں خود پریشانی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ ابھی تک یہ بات مجھ سے ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ مجھے سہا پر تاؤ آرہا تھا۔ سہا نے ابھی چند مہینے پہلے ہی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ بھابی تو کسی طرح بھی اسے یونیورسٹی میں پڑھانے کے حق میں نہیں تھیں..... لیکن آج کل کے ماحول اور سہا کی خواہش کو دیکھتے ہوئے میں نے بھابی کو سمجھایا تھا اور بڑی مشکل سے راضی کیا تھا۔ اب سہا کی اس حماقت سے میری نیند اڑ گئی تھی۔ اس سے مجھے اس.....

بیوقوفی کی امید نہیں تھی۔ میں غصے میں تھا۔
”سہا تم بھی اس کھیل میں کود نکلیں جو صرف آگ کا کھیل ہے۔ جس میں زندگی بھر سلگنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ آزمائش کا کھیل ہے۔ کیونکہ اس کھیل کا شکار میں خود بھی تھا ہاں میں..... ذرا ہد آصف، نادیا سے محبت کر بیٹھا تھا۔“

سہا، نادیا یہ دونوں نام میرے ذہن میں تکرار کرنے لگے۔ سہا کے حوالے سے سوچتے، سوچتے اس ایک پل میں مجھے شدت سے نادیا کی یاد تازہ پانے لگی وہی بے وفاء، بے حس، بے مروت لڑکی جس سے میں نے سچا پیار کیا جو میری پہلی اور آخری محبت تھی مگر اس نے میرے پیار کو کھیل سمجھا۔ اسے میری بے لوث محبت پر شک تھا۔ جب ہی مجھے سچ منہ حار میں چھوڑ کر چلی گئی میرے احساسات، میرے جذبات کسی کا بھی خیال نہ کیا..... میرے سینے میں نفرت اور کرب کی لہریں اٹھنے لگیں اور ماضی کے اوراق میری نگاہوں کے سامنے پلٹنے لگے۔

☆☆☆

ابا جان کے انتقال کے بعد بھابی جان نے میری پرورش کی۔ میں اس وقت آٹھ سال کا تھا، بھابی کی شادی کو تین سال ہو چکے تھے راشد بھائی نے مجھے ایسی ہی شفقت دی جیسے وہ میرے حقیقی باپ ہوں۔ ان کے زیر سایہ میں نے جوانی میں قدم رکھا جب میرا یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہوا تو بھائی اور بھابی نے بھرپور میرا ساتھ دیا۔ بچپن ہی سے میں کچھ خاموش طبع اور شرمیلا واقع ہوا تھا اس مزاج کی وجہ سے کسی سے کوئی خاص دوستی نہیں

جاتے۔ ہماری دوستی رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ جس دن یونیورسٹی نہ آئی میری کیفیت میں خطرناکی پن نمایاں ہوتا۔ مجھے اس کی قربت میں سکون ملتا۔۔۔۔۔ میں اسے شریک حیات کے روپ میں دیکھنا چاہتا تھا۔ ہم محبت میں اس حد تک آگے بڑھ چکے تھے ہمیں دھڑکا لگا رہتا کہ اگر ہم مل نہ پائے تو کیسے جی پائیں گے۔ میں اسے پروپوز کرنے کا سوچ رہا تھا اور پھر ایک دن میں نے اسے پروپوز کر دیا تھا۔

”نادیہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ میں اتنا بے تاب تھا کہ مزید وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے بے دھڑک کہہ دیا۔

وہ تھوڑا سا شرمائی اور گھبرائی بھی۔۔۔۔۔ میں اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہوا پر کچھ دیر بعد اس نے اپنی حالت پر کنٹرول کر لیا تھا۔

”زائد تم پہلے اچھی جاب تو کر لو۔۔۔۔۔“ اس نے مجھے غصانہ مشورہ دیا۔ بات تو اس کی بھی معقول تھی۔ شاید اسی لیے کہتے ہیں محبت اندھی ہوتی ہے۔ انسان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے یہی حالت کچھ میری بھی تھی۔ پروپوزل بھیجے سے پہلے مجھے جاب کی ضرورت تھی۔ کیونکہ پارٹ ٹائم جاب پروپوزل کے حساب سے تو واقعی مناسب نہیں تھی۔ میں نے کوشش کی کوئی بہت اچھی سی جاب مل جائے مگر ابھی میرا ایم بی اے کسپیٹ نہیں ہوا تھا تو اچھی اور معیاری جاب کا ملنا ایک مسئلہ تھا۔ جاب کی تلاش میں مجھے آٹھ ماہ کا عرصہ بیت چکا تھا۔

وقت اتنی تیزی سے گزر رہا تھا مگر ہماری محبت میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔ موسم کے بدلنے کی وجہ سے بھابی اور بیگی سیما پیار ہو گئی تھیں سو چار روز تک میں یونیورسٹی نہ جاسکا۔ نادیہ کے پتا ایک ہل بھی مجھے صدیوں کے برابر محسوس ہوئے۔ چار روز جس مشکل سے میں نے کائے تھے صرف میرا ہی دل جانتا تھا جب بھی میرا موبائل بچا میں خوش تھی میں گھر جاتا مگر بڑے ذہن کے کسی گوشے میں یہ خیال تیزی سے ابھرتا کہ نادیہ کی کال ہوگی، وہ میری غیر حاضری پر پریشان ہوگی یا۔۔۔۔۔ مگر میری

کر سکا۔ سوائے سیف کے۔۔۔۔۔ شاید اس لیے کہ اس کا اور میرا مزاج ملتا جلتا تھا۔

پھر اچانک ایک حادثے میں راشد بھائی خالق حقیقی سے جا ملے اور یوں گھر کی ساری ذمہ داری مجھ پر آن پڑی۔۔۔۔۔ بھابی تو جیسے خود سے بھی بیگانہ ہو گئی تھیں۔ لیکن وقت ہر ذمہ کا مرہم ہے۔ دھیرے دھیرے یہ ذمہ بھی بھرتا گیا اور زندگی اپنی ڈگر پر رواں دواں ہو گئی۔۔۔۔۔ میں اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھا رہا تھا۔ یونیورسٹی کے بعد میں نے ایک پارٹ ٹائم جاب کر لی تھی۔ مکان کے ایک پورشن کا کرایہ بھی آجاتا تھا سو شب و روز مناسب گزر رہے تھے۔ اچانک میری سکون سے بہتی ندی میں ایک پتھر آن گرا اور ایک غلام سا برپا ہو گیا۔ یوں تو میری کلاس میں ایک سے بڑھ کر ایک لڑکیاں تھیں۔ اپنی فطری جھجک کی وجہ سے میں کسی سے ضروری بات کرنا بھی محبوب سمجھتا تھا۔۔۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہل میں انسان کی دنیا بدل جاتی ہے یہی کچھ میرے ساتھ بھی ہوا۔ نادیہ سے میری پہلی ملاقات محض اتفاقیہ تھی، اس ایک ہل کی ملاقات میں، میں اسی لمحے اس سے دوستی کا خواہش مند ہو گیا حالانکہ میں نے تو کبھی خواہوں میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ نادیہ میری کلاس فیلو تھی۔ وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی لڑکی، بناوٹ سے پاک چہرہ، باوقار سنجیدہ اعزاز لیے مجھے اچانک کافی پرکشش لگنے لگی جبکہ وہ مکمل سادگی کا پیکر تھی۔ مجھے شروع سے ہی ایسی لڑکیاں اپیل کرتی تھیں۔ نٹ کھٹ کھلندری سی لڑکیوں کو دیکھ کر میرا پارہ ہائی ہو جاتا تھا۔

شاید اس کی وجہ یہ بھی کہ میں خود بھی انہی خصوصیات کا حامل تھا۔ مجھے لڑکوں کا لڑکیوں سے یوں بے باک ہو کر باتیں کرنا قلمی ناپسند تھا۔ مگر نادیہ سے مراسم بڑھانے کے بعد مجھے یہ بات بری نہیں لگی۔ شروع شروع میں تو اس سے دوستی کرنے میں مجھے خاصی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ بالآخر تیل منڈھے چڑھ گئی۔ دھیرے دھیرے وہ میرے مزاج کو سمجھ گئی غالباً اسے مجھ پر اعتبار آ گیا تھا۔ اب نادیہ اور میں ہر جگہ ساتھ ساتھ پائے

”زابد، امی کو بہت جلدی تھی اور تمہاری کوئی مناسب جاب بھی تو نہیں پارت تاہم جاب تو اتنی اہم نہیں کہ پروپوزل کے لیے مناسب کہی جاسکے۔“

”جاب کا کیا ہے آج نہیں تو کل اچھی جاب مل ہی جائے گی۔“ میں طیش میں آ گیا۔ ”مگر تم میرا ذکر اپنی امی سے کرتی تو۔۔۔۔“ میں نے گھبراہٹ اور غصے میں اپنے سر کے بالوں کو نوچ ڈالا۔۔۔۔ میں اتنا بے بس تھا کہ اور کر بھی کیا سکتا تھا۔

”زابد میں اتنی بڑی بات اور وہ بھی امی سے نہیں کہہ سکتی ہوں۔“ وہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔ میرا جذباتی پن عروج پر تھا اور وہ حیران سی مجھے دیکھ رہی تھی۔

”واہ نادیا، محبت کرتے وقت تم نے یہ بات نہ سوچی۔۔۔۔ اس وقت تمہیں اپنے والدین کا خیال نہیں آیا۔“ میرا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا تھا۔ آنکھوں سے شرارے سے نکلتے گئے۔ میری دل جلانے والی باتیں سن کر اس کی جھل سی آنکھوں میں لمبی اتر آئی تھی۔

اگر میں اس وقت جذبات پر قابو رکھتا اور ذرا سی بھی نگاہ اس غریب پر ڈال لیتا تو حقیقتاً وہ مجھے مجبور اور بے بس نظر آتی مگر میں تو دیکھنے لگا رہے چاہتا تھا، مجھے تو اپنے چاروں طرف آگ ہی آگ نظر آ رہی تھی۔

میں گب گب کچھ اور دیکھنے کی پوزیشن میں تھا۔

”پلیز زابد تم میری پوزیشن کو سمجھو۔۔۔۔“ اس کا لہجہ بھیگ رہا تھا جیسے خوب صورت آنکھوں سے پانی چھٹکنے کے لیے بے قرار ہو۔ لہجے میں تڑپ تھی، کسک تھی۔ وہ ضبط کا بھرپور مظاہرہ کر رہی تھی۔

”نادیا تم نے میرے ساتھ ایسا بھیا تک مذاق کیوں کیا۔۔۔۔؟“ میں سنگ کر رہ گیا۔۔۔۔ نادیا چونک کر آنسو پینے کی کوشش میں مصروف تھی اس لیے اس سے اپنی صفائی میں کچھ نہ بولا گیا۔

”تم بے وقاف ہو، خود غرض ہو۔“ میں جھٹکے سے اٹھا اور اسے کڑے تیوروں سے دیکھا میرا دل پاش پاش اور جگر چھلنی چھلنی ہو رہا تھا۔

”زابد۔۔۔۔ زابد پلیز۔۔۔۔“ اس کے طلق سے۔

خوش تھی، خوش تھی ہی رہی اس بے حس لڑکی نے میرا حال احوال تک نہیں پوچھا۔ چار روز بعد میں نے یونیورسٹی جانے کا سوچا کہ جتنے بھی شکوے شکایت ہیں اس سے کہہ دوں گا۔ اس طرح میرا دل ہلکا ہو جائے گا مگر وہاں نادیا کی غیر حاضری پر میرا دل ٹھٹھا۔۔۔۔ سیف سے دریافت کیا کیونکہ وہ ہی میرا ہراڑ تھا۔

”نادیا بھی تین چار روز سے نہیں آرہی۔“ سیف کے بتانے پر میرا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور شکایتوں کا سلسلہ بھی اپنے آپ ہی دم توڑ گیا۔

”زابد تم پریشان مت ہو وہ آجائے گی۔“ سیف نے میرے کانوں پر ہاتھ رکھ کر گویا میری پریشانی شیر کی تو میں مسکرا دیا۔

☆☆☆

موسم آج بھی خوشگوار تھا یا شاید میرے دل کا موسم اچھا تھا۔ جیسی مجھے بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ نادیا ایک ہفتے بعد یونیورسٹی آئی تھی۔ اسے اتنے دنوں بعد دیکھنے پر میں گلاب کی طرح پھلا جا رہا تھا، شکوہ شکایت والی بات بالائے طاق رکھ دی تھی۔ میرا موڈ بھی خاصا خوشگوار تھا اور طبیعت میں بھی شوخی نمایاں تھی اور کیوں نہ ہوتی نادیا جو میرے سامنے بیٹھی ہوئی تھی لیکن ایک بات جو میں نے نوٹ کی کہ نادیا کچھ ابھی، ابھی کچھ چپ، چپ کی تھی۔

”نادیا کیا بات ہے؟“ میں نے گریبا اور میرے اصرار پر جو بات اس نے مجھے بتائی وہ بات سن کر میری آنکھیں پچھلی کی پچھلی رہ گئیں۔۔۔۔ سازی شوخی رفع ہو گئی۔ بات کیا تھی میرے لیے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ میں سکتے میں رہ گیا تھا۔

”نادیا یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟“ مجھے اپنی سماعت پر یقین نہ آیا۔

”ہاں زابد، امی نے اچانک میرا رشتہ کہیں اور طے کر دیا ہے۔ شاید ایک دو ماہ بعد میری شادی ہو جائے۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”تو کیا تم نے میرے متعلق اپنی امی کو نہیں بتایا تھا؟“ غصہ دباتے ہوئے میں بہ مشکل بولا۔

اعتراف

ہمارے میں گھر والوں سے بات کرتی جبکہ سیمانے تمام
ہستیں مجتمع کر کے بھائی کو صاف اور واضح لفظوں میں اپنی
پسند سے آگاہ کر دیا تھا مگر سیمانے کے لئے صاف اور واضح
لفظوں میں بتانے کا کیا فائدہ ہوا۔ بھائی نے وہی کیا جو
شاید ہر ماں کرتی ہے۔

میرا بتایا ہوا رشتہ منظور ہو گیا تھا، آج سیما کا نکاح
 تھا البتہ رخصتی فی الحال کچھ مہینوں کے لیے ملتوی کر دی گئی
 تھی۔ مگر میں نے دیکھا کہ سیما دن بھر روتی رہی اب
 بھی وہ ضبط کی انتہا کو چھو رہی تھی۔ اس کے اشک مجھے
 اپنے دل پر گرتے ہوئے محسوس ہوتے اور اب میں
 محض نرل کیفیت کا شکار تھا۔

”کیا میں نے سہما کے ساتھ انصاف کیا تھا؟“
مگر بھابی کا چمکا دھکا چہرہ دیکھ میری پریشانی رفع ہو گئی۔
رات کی محیب تنہائی میں اتنے سالوں بعد نادیدہ کی یاد پھر
ستانے لگی۔

”یقیناً نادیہ بھی سیما کی طرح بے بس اور مجبور ہوگی مگر میں اس مشرقی لڑکی کی مجبوری نہ سمجھ سکا..... مرد عورتوں کی مجبوری کبھی نہیں سمجھ سکتے۔“ میں نادیہ سے متفرق تھا مگر ان طویل سالوں کے بعد اب میرے دل میں نادیہ کے خلاف نفرتوں کے چھائے ہوئے باطل چھٹ گئے۔ تاریخ نے اپنے آپ کو ڈھرا کر میرے سارے سوال و جواب، شکوے گلے دور کر دیے تھے۔

”پھر محبت کیوں کی تھی؟“ مسکراہٹ میرے لبوں پر پھیل گئی کتنا ناواقف تھا۔ یہ بھی نہیں سمجھ سکا کہ.....

”محبت کی نہیں جانی، محبت ہو جاتی ہے، محبت تو قربانی مانگی ہے۔ سہا اور نادیہ نے قربانی دے کر محبت کو رسوا نہیں بلکہ امر کر دیا تھا۔“ میرے دل میں نادیہ کی قدرو منزلت حریف بڑھ گئی۔

”نادیہ آئی ایم سوری۔۔۔۔۔“ میں دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوا۔

”مجھے اب تم سے کوئی حکایت نہیں ہے۔“ ایک
آسودہ سی مسکراہٹ میرے لبوں پر کھرمکئی تھی۔

1

ماہنامہ پاکیزہ ﴿ 213 ﴾ جون 2016ء

یہ مشکل یہ لفظ ادا ہوئے اور اس نے تیزی سے میرا ہاتھ پکڑا میں نے جھٹکے سے اٹھا ہاتھ اس کے ملائم ہاتھوں سے چھڑایا دیکھا جائے تو ترک تعلق کی ابتدا میں نے خود اس کا ہاتھ جھٹک کر کر دی تھی۔

”تم نے محبت کو رسوا کر دیا۔“ میری بات اس کے نازک دل پر فشر بن کر چھپی۔

”زاہد.....“ اس نے رندمی ہوئی آواز میں مجھے
 پکارا۔ میں اس وقت جذبات کی رو میں بہہ گیا تھا۔ اس
 لیے نادیدہ کی آہ، آنسو، التجا کسی بھی بات کا مجھ پر اثر نہیں
 ہوا۔ یہی میری پہلی اور آخری محبت تھی..... پہلی محبت
 میں ہی میں نے اسکی زبردست چوٹ دل پر کھائی کہ
 مدتوں اس غم سے پہچانہ چھوٹ سکا۔ ہر چیز سے میرا دل
 اچاٹ ہو گیا۔ دل چکنا چور ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے میری
 ریاضتوں کا کیا صلہ دیا یہی کہ مجھے آزما کر چلی گئی۔
 سونے پر سہاگا سیف کی باتوں سے میں مزید نادیدہ سے
 متنفر ہو گیا۔

نادیہ سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی جب وہ اپنے بھائی کے ساتھ کسی نہت ضروری کام سے آئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میرے جسم میں نفرت کا لہر اڑ پکڑنے لگا۔

سینے میں دہلی، دہلی چنگاریاں پھردہک اٹھیں۔ میں نے نفرت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ میں کھل طوطہ پر نادیہ سے۔ یخزن ہو گیا۔ میری بے رحمی پر وہ ہرٹ ہوئی۔..... پھر مجھے اس کی طرف سے شادی کی اطلاع ملی۔ مرے سینے میں ایک طوفان ایک قیامت برپا تھی۔ جو وقت کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی بڑھنے لگی۔ میں نے محبت میں مات کھائی تھی۔

اگرچہ وہ بابِ محبت تو ماضی ہو چکا تھا لیکن اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی میرے دل میں روزِ اول کی طرح بسی ہوئی تھی۔ شروع، شروع میں بڑی بھابی میرے پیچھے لگی رہیں کہ میں شادی کر لوں مگر میں نے شادی نہ کرنے کی قسم کھالی تھی اور آج تک اپنی بات پر قائم و دائم ہوں۔ مگر یہ کیا ہوا آج تاریخ نے اپنے آپ کو پھر دہرایا۔ فرق ہے تو صرف وقت اور زمانے کا..... نادیدہ میں تو شاید اتنی بہت نہیں تھی کہ اپنی محبت کے

Downloaded From
Paksociety.com

مکمل ناول



میں کیسے مسلمان ہوئی

آتم ایسان

وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی مقتل الماری
تک آئیں۔ اسے کھولا اور کسی متاع کی طرح سنبھال
کر رکھا ہوا وہ کاغذ اس میں سے نکالا جسے ہر بار دیکھنے
پر ان کی حالت غیر ہو جایا کرتی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے
اسے لے کر وہ اپنے بستر پر آ بیٹھیں اور جیسے، جیسے ان
سلور پرٹکا ہیں دوڑاتی گئیں۔ شفاف آنسو ٹوٹ کر ان
کے چہرے کی جھریوں میں جگہ بناتے ہوئے نیچے گرتے
گئے۔ کتنی ہی دیر وہ اس مختصر عبارت کو بار بار پڑھتی

ماہنامہ پلکیزہ 214 جون 2018ء

READING
Section



دینے کے لیے نہیں تھیں۔ راحیل احمد نے ان کا حال احوال دریافت کیا پھر کسی بھی چیز کی ضرورت کے متعلق دریافت کیا اور ان کے مثبت جواب پر کچھ دیر کو جیسے اگلی بات کرنے کے لیے تمہید باندھنے کو الفاظ تلاش کرنے لگے۔

”کیا بات ہے راحیل! کہو جو بات کہنے آئے ہو بیٹا۔“ ان کی نرمی نے ان کو قدرے سہارا دیا۔

”وہ اماں جی بات یہ ہے کہ فتاشا کی پڑھائی مکمل ہونے والی ہے پھر سونیا اور صبا بھی ہیں ان کا بھی دیکھنا ہے۔ سدید کا تو چلو رہا ہے ساتھ جوڑ بننا ہے اور ٹکلیل بھی مجھ سے کہنے چکا ہے کہ رہا کا سدید کے لیے سوچیں اگرچہ اشاروں میں ہی کہا ہے پر میرا بھائی ہے وہ اس کا میں نہیں سوچوں گا تو اور کون سوچے گا سدید کو بھی اعتراض نہیں ہے رہا کے ساتھ پر، اچھی خاصی انٹر اسٹینڈنگ ہے دونوں کے بیچ.....“ وہ ذرا سانس لینے کو رکے۔ رخشدہ بیگم ان کی اس ساری بات میں سے اصل بات اخذ کرنا چاہ رہی تھیں کیونکہ یہ سب ان کے پوتے پوتیاں تھے۔ انہیں یہ سب معلوم تھا۔

”اماں جی! معید ہمارا اپنا بچہ ہے۔ میرے بھائی کی اولاد، میں چاہ رہا تھا کہ اگر فتاشا اور معید کو ایک رشتے میں باندھ دیا جائے تو..... یعنی اولہ بدلہ کتنی اچھی بات ہو..... پھر معید آپ کا لاڈلا ہے، آپ کی بات ماننا بھی بہت ہے۔“ انہوں نے بات مکمل کر کے پُر امید نظروں سے ماں کے چہرے کی جانب نظر کی۔

”راحیل! اس گھر کی بچیاں میری اپنی بچیاں ہیں۔ چاہے وہ فتاشا ہو یا رہا..... انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے کی دوسرے نمبر والی بیٹی کا نام لیا..... وہ گوشت بھی تمہاری بہن کی بیٹی ہے اور شاید تمہارے علم میں نہیں ہے کہ تم سے پہلے شاہانہ (رخشدہ جہاں کی بیٹی) اور ٹکلیل بیٹا مجھ سے اپنی اپنی بچیوں کا رشتہ معید کے ساتھ جوڑنے کا اصرار کر چکے ہیں۔“ راحیل احمد کا

رہیں۔ اچانک ہی دروازہ کھول کر وہ داخل ہوئی۔ تیزی سے صورت حال کا اندازہ کر کے وہ ان تک آئی اور وہی مخصوص کاغذ ان کے ہاتھ میں دیکھ کر ایک پل کو اس کا رنگ متغیر ہوا پر اگلے ہی پل اس نے بے حد آہستگی سے وہ کاغذ ان کے ہاتھ سے لے کر واپس اسی جگہ رکھا اگرچہ اس عمل میں دل کے تاریکی طرح سے بل گئے تھے کہ وہ مختصر عمارت ان دونوں کی زندگی کی سب سے اہم حقیقت تھی اور جتنا یہ سطور انہیں رنجیدہ کرتے اتنا ہی گداز بھی پیدا کرتی تھیں۔ آخر کو اس میں ان دونوں سے بے پناہ محبت کا اعتراف پوشیدہ تھا۔ وہ بھی اس شخص کی طرف سے جسے وہ دونوں ہی اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔

☆☆☆

رخشدہ جہاں قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھیں جب دروازہ کھول کر ان کے دوسرے نمبر والے بیٹے راحیل احمد اندر اجازت لے کر داخل ہوئے..... انہوں نے اشارے سے انہیں اندر آنے کی اجازت دے کر ادب سے قرآن پاک بند کر کے ساتھ ہی رکھی سائڈ ٹیبل پر رکھا اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ذرا آرام و راحت میں بیٹھ گئیں۔ راحیل احمد صوفے پر بیٹھنے کے بجائے ان کے پاس ہی آکر بیٹھ گئے۔ رخشدہ جہاں کو دل ہی دل میں حیرت ضرور ہوئی کہ ناشتا اور شام کا کھانا سب کا اکٹھے ہوتا تھا۔ سو وہیں پر ہی بیٹوں سے ملاقات ہو جایا کرتی تھی تو ٹھیک ورنہ دونوں وہ پلٹ کر ان کی خبر نہیں لیتے تھے۔ ہاں اپنی بیویوں اور گھر کے ملازمین کو سختی سے تاکید تھی کہ اماں جی کا ہر قسم کا خیال رکھا جائے اور انہیں اس گھر میں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہو سو ہر قسم کی مادی آسائش کا ڈھیر رخشدہ بیگم کے پاس تھا۔ اگر نہیں تھا تو ان کی اولاد کی محبت کا احساس اور وہ طلب ویدار جو ان کی عمر کا تقاضا تھا کہ ان کی اولاد میں اگرچہ ہر وقت ان کے آس پاس نہ رہیں پر دن کے کسی ایک وقت انہیں شکل ضرور دکھایا کریں اور وہی دو چیزیں ان کی اولاد کے پاس انہیں

ماہنامہ پلکیزہ 216 جون 2016ء

”یہ دونوں ہر معاملے میں ہی مجھ سے جلد باز ہیں اور ہمیشہ بازی لے جاتے ہیں۔ زرینہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔“ انہوں نے دل ہی دل میں خود کو لٹاڑا۔

”تم مانو یا نہ مانو..... ہمیں تم لوگوں سے زیادہ تمہاری اولاد کا احساس ہے لیکن میرے لیے زیادہ اہم ہے معیہ کی مرضی..... وہ چند ماہ تک آنے والا ہے۔ میں اس کے سامنے ان بچیوں کے نام رکھوں گی..... جہاں اس کی مرضی ہوئی وہاں پر رشتہ طے ہو جائے گا..... باقی رہی گھر کی اور بچیاں تو ریمیا کا تم بتا ہی چکے ہو..... شاہانہ کو میں کہہ چکی ہوں کہ بیٹے کا رشتہ کرتے وقت باہر کا منہ ہرگز نہ دیکھے کیونکہ اس کے بھائی کی بچیاں پہلے موجود ہیں۔ باقی تم بھی جانتے ہو اور میں بھی رشتے بناتے تو سب نصیبوں کے کھیل ہیں..... اللہ سب کے لیے بہتری کرے گا.....“ انہوں نے بیٹے کا حنجر چہرہ دیکھ کر اپنے تئیں اسے تسلی دینے کی کوشش کی..... ایک دو باتیں مزید کر کے راحیل احمد ہاں سے اٹھ گئے تھے۔

رخشدہ جہاں کو وہ سہانے دن یاد آئے جب اپنے گاؤں میں ایک بڑی سی حویلی پر ان کا راج تھا۔ تین جوان بیٹوں کی ماں تھیں میاں تحصیل دار تھے۔ زمین، جائیداد اللہ کا دیا سب کچھ تھا..... سارے بیٹے شہر میں زیر تعلیم تھے۔ بیٹی البتہ میٹرک کر کے گھر بیٹھ گئی تھی کہ مزید پڑھنے کا شوق ہی نہیں تھا۔ بڑے عقیل اور راحیل دونوں یونیورسٹی میں ایک سال کے فرق سے زیر تعلیم تھے جبکہ ککیل ابھی کالج میں تھا۔ وہ عقیل کے لیے اپنی بھانجی بیابا لانے کی خواہاں تھیں جبکہ زرینہ ان کی بھانجی جو شکل صورت میں اگرچہ خوب صورت اور سلیقے و سکھڑاپے میں اپنی مثال آپ تھی۔ پر عقیل نے ان کی بات سن کر سرے سے ہی اس سے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ وہ کسی پڑوسی لڑکی سے شادی کا خواہاں تھا۔ پھر انہوں نے اپنے دوسرے بیٹے راحیل کے

سامنے یہ تجویز رکھی تو اسے ماں کی فرمائش پر کوئی اعتراض نہ ہوا..... سو انہی دنوں جب ان کے دونوں بڑے بیٹے تعلیم مکمل کر کے اپنا کاروبار شروع کر کے عملی زندگی کا آغاز کر چکے تھے گھر میں راحیل کی شادی کی تیاریاں زوروں پر تھیں جب عقیل احمد نے اپنی پسند گھر میں لانے کا اعلان کیا۔ لڑکی جب وہ یونیورسٹی میں تھے تب سے ان کو پسند تھی اور راحیل بھی اس بات سے آگاہ تھے۔ رخشدہ بیگم اگرچہ غیر خاندان سے بہولانے کو تیار نہیں تھیں پر اپنے میاں کے سمجھانے پر.....

بادلِ ناقواستہ نہیں ماننا پڑا۔ انہوں نے کہا تھا۔

”رخشدہ بیگم! ہم تم اپنی زندگی گزار چکے..... اب بچوں کی باری ہے انہوں نے اپنی پوری زندگی گزار دی ہے۔ سو کیوں نہ ان کی پسند کو مد نظر رکھا جائے اس طرح عائشہ کو عقیل کی اور اپنی بھانجی زرینہ کو وہ راحیل کی دلہن بنا کر حویلی لے آئیں۔ ان کی توقعات کے برعکس عائشہ ایک اچھی اور فرمانبردار بہو ثابت ہوئی۔ شادی کے ایک سال بعد عقیل کے ہاں معیہ نے راحیل کے ہاں زرینہ نے جنم لیا۔ ککیل بھی اب دونوں بھائیوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کے ساتھ بزنس میں شامل ہوا تھا۔ جب رخشدہ بیگم کے خاندان میں ہی شاہانہ کے رشتے کی بات چلی اور عین نکاح سے ایک دن پہلے انہوں نے شرط عائد کر دی کہ بدلے میں ان کی بیٹی کا رشتہ ککیل کے لیے لیا جائے..... لڑکی قبول صورت اور ایف اے پاس تھی۔ ماں، باپ کو بے حد پریشان اور بہن کا متوقع خدشات کے تحت زرد پڑنا چہرہ دیکھ کر ککیل اس شادی پر تیار ہو گیا..... شادی کے بعد راحیل ایک سال ہی ماں باپ کے پاس حویلی میں گزار سکا پھر شہر جانے کو پر تول لیے..... ننھا سدید بھی اس کی زندگی میں شامل ہو چکا تھا۔ رخشدہ جہاں اور فرزند علی دیکھتے رہے اور راحیل کے بعد ککیل نے بھی شہر کے لیے رختِ سفر باندھ لیا جبکہ عقیل اور عائشہ جن کے جانے کی توقع ان دنوں میاں، بیوی کو ان

کزنز کی کچھی میں بھی گم صم رہتا تھا۔ وہ کھیتوں کی طرف نکل جاتا..... اسے فطری مناظر، خوب صورت نظارے، ابھرتا طلوع ہوتا سورج زیادہ متاثر کرتے۔ برنسٹ اپنے کزنز کی بے سرو پا باتوں کے یا وہ اپنے دادا، دادی جن کو اپنے باپ کی طرح ابا جی اور اماں جی کہتا تھا۔ ان کی سنگت زیادہ بھاتی تھی۔

☆☆☆

ساری رات جاگ کر سوچتے رہنے کی وجہ سے صبح آنکھ دیر سے کھلی تھی، اسے نماز کے قضا ہو جانے کا.... بے حد افسوس ہوا۔ بہر حال ناشتے کا نام نہیں تھا۔ اس کا روم میٹ اسٹوڈنٹ کب کا اٹھ کر جا چکا تھا۔ اسے جگائے بغیر..... بہت دفعہ اسے اس سرد ملک کے سرد لوگوں کی بینگانی بری طرح کھلتی۔ مشینوں کی طرح بڑے، بڑے انہوں نے اپنے جذبات و احساسات کو بھی مشینوں جیسا ہی بنالیا تھا۔ پہلی کلاس مسٹر اینسن کی تھی اور وہ لیٹ آنا قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے۔ وہ تو شکر ہوا وہ وقت پر کلاس میں پہنچ گیا۔ حسب معمول داخل ہونے پر پہلی اور بے ساختہ نظر اسی پر پڑی تھی۔ فل سلیو کے آف وائٹ بلاؤز کے ساتھ بے بی ٹنگ لائنگ اسکرٹ پہنے وہ اپنے ریٹش براؤن بالوں کو محل طود پر پٹک کمر کے اسکارف میں لپیٹے ہوئے فائل پر تیزی سے کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔ اگرچہ ابھی کلاس شروع ہونے میں کچھ دیر تھی۔ کچھ اسٹوڈنٹ خوش گپیوں میں تو کچھ نوٹس کے متعدد جات اتارنے میں مصروف تھے کہ سر اینسن کو آج ایک اسائنمنٹ بھی سب مٹ کرانی تھی۔

”اوہ!“ اسائنمنٹ کا خیال آنے پر اس نے تیزی سے کندھے پر لٹکا اپنا بیگ ٹٹولا..... چند ہی لمحوں بعد سکون بھری سانس لٹی کہ صد شکر وہ اپنا کام وقت سے پہلے کرنے کا عادی تھا اور پرسوں رات کو ہی اس نے اسائنمنٹ مکمل کر کے بیگ میں ڈال دی تھی۔ اس کے ساتھ والی تین کرسیاں چھوڑ کر جگہ خالی تھی۔ وہ بھی وہاں جا کر بیٹھ گیا اور اسائنمنٹ نکال کر فائل نظر دوڑا ہی رہا تھا کہ سر اینسن کے آنے پر سب ہمہ تن گوش ہو

سب سے پہلے تھی، وہ لوگ یہیں تھے۔ عقل احمد تقریباً روزگاہوں لوٹ آنے پر کبھی بیوی، بچوں کو شہر ساتھ لے جانے پر مجبور نہیں کیا..... نہ ہی عائشہ کی طرف سے کوئی ایسی خواہش ظاہر ہوئی۔ فرزند علی ریٹائرمنٹ کے بعد سارا وقت اپنی زمینوں پر گزارتے اور گھر آ کر ننھے معید کی سنگت سے لطف اٹھاتے۔ شروع، شروع میں بے رخی برتنے والی رخشندہ بیگم اب عائشہ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اس سے بہت خوش تھیں۔ معید چھ سال کا ہوا تو راحیل کے ہاں دو بیٹوں زرین اور مناشا کے بعد دریا اور کھیل کے ہاں سدید کے بعد سارہ اور شا کا اضافہ ہو چکا تھا جبکہ شاہانہ جو اب اپنے شوہر کے ساتھ شہر میں رہائش پزیر تھیں کے دو بچے احمد اور گوئی تھے۔ عائشہ کے ہاں باوجود خواہش کے مزید اولاد نہ ہو سکی تھی۔ عقل احمد نے رخشندہ بیگم کی نہ، نہ کے باوجود معید کو بورڈنگ میں ڈال دیا تھا اگرچہ اس کے چچاؤں نے اصرار کیا تھا کہ شہر میں اپنے گھر کے ہوتے ہوئے اسے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں لیکن عقل احمد نے اپنے اکلوتے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بے شمار پینے دیکھ رکھے تھے۔ وہ اس وقت ادھورے رہ گئے جب معید سے ہاسٹل سے مل کر واپس آنے والے عقل احمد اور عائشہ کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا اور وہ جانبر نہ ہو سکے..... ماں، باپ کی کمری لوٹ گئی تھی۔ ایک ہفتا بستا گھر اجڑ گیا تھا۔ معید ہفتوں گم صم رہا تھا۔ رخشندہ بیگم نہیں چاہتی تھیں کہ وہ دوبارہ بورڈنگ جائے پر فرزند علی بیٹے کی خواہشات سے واقف تھے۔ سو ان کی ضد نظر انداز کر کے دوبارہ سے پوتے کو بورڈنگ چھوڑ آئے تھے۔ وہ دونوں میاں، بیوی اب اگر زندہ بھی تھے تو اس مصوم کی خاطر جس نے جلد ہی ان دونوں کو اپنے ماں، باپ کی جگہ دے دی اور ان کی محبتوں کا عادی ہو گیا۔ وہ شروع سے سمجیدہ مزاج اور گم گو بچہ تھا۔ راحیل، کھیل اور شاہانہ کبھی کبھار سال میں ایک آدھ دفعہ بچوں کی چیشیوں کے موقع پر ماں باپ کے پاس آ جاتے تھے۔ معید اپنے

میں زیادہ عبادت میں مصروف رہنے لگا۔ پڑھائی سے جو نائم پچتا وہ نیٹ پر مصروف رہتا، اللہ سے اپنے لیے ہدایت اور بھلائی طلب کرتا اس کی ہر دعا میں پہلی اور آخری طلب یہی ہوتی کہ وہ اس کو بھول جائے پر شاید اللہ کو اس کی آزمائش منظور تھی کہ گیت ڈی سوزا کو بھولنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا تھا۔ بہت مشکل سے کتابوں میں دھیان لگا تا کہ اماں جی کو اس سے بہت امیدیں وابستہ تھیں۔ ابا جی (دادا) کی وفات کے بعد وہ بہت اکیلی پڑ گئی تھیں۔

☆☆☆

گرہنی کی حالت انتہائی خراب دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ مارگریٹ جو صبح ان کی دیکھ بھال کرتی تھی اس کا کہیں اتنا پتا نہیں تھا۔ مسٹر جمشید اور ان کی فیملی میں سے بھی دن کے اس نائم گھر میں حسب معمول کوئی موجود نہیں تھا۔ مارگریٹ کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی، ان دونوں نے انہیں سیدھا کیا پھر مشکل سے بیڈ تک لے آئیں۔ وہ پتا نہیں کیسے اپنی وہیل چیئر سے نیچے گر گئی تھیں۔ مارگریٹ اپنی بے پروائی پر شدید شرمندہ تھی اور اس کی باز پرس پر اس سے معافی بھی طلب کی تھی کہ اسے اچانک ایک ضروری کام یاد آ گیا تھا جس کے لیے وہ مسز جمشید سے اجازت لے کر نزدیکی اسٹور تک گئی تھی اور گرہنی اس وقت اپنے بستر پر گہری نیند میں تھیں اس کے بعد اسے نہیں پتا کہ وہ بستر سے وہیل چیئر پر کیسے اور کس لیے پہنچیں۔

”مسز جمشید! ہونہہ.....“ اس نے دل میں سوچا اگر ان کے گھر والے ان کا دھیان رکھنے والے ہوتے تو وہ ایسی لاچاری کی زندگی نہ گزار رہی ہوتیں۔ مسز جمشید تو چاہتی تھیں کہ جلد از جلد اس بیمار بڑھیا سے ان کی جان چھوٹ جائے اس کا اظہار وہ گا بے بگا ہے اس کے سامنے کرتی رہتی تھیں اور مسٹر جمشید پر بھی بے حد زور ڈالا تھا کہ ان کو اولڈ ہاؤس بھجوا دیا جائے لیکن مغربی تہذیب میں مکمل طور پر رنگ چکے مسٹر جمشید میں

کر بیٹھے اور کلاس میں ایک مخصوص خاموشی کا راج ہو گیا جو مسٹر راہنسن کی موجودگی میں طاری ہو جایا کرتی تھی۔ زندگی میں پہلی بار اس کا دھیان پکچر کے بجائے اماں جی کی کہی ہوئی ان باتوں کی طرف تھا جو انہوں نے کی تھیں کہ احتمالات کے بعد وہ شدت سے اس کی منتظر ہیں اور جلد از جلد اس کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتی ہیں۔ اور دونوں بچاؤں اور ایک پھوپھی کی بیٹیوں میں سے جس کے بارے میں بھی وہ کہے اس کا نام جوڑ دیا جائے گا.....“ گویا ان تین رشتوں کے علاوہ اس کی زندگی میں اور کسی کی بھی منجائش نہیں تھی اس حوالے سے..... اسے لگا ایسا سوچنے سے ہی اسے اپنے اندر بے پناہ ٹھٹھن کا احساس ہوا..... گزشتہ آٹھ ماہ سے جوڑ کی اس کے دل و دماغ اور حواس پر اس قدر حاوی تھی کہ وہ اپنے آپ کو سمجھانے، بھلانے کی کوشش اور ہر حربہ آزما چکا تھا اور ناکام ہونے پر اس نے اپنے دل اور خیالات پر قدغن لگانا چھوڑ دی تھی۔ بہت بار اس کا دل کہتا تھا کہ اس آنکھوں والی ڈھکی چھپی اس لڑکی کو اپنے خیالات بتائے پھر اس کی آنکھوں کے تاثرات اور چہرے کے پھلتے رنگوں کو ہمیشہ کے لیے اپنے دل میں محفوظ کر لے..... لیکن ایسے خیالات تب تک تھے جب تک اس نے اس کی ذات کی نکوج نہیں لگائی تھی اس کا نام معلوم ہونے پر اسے اپنی ذات کے پرچے اڑتے معلوم ہوئے تھے۔ ”گیت ڈی سوزا! سرسری سا ایک کلاس فیلو سے اس کا نام معلوم کرنے پر مزید یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ ایک ہندو ماں اور عیسائی باپ کی بیٹی تھی اور اس کا ڈھکا چھپا انداز اور مشرقی حسن محسوس کر کے اگر وہ خوش فہم ہوا بھی تھا کہ ہو سکتا ہے وہ مسلمان ہو سارے خواب و حرام سے ٹوٹ گئے تھے۔ پر دل کسی بھی ایسی تاویل کو نہیں مانتا..... اس کے دل نے بھی یہ سب تاویلیں ٹھکرا دی تھیں۔ نماز کا وہ پہلے ہی سے پابند تھا۔ اماں جی اور ابا جی کی صحبت نے بہت خاص تربیت کی تھی اس کی پر اب وہ اسے بھلانے کے جتن

ابھی اتنی قدر باقی تھی کہ وہ ان کی ماں ہیں اور ان کا اصل مقام ان کے گھر میں ہی ہے اولڈ ہاؤس میں نہیں اسی بات پر ان کی کئی شدید قسم کی جھڑپیں ہو چکی تھیں۔ ڈولی اور روی کو بھی گریٹی کا وجود بے حد گراں گزرتا جو اگر بھی نظر پڑ جاتی کہ وہ ان کے آنے جانے کے اوقات سے لے کر ان کے لباس، اطوار اور دوستوں تک پر اعتراض کرتیں، یہ اور بات تھی کہ ان کی کسی بات کو درخور اعتنا نہیں جانتا تھا۔ البتہ ڈولی جو جمشید صاحب کی فقط تیرہ سالہ بیٹی تھی نے باپ کو دھمکی دی تھی کہ آئندہ اگر اس اولڈ لیڈی نے اس کی لائف کے میٹرز میں انٹرفیر کیا تو وہ یہ گھر چھوڑ کر چلی جائے گی۔

”مام پلیز! میرے لیے پہلے ہی بہت سی پرالہو ہیں، آپ مزید پرالہو مت کمری ایٹ کریں میرے لیے۔۔۔۔۔۔ دو، دو ملازما میں ہیں آپ کی خدمت کے لیے۔۔۔۔۔۔ دنیا جہاں کی چیزوں کا سمجھتوں کا ڈھیر لگا دیا ہے آپ کے لیے۔۔۔۔۔۔ ڈاکٹرز سے ہر ماہ چیک اپ ہوتا ہے آپ کا۔۔۔۔۔۔ لوگ ایسی جگہوں اور ایسی زندگی کے لیے ترستے ہیں اور آپ ہیں کہ اس سب کا احساس کیے بغیر میری زندگی کو مشکل بنانے پر تلی ہیں۔ مت بھولیں کہ آپ کے زمانے گزر گئے۔ وہ آپ کا ماضی تھا جب آپ پردہ لباس، عورت، مرد کی ہنکار میں زندہ رہتے تھے۔ اب نیا دور ہے، اس کے نئے تقاضے ہیں۔ بچوں پر روک ٹوک مت کیا کریں۔۔۔۔۔۔ انہیں اپنا اچھا برا سب معلوم ہے، بہت دفعہ سمجھا چکا ہوں میں آپ کو پر آپ ہیں کہ بات کو سمجھتی ہی نہیں۔ یہ پاکستان نہیں ہے۔“ بری طرح سے برس کر۔۔۔۔۔۔ وہ ایسی ہی ایک کلاس ضروران کی لیا کرتے جب بھی ان کی بیوی یا بچوں میں سے کوئی ان سے ان کی کسی بے جا روک ٹوک اور دخل اندازی کا ذکر کرتا، وہ سب کچھ خاموشی سے سنتی بچتیں اور پھر اکیلے میں گیلی آنکھوں کے ساتھ اپنے راب سے راز دینا دیکھ کر تھیں۔

”اللہ مجھے موت دے، دے۔۔۔۔۔۔ مجھے ایسی آزمائش میں مت ڈال میرے اللہ۔۔۔۔۔۔ یا ان کو ہدایت

دے یا مجھے اٹھالے۔۔۔۔۔۔ ہر بار مسٹر جمشید کے گھر میں جب پارٹی ہوتی اس کا وہ ماحول، وہ لوگ اور ان کا لباس دیکھ کر وہ بری طرح رد دیتیں۔ وہ کبھی تو ان کو چپ کرانی اور کبھی بے بسی سے صرف دیکھ کر رہ جاتی۔

”تجھے دیکھتی ہوں تو دل سے آہ نکلتی ہے کہ کیسے، کیسے مالک آزمائشوں کے درکھوتا ہے انسان کے لیے پھر ان سے نکلنے کے ہزار راستے بھی دکھاتا ہے پر بندہ سمجھے تب ناں۔۔۔۔۔۔ تم بھی تو کافروں کے گھر پیدا ہوئی ہو پر اللہ کو منظور نہیں تھا تمہارا ایسے بے ہدایت رہنا۔ کیسے من میں ہدایت کی طلب جگا دی بھلے آزمائش کی بھٹی میں گزارا پر اپنے دین میں تو بلالیا ناں اور میری آل اولاد کو دیکھو بچی! سب کچھ پلیٹ میں ڈال کر دے دیا۔۔۔۔۔۔ سچا دین، اپنا وطن، دولت، عزت پر سب کچھ ٹھکرا کر ہاتھ میں پکڑا بھی تو رسوائی، ذلت اور بدکاری کا دامن۔“ وہ ہولے ہولے بول رہی تھیں اور سنتے ہوئے اس کے آنسو قطار میں بہتے اس کے شفاف گالوں پر نشان بناتے چلے گئے۔ اس کی ذات اور شناخت کا ستر بھی بے حد کڑوا تھا پر ہدایت کا ایک جتنو ہاتھ میں تھام کر وہ اندھیروں سے گزرا آتی تھی۔

گیت ڈی سوزا کی ماں سونیا اگر وال امریکا میں ایک ہوٹل کی مالک تھی۔ جسے بار میں آنے والا ایک نوجوان بے طرح بھا گیا اور ان کی محبت بھری کہانی کا انجام شادی جیسے خوشگوار نتیجے پر ہوا۔ وہ کسی سپراسٹور میں میگزین تھا اور شادی کے بعد اس نے ہوٹل کا کام سنبھال لیا۔ دو سال بعد گیت ڈی سوزا پیدا ہوئی۔ ماں کی طرح بنگال کا حسن اور رنگت میں باپ کی طرح گیت ماں، باپ کی طرح بے حد پیاری تھی۔ سونیا نے اس کا نام اپنی ماں کے نام پر رکھا تھا جواب اس دنیا میں نہیں تھی۔ اس کے مذہب کا فیصلہ وقت آنے پر چھوڑ دیا گیا کہ بڑی ہونے پر وہ خود ہی فیصلہ کرے گی۔ جوڑا تھا اس کی عیسائی گورنس تھی جو خاصا مذہبی رجحان رکھتی تھی اور بے اولاد ہونے کی بنا پر گیت سے خاصی انصیت بھی رکھتی تھی۔ سوزنگی کے اولین سالوں میں گیت پر

اس کی سوچوں اور تربیت کا بہت عمل دخل تھا۔

☆☆☆

ٹینا بیگم جو کبھی گاؤں میں تہینہ تھیں۔ اب ٹینا اور زرینہ اپنے سرکل میں زری کے نام سے مشہور تھیں۔ اس وقت اپنے تمام اختلاقات بھلائے وہ بظاہر شیرد شکر ہو کر لوگ روم میں براجمان تھیں جبکہ ان کی بیٹیاں بھی وہیں بظاہر تو اپنی دلچسپیوں میں مگر درحقیقت کان ماؤں کی باتوں پر ہی دھرے تھے کہ بہر حال بہت اہم موضوع اس وقت زیر بحث تھا۔

”یہ آج کی بات نہیں ہے اور نہ ہی نیا کام کیا ہے اماں جی نے..... ہمیشہ ہی ایسے کرتی ہیں پہلے ساری زندگی ان کے لیے عقل بھائی اور ان کی فیملی، ان کی اولاد اہم رہی۔ ان سے بھی لمحہ بھر کو دھیان ہٹا بھی تو شاہانہ بیگم اور اس کی اولاد کو ہی ہمارے اوپر ہر معاملے میں فوقیت دی۔ ہم تو جیسے کسی کھاتے میں ہی نہیں ہیں۔ فرماتی ہیں ساری بچیاں میرے لیے ایک سی ہیں۔ ادے اگر ایک سی ہوتیں تو آج معید کے سامنے گوشتی کا نام ہرگز نہ رکھتیں ہماری بچیوں کے مقابلے پر..... اور مجھے یقین ہے کہ جتنا بھی خود کو اس قصبے سے الگ رکھ لیں اور ساری مرضی معید کی ہے کاراگ الائن اس پر زور بھی دیں گی کہ گوشتی کے لیے ہی ہاں کہے ایسے ہی نہیں شاہانہ بیگم ہر آئے روز ماں کے پاس ٹھہری ہوتی ہے۔“ ایک نے جلدی دل کے پھولے توڑے۔ دوسری کہاں پیچھے رہیں۔ وہ بھی چمک کر بولیں۔

”ہاں تو اور کیا کہی بیٹی جی جو پہلے مہینوں ماں کی پلٹ کر خبر نہیں لیتی تھی۔ اب جی کی وفات کے بعد جب سے اماں جی کو ہم لے کے آئے ہیں یہاں شہر میں ایک دفعہ بھی ماں کو اپنے گھر بلا لیا یا خبر کو آگئی۔ ایسے ہر کام کے لیے تو بیٹے ہیں۔ اماں کو ہر ہفتے گاؤں لے کر جانا، ڈاکٹروں کے چکر، زمینوں کی دیکھ بھال، منشیوں کی پڑتال..... وہ بی بی یا تو ہر دفعہ زمینوں کی آمدنی کا حساب کتاب لینے آ جاتی ہیں یا پھر اب تہیم سبب کی محبت جاگی ہے تو ہر دوسرے دن

بیٹی کو ہمراہ لیے ماں کی قدم پوسی کو تیار ہوتی ہے۔ ہونہ.....“ ان کی اولاد کے تیور بھی دونوں کی باتوں کو سن کر بگڑ گئے تھے۔ جبکہ کسی کام کے لیے ان کے پاس آتی اماں جان بھڑوں کی بدگمانی سے بھری گفتگو سن کر بغیر اسے دور کیے آنسو بھری آنکھوں کے ہمراہ واپس اپنے کمرے میں لوٹ گئی تھیں۔

☆☆☆

گیت کی زندگی میں دوسرا موڑ جب آیا جب سونیا اور ڈی سوزا ایک کارائیکسٹنٹ میں جاں بحق ہو گئے۔ ہونٹ پر ان کے کچھ قریبی دوستوں نے یہ کہہ کر قبضہ جمالیا کہ وہ دونوں ان کے قرض دار تھے جبکہ وہ خود بھی تک ایک شاک کے زیر اثر تھی۔ محبت کرنے والے ماں، باپ اٹھ کر ایک دم ہی چل دیے تھے۔ نئی ہی تھی جس نے اسے کو ایک بار پھر جذباتی سہارا دیا تھا اور وہ کم گو بیٹی حریدم گوہری چلی گئی۔ جو ڈھکھ بھار رہنے لگی تھی اس سے کوئی کام نہیں ہوتا تھا ایسے میں گیت کو بھا کی جنگ لڑنے کے لیے باہر کی دنیا کا منہ دیکھنا پڑا۔ مغربی معاشرے میں رہ کر ایک مغربی لڑکی ہوتے ہوئے اس کے خیالات خالصتاً مشرقی تھے۔ اسے نہ تو باہر کے لوگ اچھے لگتے تھے نہ ہی پبلک ڈینک کے طریقے آتے تھے۔ تن جانب سے اسے صرف اس لیے نکال دیا گیا کہ اسے کسٹرز سے نہ تو ڈیل کرنے کا ڈھنگ آتا تھا، نہ ان کو متوجہ کرنے کے طریقے آتے تھے۔ رہی سہی کسر اس کا لباس پوری کر دیتا، جو ڈھکھ کے کٹر خیالات کی چھاپ اس پر اس حد تک گہری تھی کہ وہ آج تک غیر اخلاقی لباس زیب تن نہ کر پائی تھی۔ انہی دنوں اس نے نیوز پیپر میں ایک ایڈ دیکھا جس میں کسی مسٹر جشید کی طرف سے اس کی مدد کے لیے ایک کیئرٹیکر کی ضرورت تھی۔ مسٹر جشید نے اسے اوکے کر دیا تھا۔ اب یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہ سیدھا مسٹر جشید کے گھر چلی جاتی، رات گئے وہاں سے فارغ ہونے کے بعد جو ڈھکھ کے پاس لوٹتی۔ یہاں گیت کی زندگی نے ایک تیسرا اور اہم موڑ لیا۔ جب جو ڈھکھ بھی

ماہنامہ پاکیزہ 221 جون 2016ء

Section

اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔ جب وہ جس جذباتی توڑ پھوڑ سے گزری اس سے نکلنے میں اسے مسٹر جشید کی مدد سے بہت مدد ملی۔ وہ اپنے بیٹے کے گھر کے ماحول سے بہت نالاں تھیں اور ان کا زیادہ وقت اپنے کمرے میں عبادت کرتے ہوئے گزرتا تھا وہ ہمیشہ انہیں روتے ہوئے اور اپنے بیٹے کے اہل خانہ کی بے راہ روی کا رونا روتی نظر آتیں۔

”یہ ہمارا مذہب، ہماری تہذیب نہیں ہے بیٹا جس میں آج نہ صرف میری بہو بلکہ پوتی اور پوتا تک رنگے نظر آتے ہیں..... ہماری تہذیب تو وہ ہے جہاں ایک عورت ماں ہے، بیٹی ہے اور بیوی ہے، وہ ہر روپ میں ہی قابلِ احترام ہے۔ عورت کی عزت اسی میں ہے کہ وہ چادر اور چار دیواری میں ہی محفوظ ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ... اپنی اوڑھنیاں اپنے سینے پر ڈال لے رکھو..... اور یہاں میری بہو اور پوتی کے کپڑے دیکھتی ہوں تو شرم سے ڈوب مرنے کو دل کرتا ہے۔“ گیت جو کہ اپنے ہی کسی خیال میں تھی ایک دم چمک کر سیدھی ہوئی جو ڈتھ بھی اسے بے حیائی سے نہنے کی تلقین کرتیں، اچھی باتیں بتاتیں اور وہ حتی الوسع ان پر عمل کرتی پر کچھ اور باتیں تھیں جو وہ اُن سے سن کر چوکی تھی اسے لگا کہ سالوں سے ذہن پر جو ایک جمود طاری ہے وہ تڑخا ہے اسے یاد تھا کہ اس کی مام کوئی اتنی مذہبی خاتون نہیں تھیں پر ہر روز گھر کے ایک کونے میں بے مندر میں بنی صورتوں کے سامنے ضرور ماتھا ٹیکتی اور اسے بھی لے جاتی تھی ساتھ..... کسی میکا کی عمل کے تحت گیت بھی ایسے ہی کرتی تھی پھر پاپا تھے جو ہر سڈے اسے چرچ لے جاتے۔ اسی طرح تہواروں کو وہ اپنے ماما، پاپا کے ساتھ خوشی سے مناتی، ہولی، دیوالی کرسمس، ایسٹریسا تب تک تھا جب تک جو ڈتھ اس کی زندگی میں نہیں آئی تھی۔ جو ڈتھ نے اگرچہ سونیا... لکڑیال کو گیت کی طرف سے بے فکر کر دیا تھا پر وہ جو ڈتھ سے بہت قریب ہونے کی بنا پر عیسائیت کے زیادہ قریب ہو گئی تھی۔ اس کے مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ

اس کے ماں، باپ نے اس کی دلچسپی اور بڑے ہونے پر چھوڑ رکھا تھا جبکہ دونوں دل سے یہی چاہتے تھے کہ گیت ان کا مذہب اپنائے جب بھی موقع ملتا سونیا اسے ہمدومت اور ڈمی سوزا عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے یوں اس کا ذہن شروع سے دو حصوں میں بٹ گیا..... اگرچہ اب بھی وہ دونوں کے احکامات پر عمل کرتی پر جو ڈتھ کی وجہ سے زیادہ رجحان عیسائیت کی طرف ہو گیا اور غیر اختیاری طور پر وہ جو ڈتھ کی باتوں کو دھیان سے سنتی اور انہی جیسی بننے کی کوشش کرتی۔

ماں، باپ کے مرنے کے بعد اس نے سونیا کو تو یاد رکھا لیکن اس کے مذہب کو کلی طور پر بھول گئی اب اس نے کھلم کھلا عیسائیت میں دلچسپی لینا اور اس کی تعلیم لینا بھی شروع کر دی تھی کہ جو ڈتھ بھی ایسا چاہتی تھی۔ مسٹر جشید کے ہاں چاب تک وہ کسی حد تک عیسائیت کو اپنا چکی تھی۔ جو ڈتھ کی موت نے ایک بار پھر اسے جذباتی دھچکے سے گزارا تھا۔ مذہب اسلام کے بارے میں اس نے بہت کچھ سن اور تھوڑا بہت پڑھ رکھا تھا پر کسی بھی مسلمان کے ساتھ وقت گزارنا اس کے لیے ایک انوکھا تجربہ رہا..... ایک ہی گھر کے افراد کی مختلف اور مخالف روش اسے بے حد حیران کرتی..... مسلمان مسٹر جشید کی ماں بھی تھیں اور ان کی بیوی اور بیٹی بھی ان ماں، بیٹی کا رہن سہن، طور طریقے، دوستی، میل جول سب کچھ مغربی لوگوں کے ساتھ تھا۔ مغربی لوگوں کے جیسا تھا..... اسی روش نے مسٹر جشید کی ماں کو اس حد تک بیمار کر ڈالا کہ وہ بستر پر ہی پڑ گئیں..... اس کی دیکھ بھال اور ڈاکٹروں کے علاج نے ان کو بہتر تو کر دیا پر وہ بہت دگر فتہ تھیں..... خاوند کی موت کے بعد پاکستان میں ان کا کوئی رشتہ باقی نہ رہا تھا تو مسٹر جشید انہیں یہاں لے آئے تھے..... بیٹے کی محبت میں سرشار وہ عورت یہاں آنے کے ایک ماہ میں ہی حیرت اور صدمے سے بیمار پڑ گئی تھی۔ اپنی نسل کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر

تم پر احسان رکھتا ہے۔“

گیت نے اپنا پورا جسم کا پتہ محسوس کیا خوف سے۔

”مہم..... میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ کلمہ

پڑھنا چاہتی ہوں۔“ اس کے لبوں سے یہ الفاظ ٹوٹ کر

نکلے اور مسٹر جمشید کی والدہ کے ساتھ، ساتھ ساری

کائنات کو سناکت کر گئے۔ انہوں نے پہلے دن سے ہی

اس لڑکی کے اندر چھپی اس بے چین روح کو پالیا تھا جو

حق کی تلاش میں تھی۔ اس کا لباس، انداز، اطوار سب

کچھ جھج، جھج کر اعلان کرتے کہ وہ چھوٹی سی لڑکی اپنے

اصل اور منزل کی تلاش میں ہے۔ پہلے، پہلے تو وہ اسے

مسلمان ہی سمجھتی تھیں اگر جو تیسرے دن اس کا نام نہ سن

لیتیں..... اپنے خاندان کے اپنے اصل سے ہٹ جانے

کے دکھ پر یہ جوش حاوی ہو گیا کہ ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ

چھوٹا سا عمل کسی کی اور خود ان کی زندگی سنوار دے۔

وہ مجموعی سے ان کی باتیں سنتی..... پردے کے

مسائل..... عورتوں کی شرم و حیا، اسلامی معاشرے اور

تہذیب کی چیدہ، چیدہ خصوصیات بتاتے ہوئے وہ اس

کے چہرے کو کھنچتیں جہاں شوق و اشتیاق کی موجزن

لہریں اٹھیں اپنا عمل تیز تر کرنے پر مجبور کر دیتیں۔ اب

اس کی فرمائش پر وہ قرآن پاک کی تلاوت بہ آواز بلند

کرتیں ساتھ میں ترجمہ پڑھ کر سناتیں۔ ان کے شوہر

ایام مسجد تھے ساری زندگی قرآن کا درس دیتے گزری

تھی، اسی طرح اپنے چھوٹے سے گاؤں میں وہ بچپن

کو قرآن کی تعلیم دیتیں..... عورتوں کو روزمرہ کے

مسائل کے بارے میں دین کی باتیں بتاتیں جس میں

ان کی خانگی زندگی کے کئی حل نکل آتے۔ وہاں بات

دوسری تھی، وہ سب مسلمان تھے پر یہاں معاملہ جدا

تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ اپنے اندر کا سارا علم اور فہم گیت

ڈی سوزا پر اٹھیل دیں اور اس کی ساری آلائشیں پاک

کر دیں..... مسٹر جمشید ایک مخصوص رقم گیت کو اور صبح

آنے والی میڈ کو تھما کر اپنے فرائض سے سبکدوش

ہو جاتے تھے۔ اب گیت میں واضح تبدیلی آ چکی تھی

اگرچہ انہوں نے اسے کلمہ پڑھایا تھا پھر بھی اس پر زور

ماہنامہ پاکیزہ 223 جون 2016ء

خون کی ندیاں بہا کر حاصل کیا کہ جہاں مسلمان اپنے

اسلام کے دائرے میں رہ کر زندگی گزاریں

گے..... وہاں عزت، جان، مال سب محفوظ ہوگا۔ احمد

پور تھا ہمارے گاؤں کا نام..... جمشید کے ابا امام مسجد

تھے۔ ساری زندگی لوگوں میں اسلام کی تبلیغ اور ترویج

میں گزار دی..... سارے گاؤں کو میں نے اور جمشید

کے ابا نے قرآن پاک پڑھایا۔ شکر ہے کہ وہ یہ دن

دیکھنے سے پہلے ہی اس دنیا سے چلے گئے کہ ان کا بیٹا

اور اس کا پورا خاندان مغربی رنگ میں رنگ گیا

ہے۔ گناہ کا کوئی احساس نہیں ہے ان میں۔ جانتی ہو

بیٹی..... کہ جہاں کب آتی ہے جب گناہ کو گناہ نہ سمجھا

جائے..... میرا رب قرآن پاک میں کہتا ہے.....

”قسم ہے طور کی اور لکھی کتاب کی کشادہ ورق میں،

اور آباد گھر کی اونچی چھت کی اور اگلے دریا کی بے

تک عذاب حیرے رب کا ہونا ہے..... اس کو کوئی

نہیں ہٹانے والا جس دن لرزے آسمان کپکپا کر اور

پھریں پہاڑ چل کر سو خرابی ہے اس دن جھٹلانے والوں

پر جو باتیں بتاتے ہیں، کہتے جس دن دھکیلے جاویں۔

دوزخ کو دھکیل کر یہ ہے وہ آگ جس کو تم جھوٹ

جانتے تھے۔“

کئی آیات اور سورتیں مع ترجمہ ان کو زبانی یاد

تھیں وہ پڑھتی اور روتی جانتیں یہ جانے بغیر کہ کسی کے

دل کے دھمک آلود قفل ان کی ان باتوں سے کھلتے لگے

ہیں۔ یسوع مسیح سے اللہ تک کا سفر اگرچہ بہت کٹھن تھا

پر آہستہ، آہستہ طے ہو رہا تھا۔ اب وہ بہت دھیان سے

ان کی باتیں غور سے سنتی۔ ان کی تلاوت اور ترجمے کے

وقت اصرار کرتی کہ وہ بہ آواز بلند اسے پڑھیں..... پتا

نہیں کیسا کلام اور کیسے الفاظ تھے جو سپدھے دل پر جا کر

اثر کرتے اور وہ ان کے ساتھ ہی سنتی جاتی اور روتی

جاتی تھی۔

”جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اللہ ہر

چیز جانتا ہے..... تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان

ہوئے تو کہہ نہا احسان رکھو مجھ پر اپنی مسلمانی کا بلکہ اللہ

Section

دیا تھا کہ وہ کسی اسلامک سینٹر کو جوائن کر لے اور اس نے ایسا ہی کیا تھا..... لباس تو وہ پہلے ہی مکمل پہنتی تھی اب اس نے سر بھی ڈھکنا شروع کر دیا تھا۔

اس کی محسن، اسے دنیا و آخرت کا حقیقی علم اور لاقائی دولت عطا کرنے والی مسٹر جمشید کی والدہ پر قانع کا ایک ہوا تھا۔ وہ جی جان سے ان کی خدمت میں مصروف تھی۔ انہی دنوں اس نے کلاس کے ایک لڑکے کا خود کی طرف متوجہ ہونا محسوس کیا مگر نظر انداز کر گئی کہ یہ مغرب تھا یہاں ہر قسم کی بات ممکن تھی مگر اس کے کسی قسم کے رد عمل کے نہ ہونے کے باوجود اس کی توجہ اور ارٹیکلز کا وہی حال رہا۔ دو سال سے وہ لڑکا اس کی کلاس میں تھا..... ایک اچھا تعلیمی ریکارڈ رکھنے والا وہ مشرقی لڑکا ہر گز ایسا نہیں تھا کہ وہ کوئی منفی بات سوچ پاتی۔ گزشتہ چند ماہ سے وہ خود میں اس کی دلچسپی محسوس کر گئی تھی۔ کلاس میں داخل ہوتے وقت وہ بڑی بے قراری سے اسے دیکھتا رہتا جب تک وہ اسے پلٹ کر دیکھ نہ لیتی..... اس کے دیکھتے ہی وہ نگاہ چرا کے دوسری طرف متوجہ ہو جاتا..... ان کا فائنل سمسٹر ختم ہونے میں ابھی دو ڈھائی ماہ تھے۔ اس کا اسلامی نام مریم رکھا گیا تھا۔ وہ مسٹر جمشید کی والدہ کو ان کی خواہش پر بی بی بلانے لگی تھی کیونکہ ان کے گاؤں میں سب لوگ انہیں بی بی کہتے تھے۔ بی بی اس کا سہارا تھیں اور وہ ان کی صحت و سلامتی کی پورے دل سے دعا کرتی۔ جنہوں نے کئی سہرے پہنوں کی ڈور اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی کہ ٹھیک ہوتے ہی وہ اسے اپنے ملک لے جائیں گی، کوئی اچھا مسلمان لڑکا دیکھ کر وہیں اس کی شادی کر دیں گی۔

☆☆☆

معید نے اماں جی کو فون کیا تھا کہ وہ ان سے کوئی خاص بات شیئر کرنا چاہتا ہے اور اب امتحانات کے فوراً بعد پاکستان نہیں آ رہا بلکہ چند ماہ اور لگ جائیں گے اسے آنے میں۔ اماں جی جو اس کے آنے کی خبر سن کر چرچوش تھیں اداس ہو گئی تھیں، وہ اس کا گھر بسا کر اپنی

ماہنامہ پاکیزہ 224 جون 2016ء

حوالی واپس جانا چاہتی تھیں۔ معید اور اس کی بیوی کے ہمراہ۔ بیہودوں کا رویہ جو کبھی بے حد چالو ساندہ سا ہو گیا تھا..... معید کو بیٹی دینے کی غرض سے پر اپانی کی بات معید کی مرضی پر ڈال دینے کے بعد روکھا پڑ گیا تھا۔ وہ بچنے کے بچنے کسی بیٹے کے ساتھ گاؤں کا چکر لگا تیس اور کبھی بیٹے مصروفیت میں انہیں انکار بھی کر دیتے تھے۔ پوتے پوتیاں تھے جو کبھی آتے جاتے حال احوال پوچھ لیتے تھے، وہ دن گن، گن کر گزار رہی تھیں۔ اور بالآخر خدا، خدا کر کے ان یو جھل دنوں کا خاتمہ ہوا اور آخر وہ دن بھی آ ہی گیا جب ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ان کے جگر کے ٹکڑے معید نے پورے دو سال بعد دوبارہ اپنے وطن میں قدم رکھا تھا..... وہ اسے کتنی دیر گلے سے لگا کے بیٹے کی خوشبو کو محسوس کرتی رہیں۔ وہ بھی ان کی جذباتی حالت کو سمجھ کر آبدیدہ ہو گیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ ان سے علیحدہ ہوا اور پھر اس نے اپنے پیچھے کھڑے وجود کو آگے بڑھ کر انہیں سلام کرنے کو کہا جسے بیٹے کے آنے کی اور ملنے کی خوشی میں وہ دیکھ ہی نہیں پاتی تھیں۔ پھر وہ کامنی سی لڑکی کی نرم اور مہین آواز کو شفقت بھرا جواب دے کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی رہی تھیں کہ معید کا اگلا جملہ صرف ان کو ہی نہیں وہاں کھڑے ہر شخص کو ہی ساکت کر گیا۔

”مریم میری بیوی ہے اماں جی..... بچی وہ بات تھی جسے کرنے کے لیے میں بہت عرصہ ہمت ہاندھتا رہا ہوں..... زندگی کے اس اہم موقع پر میں چاہتا تھا کہ میری اماں جی میرے ساتھ ہوں۔“ اور اب وہ صوفے پر بیٹھ ان کو تمام تفصیل بتا رہا تھا کہ وہ پہلے گیت ڈی سوزا تھی اب مریم معید ہے اور اس کے لیٹ آنے کی وجہ بھی بچی تھی کہ وہ گیت کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کاغذات، پاسپورٹ اور امیگریشن کے ضروری کاغذات کا بہت مسئلہ بنا لیکن بہت سی مشکلات سے گزرنے کے بعد بالآخر وہ اپنی بیوی کو لے کر پاکستان آچکا تھا۔ اس کے منہ سے شادی کی بات کا سن کر جو حیرت اماں جی کے چہرے پر پھیلی تھی اس کا پہلے

دعا

یا اللہ میں تجھ سے مانگتی ہوں..... ایسی معافی جس کے بعد کوئی گناہ نہ ہو..... ایسی ہدایت جس کے بعد کوئی گمراہی نہ ہو، ایسی رضا جس کے بعد کوئی ناراضی نہ ہو..... ایسی رحمت جس کے بعد عذاب نہ ہو، ایسی کامیابی جس کے بعد ناکامی نہ ہو، ایسی عزت جس کے بعد بے عزتی نہ ہو، ایسی خوشی جس کے بعد کوئی غم نہ ہو۔
یا رب العالمین مجھے معاف کرنا اور ازل سے ابد تک سب کو معاف کرنا..... ہر ذی روح کو معاف کرنا کہ بے شک تو سب سے بڑا معاف کرنے والا ہے۔
از: ایمان چوہدری، پنجاب

وقت

چاہے کتنی خفیں ترے کر لیں جہاں نہیں کہ وقت کی گزری گزری کو صرف ایک پل کے لیے روک سکیں۔ کبھی یہ ریت کے مانند مٹی سے پھسل جاتا ہے تو کبھی پانی کے ریلے کی طرح گزر جاتا ہے۔ اسے نہ تو ہم اسٹاپ کر سکتے ہیں نہ ریورس اور نہ ہی فارورڈ..... بس وقت کی ایک، ایک، گزری کو ہر حال گزارنا ہی پڑتا ہے تب ہی تو بڑے، بوڑھے کہتے ہیں کہ جو وقت گزارا جا رہا ہے اسے ہنس مسکرا کر گزار لو کہ وقت چاہے جیسا بھی ہے بالآخر اسے گزر ہی جاتا ہے۔
از: انعم حیدر خان، پاکستان

ویران تھے راستے

یہ جو دھڑکن ہے دل کی
ان راستوں پر کھڑے ہو کر
تم نے ویران راستوں کو
چڑ بہا کر دیا
اور میرے دل کے خانے کو
لازوال کر دیا

شاعرہ: رفعت خادیم حسین، ملتان

ہندو اور پھر مسلمان ہونے کا سن کر وہ تاثر اب صدمے میں بدل گیا۔

”متا شا انہیں روم دکھا دیں تاکہ یہ فریش ہو جائیں بہت لمبی فلائٹ لے کے آئے ہیں ہم۔“ ان سب کے چہروں کی ناگواری اور خاموشی محسوس کر کے معید نے ایک طرف کھڑی متا شا کو مخاطب کیا۔ بہر حال وہ اپنے گھر میں پہلے ہی دن مریم کے سامنے کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں چاہتا تھا۔ دونوں چچا ابھی گھر نہیں لوٹے تھے۔ تاہم باقی لوگ گھر پر ہی تھے۔ مریم کے وہاں سے چلے جانے کے بعد وہ آہستہ سے اٹھ کر بالکل خاموش چٹھی اماں جی کے قدموں میں آ بیٹھا۔

”میں جانتا ہوں اماں جی آپ کو بہت دکھ پہنچا ہے میرے اس طرح بغیر متائے یہ قدم اٹھانے پر لیکن آپ یقین کریں میرے پاس یہ سب کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہا تھا۔ مریم کے مسلمان ہونے کے بعد اس کے لیے وہاں کے حالات بہت خراب ہو گئے تھے پھر جس لینڈ لیڈی کے پاس یہ رہتی تھی، ان کا بھی اچانک انتقال ہو گیا..... میں اسے کسی کے بھروسے پر چھوڑ نہیں سکتا تھا۔“

”ہونہ سب کچھ کر کے لوگ کیسے معصوم بن کے آ جاتے ہیں، نرے ڈرامے.....“ بڑی چچی کو صورت حال بڑی کھلی تھی۔ سوانہدوں نے چھوٹی چچی کے کان میں سرگوشی کی۔

”میں اپنے کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔“ معید جو اماں جی سے کسی بھی ردِ عمل کی توقع کر رہا تھا ان کے غیر متوقع جواب پر بھونچکا رہ گیا۔ اماں جی نے اپنے گھٹنوں پر رکھا اس کا ہاتھ نرمی سے ہٹایا اور اٹھ کر آہستہ سے چلتی لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔

”واہ یا معید اتم تو مجھے رستم نکلے بھی..... ایک ساتھ چمکا ہی مارا بھی..... نہ انہی کی خبر نہ کوئی اسکیڈل شسکیڈل کی اطلاع، ڈائریکٹ گوری کو لے آ کر دھماکا ہی کر ڈالا۔“ اماں جی کے جانے کی دیر تھی کہ بیک پارٹی کے حواس بھی واپس آ گئے۔ وہ جو اماں جی کے

جانے کے بعد کچھ الجھا ہوا بیٹھا تھا پیکا سا مسکرا دیا۔
 ”دیے ڈیر کزن آپ کو پورے امریکا میں لڑکی
 بھی پسند آئی تو وہ بھی ہندو.....؟“ نتاشا جو اس کی سب
 سے زیادہ امیدوار تھی طہریہ بولی تو معید بہ مشکل ہی ضبط
 کر سکا۔

”وہ اس کا ماضی تھا اب وہ الحمد للہ مسلمان ہے
 اور اب اس گھر میں اس کا حوالہ میرا نام ہے۔“ وہ کافی
 سنجیدگی سے بولا جبکہ چھوٹی چچی نے بیٹا کو معنوی
 آنکھیں دکھا کر نتاشا کو ڈپٹا۔

”تم کیا یہ فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔ دیے
 معید جہاں تک اماں جی کی بات ہے تو ایک وقت تھا کہ
 وہ اس خاندان میں غیر خاندان سے بھی بہولانے کو تیار
 نہیں تھیں تاہم کہ غیر مذہب..... میرا مطلب ہے اتنا
 انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے اگر تھوڑا دماغ سے سوچ
 لیجے تو تمہیں اندازہ ہو جاتا کہ تمہیں پاکستان جا کر کتنی
 مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔“ بڑی چچی کب پیچھے
 رہتیں..... انہوں نے بھی حتی الوسع اپنا حصہ
 ڈالا..... معید کو سخت رد عمل کی توقع تو تھی پر اتنے شدید
 رد عمل کی ہرگز نہیں۔

”اوکے، میں ذرا مریم کو دیکھ لوں.....“ وہ
 آہستگی سے کہتے ہوئے گیٹ روم میں آ گیا جہاں وہ
 بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں بیٹھی کم
 نظر آئی۔

”آپ نے کچھ کھایا؟“ معید کی آواز پر وہ
 چونک کر سیدھی ہوئی اور ٹی میں سر ہلاتے ہوئے آہستہ
 سے بولی۔

”نہیں، پلین میں اتنا کچھ کھالیا تھا کہ اب
 ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی۔“ اور وہ جانتا تھا کہ
 اس نے پلین میں کتنا کچھ کھایا تھا، وہ اگلے
 قدموں پلٹ کر کچن تک آیا۔ ملازمہ کو کہہ کر کھانے کی
 ٹرے تیار کروائی اور اماں جی کے رویے کو سوچتا ہوا
 کھانا اندر کرے میں لے آیا۔

وہ چند ماہ پہلے کتنا خوش تھا، لگتا تھا کہ دنیا جہاں کی

خوشیاں اس کی جھولی میں ڈال دی گئی ہوں۔ امتحانات
 سے پہلے فیکر ویل نامیٹ میں جب کلاس کے تمام
 اسٹوڈنٹس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی بیان
 کی۔ اس کی سائیں مقم گئی تھیں جب اس نے ڈاس پر
 اسے آتے دیکھا۔ دو ماہ سے اسے نظر انداز کرنے
 اسے نہ سوچے اور اسے نہ دیکھنے کی تمام کوششوں پر
 بری طرح پانی پھر گیا تھا۔ وہ اول روز کی طرح ہی دل
 کی مسند پر پوری ملکیت کے ساتھ براجمان تھی۔

”یا اللہ تو نے میرے لیے اتنی سخت آزمائش کو
 کیوں منتخب کیا کہ جس لڑکی کا میری زندگی میں آنا
 ناممکن ہے اسے میری سوچوں کا حصہ دار ٹھہرا دیا۔“ اس
 نے اپنی بے بسی پر اپنی آنکھوں میں نمی کو محسوس کیا۔
 دلچاس کے الفاظ اسے چوٹا لگے۔ یوں لگا اس کی
 ساتھیوں دھوکا کھا رہی ہوں کہ وہ وہی کچھ کہہ رہی تھی جو
 وہ سننا چاہتا تھا۔

”میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی میرا اسلام
 قبول کرنا ہے۔“ اپنی نرم اور خوب صورت آواز میں اس
 انکشاف کے بعد وہ اب اسلام کی چیدہ، چیدہ
 خصوصیات اور اپنی زندگی میں اس کی اہمیت بتا رہی تھی۔
 ”مریم!“ معید نے ڈیر لب اس کے نام کو بے
 آواز ڈھرایا اور اس کا دل چاہا کہ وہ یہیں سجدہ ریز ہو کر
 اپنے رب کے حضور شکر اُٹانے کے لواقل ادا کرے جو
 یقیناً انسانوں کی سوچ سے بھی زیادہ رحیم و کریم ہے اس
 نے اسی رات اس کو پرو پوز کیا تھا اور اس کے چہرے پر
 کھلتے رنگ اور شبت جواب نے اسے گویا ہفت اکسم کی
 دولت دے دی تھی۔ اگلے ہی دن وہ اس کی لینڈ لیڈی
 سے ملا تھا جو اب بہتری کی طرف گامزن تھیں وہ بہت
 خوش ہوئی تھیں۔ اسلامک سینٹر میں نکاح کے بعد مریم
 کے کاغذات کے لیے مسٹر جشید کی والدہ نے اپنے بیٹے
 پر زور دیا تھا کہ وہ معید کی جتنی مدد کر سکتا ہے کرے.....
 بی بی بھی شاید اسی انتظار میں تھیں کہ وہ بہتری کی طرف
 آئے اور اس کے آتے ہی وہ اچانک دنیا چھوڑ
 گئیں۔ یوں ڈھائی تین ماہ کی دوڑ دھوپ کے بعد وہ

ہیں۔“ اس وقت اس کا انداز اس قدر تمکا ہوا تھا کہ ایک پل کو اماں جی کا دل دھڑک اٹھا، لاڈلا پوتا اپنی اولاد سے زیادہ چاہتا تھا اسے پر دوسرے ہی پل اپنے خول میں۔ دوبارہ سمٹ گئیں۔ معید نے ایک پل ان سب کو باری باری دیکھا اور اٹھ کر باہر چلا گیا۔۔۔۔۔ اگلا دن سب کے لیے ہی ایک دھماکا خیز خبر لایا تھا۔ معید مریم کو اماں جی کے سہارے چھوڑ کر خود ہی گھر چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اس نے اماں جی کے لیے ایک خط چھوڑا تھا۔

”میری ماں! میری جنت اماں جی۔۔۔۔۔!“

آپ میری زندگی میں اپنی اہمیت کو جانتے ہوئے بھی اتنی بڑی ضد لگا کے بیٹھ گئیں۔۔۔۔۔ آپ کہتیں معید مرچاؤ، معید اسی پل مرجاتا۔۔۔۔۔ پر آپ نے مانگا بھی تو کیا جان نہیں زندگی ہی مانگ لی۔۔۔۔۔ آپ میری جنت ہیں، مریم میری زندگی ہے۔ اور میں ایسا دنیا دار کہ اپنی جنت کے لیے زندگی کو نہیں چھوڑ پارہا۔۔۔۔۔ کیا کروں اس کے معاملے میں خود کو ایسے ہی بے بس پاتا ہوں۔۔۔۔۔ کہاں جارہا ہوں کچھ پتا نہیں۔۔۔۔۔ آپ کا فیصلہ بدلنے تک یہاں نہیں آؤں گا۔۔۔۔۔ جس دن آپ نے دل سے نکارا آپ کا معید آپ کے پاس ہوگا۔۔۔۔۔ مریم میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی آپ کے پاس امانت چھوڑے جارہا ہوں، اس کا ایسے خیال رکھیے گا جیسے اپنے معید کا رکھتی تھیں۔ وہ اپنوں کی محبت کی ترسی ہوئی ہے۔ وہ دنیا کے ہر مسلمان کو دیا ہی سمجھتی جیسا اس نے کتابوں سے جانا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں پر اس کے اعتماد اور مان کو ٹوٹنے مت دیجیے گا۔

آپ کا معید۔۔۔۔۔“

صبح مریم نے سرخ آنکھوں اور ستے چہرے کے ساتھ جب وہ خط اماں جی کو پکڑا یا تھا تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ انہوں نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہی وہ کاغذ کا ٹکڑا اتمام لیا تھا۔ دل ناتواں کسی انہونی کے ڈر سے خواہ مخواہ ہی دھڑک اٹھا تھا۔ ان کا معید اتنی بڑی آزمائش میں انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ انہیں اس لڑکی سے نئے سرے سے نفرت محسوس ہوئی

ماہنامہ پلکیزہ 227 جون 2016ء

لوگ پاکستان آنے میں کامیاب ہو چکے تھے۔ پر یہاں آکر معید کو اپنوں کی۔ بیگانگی بہت دکھ پہنچا رہی تھی۔ دونوں چچا بھی خاصے برہم تھے اور اپنی، اپنی فیملی کے ہموار تھے پر اصل افسوس اسے اماں جی کے رویے پر تھا جو آج تین دن گزر جانے کے بعد نہ تو اس سے کلام کر رہی تھیں نہ اس کی کوئی بات سن رہی تھیں۔

”تم سے میری محبت شدید تھی۔۔۔۔۔ پر میں یہ کبھی برداشت نہیں کروں گی کہ میری نسل میں کوئی فرگن آکر میری نسل کو خراب کرے۔“ معید ان کی اس بات پر تڑپ ہی اٹھا۔

”اماں جی وہ فرگن نہیں ہے مسلمان ہے۔“

”تم جو بھی کہو اس حقیقت کو جھٹلا نہیں سکتے۔۔۔۔۔ اگر مجھ سے تعلق رکھتا ہے تو اس لڑکی کو چھوڑنا ہوگا تمہیں۔“ ان کا رویہ بہت بے چک اور دو ٹوک تھا اور اس کے دونوں چچا اور ان کی بیویاں بھی اس وقت وہاں موجود تھے جب تین دن کی مسلسل اور طویل خاموشی کے بعد اماں جی نے ایک بار پھر وہی فیصلہ سنایا تھا جو پہلے دن سے ان کا رویہ تھی، حج کر بتا رہا تھا۔ دونوں بچاؤں اور ان کی بیویوں کے تاثرات کم و بیش وہی تھے جو اماں جی کے تھے۔۔۔۔۔ معید نے کچھ کہنے کی کوشش میں منہ کھولا پر انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

”ہم اپنی بات کہہ چکے ہیں معید۔۔۔۔۔ اب ہمیں اور کچھ نہ تو کہنا ہے نہ سننا ہے۔“ وہ جب غصے کی انتہا پر ہوئیں تو اسی انداز میں مخاطب ہوتی تھیں۔

”بس بھی کرو معید۔۔۔۔۔ دیکھ نہیں رہے ہو اماں جی کی طبیعت پہلے ہی کتنی خراب ہے اور تمہاری فضول ضد نے پورے گھر کو پریشان کر رکھا ہے۔“ بڑی چچی جنہوں نے کچھ دنوں سے اماں جی کو نظر انداز کر کے اپنی ناراضی ظاہر کی ہوئی تھی، ایک دم ہی اماں جی کی سب سے بڑی خیر خواہ نظر آنے لگیں۔

”مریم ایک فضول ضد نہیں ہے، میری بیوی ہے چچا جان۔۔۔۔۔ فضول ضد تو وہ ہے جو آپ لوگ کر رہے

جس کی وجہ سے ان کا انتہائی فرمانبردار پوتا جو زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملے میں بھی ان کی رائے اور مرضی کا محتاج ہوتا تھا، آج ایک انتہائی قدم اٹھا چکا تھا۔ انہیں یاد تھا کہ وہ باہر بیچنے پر اسے راضی نہیں تھیں اور وہ اپنی شدید خواہش سے دستبردار ہونے کو تیار تھا کہ اماں جی اگر نہیں چاہتیں تو وہ نہیں جائے گا وہ تو اباجی نے اماں جی کو سمجھایا تھا کہ اپنی محبت اور جذباتی وابستگی کو اس کے لیے اتنا نہ ظاہر کریں کہ وہ اپنا کیرئیر ہی نہ بنا سکے پھر اماں جی کے کہنے پر وہ باہر پڑھائی کے لیے گیا تھا۔ آخر کیا تھا اس لڑکی میں اس نے انہیں بتانا تو ایک طرف پوچھنا یا مشورہ کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ تھوڑی سی دیر میں یہ خبر پورے گھر میں پھیل گئی تھی۔ اب سوائے مریم کے سب ہی اماں جی کمرے میں جمع تھے۔

”اماں جی.....! آپ کی دی ہوئی ڈسبل ہے یہ جو اتنی خود سری کا مظاہرہ کیا ہے اس ناخجار نے..... ارے اتنا ہی خیال نہیں کیا اس نے کہ بے شک اس کے باپ کا جائیداد زمینوں اور کاروبار میں حصہ تھا پر عرصہ ہوا یہ سب تو دیکھنے والے ہم ہی ہیں..... اتنی مہنگی پڑھائی کا خرچہ برداشت کرتے رہے ہیں۔ غیر ملک میں جہاں ایک، ایک پائی کمانے کے لیے جوتیاں گھسانی پڑتی ہیں وہ شہزادوں کی طرح رہا ہے۔ تو صرف ہم دونوں کی وجہ سے..... سوچا تھا ہم دونوں میں سے کسی ایک کا داماد بن کے دایاں باز وہی بن جائے گا۔ اسے دیکھو لے آیا ایک فرنگن میاہ کے جس کا نہ کوئی آگاہ نہ بیچھا نہ خاندان نہ حسب نسب..... اتنے دن بھی اسے فضول میں دیے آپ نے اور ملتیں ہر لے برداشت کرتی رہیں اس کے..... چاہیے تو یہ تھا کہ فوراً سے بیشتر طلاق دلواتیں اور روانہ کرتیں اس لڑکی کو۔“ غصے سے ٹکلیل چچا کا چہرہ سرخ پڑ گیا..... اماں جی خاموشی سے تسبیح کے دانے گرائی رہیں۔ ٹکلیل چچا کی بات اور اماں جی کی خاموشی نے چھوٹی چچی کو مزید ہبہ دی۔

”تو اور کیا اماں جی، یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں اب بھی کچھ نہیں بگڑا نکال باہر کریں اس لڑکی کو..... اور معید کے آنے پر کہہ دیں گے کہ خود ہی چلی گئی کہیں..... ہمیں کیا پتا..... بھلا بھروسہ کر سکتے ہیں ایسے کسی انتہان لڑکی پر۔“ وہ اماں جی کے نزدیک ہو کر ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سرگوشیاں انداز میں بولیں۔

”اور ہاں شاہانہ کا بھی فون آیا تھا۔ صبح سویرے میرے پاس..... ناراض ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی بات ہوگئی گھر میں اور مجھے کسی نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا، ابھی تو اسے صرف صاحبزادے کے ایک کارنامے کی خبر ہوئی تھی دوسرے کا تو یہاں آکر پتا چلے گا۔“ بڑی چچی نے اماں جی کا سنجیدہ اور رنجیدہ چہرہ دیکھ کر نئی خبر پہنچائی۔

”مجھے تو بھابی کی تجویز ٹھیک لگ رہی ہے اماں جی.....“ بڑے چچا نے ٹانگ پر ٹانگ بھائی اور تکبر سے گویا ہوئے۔

”میرا فیصلہ جوکل تھا آنے والے کل میں بھی وہی رہے گا کہ اس لڑکی کو کبھی معید کی بیوی کے طور پر جگہ نہیں دوں گی۔ نہ اس دل میں نہ اس گھر میں لیکن تم سب یہ بھی جانتے ہو کہ ہم نے ساری زندگی تم لوگوں کو بھی امانت میں خیانت نہ کرنے کا درس دیا اور خود بھی اس بات پر کار بند رہنے کی ہمیشہ کوشش کی..... وہ لڑکی بھی خوش نہ ہو کہ وہ جیت گئی ہم سے..... ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے وہ تو پایا تو اس نے بھی کچھ نہیں..... خالی ہاتھ تو وہ بھی رہ گئی ہے..... وہ لڑکی معید کے آنے تک ہمارے پاس اس کی امانت ہے اور تم دونوں بھی سن لو اس بار اس کے آنے پر میں خود اسے تم میں سے کسی ایک کی دامادی میں دوں گی..... ٹھیک کہا تم نے یہ ہماری ڈسبل کا نتیجہ ہے اور اپنی غلطی سدھارنا ہم خوب جانتے ہیں۔“ ان کی یہ طویل بات سب نے بڑی خاموشی سے سنی لیکن خواتین کے چہروں پر اب بھی ناگواری دیکھی جاسکتی تھی۔ غالباً وہ اس لڑکی کو اس گھر میں برداشت کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔ جبکہ مرد حضرات کے چہروں پر

ہوتے ہیں مسلمان گھروں میں رہنے کے۔ ”بڑی چچی نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے وہ سب نشتر اپنے اندر اتارتی گئی۔ اسے کتاب میں پڑھا ہوا ہجرت کا وہ موقع یاد آیا جب نئی پاک نے ایک ایک مہاجر کا ہاتھ ایک، ایک انصار کے ہاتھ میں دے کر کہا تھا۔

”آج سے تم سب بھائی، بھائی ہو۔“ انہوں نے ظرف کی وہ اعلیٰ مثال قائم کی تھی جو رہتی دنیا تک قائم رہے گی وہ بھی مسلمان تھے جنہوں نے لئے پٹے مہاجرین کو نہ صرف سینے سے لگا یا تھا بلکہ رواداری اور محبت کا ایسا مظاہرہ کیا کہ انہیں اپنے گھروں، جائیدادوں تک کا حصہ دار بنادیا اور ایک یہ مسلمان تھے جن کے دل اس قدر سخت تھے کہ گھر کی بہو کو اس کا جائز مقام تو ایک طرف ایک ملازمہ کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں تھے۔ اسے یاد آیا کہ سونیا اگر وال ہندو ہوتے ہوئے بھی ذات پات اور چھوت چھات کے اس طرے سے متراجمی جو ہندو برہمن کا شیوہ ہے، اس کے ہونٹ میں ہر مذہب اور قوم کے ملازمین تھے مسلمان بھی..... اس نے بھی ان سے نفرت و حقارت کا مظاہرہ نہیں کیا تھا نہ صرف ان کو ان کے کام کا معاوضہ دیتی تھی بلکہ ان کے دکھ درد میں بھی شریک ہوتی..... وہ سب ایک کیونٹی کی طرح تھے، جس جوش و جذبے سے ہولی مناتے اس طرح عید..... ایسٹر پر ان کی خوشی دیکھنے کے قابل ہوتی۔ سونیا اور ڈی سوزا نے اپنے ملازمین کو بھی کبھی ایسے نہیں کہا تھا جیسے اسے کہا گیا تھا۔ اس کی زندگی کی مشکلات کا آغاز ہو چکا تھا۔ ملازمین کو بھی اس کی قدر رہا چل گئی تھی۔ سونا لکان کے بعد وہ بھی مالکان کی جو کسر رہ جاتی وہ پوری کر لیتے تھے۔ اس روز اماں جی کی آواز ایک خوش الحان قرآن پڑھتی آواز سے کھلی۔

”اور کہتے ہیں ہرگز نہ جاویں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی انصاری پی آرزو میں ہاندھ لی ہیں انہوں نے کہ لے آؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو کیوں

ماہنامہ پبلیکیزہ 229 جون 2016ء

کچھ سکون نظر آرہا تھا۔ باقی رہی تو جوان پارٹی تو وہ باہر اندر ہونے والی میٹنگ کے اسباب تو جانتے تھے اثرات سے باخبر ہونا چاہتے تھے۔ اسی گھر کے ایک کمرے میں اکیلی بیٹھی۔ مریم معید اپنی قسمت کے فیصلے کی خاطر تھی۔ جب کمرے میں صرف اماں جی اور ان کی بہویں رہ گئیں تو اسے بھی کمرے میں طلب کر لیا گیا۔

”دیکھو لڑکی تم جو کوئی بھی ہو اور جس مقصد کے لیے بھی اس گھر میں داخل ہوئی ہو ہمارے جیتے جی کبھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گی کیونکہ ہم نے تو تمہیں معید کی بیوی تسلیم کیا ہے نہ اس گھر کی بہو..... ہاں وہ ایک وعدے کا پابند ہمیں ضرور کر گیا ہے تم اس کے واپس آنے تک یہاں رہ سکتی ہو لیکن یہاں میرے کمرے میں رہو گی..... تمہارے برتن، کھانا پینا سب الگ ہوگا کیونکہ ہمارا پوتا دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان لغویات پر یقین رکھ سکتا ہے، ہم نہیں..... ہمارے نزدیک تم ایک غیر مسلمان ہو۔“ مریم سفید پڑتے چہرے کے ساتھ اس کشور عورت کی طرف دیکھے گئی جس کی مشقت اور محبت کے قصے وہ اس شخص کے منہ سے سن چکی تھی جس کے ساتھ محبت اور رشتے کی ذور میں بندگی وہ سات سمندر پار چلی آئی تھی اور وہ اسے ان بے رحم لوگوں کے پاس پنا نہیں کس امید کے تحت چھوڑ گیا تھا۔ پر ابھی اسے بہت کچھ مزید دیکھنا اور سننا باقی تھا اماں کے چپ ہوتے ہی بڑی چچی کی باری آئی تھی نشتر چلانے کی۔

”تم تو احسان مانو اس نیک عورت کا جس نے اتنا بڑا احسان کیا تم پر..... ورنہ ہم لوگ تو تمہیں یہاں رکھنے کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن بی بی اب مفت بٹھا کے تو تمہیں نہیں کھلا سکتے ناں..... ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر کا کام بھی دیکھنا ہوگا لیکن کھانے پکانے کی کسی چیز میں تمہارا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا..... بس تمہارا کھانا تمہیں مل جایا کرے گا..... اور تمہیں بھی یہاں سنبھل کے رہنا ہے جوان بچوں والا گھر ہے، تمہیں کیا معلوم کیا آداب اور طور طریقے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نہیں جس نے تابع کیا منہ اپنا اللہ کی طرف اور وہ نیکی پر ہے اسی کو ہے مزدوری اس کی اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر نہ ان کو غم اور یہود نے کہا نصاریٰ نہیں کچھ راہ پر اور وہ سب پڑھتے ہیں کتاب اس طرح کہی ان لوگوں نے جس کے پاس علم نہیں انہی کی سی بات اب اللہ حکم کرے گا ان میں دن قیامت کے جس بات میں جھگڑتے تھے۔“

(القران)

پہلے پہل تو آنکھیں موندے چپ چاپ دل پڑے لفظوں کو اپنے اندر اتارتی رہیں کہ اس وقت کچھ بیداری اور کچھ نیند کے غلبے کے زیر اثر تھیں لیکن سسکیوں پر آنکھیں کھول کر دیکھا تو دوسرے بستر پر قرآن پاک کے ترجمے کو بڑے خشوع اور عاجزی کے ساتھ پڑھتی وہ لڑکی نظر آئی جس کا جسم رونے اور سسکیاں لینے کے باعث ہلکے، ہلکے جھکے کھارہا تھا۔ کل کا سارا دن وہ باہر کے کاموں میں مصروف رہی تھی صرف رات کے کھانے پر انہوں نے اسے دیکھا تھا۔ جب وہ کچن سے مختلف کھانے پینے کی چیزیں لا، لا کر رکھتی رہی تھی اس کے بعد ایک دفعہ ان کی دوائیاں دودھ کے ساتھ ان کے حوالے کی تھیں یقیناً یہ بیا کام اس ملازمہ نے اس کے ذمے لگا دیا تھا جو اس سے پہلے یہ کام سرانجام دیتی تھی۔ پھر پتا نہیں رات کو کب وہ آکر اپنے بستر پر سوئی تھی۔ اماں جی نے یہ مشکل خود کو اس کیفیت سے نکالا جس کا اس وقت شکار ہو رہی تھیں۔ نماز کا وقت نکل نہ جائے سوتیلی سے انہیں اور وائش روم کی جانب بڑھ گئیں۔ ان کے واپس آنے تک مریم وہاں سے جا چکی تھی۔

شاہانہ بیگم نے آکر ایک الگ واویلا کھڑا کیا تھا۔ ان کو یہ مشکل ٹھنڈا کر کے بھائیوں نے سدید کی شادی تک کے لیے روک لیا تھا۔

زرین گھر کی سب سے بڑی اور بیانی بیٹی تھی سو اسے بھی بلوایا گیا تھا اور شادی کی تاریخ مقرر کر کے تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ مریم کے لیے نہ ختم ہونے

والے کاموں اور تھکا دینے والے دنوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ اسے یہ مشکل نماز پڑھنے کا وقت ملتا اور ایسے ہی کسی وقت میں گھر والوں کی طرح مسکراہٹ اور دل جلانے والے کلمات کو برداشت کرنا ایک صبر آزما مرحلہ ہوتا ابھی وہ نذیراں (ملازمہ) کو بریانی دیتے لگا کر نظیر کی نماز ادا کرنے آئی تھی۔ اہل خانہ جنہوں نے اسے کچن میں نہ جانے اور کھانے پینے کی چیزوں کو ہاتھ نہ لگانے کا حکم دیا تھا اب اپنے اس حکم سے یکسر بے پروا نظر آتے تھے۔ اب کچن کا کام کلی طور پر اس کے سپرد تھا۔ ہاں گھر والوں کے ساتھ کھانا کھانے کی اجازت نہیں تھی، نہ ہی روزمرہ کے برتن استعمال کرنے کی..... بڑی چچی نے پہلے ہی دن اس کے لیے چند معمولی برتن نکال کر الگ کر دیے تھے۔ اس نے صبر و شکر سے یہ سب قبول کیا تھا کہ اسے ایک چار دیواری کا تحفظ تو حاصل تھا، یہ ہی بہت بڑی بات تھی اس کے لیے..... اب بھی اماں جی نے چائے بنانے کا حکم بھجوا دیا تھا۔ نذیراں اسے کچن میں دوبارہ دیکھ کر کھسک لی تھی۔

”بہت دکھ ہوتا ہے واللہ آپ جیسی حسین خاتون کے ساتھ یہ ظلم دیکھ کر مگر کیا کریں کہ بے بس ہیں اس معاملے میں کچھ بھی کرنے سے..... مگر قطعی فکر کی ضرورت نہیں ہے کچھ نہ کچھ راہ نکال ہی لیں گے حضور کہ حسن اور ظلم ایک ساتھ کچھ جچتے نہیں ہیں۔“ اپنے خیالوں سے وہ چونک کر اتنی حواس باختہ ہوئی کہ ہاتھ بے ساختہ گرم کیتلی کو چھو گیا..... وہ اس کے بے حد قریب تھا۔ زرین کا شوہر..... تیسرا دن تھا اسے آئے ہوئے بیوی کے ساتھ کہ سدید کی شادی کے سلسلے میں یہیں براجمان تھے۔ جس کی نظروں کی غلاطت کو اس نے بار بار محسوس کیا تھا لیکن پھر خود ہی محتاط ہو کر اس نے ایسی جگہوں پر جانا خود ہی ختم کر دیا تھا۔ جہاں اس کی موجودگی کا احتمال ہوتا..... اس گھر میں بھلے اس کا جائز مقام نہیں دیا گیا تھا پر مدی نظر بھی کسی نے نہیں ڈالی تھی۔

”آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں میں کچھ بھی نہیں..... یہ میرا گھر ہے اور گھر کا کام عورتیں ہی کرتی

اردو وہ اچھی خاصی بول لیتی تھی۔ یقیناً معید نے سکھائی ہوگی۔ نہیں جانتی تھیں کہ وہ بہت پہلے ہی اردو اور عربی سیکھ چکی تھی۔ اگرچہ معید نے اس کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو کھول کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا پر حصہ اتنا شدید تھا کہ وہ سن کر بھی غافل رہی تھیں۔ آج کل تو شادی والا گھر ہونے کی وجہ سے اس کے کاموں میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا۔ اس دن کے بعد مریم بہت خوفزدہ رہنے لگی تھی۔ پے در پے اس کی زندگی نے اتنے رنگ دیکھے تھے کہ اب اسے حیرت نہیں ہوتی تھی۔ اسے مسلمان گھرانے میں جا کر بسنے اور انہیں دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اور اب اس کا یہ شوق دھرا کا دھرا رہ گیا تھا۔ منعید نماز کا بہت پابند تھا اور بہت سچا اور کھرا انسان تھا، اسے اس کے گھر والوں سے بھی دینی ہی تو قہات تھیں پر سب تو قہات دنیا میں کب پوری ہو پاتی ہیں۔ اس نے گھر کے کسی فرد کو بھی کسی بھی وقت نماز ادا کرتے نہیں دیکھا تھا سوائے اماں جی کے۔ بڑے چچا چھوٹے چچا کی بیٹیاں آرام سے بغیر آستینوں والے اور رنگ کپڑے پہنے گھر میں پھرتیں اور بہت دلچسپ گھر سے باہر بھی فٹنگشن وغیرہ میں ایسے کپڑے زیب تن کر کے جاتیں جس کا استعمال اس نے مغربی ملک میں رہتے ہوئے بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے سے پہلے بھی نہیں کیا تھا۔ دونوں چچیاں بھی کم نہیں تھیں، لباس و انداز میں مغربی رنگ جھلک جاتا۔ اسے مسٹر جشید کا گھرانہ یاد آ جاتا۔ جبکہ اس پر تعید اور طو کے حوالے سے وہ سب ہی ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے..... جیسا پرسوں کی بات تھی نذیراں گھر جا چکی تھی بڑے چچا کے رات کو اچانک مہمان آ گئے تھے۔ بڑی چچی نے صبا کو اسے بلانے کے لیے بھیجا تھا کہ جلدی سے تو اسے کچھ انتظام کر لے۔ وہ اس وقت اماں جی کے کمرے میں نماز پڑھنے میں مصروف تھی جبکہ اماں جی قرآن پاک پڑھ رہی تھیں۔

"بیٹا وہ نماز پڑھ رہی ہے آپ جب تک کام شروع کرو..... یہ نماز ختم کر لے تو میں اسے بھیجتی

ہیں۔ اس میں آپ کو ظلم و ستم کہاں نظر آ گیا۔" ہاتھ کی جلن کو دل میں چھپاتی وہ جلدی سے کپ میں چائے ڈالنے لگی۔

"ارے ہمیں اپنا خیر خواہ ہی سمجھیں اور مت چھپائیں اپنے دکھے دل کے راز....." وہ حریف قریب آ کر بولا گویا نگاہوں سے ہی لگنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"مجھے کوئی دکھ نہیں ہے ایاز بھائی اور نہ ہی کسی راز دار کی ضرورت ہے۔ راستہ دیں اماں جی کو چائے دینے جاتا ہے۔" وہ دل میں خوفزدہ ہوتے ہوئے بھی بظاہر بہادری سے بولی اور کئی کتر اکراس کے پاس سے گزر گئی۔ اماں جی کے کمرے میں آ کر انہیں چائے دے کر اس نے اپنے بستر پر بیٹھ کر گہری، گہری سانسیں لیں۔ چہرہ ممل آنسو اپنی بے وقوفی پر ہلکوں کی باڑھ توڑ کر نکل آئے۔

"کیا ہوا ہے! کیوں رو رہی ہو؟" نہ چاہتے ہوئے بھی چائے کا سب لیتی اماں جی نے پوچھا اگرچہ لہجہ کسی قسم کی محبت یا تشویش سے خالی تھا ایسے جیسے کسی راہ چلتے سے بر سبیل تذکرہ بندہ کوئی بات پوچھ لے۔

"کچھ نہیں ہاتھ جل گیا ہے....." اس نے آہستہ سے دل کے درد کو دبا کر کہا۔

"ہوں....." دل میں اگرچہ ایک افسوس کی لہر ا بھری اور جی میں آئی کہ کہہ دیں کہ ان کے بیڈ کے درواز میں مرہم موجود ہے وہ نکال کے لگا لے پر جب، جب اس لڑکی کی وجہ سے ان کے فرمانبردار پوتے نے ان سے بغاوت کی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ احساس زیاں اس قدر شدید ہو جاتا کہ اس کی سب اچھائیوں پر جو ایک لمحے میں دل میں گھر کر تیں، پانی پھر جاتا..... کتنے دن ہو گئے وہ دیکھ رہی تھیں، وہ ان سے بھی پہلے بیدار ہو کر نماز ادا کر کے قرآن پاک کی تلاوت کرتی ایسے میں اس کا زار و قطار رونائیں بہت متاثر کرتا۔ پھر دن میں نمازوں کے اوقات میں وہ کمرے میں آ کر نماز ادا کرتی۔ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف نظر آتی اس کی آواز بہت کم سنی تھی۔ اس کا لہجہ اگرچہ مغربی تھا پر

کے لیے لگی تھیں۔ گھر میں صرف چوکیدار اور مریم تھے۔ اس نے سکون سے عشا کی نماز ادا کی اور لاؤنج میں ہی بیٹھ کر اپنی گزری زندگی اور موجودہ زندگی کے بارے میں سوچے مگنی۔ ”معید“ ایک نام دل کی سطح پر ابھرا اور آنکھیں نم کر گیا۔

”اللہ مجھے اپنا گھر بچانے میں ثابت قدم رکھنا۔“ صوفی نے پر پاؤں اوپر کیے تھے وہ معید کے خیالوں میں ہی گم تھی جب چہرے کے قریب کسی سرسراہٹ نے اسے اچھل کر کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔

”آ..... آپ ایاز بھائی..... اس وقت؟“ بہت چاہ کر بھی وہ اپنے خوف کو نہ ہاسکی۔

”آپ کونہ پا کر محفل ہی اداس ہو گئی۔ سو ایسی محفل میں دل کیا لگتا تھا ہمارا..... ابرے ڈر کیوں رہی ہو؟ ہم ہیں ناں جان من.....“ سلمیٰ انداز میں کہتے ایاز نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ مریم نے سیکنڈوں میں اپنا ہاتھ چھڑا کر ایک پھٹرا سے رسید کیا اور خود بھاگنے کو تھی کہ انہوں نے اسے جالیا..... وہ مزاحمت کرتے ہوئے خود کو چھڑانے لگی ساتھ ہی اس نے چوکیدار کو آوازیں دینا شروع کر دیں لیکن لاؤنج، گیٹ سے بہت دور تھا۔ یہاں تک تو گاڑی کی آواز مشکل سے آتی تھی۔

”چھوڑو مجھے..... درندے..... گھنٹیا انسان۔“ اس نے اس کے بازو پر اتنی زور سے دانت گاڑے کہ وہ بلبلا کر اپنی گرفت ہلکی کر گیا..... مریم نے اتنے کو ہی کافی سمجھا اور خود بھاگ کر لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور اندر آنے والی اماں جی سے کرا کر نیچے گر گئی جو اپنی طبیعت گھبرانے پر سدید کی مٹیں کر کے اسے مجبور کر کے لے آئی تھیں جو انہیں گیٹ پر چھوڑ کر ہی واپس ہو لیا تھا۔ اب مریم کی ایسی حالت..... دفعتاً وہ اٹھ کر ان سے لپٹ گئی۔

”مجھ..... مجھے بچالیں اماں جی..... اس درندے سے..... میری عزت خطرے میں ہے..... مت ایک بہو سمجھیں، بیٹی بھی نہ سمجھیں، ایک مظلوم عورت سمجھ کر ہی بچالیں۔“ بے ربطگی سے کہے گئے جملوں میں ہی اتنا

ہوں۔“ اس کے بلاوے پر اماں جی نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر پوتی کو دیکھا اور نرمی سے جواب دیا تھا۔ جواباً وہ ہونہ کہتی پاؤں پختی پلٹ گئی تھی اور جاتے ہی ماں کو پتا نہیں کیا جا کے سنایا تھا کہ وہ تن قن کرنی آئی تھی۔

”اماں جی! آپ بھی کس کے ڈھکوسلوں میں آرہی ہیں..... لگتا ہے ماضی بھول گئیں اس کا..... بھلا کافر بھی کبھی مسلمان ہوا ہے..... جو آپ ایسی باتیں کرتی ہیں۔ بی بی ختم کرو یہ ڈراما اور جلدی سے کچن میں آؤ.....“ دعا کرتے اس کے لب ساکت رہ گئے اور درد کی تیز لہر نے اندر تک جا کر دکھ دیا..... بھلے وہ اسے مار لیں، کچھ بھی کہہ دیں لیکن اسے کافر کہنا ہر بار نئے سرے سے دہی کر جایا کرتا تھا۔ اماں جی نے بھی تاسف سے اس کی طرف دیکھا اور نظریں چرا کر دوبارہ سے قرآن پاک کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اس نے جائے نماز لپٹ کر سائنڈ ٹیبل پر رکھی اور خود آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اماں جی کے دل میں طال کی ایک لہر اٹھی پر وہ نظر انداز کیے قرآن پاک پڑھنے میں مصروف رہیں۔ پھر وہ رات گئے کب آکر سو بھی گئی انہیں پتا ہی نہ چل سکا۔

☆☆☆

شادی کے فنکشنز شروع ہو چکے تھے۔ مایوں اور مہندی کا مشترکہ فنکشن گھر میں ہی منعقد کیا گیا تھا..... اماں جی تھوڑی دیر کو شریک ہوئی تھیں ویسے بھی وہ مخلوط پارٹیوں میں نہیں جاتی تھیں جبکہ مریم تو ویسے ہی اپنا کام ختم کر کے کمرے میں ہی تھی۔ آج کھانے کے لیے ہوٹل کی سروس تھی تو شکر ہوا اس کی ضرورت نہ پڑی۔ اگلے دن صبح سے ہی چچا اور بڑے چچا کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ وہ مسلسل خواتین اور لڑکیوں کو تاکید کر رہے تھے کہ شادی ہال میں وقت سے پہلے پہنچ جائیں..... اماں جی نے البتہ کہا تھا کہ انہیں وقت پر ہی ہال میں لے جایا جائے تاکہ وہ بے جا انتظار اور کوفت سے بچ سکیں۔ دہن اور اس کی دو کزنز دوپہر سے ہی پارلر چلی گئی تھیں۔ آخر میں اماں جی شادی ہال

ماہنامہ پلکیزہ 232 جون 2016ء

”اماں جی پر بھی جیہڑ بانڈ بننے کا شوق سوار ہوا ہے جو لے کے آدمی رات کو اسرار پھیلا کے بیٹھ گئی ہیں۔“ وہ خود سے کہتی ایاز کو بلا لائی جس کا ماتھا تو ٹھنک گیا پر اوپر سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔

”اماں جی گھر کی کوئی بات ہے بھی سہی تو اس لڑکی کو تو ہا ہر بھیج دیں۔ ن کا نقطہ بن کے ادھر ہی ٹنگ گئی ہے۔“ چھوٹی چچی نے ایک طرف خاموش بیٹھی مریم کے سنے ہوئے چہرے پر نگاہ غلط ڈال کر کہا۔

”یہ یہیں بیٹھی رہے گی۔“ اماں جی نے کہا تو سب لوگوں نے بے حد اچھٹے اماں جی کی جانب دیکھا جیسے انہوں نے بہت انوکھی بات کر دی ہو لیکن جب اماں جی نے مختصر اوہ سارا واقعہ سنایا تو پھر جتنے منہ تھے اتنی ہی باتیں تھیں لیکن کسی نے ایک بھی مریم کی حمایت میں ایک لفظ نہیں کہا۔ زرین تو باقاعدہ رونے لگ گئی۔

”یہ عزت ہے اب ایک بیواہی بیٹی کی اس گھر میں۔۔۔ ایک آوارہ لڑکی اٹھ کر کسی کے بارے میں کچھ بھی کہہ دے اور آپ خاموشی سے سن بھی لیتی ہیں اور مان بھی لیتی ہیں۔“

بیوی کی حمایت پا کر ایاز مزید شیر ہوا۔
”اتنی خوب صورت بیوی کے ہوتے ہوئے مجھے کیا ضرورت ہے کسی انجان عورت پر بری نظر ڈالنے کی۔ میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ میں اپنی گھڑی۔۔۔“ اس نے مریم کو حقارت سے دیکھتے ہوئے اپنا رات والا بیان پھر دہرایا۔

”مجھے تو حیرت آپ پر ہو رہی ہے اماں جی آپ نے اس لڑکی کا یقین کر لیا اور گھر کے داماد کو دو کوڑی کا کر دیا۔“ بیوی چچی کی زبان نے زہرا اگلا۔
”اس کی بات کا یقین کیا ہوتا تو آپ سب کو یہاں زحمت نہ دیتی۔“

”میں پوچھتی ہوں اتنی شریف زادی تھی تو لاؤنچ میں ہی تمام دروازے کھلے چھوڑ کر بیٹھنے کی کیا تک ہنسی تھی۔ پہلے ایک مرد کو اداؤں سے اندھا کیا، اب

رہا تو تھا کہ اماں جی ساکت ہو کر سامنے لاؤنچ کے دروازے میں نظریں چراتے ایاز کو پھر ان کی نظروں سے دیکھتی رہیں۔ دفعتاً وہ خود ہی آگے بڑھا آیا۔

”دیکھا بڑی اماں اس آوارہ عورت کے کام۔۔۔ مجھے خود بلایا تھا یہاں پر۔۔۔ میرے انکار پر اب نئی کہانی گھڑی ہے اس نے وہ تو میں گھڑی بھول گیا تھا۔۔۔ وہی لینے آیا تو یہ راستہ روک کر گھڑی ہو گئی، میں تو کہتا ہوں لٹائیں اس کو ایک منٹ کے اندر، اندر۔۔۔“ اماں کی کی خاموشی اسے مزید شیر ہانگی۔

”یہ۔۔۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔“ وہ پوری قوت سے چچی۔۔۔ اتنی کہ آواز پھٹ گئی۔

”تم اندر جاؤ لڑکی اور تم بھی فی الحال فنکشن میں پہنچو۔۔۔ سب کے آنے پر بات ہوگی۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہہ کر بات سمیٹی۔۔۔ مریم خدا کا شکر بڑھتی نورانی کمرے کی طرف بھاگ گئی تھی مگر وہ ابھی تک کچھ دیر پہلے والے خوف کے زیر اثر تھی۔ ایاز بھی اتنی جلدی جان چھوٹ جانے پر اپنی حیرت کو اندر چھپاتے ہوئے فوراً شادی ہال روانہ ہو گیا۔۔۔ رات کو سب کی واپسی پر اماں نے سب کو اپنے کمرے میں بلا بھیجا۔

”کیا بات ہے اماں جی خیر تو ہے ناں۔۔۔ اتنی رات کو آپ نے یاد فرمایا۔ صبح بھی بات ہو سکتی تھی، اچھی خاصی رات تو اب ہو گئی ہے صبح پھر ولیمہ ہے۔“ بڑی چچی کا لہجہ اچھا خاصا بیزاری لیے ہوئے تھا جبکہ اپنے خاوند کی تیز گھوری پر منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر چپ ہو رہی ہیں۔

”ایاز کہاں ہے، اسے بھی بلاؤ۔“ سب کے درمیان انہوں نے سب پر طائرانہ نظر ڈال کر کہا۔
”ان سے کیا کام ہے اماں جی آپ کو۔۔۔ بہت تھک گئے تھے سونے چلے گئے ہیں۔“ یہ ان کی بڑی پوتی تھی ایاز کی بیوی۔

”تم اسے بلاؤ، اس کے سامنے ہی بات ہوگی۔“ زرین دل ہی دل میں جھنجھلاتی خاوند کو بلانے چل دی۔

جب اس نے چوری چھپے اور مشکوک انداز میں مریم کو اسٹور کی طرف جاتے دیکھا اس کا انداز دیکھ کر وہ مشکوک انداز میں اس کے پیچھے گئی اور اسٹور میں اس نے اس لڑکے کو اور مریم کو جس حالت میں دیکھا وہ وہ بیان نہیں کر سکتی، لڑکی کا بیان سن کر لڑکے نے بھی تائید کر دی کہ واقعی وہ مریم کے بلانے پر وہاں آیا تھا نہ صرف آج بلکہ اس سے پہلے بھی وہ دو تین دفعہ آچکا ہے اور ہر ہفتے کے روز رات بارہ بجے کے بعد وہ اسٹور میں موجود پچھلا دروازہ جو گیلری میں کھلتا ہے وہاں سے وہ اندر آ جایا کرتا ہے۔ چچی نے تو یہ سنتے ہی مریم کو بری طرح سے مارنا شروع کر دیا۔

”آوارہ..... بد ذات یہ صلہ دے رہی ہو ہمارے احسانوں کا.....“ جبکہ چچا نے لڑکے کو کالر سے پکڑ کر گھسیٹا اور خوب مارا..... سید تو اسے تھانے لے جانے پر ہند تھا لیکن بڑے چچا نے کہا کہ گفتیش میں کئی باتیں پوچھی اور دریافت کی جائیں گی اس آوارہ عورت کی وجہ سے ان کی بیٹیوں کی عزت پر حرف آئے انہیں گوارا نہیں سو پولیس میں معاملہ لے جانا ٹھیک نہیں ہے۔ سو مار مار کر اس لڑکے کا حلیہ بگاڑ دیا گیا اور کئی دھمکیاں دے کر اسے چھوڑ دیا گیا۔

”لیکن اس بے غیرت کی اب حرید ہمارے گھر میں جگہ نہیں ہے۔“ بڑی چچی جب اسے گھسیٹتی ہوئی لاؤنج تک لائیں پھر مین گیٹ کی جانب دھکیلتے لگیں تو وہ کچھ کہہ رہی تھی لیکن اس وقت سب اپنی اپنی بولی بول رہے تھے اور چچی کو اس کا رخ میں حق بجانب سمجھ رہے تھے۔ دفعتاً مریم کو اماں جی کا مہربان چہرہ دکھائی دیا۔ چیخ، چیخ کر اس کا گلا بیٹھ گیا تھا لیکن پتا نہیں کیا ہوا اس بلی مریم کو لگا کہ اس گھر میں وہ ضرور اس کی بات سنیں گی۔

”چھوڑو خالو مجھے! میں معید کے بچے کی ماں بننے والی ہوں مجھے اپنے بچے کی قسم ہے، میں نے اس لڑکے کو نہیں بلایا تھا۔“ اس کی آواز اور بات میں ایسا کیا تھا کہ اماں جی ایک دم سے آگے آئیں اور بڑی

چچی کے ہاتھ سے اس کے بال پھڑوائے۔
”کیا معاملہ ہے بھو! کیا آفت آگئی ہے رات کے اس وقت جو اس کے ساتھ یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔“
”آفت پہ آفت ہی تو آرہی ہے اس گھر پر جب سے یہ منحوس لڑکی یہاں آئی ہے۔ آجائیں آپ بھی سن لیں اپنی لازمی کے کروت پھر میں دیکھتی ہوں کیسے اپنی ضد پر اڑی رہتی ہیں کہ اس لڑکی کو کچھ بھی ہو جائے گھر رکھتا ہے معید کا کہنا نہ ہو گیا کوئی حدیث ہوگئی۔ جس پر عمل کرنا لازمی ہے۔“ بڑی چچی ہاتھ نچا، نچا کر بول رہی تھیں پھر ساری بات ایک ہی سانس میں کہہ سنائی۔
”میں اس لڑکی کی بے جا طرف داری نہیں کر رہی نہ ہی مجھے پوری بات کا علم ہے لیکن عشا کی نماز کے بعد سے یہ لڑکی میرے پاس تھی میرا سامان پیک کرتی رہی تھی پھر میری طبیعت خراب ہونے پر مجھے سنبھالا ہے اور اب سے کچھ دیر قبل میں نے ہی اسے اسٹور سے کھیل لے آئے کو کہا تھا۔“

”خدا کے لیے اماں جی بس کر دیں اب..... اس بد ذات کو آپ کا لاڈلا چھوڑ گیا ہے، وہ آپ کا پوتا ہے تو ہمارے بچے بھی آپ کے کچھ لگتے ہیں۔ سناری زندگی یہی کچھ کیا ہے آپ نے..... لیکن اب آپ کی کوئی نا انصافی برداشت نہیں کریں گے ہم، یہ لڑکی اس گھر میں نہیں رہے گی اب اور یہ جو بچے والا نیا قصہ ہے تو یہ بھی اسی آوارگی کا نتیجہ ہے معید نے آکے تھوکتا بھی نہیں اس پر۔“ بڑی چچی کی سانس پھول گئی، اور لہجہ کسی قدر توہین آمیز تھا کچھ بھی تھا اماں جی سے کبھی کسی نے اتنی بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی اماں جی نے ایک طائرانہ نظر سب کے چہروں پر ڈالی کم و بیش سب کے چہروں پر وہی تاثرات تھے جو چچی کی زبان کہہ رہی تھی۔

”ٹھیک ہے رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے مجھے صرف چند گھنٹے اس گھر میں گزارنے کی اجازت دے دو۔ صبح ہوتے ہی میں اس لڑکی کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔“

”دیکھا آپ نے پھر ہمیں کہتے ہیں کہ تم لوگ

کھانے کے لیے کہا۔ جبکہ ان کے بیٹوں کے گھر میں اس کے الگ برتن تھے جن میں وہ کھانا کھایا کرتی تھی۔ اس نے جھجکتے ہوئے بس تھوڑا سا کھانا لیا تھا۔ ظہر کی نماز کے بعد دونوں لیشیں تو عصر کے وقت ہی آنکھ کھلی جب وہ اٹھی، اماں جی نہیں تھیں وہ باہر آئی تو بہت سی عورتوں کے درمیان تھیں اماں جی..... ان کے مریم کے حوالے سے استفسار پر اماں نے بتایا کہ وہ ان کی رشتے دار ہے ابھی رہے گی یہاں۔ وہ نماز کے لیے وضو کر کے ایک بار پھر کمرے میں چلی گئی تھی۔

”اب مجھے سچ، سچ بتاؤ اس خبر میں کتنی صداقت ہے جو تم نے بچے کے حوالے سے کی تھی۔“ رات کو جب وہ نماز پڑھ کر معمول کے مطابق قرآن پاک لے کر بیٹھی تو قرآن پاک کھولنے سے پہلے اماں جی نے اس سے پوچھا تھا۔ مریم کے ہاتھ وہیں ساکت رہ گئے۔

”میں کوئی قسم نہیں کھاتی نہ ہی یقین دلانے کے لیے کوئی بھاری بھر کم الفاظ استعمال کروں گی لیکن میں سچ کہتی ہوں کہ میں معید کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔“ اس کی لڑائی، کانپتی آواز اور لہجے میں بولنا یقین اماں بی کو لگا وہ اب ڈھمے جانے کو ہیں۔ تھکے انداز میں وہ کچھ دیر اس کے تھکے سر کو دیکھتی رہیں اور پھر اپنے بیگ میں سے کچھ نکال کر وہاں سے چلی گئی تھیں بغیر کچھ کہے..... ان کا رخ معید کے کمرے کی طرف تھا۔ وہاں آکر انہوں نے ہاتھ میں تہ کیا ہوا معید کا لکھا ہوا خط نکال کر کئی بار پڑھا اور ہر بار پڑھنے پر دل کی اتنی عجیب حالت ہوئی کہ ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ اس لڑکی کے انداز و اطوار نے بہت پہلے ان کے دل میں جگہ بنالی تھی لیکن انا کی ایک بہت بڑی دیوار تھی جو ان کو اس کے دوسری پار کھڑے رہنے پر مجبور رکھے ہوئے تھی۔ بہت رات گئے جب وہ کمرے میں واپس آئیں مریم سو چکی تھی۔ اب ان کا معمول بن گیا تھا روز سونے سے قبل معید کا خط لے کر کمرے میں جاتیں اسی کو معید سمجھ کر شکوے شکایت کرتیں، روتیں اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتیں اس بات کو چند دن گزر گئے تھے شہر سے نہ تو

زیادتی کرتے ہو اماں جی کے ساتھ اب ان کا رویہ دیکھا۔ اس لڑکی کے لیے گھر چھوڑ کر جا رہی ہیں۔ جس نے ایک دن ان کو ہاتھ دکھا کے بھاگ جانا ہے پھر روتی پھریں گی سر پر ہاتھ رکھ کر۔“ بڑی چچی نے اپنے خاوند کا بازو پکڑ کر اماں جی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

اماں جی نے کوئی جواب نہیں دیا آہستہ سے چلتے ہوئے کارپٹ پر بیچے بے حال پڑی مریم کی طرف آئیں۔

”اتھو تم میرے ساتھ آؤ۔“ نرمی سے اسے کہا اور اپنے ساتھ لے کر لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔ پیچھے رہ کر اپنی، اپنی بولی بولنے والے اہل خانہ کی پروا کیے بنا۔ وہ ساری رات دونوں نے آنکھوں میں کالی تھی۔ مریم نے روتے ہوئے اور اماں جی نے کسی بہت گہری سوچ میں تاہم مریم کے لیے ان کے پاس کسی تسلی یا دلا سے کے لیے کوئی الفاظ نہیں تھے۔ ہمیشہ کی طرح۔

علی الصباح اماں جی اسے لے کر ڈرائیور کے ہمراہ گاؤں کے لیے روانہ ہو گئی تھیں۔ اگرچہ ان کے دونوں بیٹوں نے اماں جی کو ایک دفعہ پھر اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور کہا کہ اس کو دارالامان یا کسی ایسے ادارے میں بھجوا دیتے ہیں جو ضرورت مند افراد کے لیے رہائش دیتا ہے اور وہ بھی ان کی تسلی کے لیے ورنہ جس لڑکی نے ان کے گھر کا سکون اور ماحول خراب کر کے رکھ دیا ہے اس کے لیے ان کے دلوں میں ذرا بھی ہمدردی نہیں ہے۔ اماں جی نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا بس بولیں تو اتنا ہی کہ فی الحال تو ڈرائیور کو کہا جائے کہ انہیں گاؤں چھوڑ آئے۔۔۔۔۔

دونوں بیٹوں نے ایک نظر ایک دوسرے کو دیکھا تھا پھر چھوٹے چچا ہی بگڑے تیوروں کے ساتھ انہیں ڈرائیو وے تک چھوڑ آئے تھے۔ دوپہر تک کے تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ حویلی میں تھیں۔ ملازمین تین عورتیں اور دو مرد تھے حویلی پر جنہوں نے حویلی کو بہت صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔ عورتیں تو ان کے آتے ہی کھانے وغیرہ کے انتظام میں لگ گئی تھیں۔ مریم اس وقت چچی جب اماں جی نے اسے بھی اپنے ساتھ

روشن راہ

محبت، دوستی، خلوص، مروت، درست راہ
نہائی یا کوئی اور نیکی بھرا عمل نشانی کے طور پر اپنی
گزرگاہ پر ضرور ثبت کریں جو بتائے کہ اس راہ
سے آپ گزر رہے تھے۔

از: صدف آصف، کراچی

شکرانِ نعمت

نعمت سے بغاوت زوال کا آغاز ہے۔

اور.....

استغفار کا سفر عروج کا آغاز ہے۔

استغفر اللہ، سر بلندی کا وظیفہ ہے۔

اور.....

الحمد للہ، انعام یافتہ بندوں کا ورد.....

از: جمین نیاز، ملتان

یقین کریں میں جھوٹ نہیں بولتی۔“ ان کے
دونوں ہاتھ پکڑ کر وہ زار و قطار روٹی چلی گئی۔ یہ دیکھ
بغیر کہ خدا اور نفرت کے گلیشیر میں دراڑ پڑی تھی اور
اماں جی کے سرخ و سفید چہرے پر آنسو قطا رہتے چلے
گئے۔ بالآخر انہوں نے اپنا لڑتا کا پتہ ہاتھ اس کے سر
پر رکھ دیا۔ مریم نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

”آپ..... آپ کو یقین آگیا ناں میں آپ ہی
کی طرح پیارے نبی کی امتی ہوں۔ میں مسلمان ہوں
اماں جی۔“ ان کے اثبات میں ہلتے سر کو دیکھ کر وہ
شدت جذبات سے ایک بار پھر رو دی۔ اس کا رواں،
رواں اپنے خدا کے حضور شکرانہ ادا کر رہا تھا۔

”آ کر دیکھو معید.....! میرے اللہ نے مجھے ان
کی نظر میں سرخرو کر دیا۔ مجھے یقین ہے میری محبت اور
آپ کی قربانی جلد ہی رنگ لائے گی اور مجھے بہو کے
طور پر بھی تسلیم کر لیں گی۔“

اگلے روز اماں جی نے مریم کی موجودگی میں غشی کو

ماہنامہ پلیدیہ 237 جون 2016ء

انہوں نے کوئی رابطہ رکھا تھا نہ شہر سے کسی نے کسی قسم کا
رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

”مجھے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔“ ایک دن
مریم نے اگلیاں بچھاتے ہوئے بہت تذبذب کے
سے انداز میں کہا۔

رات کو ہی وہ دونوں کمرے میں تنہا ہوتیں ورنہ
اماں جی کے نزدیک ہر وقت گاؤں کی عورتیں ہی گھیرا
ڈالے رکھتیں۔ وہ ان کے مسائل حل کرتیں اور کسی حد
تک ان کے جھگڑے بھی بچھاتیں۔ شہر سے بہر حال
زیادہ چر سکون تھیں اماں جی۔

”ہوں کبھی..... ہم سن رہے ہیں۔“

”میں نے.....“ اس نے کچھ دیر رک کر ان کا
بے تاثر چہرہ دیکھا پھر اپنی بات دوبارہ شروع کی۔
”اماں جی میں نے قرآن پاک کو ترجمے اور تفسیر

کے ساتھ پڑھا ہے۔ جہاں تک میرا ناقص علم ہے وہ یہ
کہتا ہے کہ ہم مسلمانوں کی سحری اور بد حالی کا سبب
قرآن کی تعلیمات سے دوری ہے۔ ادھر ادھر چلتے
پھرتے یہاں کے لوگوں کی باتیں..... مسائل کانوں
میں پڑتے ہیں، بہت سی غلطیوں سے مجھے خود پتا چلا ہے
کہ قرآن پاک اول تو کسی نے پڑھا نہیں ہوا اگر پڑھا
بھی ہوا ہے تو اسے ترجمے تفسیر کے ساتھ نہیں پڑھا گیا نہ
ہی اس کی اصل روح سمجھنے کی کوشش کی گئی۔ میں اپنی
بے مصرف زندگی کو کام میں لانا چاہتی ہوں۔ آپ
اجازت دیں تو یہاں کی بچیوں، عورتوں کو نہ صرف
قرآن پاک کی تعلیم بلکہ دینی تعلیم سے بھی بہرہ ور کرنا
چاہتی ہوں۔“ ان کو ہنوز چپ اور اپنی طرف دیکھتا پا کر
وہ ایک دم چپ ہو گئی اور آہستہ، آہستہ چلتی ہوئی ان
کے پاس آ گئی۔

”آپ یقین کریں جو اللہ آپ کا ہے میں بھی
اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ پیارے نبی کی ختم نبوت پر
جیسے آپ کو یقین ہے مجھے بھی ہے۔ قرآن کو صرف میں
نے پڑھا ہی نہیں، سینے میں ابھی اتارا ہے اور اب سمجھنا
بھی چاہتی ہوں۔ میں مسلمان ہوں اماں جی..... میرا

READING
Section

اسے عزت دینا اور تمام عورتوں کا والہانہ لگاؤ اسے اپنے پیارے اللہ پر بے حد پیار آیا جس کا وعدہ ہے وہ کسی کو کسی کے ضبط سے زیادہ نہیں آزما تا۔۔۔۔۔ صرف ایک ہفتے میں ہی اماں جی نے اس کے لیے پچھلے کمرے اور صحن کو ایک چھوٹے سے تعلیمی مدرسے کی شکل دے دی تھی۔ انہوں نے معافی مانگنے کی غرض سے مریم سے کچھ کہنا چاہا تھا پر اس نے انہیں کچھ بھی بولنے سے موقع نہیں دیا تھا۔

”اماں جی! میں نے پہلے دن سے آپ کو اپنی ماں سمجھا اور مانا ہے اور ہمارے مذہب میں ماں کا درجہ بہت بلند ہے۔ کچھ کہہ کر مجھے گناہ گار مت کریں۔“ انا کی وہ فطری گرا کر اماں جی خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھیں۔ اب معید کے خط کو مریم سے چھپا کر نہیں پڑھتی تھیں اس کے خط کو آنکھوں سے لگا کر چھپاتی اور کہتی جاتیں۔

”تو نے کہا تھا کہ اماں جی! دل سے پکاریں گی تو میں آ جاؤں گا، دیکھ تو معید تیری اماں جی دلیز پر لگا ہیں نکائے بیٹھی ہے۔ آ جاؤ بیچے! ایسے تو میں سکون سے مر بھی کہاں سکوں گی۔“ ایسے میں مریم ان کو تسلی دیتی اور ان سے خط لے کر انہیں باتوں میں لگا لیتی۔ اپنی باتیں، اپنی ماں کی باتیں۔۔۔۔۔ جھپٹ کے ہاں اپنے اندر کی کایا پلٹ اماں جی کچھ بھل جاتیں مگر اگلے دن پھر وہی صورت حال ہوتی۔۔۔۔۔ ان کی توقعات سے بھی زیادہ بچیاں مریم کے پاس پڑھنے آنے لگی تھیں۔ پھر ایک دن شرمندہ، شرمندہ سے بڑے چچا آ گئے۔ انہوں نے بہت ندامت سے اماں کو بتایا کہ صبا ان کی بیٹی نے اسی لڑکے سے کورٹ میرج کر لی تھی جو اس سے ملنے آیا تھا اور اس نے ڈر کے مارے مریم کو پھنسانا چاہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ جب انہیں اس بات کا پتا چلا کہ وہی لڑکا اور صبا آپس میں شادی کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے رسوائی کے ڈر سے انکار کر دیا تھا کہ کیسے اس لڑکے کو داماد بنالیں جسے مریم کے حوالے سے وہ مار اور دھکار چکے تھے اور بیٹی کو بھی بہت مارا اور سخت

بلوایا تھا کہ جو بلی کا پچھلا صحن اور چار کمرے وہ اسی مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہیں جو مریم چاہتی ہے، مریم سے پوچھ کے ملازمین کو بلا کے انہیں ویسے ہی سیٹ کر دیا جائے جیسے مریم چاہتی ہے اور وہ سرمایہ بھی فراہم کریں گی کتابوں اور دیگر لوازمات جو بھی اس مقصد کے لیے چاہیے ہوں گے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ٹشی کو ایک ہفتے کا ٹائم دیا تھا۔ انہوں نے اس کام کے بعد تمام علاقے کی خواتین کو بلوایا تھا اور کہا تھا۔

”کچھ ہی دنوں میں آپ اپنی، اپنی بچیوں کو مدرسے بھیجیں جہاں ان کو دنیاوی و دینی تعلیم دی جائے گی۔ ہم کوشش کریں گے جلد ہی ہمارے اپنے علاقے میں اور کچھ نہیں تو ایک سرکاری پرائمری اسکول کا اجرا ہو جائے تاکہ والدین اس ڈر سے بچیوں کو گھرتے بٹھالیں کہ اتنی دور اپنی بچیوں کو اسکول کون بھیجے۔ اس سلسلے میں جلد ہی سرکار کو درخواست دینے والے ہیں اور اس سلسلے میں علاقے کا تعاون درکار ہوگا۔“ سب خواتین کی طرف سے بہت خوشی کا اظہار کیا گیا تھا۔

”ہاں ایک اور اہم بات جس سے آگاہ کرنا میں آپ سب کو ضروری خیال کرتی ہوں۔ یہ لڑکی مریم جس کا تعارف میں نے آپ لوگوں سے اپنی رشتے دار کے طور پر کرایا تھا پر رشتے کی نوعیت کچھ وجوہات کی بنا پر نہیں بتائی تھی آج بتاتی ہوں۔ یہ میرے معید کی دہن اور میری بہو ہے۔ حالات کچھ ایسے ہو گئے تھے کہ اس کے والدین کا حادثے میں انتقال اور مرنے سے پہلے شدید اصرار کہ جلد ہی شادی کر دی جائے سو ہمیں حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے۔۔۔ ایجنسی میں شادی کرنا پڑی تھی۔ معید ضروری کام کے لیے ملک سے باہر ہے اس کی واپسی پر ویسے کی تقریب میں آپ تمام لوگوں کو دعوت دی جائے گی۔“ مریم کو لگا اس کا وجود روٹی کے گالے سے بھی ہلکا ہو کر ہوا میں اڑ رہا ہو۔۔۔۔۔ محسوس ہوا کہ عزت کا، مان کا خوب صورت احساس۔۔۔۔۔ اماں جی کا اس کے پہلو میں بیٹھ کر

ہے۔ مجھے اور اسے دعائیں دیتا۔ لوگ بڑے فخر سے میرے حوالے سے اس کا تعارف کراتے ہیں کہ اماں جی کی بہو کی وجہ سے آج گاؤں کے گھر، گھر میں دین و دنیا کی تعلیمات کی شمعیں روشن ہیں۔ مریم کے مدرسے میں بچیوں کی تعداد اب ڈیڑھ سو ہو گئی ہے۔ میں پہلے گاؤں کی عورتوں کو اپنے تجربات کی بنا پر ان کے مسائل کے حل بتاتی تھی اب مریم قرآن و احادیث کی روشنی میں انہیں اتنے سادہ حل بتاتی ہے کہ میں خود حیران رہ جاتی ہوں۔ قرآن تو میں نے بھی پڑھا ہے یقیناً تم لوگوں نے بھی..... لیکن اس نے اپنے عمل سے، محبت سے، خدمت، صبر اور سب سے بڑھ کر اللہ پر ایمان سے یہ ثابت کیا کہ قرآن بھی تو ہمیں یہی درس دیتا ہے۔ اس نے نو مسلم ہو کر بھی سب کچھ پالیا اور ہم جنہیں مسلمان ہونے کا پیدائشی شرف حاصل تھا ہم بھی دامان رہ گئے۔ میرے معید کا پتا کرو، کہیں سے اسے ڈھونڈ لاؤ، وہ ناراض ہو گیا ہے مجھ سے..... اسے ڈھونڈ لاؤ۔" یہ سب بتاتے ہوئے وہ بے ساختہ رو پڑیں۔ اماں جی نے مریم کو مدرسے سے بلوایا تھا۔ چچا نے اس کے سر پر ہاتھ بھیر کر دعا دی تھی۔

"ہم سب تم سے شرمندہ ہیں بیٹی..... ہو سکے تو ہمیں معاف کر دیتا۔" ٹوٹے ہوئے لہجے میں انہوں نے کہا تھا۔ "سدید سے کہہ کر میں معید کے دوستوں وغیرہ سے اور میٹ کی مدد سے کچھ پتا کرتا ہوں۔ آج کل سائنس کی دنیا ہے اماں جی لہجوں میں ایک بات پوری دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ آپ پریشان مت ہوں۔ جلد ہی معید آپ کے پاس ہوگا انشاء اللہ....."

"انشاء اللہ۔" ان دونوں نے بھی زرب لب کہا۔ مزید جاتے، جاتے اماں جی نے بڑے چچا سے کہا کہ صبا نے جو قدم اٹھانا تھا اب اٹھا لیا۔ اسے معاف کر کے دنیا دکھا دے کوئی سہی اسے دوبارہ سے گھر سے رخصت کر دیں۔ وہ صرف گہری سانس بھر کر رہ گئے۔ رات کو ایک دفعہ پھر اماں جی، معید کو یاد کر کے رنجیدہ

ماہنامہ پاکیزہ 239 جون 2016ء

ملامت کی تھی پر اس کا نتیجہ یہ نکلا انہوں نے کورٹ میرج کر لی۔ ایاز کی اصلیت بھی کھل کے سامنے آ چکی تھی وہ بہت عیاش اور بگڑا ہوا انسان تھا۔ آئے روز زرین کو مار پیٹ کر گھر سے نکال دیتا، غیر عورتوں سے تعلقات تھے اس کے..... باز پرس کرنے پر نوبت مار پیٹ تک پہنچ گئی تھی اور زرین ایک بار پھر ماں باپ کے گھر پر تھی جھگڑے کی وجہ یہی کہ کسی عورت کے ساتھ اس کا انصاف تھا۔

"اماں جی مجھے معاف کر دیں۔ آپ کی دعائیں تھیں تو سب ٹھیک تھا اور آپ نے ہاتھ اٹھالیے تو ہم پر مصیبتوں اور ڈلتوں کے پھاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ مجھے تو لگتا ہے اس لڑکی کی بد دعا لگ گئی ہے۔" وہ روتے ہوئے بہت کچھ کہہ رہے تھے اور اماں جی نے دل ہی دل میں اپنے رب کا بے حد شکر ادا کیا جو انہیں ہر بار مریم کے ساتھ انتہائی قدم اٹھانے سے کوئی غیبی طاقت روک دیا کرتی تھی، ورنہ آج وہ بھی ان بچھتانے والوں کے ساتھ ہوتیں۔

"ہم تو خود مرتے دم تک اپنے اس رویے اور باتوں پر بچھتا نہیں گئے جو ہم نے مریم کے ساتھ روا رکھا جس سے میرا بچہ پتا نہیں کہاں، کہاں کی خاک چھان رہا ہوگا۔ اب تو اللہ سے یہی دعا ہے کہ میرا بچہ خیر خیریت کے ساتھ واپس آئے۔ اپنے گھر جہاں اس کی ماں، اس کی بہو بہت شدت سے اس کے غصہ ہیں۔" اماں جی نے گلوگیر لہجے میں کہا تو ان کی آخری بات پر وہ چونک گئے اور استغھامیہ نظروں سے ان کی جانب دیکھا۔

"ہاں.....! ہم سے صحیح فیصلہ کرنے میں دیر ہو گئی لیکن اتنی نہیں ہوئی کہ بچھتا دا شدید ہو۔ مریم، معید کی بہو اور اب اس کے بچے کی ماں بننے والی ہے۔ تم سب مجھے جہانی میں چھوڑ کر چلے گئے اس نے بڑھاپے میں آکر مجھے سہارا دیا۔ تمہاری تعلیم، تمہارے عہدے، تمہاری دولت کسی کام نہیں آسکی مگر اس بچی کی وجہ سے آج پورا گاؤں میری عزت کرتا

ہو کر سو گئی تھیں۔ رات کے کسی پہر اپنے پاؤں پر نمی کا احساس کر کے وہ چونک کر جاگی تھیں۔ وہ معید تھا، ان کے پاؤں پر سر رکھ کر وہ رو رہا تھا۔ اماں جی خوشی سے ساکت رہ گئیں۔

”معید میرے بچے! میرے چاند! کہاں چلا گیا تھا تو..... شکر ہے میرے اللہ..... شکر ہے میرے مالک.....! تو نے میری لاج رکھ لی، مجھے میری نظروں سے شرمندہ ہونے سے بچالیا۔ مریم..... مریم..... دیکھو تو میرا معید آگیا۔“ اسے بے تحاشا چومتے ہوئے وہ بہت زیادہ رو رہی تھیں جبکہ مریم بھی پاس کھڑی نم آنکھوں سے مسکرا رہی تھی۔

”بس دیکھ لیں اماں جی! میں نے کہا تھا ناں کہ جس دن آپ دل سے نکالیں گی، آپ کا معید آپ کے پاس ہوگا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”میں تو تجھے ایک پل بھی نہیں بھولی بچے..... پوچھ مریم سے۔“

صبح اذانوں کے وقت وہ دونوں اپنے کمرے میں آئے تھے۔ بہت دیر بعد اماں جی کو خیال آیا کہ ہا نہیں وہ کہاں سے آیا ہے تھا کوا ہوا ہوگا۔ انہوں نے مریم کو بھی ساتھ ہی بھیجا تھا کہ وہ اسے کھانے کو بھی پوچھے اور کپڑے وغیرہ نکال کے دے۔

”بہت مایوس ہو گیا تھا میں..... بہت مایوس..... بھی دل کرتا جا کر تمہیں ان سب کے سچ سے لے آؤں اور ہم کہیں دور جا کر نئی دنیا بسائیں لیکن صرف اماں جی کا خیال میرے منصوبوں پر پانی پھیر دیتا۔ مت پوچھو تمہارے میسر پڑھ کر راتیں کاٹنی اور دن گزارنا مشکل ہو جایا کرتا تھا۔“ وہ اس کے بالوں میں اٹکیاں پھیرتے ہوئے بولا۔ مریم نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا دی۔ ابھی تو اس نے وہ واقعات و حالات اسے بتائے ہی نہیں تھے اسے جب اس کی عزت کئی دفعہ سخت خطرے میں پڑی تھی۔ کئی دفعہ اس کا مرنے کو دل چاہا تھا، ایسے میں وہ ہوتی اور اس کا اللہ ہوتا تھا۔ اماں جی نے جب ان کی

شادی ماننے سے انکار کر دیا تھا تو یہ تجویز معید کی تھی کہ وہ صبح ہوتے ہی چلا جائے گا پر اس کے ساتھ توں پر اس سے رابطہ رکھے گا لیکن سب لوگوں کے علم میں لائے بغیر کہ اس سے اس کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ وہ پھر سے امریکا آگیا تھا۔ رات کو جب اماں جی سو جاتی تھیں تب اپنے بیگ میں سے آف سیل آن کر کے ساری رواداد لکھ بھیجا کرتی تھی۔ ہر گزرتا دن معید کو حریص مایوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے ایک دوست کے پاس امریکا میں تھا ان دنوں جب سخت پریشان کن دنوں میں مریم نے اسے باپ بننے کی نوید دی تھی لیکن گھر والوں خصوصاً اماں جی کا رویہ ہنوز سخت تھا۔ مریم بہت پریشان ہو کر اسے ٹیکسٹ کرتی کہ ابھی تو اس کا مسلمان ہونا تسلیم نہیں کیا جا رہا تو بہو ہونا تو بہت دور کی بات تھی، اس سارے عرصے میں صرف ایک دن ان کی بات ہوئی تھی۔ جب سب لوگ شادی میں گئے تھے اور ایاز والا واقعہ پیش آیا تھا۔

”یقین کرو مریم، خوشخبری کا سن کر میرا ذکر تمہارے پاس آنے کو دل کیا لیکن پھر سوچا اتنے دن کی دوری کا کچھ فائدہ ہی نہیں ہوا تو میرا پردیس میں تمہیں چھوڑ کر آنے کا مقصد ہی کیا رہ جاتا..... تمہاری طرف سے حالات کے ٹھیک ہونے اور اماں جی کے مان جانے کی خبر گویا ایسی تھی۔ جیسے پیارے کو بہت دور ریگستان کا سفر طے کرتے ہوئے شیشے پانی کا چشمہ نظر آگیا ہو۔ سوری جان معید ان تمام مشکلات، روتوں اور کٹھنائیوں کے لیے جو تمہیں یہاں برداشت کرنا پڑیں لیکن یقین کرو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اب کے بعد ایک بہت خوب صورت زندگی ہماری منتظر ہے۔“ معید نے اس کا ہاتھ لبوں سے لگا کر کہا۔ مریم کچھ کہے بغیر آسودگی سے اس کے کندھے کے ساتھ سر ٹکا گئی کہ خوب صورت زندگی کے خوش رنگ لمحات کی آہیں اسے انجمنی سے سنائی دے رہی تھیں۔

تھیں۔ مناسب سراپا، اس پر الہر معصوم جوانی کا بہکا
نمار، ساوہ سے جانی سوٹ میں اس کی چمپٹی رنگت
دک رہی تھی۔ ملجاسوٹ کسی بھی طرح اس کے دلکش
حسن سے میل نہیں کھا رہا تھا۔

آئینے کے سامنے خود کو مختلف زاویے سے دیکھتی
وہ کب سے کھڑی تھی۔ کبھی لمبے بالوں کی چٹیا۔ آگے
کرتی نہ۔ تو کبھی پیچھے۔ بڑی، بڑی پلکوں والی گہری
بادامی آنکھیں۔ مدھم آئینے میں بھی جگر، جگر کر رہی

۶ کرچیاں

نصیحہ آصف خان

Downloaded From
Paksociety.com

READING
Section

میں کھولی رہتی۔

”سو جاؤ آپلی..... باقی سنے نیند میں دیکھنا۔ مجھے پڑھنے دو کل ٹیسٹ ہے۔“ نادیا نے اسے نیند کے خمار میں دیکھ کر کہا تو ثمرین وہیں لڑھک گئی۔ نادیا کے لبوں پر مسکراہٹ ابھر آئی۔

دسویں کے امتحان کی تیاری کرتی نادیا نے اٹھ کر ٹیبل لیپ آن کیا اور ٹیوب لائٹ بند کر دی کہ ثمرین سکون سے سو جائے۔ وہ ایف اے کے امتحان دے کر فارغ تھی، مزے کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ہلکے، ہلکے خراٹے اس کی آسودہ نیند کا اشارہ دے رہے تھے، نادیا نے دعا یہ انداز میں اس پر پھونک ماری اور پڑھنے میں جت گئی۔

☆.....☆.....☆

”اٹھ جاؤ ثمرین، کیا گھوڑے بیچ کر سوتی ہو۔ نہ وقت دیکھتی ہے نہ موقع۔ بس اسے بستر مل جائے۔ حد ہوگئی ہے بھئی۔“ امی بری طرح تپتی ہوئی تھیں۔ ساتھ ہی ثمرین کو جھنجھوڑ کر اٹھا دیا۔ مٹی نیند کے خمار میں وہ جھوم رہی تھی۔

”بس کرو، اٹھ جاؤ۔ کام سمیٹ لو، کہا بھی تھا آج مارکیٹ جانا ہے۔“ اماں بدستور غصے میں تھیں۔

”اوہ، اماں سوری، بھول گئی تھی۔ بس ابھی سارا کام نمٹا کر تیار ہوتی ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔“

ثمرین نے ماں کے گلے میں بائیس ڈال کر کہا اور بجلی کی سی تیزی سے اٹھی۔ پھر تلی تو تھی ہی۔ آٹا فانا کام سمیٹ کر وہ کچھ ہی دیر بعد اماں کے ساتھ مارکیٹ میں تھی۔

آج اماں نے اسے اور نادیا کو سوٹ، جیولری دلانا تھی۔ اگلے ماہ پیپو کی بیٹی کی منگنی تھی۔ سو آج شاہنگ کرنا لازمی تھا۔

کپڑے لے کر وہ جیولری شاپ پر آئیں۔ ثمرین اپنی پسند کی چیزیں منتخب کر رہی تھی۔ نادیا کو بھی اس کی پسند کی ہوئی چیزوں پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ وہ فطرتاً صابر و شاکر لڑکی تھی کہ یک دم اماں کے برابر کھڑی

ثمرین سے دو سال چھوٹی نادیا اس کی ان بچکانہ حرکات پر ہنس پڑی۔ ثمرین ایک جھٹکے سے، غصے سے تل کھاتی اس کی طرف لپکی۔

”کیا تکلیف ہے تمہیں؟“ وہ اس کے قریب آ کر پھٹکاری۔

”آپلی..... تم پاگل ہو جاؤ گی، ہر وقت آئینہ دیکھتی رہتی ہو۔“

ثمرین اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”بگلی وہی تو ہے میرا سب کچھ۔ تمہیں پتا نہیں۔ ہر بار شاید کچھ نیا ہی دکھتا ہو.....“ وہ جھومتی ہوئی بولی۔

”کیا دکھتا ہے۔ ویسی کی ویسی ہو۔ جیسی ہو۔“

نادیا تل کھا کر بولی۔

”ہاں نیا ہی دکھتا ہے۔ مجھے اپنا آپ پہلے سے زیادہ خوب صورت دکھائی دیتا ہے۔ جو میرے خوابوں کو اور تقویت دیتا ہے۔“ ثمرین بیل پڑ کر لیٹ گئی اور آنکھیں موند کر مسکرا کر بولی۔

”خواب؟“ نادیا نے طنز یا اعزاز میں دہرایا۔

”دن کے وقت خواب نہ دیکھا کرو۔ جھوٹے ہوتے ہیں۔“

”تم جلو.....“ ثمرین یک دم اٹھ بیٹھی اور ناگواری سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ ”میرے خواب ایک دن ضرور پورے ہوں گے..... یہ بڑا سا محل نما گھر، اتنی بڑی لٹش، لٹش کرتی گاڑی، قیمتی ملبوسات، زیورات، نوکر چاکر اور ایک بالکا جیلا وجیہ شہزادہ!“ ثمرین کے خواب اس کی سوچ سے بھی بلند تھے۔ اور نادیا کو بعض اوقات اس کے خوابوں سے خول سے آتا تھا۔

☆.....☆.....☆

وہ متوسط طبقے کے لوگ تھے، دو ہی بہنیں تھیں۔ ایو سرکاری ملازم تھے صبح سے شام تک زندگی کی گاڑی کھینچنے کی تنگ و دو میں رہتے۔ دو کمروں کا چھوٹا سا گھر..... اس پر ثمرین کے بلند و بالا ہالیوے سے بھی اونچے خواب..... جسے سر کرنے کے لیے وہ پنوں

کر بیس تو وہ ان کی شخصیت، اُن کے لباس اور لباس سے اٹھنے والی قیمتی مہک میں کھو گئی۔
خوابوں کو گویا منزل مل رہی تھی، ثمرین بے حد خوش تھی۔

دو دن بعد اماں، اماں ان کے بیٹے کو دیکھ آئے تصویر بھی ہمراہ لائے۔

نادیہ نے دیکھا تو وہ بھی استغاب میں غرق ہوئی۔ سچ تھا کہ ثمرین کے خواب مکمل ہو رہے تھے۔ ثمرین کے مصوم حسن اور نوخیز جوانی نے صبیحہ کو اس کا گردیدہ کر دیا۔ سو انہوں نے تو دلہیز پکڑ لی۔ اماں، اماں کو ہاں کرتے ہی بنی۔ اٹکار کا جواز بھی کوئی نہ تھا۔ ساوکی سے مگنی کی۔ البتہ قیمتی چیزیں انہوں نے تحفہ ضرور دیں۔ دو ماہ بعد شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ اماں، اماں پریشان تھے کہ اتنی جلدی سب کیسے ہوگا۔ صبیحہ آٹھی نے جینز کے نام پر کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا۔

”پھر بھی کچھ نہ کچھ تو تیار کرنا ہی ہے۔ رسم دنیا

محبت اور فاصلے

لے کر محبتوں اور روایتوں کے امین کرداروں..... جذبات و احساسات کی دنیا میں تلاطم خیز واقعات اور خوابوں کو حقیقت کا روپ دینے والے ہیرو کے خالق..... آپ کے

طاہر جاوید مغل کی

سینس ڈائجسٹ ماہنامہ

جولائی 2016ء کے شمارے میں خوشگوار شمولیت

ماہنامہ پاکیزہ 243 جون 2016ء

ایک نفیس خاتون نے اماں سے سلام و دعا بڑھائی۔ پھر ثمرین کو بھی اُن سے بات کرنے کا حکم ملا۔ یوں کچھ ہی دیر بعد گھر کے ایڈریس اور فون نمبرز کے تبادلے ہو گئے خاتون جن کا نام روبینہ تھا انہوں نے آنے کا کہا۔ گویا دوستی کا سفر شروع، اماں کی ملتسار عادت انہیں پسند آئی۔ روبینہ آٹھی ثمرین کا بغور جائزہ لیتی رہی۔ ثمرین اپنی خریداری میں مگن تھی۔ یہاں تک کہ گھر جانے کا وقت ہو گیا۔ وہ خوش تھی کہ اس کی پسند کی تمام چیزیں مل گئی تھیں۔

☆.....☆.....☆

دو دن بھی نہیں گزرے ایک دوپہر روبینہ آٹھی آگئیں۔ اماں کو وہ بہت اچھی لگیں۔ ثمرین تو اُن کو ویسے ہی بہت پسند آئی تھی۔ بکٹ، چائے، کباب کے ساتھ انصاف کر کے وہ دوبارہ آنے کا کہہ گئیں۔ ”اچھی طرح صفائی کرنا۔ آج روبینہ کے ساتھ کچھ لوگ آرہے ہیں۔ پہلی بار تمہیں کوئی دیکھنے آرہا ہے۔ اٹھک سے تیار ہونا۔“

ثمرین نے سنا تو خاصی جڑبڑ ہوئی۔

”پتا نہیں کون ہیں، کنگھے نہ ہوں، خوب پیسے والے ہوں۔“ وہ کاموں کے ساتھ، ساتھ دعا کرتی رہی۔

شام تک روبینہ آٹھی کے ساتھ بے حد امیر و کبیر شاعر خاتون۔ قیمتی لباس میں ملبوس آگئیں۔

اماں کو سخت تعجب ہوا کہ روبینہ ان کی ظاہری حالت دیکھ کر بھی انتہائی امیر خاتون کو بڑی سے گاڑی میں لے کر آگئیں۔

ثمرین کو دیکھ کر اُن کی آنکھوں میں پسندیدگی کی لہر ابھری۔ اماں پر حیرت کا حملہ اس وقت ہوا جب آنے والی (صبیحہ خاتون) نے انیسویں سال میں مگی ثمرین کے ہاتھ پر ہزار، ہزار کے کئی نوٹ رکھ کر اپنی ملکیت ظاہر کر دی۔

”بس بہن، اپنی بیٹی کو ہماری بیٹی بنا دیں۔ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے سکندر..... آپ اسے آکر دیکھ لیں۔ راج کرے گی آپ کی بیٹی۔“ صبیحہ آٹھی ثمرین کو ساتھ لپٹا

کے سیریں کرتی۔ اپنی تشنہ آرزوؤں کی تکمیل میں لگی رہتی۔ اسے ایسا لگتا جیسے خوش قسمتی اس پر آکر ختم ہو گئی ہے۔ ہونٹوں کے کنول بے بات مسکراتے رہتے۔

ایک دم..... ہاں ایک دم وہ اس سہانے سنے سے جاگ گئی۔ جب اس رات سکندر کی طبیعت خراب ہوئی۔ وہ سردرد کی وجہ سے بری طرح تڑپ رہا تھا، روئے جا رہا تھا۔ سر تھامے بے حال ہو رہا تھا۔ جواد صاحب نے فوراً گاڑی نکالی اور اسے اسپتال لے گئے۔

صبح دم سکندر اسپتال سے آگیا تھا۔ وہ دواؤں کے زیر اثر تھا۔ آکر سو گیا شمرین کا دل بے چین تھا۔

اسے کسی انہونی کا احساس ہو رہا تھا۔ اماں، ابا بھی سکندر کا حال پوچھنے آئے۔ شمرین بے حد خاموش تھی۔ اداسی چاروں اور محسوس ہوئی۔ وہ روتی تو صبیحہ آئی اسے چپ کر دیتیں۔

رات دن میں یکسر تبدیلی آگئی تھی۔ پھر ہر دوسرے، تیسرے دن سکندر کے سر میں شدید درد اٹھتا کہ وہ بے حال ہو جاتا۔ صبیحہ آئی اس کی حالت دیکھ، دیکھ کر روتی رہتیں۔ سکندر اب بیشتر وقت دواؤں کے اثر سے سویا رہتا۔ شمرین پاٹھوں کی طرح کمرے اور پورے گھر میں شہلقتی رہتی۔ سکندر پہلے جیسا نہ رہا تھا۔ زرد رنگ، بڑیوں کا ڈانچا بننا جا رہا تھا۔ دودھ، جوسز پر اس کا گزارہ تھا۔ آنکھ کھلتی تو اجنبیوں کی طرح سب کو دیکھتا اور پھر غنودگی میں چلا جاتا۔

شمرین کا اوڑھنے، پہننے سے دل اچاٹ ہو گیا تھا کس کے لیے سبھی سنو رنی؟ پورے گھر پر دیرانی نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ تین، چار ماہ کے اندر ہی سب کچھ الٹ ہو گیا تھا۔ سکندر زرد ویر کو جاگتا، نیم غنودگی میں کوئی بے ربط بات کرتا پھر غافل ہو جاتا۔ شمرین کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرنا جان لیوا اور اذیت ناک تھا۔

شادی کو دو ماہ گزرے تھے شمرین نے کسی کام کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ نوکروں کی فوج جو موجود تھی۔ اس کو کام کرنا بھی کیا تھا۔ اپنی پسند کی چیزیں خریدتی اور روج

ہے۔ دستور ہے۔“ اماں بولیں۔
”ٹھیک ہے آپ جو بھی مناسب سمجھیں کر لیں۔
ہمیں تو بس شمرین چاہیے۔“

صبحہ آئی شمرین کو بار بار پیار کرتیں تو وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرتی۔ نادیدہ بس اس کی خوشیوں کی دعا کرتی کہ اللہ اسے نظیر بد سے بچائے۔

یوں اس عرصے میں کچھ نہ کچھ مناسب حد تک تیار ہو گیا۔ اور یوں ایجاب و قبول کے بعد شمرین سو روج چاند کی جوڑی کے مانند کچی سنو رنی گاڑی میں اماں ابا کی دعاؤں کے سائے تلے رخصت ہو گئی۔

نادیدہ بھنگی سے آنکھوں بہن کی دانگی خوشیوں کے لیے دعا گو تھی۔
☆.....☆.....☆

گھر کا کیا تھا ”جواد منزل“ ایک خوشنما محل تھا۔ جواد کریم بہت بڑے بزنس مین تھے اور سکندر ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا تھا۔ شہزادوں کی آن بان والا، منہ دکھائی میں سکندر نے اسے ہیروں کا سیٹ دیا۔ شمرین کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ حقیقت کی دنیا سے زیادہ خوابوں کے سفر میں تھی۔

دن عید اور رات شب رات کے مانند تھی۔ اب اس کا ماں کی طرف جانے کو بھی دل نہ کرتا تھا۔ صبیحہ آئی الگ اس کے نانا اٹھاتیں۔ جواد کریم بھی حسین کم عمر بہو کو دیکھ کر پھولے نہ ساتے۔ سکندر تو جی جان سے اس کا دیوانہ تھا۔ مگر.....

مگر خوشی کے لمحات میں بھی اس کے وجہ چہرے پر ایک بے نام اداسی اور آنکھوں میں غمی سی تیر جاتی۔ جسے شمرین خوشیوں کے پتھولے میں محسوس ہی نہ کر سکی۔

اماں، ابا اور نادیدہ کو صبیحہ آئی دوسرے، تیسرے دن گاڑی بھیج کر بلوائتیں اور وہ سب اپنی عزت افزائی پر پھولے نہ ساتے۔
☆.....☆.....☆

شادی کو دو ماہ گزرے تھے شمرین نے کسی کام کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا۔ نوکروں کی فوج جو موجود تھی۔ اس کو کام کرنا بھی کیا تھا۔ اپنی پسند کی چیزیں خریدتی اور روج

امضان المبارک کے فضائل

انا انزلہ فی لیلة القدر (القدر)

ترجمہ: ہم نے قرآن شب قدر میں اتارا۔
دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ
شب قدر رمضان میں ہی ہے اور وہ ستائیسویں
شب ہے کیونکہ لیلة القدر میں نو 9 حروف ہیں
اور یہ لفظ سورہ قدر میں تین 3 بار آیا ہے۔ جس
سے 27 حاصل ہوں گے۔

رمضان میں پانچ حروف ہیں۔

1۔ ر

2۔ م

3۔ ض

4۔ ل

5۔ ن

1۔ ر سے مراد، رحمت الہی عزوجل

2۔ م سے مراد محبت الہی عزوجل

3۔ ض سے مراد ضامن الہی عزوجل

4۔ الف سے مراد امان الہی عزوجل

5۔ ن سے مراد نور الہی عزوجل

رمضان المبارک کا پانچ عبادات خصوصی ہیں۔

1 نماز۔ 2 روزہ۔ 3 زکوٰۃ۔ 4 تراویح

5۔ احکاف

مرسلہ: امینہ عندلیب، سلاٹوالی

کی سسکیاں تھیں، ثمرین کی چٹخیں اور اندر کمرے
میں سکندر نے آخری ہنگامی لی تھی۔ ثمرین کی دنیا
اجڑ چکی تھی۔

صبیحہ آنٹی کے خواب پورے ہو گئے۔ ثمرین
کے خواب لٹ گئے۔ کاش دولت کے پجاری محصوم
لوکیوں کے ساتھ ایسا گناہ نہ کھیل کھیلنے سے باز
آ جاتیں، ادھر ثمرین سوچ رہی تھی کہ ان ٹوٹے
خوابوں کی کرچیاں عمر بھر چیمیں گی، آنکھیں لہو، لہو
رہیں گی۔

”آخر سکندر کو تکلیف کیا ہے؟“ اس نے بہت
سوچ کر صبحہ آنٹی سے بات کرنے کی ٹھانی۔
”کینسر، دماغ میں رسولی۔“ ثمرین کی سماعتوں
میں دھماکے ہونے لگے۔ ”جو کسی لمحہ بھی موت کا سبب
بن سکتی ہے۔“ ان کا بتانا تھا کہ ثمرین آسمان سے
زمین پر آگئی بلکہ اپنی تین زمیں یوں ہو گئی اور کلیجا
ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

”آپ نے دھوکا کیا ہمارے ساتھ۔“ وہ
صدے سے پتختی۔ ”بے ایمانی کی میرے ساتھ۔“ وہ
برمی طرح رو رہی تھی۔

”ہاں کی ہے بے ایمانی... دھوکا کیا۔ اور کرتے
بھی کیا؟ ہمیں اپنے بیٹے کے سر پر سہرا دیکھنے کی تمنا
تھی، وہ موت کے منہ میں جا رہا تھا۔ ہمارا اکلوتا
بیٹا..... ہمارے بھی خواب تھے، آرزوؤں تھیں۔ ہم
اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اس دنیا میں کچھ عرصے کا
مہمان ہے۔“ صبحہ آنٹی تڑپ رہی تھیں۔

”ہمارے بھی سنے تھے کہ گھر میں بہو، بیٹے کے
ساتھ چند دن خوشیوں کے گزار لیں۔“ وہ آنکھوں
میں ندیاں بہاتے گلوگیر آواز میں کہہ رہی تھیں۔
”میں ہی ملی تھی آپ کو؟“ وہ پھٹی، پھٹی
آنکھوں اور ردتی آواز میں انہیں دیکھ کر پوچھنے لگی۔
جو خوابوں کی کرچوں پر چل رہی تھی اور برمی طرح
زخمی تھی۔

وہ اسے خود غرضی کی انتہا پر بیٹھی دکھائی دے رہی
تھیں۔ ثمرین کو عرش سے فرش پر لاپہینکا تھا دولت کا
لاٹچ دے کر۔
”تم ہماری حالت کا اندازہ تو کرو۔“ وہ مسلسل
سک رہی تھیں۔

اب ثمرین کے سر پر آسمان تھا نہ پاؤں تلے زمین۔
”اور میرے خواب؟“ وہ پاگلوں کی طرح بول
رہی تھی۔ اور اپنی بربادی پر ماتم کناں تھی۔ کیا اسی
دن کے لیے سنے جوائے تھے۔ مقدر نے دھوکا دیا۔
”آپ نے جان بوجھ کر ہمیں لوٹا، شب خون
مارا۔“ ثمرین زمین پر بیٹھی روئے جا رہی تھی۔ صبحہ



اختر شجاعت

مجمع احادیث

صدقہ..... فضل الہی

اے جلالت و بزرگی کے مالک.....! درود بھیج اور
اپنی رحمت نازل فرما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور
ان کی آل پر..... آمین!

☆☆☆

آج ہم جس موضوع پر بات کریں گے وہ ہے
صدقہ..... صدقہ کے لغوی معنی خیرات کے ہیں۔ صدقہ دو
طرح کا ہے، ایک فرض اور دوسرا نفلی صدقہ..... زکوٰۃ فرض
ہے اور دوسری خیرات نفلی صدقہ ہیں۔ آج یہاں ہم
صرف نفلی صدقے کا ذکر کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاک
کلام اور اس کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
ارشادات میں خرچ کرنے کی اتنی زیادہ ترغیب اور فضائل
اس قدر کثرت سے موجود ہیں کہ ان کو دیکھنے سے احساس
ہوتا ہے کہ جیسے پاس رکھنے کی چیز نہیں ہے..... یہ پیدا ہوا اس
لیے ہوا ہے کہ اس کو اللہ کے راستے میں خرچ کیا جائے.....
یعنی کثرت سے ارشادات موجود ہیں اس کا چند فیصد بھی
یہاں تحریر کرنا ناممکن ہے..... بہر حال چند آیات اور
احادیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں.....

ارشاد باری تعالیٰ ہے سورہ بقرہ:

”سارا کمال اسی میں نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف
کر لو یا مغرب کی طرف لیکن اصل کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص
اللہ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور
اللہ کی کتابوں پر اور سب پیغمبروں پر اور اللہ کی محبت میں مال
دینا ہو اپنے رشتے داروں اور یتیموں کو اور غریبوں کو اور
مسافروں کو اور لا چاری میں سوال کرنے والوں کو اور
(قیدیوں اور قلاصوں کی) گردن چھڑانے میں خرچ کرنا
ہو..... اور نماز کو قائم رکھتا ہو اور زکوٰۃ کو ادا کرتا ہو“ کہ
اصل کمالات یہی چیزیں ہیں..... یہی لوگ سچے اور متقی
ہیں۔ نیکی و حقیقت اللہ کی اطاعت میں ہے..... اللہ کی
محبت میں مال کا دینا سے مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور

دعائیہ کلمات

اے ہمارے بہت پیارے اللہ! سفید سحری کو ظاہر
کرنے والے اور رات کو آرام و سکون کا ذریعہ بنانے
والے..... آفتاب و مہتاب کو مقرر حساب سے چلانے
والے، اے عزت کے مالک! اے بخشش و کرم، قوت و
طاقت اور فضل و احسان اور جلال و بزرگی کے سرمایہ دار! اے
اللہ! اے رحم والے خدا..... اے ایک اکیلے یگانہ! اے
امن و اطمینان کے دینے والے! اے ظاہر! اے باطن، اے
زندہ رہنے والے..... سوائے تیرے کوئی معبود بحق
نہیں..... اے اللہ تیرے لیے ہیں بہترین نام..... اور بلند
ترین مثالیں اور بزرگی اور تمام نعمتیں.....

اے اللہ مجھے ان لوگوں میں سے قرار نہ دے جبکہ وہ
صحیح و سالم ہوں تو قافل ہو جائیں اور جب بیمار ہوں تو تجھ
سے خوف کریں جب مالدار ہوں تو فریب دنیا کا شکار رہیں
اور جب فقیر ہوں تو تجھ سے لو لگا لیں..... جب بیمار ہوں تو
گناہوں سے توبہ کریں اور جب اچھے ہوں تو پھر گناہوں
میں مبتلا ہو جائیں..... اور اے اللہ.....! نہ ان لوگوں میں
سے قرار دے جو اچھے آدمیوں کی محبت کا دعویٰ تو رکھتے ہیں
مگر ان کے سے اعمال نہ کرتے ہوں اور برے آدمیوں
سے نفرت کا اظہار تو کرتے ہیں مگر خود اپنے افعال کے لحاظ
سے ان ہی برے آدمیوں میں داخل ہوں..... جو اپنے
دوسرے بھائیوں کی برائی تو ظاہر کرتے ہوں اور خود اپنی
برائیوں پر پردہ ڈالتے ہوں۔ خداوند! میں تجھ سے سوال
کرتا ہوں ہدایت و پرہیزگاری صفت اور بے ناپازی کا ان
چیزوں سے جنہیں تو نے حرام قرار دیا..... اور عمل کا تیری
اطاعت کے ساتھ ان باتوں میں..... جو تجھے پسندیدہ
ہیں..... پھر دغا دے.....! میرے چہرے کو آتش جہنم سے موڑ
دے..... میرے دل میں پاکیزگی پیدا کر دے اور میرے
اعمال میں اضافہ کر دے۔

ماہنامہ پاکیزہ 246 جون 2016ء

والا) حضرت عطاء سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ حضور سے مراد ضرورت سے زائد ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”جس کے پاس سواری زائد ہو وہ ایسے شخص کو سواری دے، دے جس کے پاس سواری نہیں..... جس کے پاس توشہ زائد ہو تو ایسے شخص کو دے، دے جس کے پاس توشہ نہ ہو.....“ حضور نے اس قدر اہتمام سے یہ بات فرمائی کہ ہمیں گمان ہونے لگا کہ کسی شخص کا اپنے کسی ایسے مال پر حق ہی نہیں ہے جو اس کی ضرورت سے زائد ہو..... اور یہی کمال بھی ہے کہ جو چیز بھی آپ کی ضرورت سے زائد ہو وہ خراج کر دے..... آسان زبان میں یوں سمجھیں کہ جتنا آسانی سے خراج کر سکے اس کو خراج کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیاوی تکلیف میں مبتلا نہ ہو..... یعنی ایسا صدقہ بھی نہ کرے کہ اپنے کھانے کے لیے بھی نہ دے۔

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”ہر امت کے لیے ایک فتنہ ہوتا ہے، میری امت کا فتنہ مال ہے۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص ساری دنیا کا مال محض اللہ تعالیٰ کے واسطے لیتا ہے (اپنی غرض سے نہیں) تو وہ زاہد ہے اور اگر ذرا سا بھی نہیں لیتا اور یہ نہ لیتا اللہ کے واسطے نہیں ہے بلکہ دنیاوی غرض کی وجہ سے ہے تو وہ دنیا دار ہے۔ ”ایک حدیث میں ہے کہ دنیا کیا ہی اچھا گھر ہے اس شخص کے لیے جو اس کو آخرت کا توشہ بنائے اور اللہ تعالیٰ کو (اس کے واسطے) راضی کرے اور کتنا برا ہے اس شخص کے لیے جس کو آخرت سے روک دے اور اللہ تعالیٰ کی رضا میں کوتاہی پیدا کرے۔“

☆ حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ مال میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی..... اس کی مثال سانپ کی سی ہے جو شخص اس کا منتر جانتا ہے وہ سانپ کو پکڑ کر اس کے دانت لکال دیتا ہے پھر اس سے تریاق تیار کرتا ہے اس کے برعکس کوئی ناواقف شخص اس سانپ کو پکڑے تو وہ اس کو کاٹ لے گا اور ہلاک ہوگا۔ اسی طرح..... مال کے زہر سے وہ شخص محفوظ رہ سکتا ہے جو پانچ چیزوں کا اہتمام کرے۔

1۔ یہ غور کرے کہ مال کا مقصد کیا ہے اور کس غرض سے پیدا کیا گیا ہے۔

2۔ مال کے آنے کے ذرائع کی حقیت سے غمراہی کرے

ماہنامہ پاکیزہ 247 جون 2016ء

خوشنودی کی وجہ سے خراج کرے نام و نمود اور اپنی شہرت، عزت کی وجہ سے خراج نہ کرے کہ اس ارادے سے خراج کرنا نیکی برباد کرنا ہے..... اس طرح کہ مال بھی خراج کیا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں بجائے ثواب کے گناہ ہوا.....

حضور اقدسؐ کا فرمان ہے کہ ”حق تعالیٰ شانہ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کو نہیں دیکھتے بلکہ تمہارے اعمال اور تمہارے دلوں کی طرف دیکھتے ہیں۔ (کہ کس نیت اور کس ارادے سے خراج کیا)“

حدیث مبارکہ ہے کہ بہترین صدقہ یہ ہے کہ ایسے وقت میں خراج کرے جب تندرست ہو اور اپنی زندگی اور بہت زمانے تک دنیا میں رہنے کی امید ہو..... ایسا نہ کر کہ کوئی صدقہ کوٹا لٹا رہے یہاں تک کہ جب دم نکلنے لگے اور موت کا وقت قریب آجائے تو کہنے لگے کہ فلاں کو دیا جائے اور اتنا فلاں چمک دیا جائے..... مطلب یہ کہ جب تک اپنی ضرورتیں وابستہ شخص تک تو خراج کی توفیق نہ ہوگی اب جبکہ وہ دوسرے وارث کو جانے لگا تو اس وقت اللہ واسطے دینے کا خیال پیدا ہوا..... اللہ کے نزدیک یہ پسندیدہ نہیں ہے۔

☆☆☆

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو..... یہ فقر کے وار سے اللہ کے راستے میں خراج کا چھوڑ دینا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ہلاکت میں ڈالتا یہ نہیں ہے کہ آدمی اللہ کے راستے میں کل ہو جائے بلکہ یہ کہ اللہ کے راستے میں خراج کرنے سے رک جاتا ہے۔ ارشاد ہماری تعالیٰ ہے کہ ”لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ خیرات میں کتنا خراج کریں آپؐ فرمادیجیے کہ جتنا (ضرورت سے) زائد ہو۔“

یعنی مال تو خراج کرنے کے ہی واسطے ہے جتنی اپنی ضرورت ہو اس کے مطابق رکھ باقی جو زائد ہو وہ خراج کر دے..... حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”اپنے مال عیال کے خراج سے جو بچے وہ غلو ہے۔“ حضور اقدسؐ کا مبارک فرمان ہے کہ ”اے آدمی! جو تجھ سے زائد ہے اس کو تو خراج کر دے یہ بہتر ہے تیرے لیے اور تو اس کو رک کر رکھے یہ تیرے لیے برا ہے..... اور بقدر ضرورت پر کوئی ملامت نہیں..... اور خراج کرنے میں ان لوگوں سے ابتدا کرے جو تیرے عیال میں ہیں۔ اور اونچا ہاتھ (یعنی دینے والا ہاتھ) بہتر ہے اس ہاتھ سے جو نیچے ہو (یعنی لینے

عذاب سے بچا دیجیے..... یہ لوگ (وہ ہیں جو مصیبتوں پر) صبر کرنے والے ہیں، سچ بولنے والے ہیں (اللہ تعالیٰ کے سامنے) عاجزی کرنے والے ہیں اور (نیک کاموں میں مال) خرچ کرنے والے ہیں اور پچھلی رات میں گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں۔
اللہ تعالیٰ نے ان سب چیزوں کی محبت کو شہوتوں سے تعبیر کیا ہے۔

☆☆☆

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ”آدمی کے لیے تین چیزوں کے علاوہ کوئی حق نہیں..... ایک اتنی مقدار کھانا جس سے کمر سیدھی رہے۔ اتنا کپڑا جس سے بدن ڈھکا رہے۔ اور ایک گھر جس میں آدمی ساکنے..... اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ حساب ہے اس ضرورت سے زائد جو ہو اس کو محتاجوں، ضرورت مندوں پر خرچ کر دے۔“

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ ”دنیا کے حلال مال کا حساب ہے اور اس کے حرام میں عذاب ہے۔“
ایک آدمی نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ آپ اس شخص کے متعلق کیا فرماتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا کیا ہو اور وہ اس میں سے صدقات بھی کرتا ہے اور صلاحی بھی کرتا ہے کیا اس کے لیے یہ موزوں اور مناسب ہے کہ خود بھی اچھے، اچھے کھانے کھائے اور نعمتوں میں زندگی گزارے؟“ حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا۔

”نہیں اگر ساری دنیا بھی اس کو مل جائے تو اس کو وہ اپنے اوپر بقدر ضرورت ہی خرچ کرنا چاہیے اور اس سے زیادہ کو اس دن (یعنی آخرت کے دن) کے لیے بھیج دینا چاہیے جو دن اس کی سخت احتیاج (حاجت، ضرورت) کا ہوگا۔“

حضرت امام حسن کا ارشاد ہے کہ ”اللہ تعالیٰ جس بندہ کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو تھوڑی سی دنیا مرحمت فرما کر روک لیتے ہیں جب وہ مال اس کے پاس ختم ہو جاتا ہے تو پھر اس کو تھوڑا سا اور دے دیتے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ذلیل ہوتا ہے اس پر دنیا کو پھیلا دیتے ہیں۔“

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ ”بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ کی بندی کرنے کے باوجود صرف دنیا کی محبت نے بت پرستی

کہ اس میں ناجائز شامل نہ ہو۔ مثلاً ایسا ہے جس میں رشوت کا شائبہ ہو۔“

3۔ اپنی حاجتوں کی مقدار سے زیادہ اپنے پاس نہ رہنے دے۔ زیادہ کو فوراً خرچ کر دے۔

4۔ خرچ کے طریقے کی نگرانی کرے تاکہ ناجائز موقع پر نہ خرچ ہو جائے۔

5۔ نیت خالص رہے محض اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرے۔

☆☆☆

مال بڑی چیز نہیں، اچھی چیز ہے کارآمد ہے اور بہت سے دینی اور دنیوی فوائد اس سے وابستہ ہیں لیکن چونکہ اس میں ایک زہریلا اور مسموم مادہ ہے اور قلوب عام طور سے بیمار ہیں اس لیے کثرت سے قرآن پاک کی آیات اور احادیث میں اس کی زیادتی اور کثرت سے بچنے کی ترغیب آئی ہے۔ مال کی کثرت کو خاص طور سے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ مال کی کثرت سے عموماً زیادہ نقصان پہنچتا ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ ہمارے قلوب ایسے صاف نہیں ہیں کہ وہ اس کے فتنے سے متاثر نہ ہوں..... اسی وجہ سے حضور اقدسؐ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو پانی پر چلے اور اس کے پاؤں پانی سے تر نہ ہوں..... صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا..... یہی حال دنیا دار کا ہے کہ اس کا گناہوں سے بچنا مشکل ہے۔ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بخل، حسد، کبر، بغض، کینہ، ریا، خاخریجے، ظلمی گناہ اور امراض جتنے ہیں وہ مال کی وجہ سے بہت جلد اور بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”آرامتہ کردی گئی لوگوں کے لیے خواہشات کی محبت مثلاً عورتیں ہوئیں اور بیٹے ہوئے اور ڈھیر لگے سونے اور چاندی کے..... اور نشان لگے ہوئے عمدہ اور اعلیٰ گھوڑے اور دوسرے مویشی اور زراعت..... لیکن یہ سب چیزیں دنیاوی زندگی کے استعمال کی چیزیں ہیں اور انجام کار کی خوبی..... (اور کام آنے والی چیز تو) اللہ ہی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال سے خوب واقف ہے۔ جن لوگوں کے لیے آخرت کی نعمتیں اور چیزیں ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہیں آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجیے اور ہم کو جہنم کے

ماہنامہ پبلیکیزہ 248 جون 2016ء

حالانکہ اس کے مال کے تین حصے ہیں..... جو کھایا وہ فنا ہو گیا..... جو پہنا وہ پرانا ہو گیا جو راقی حق میں دیا وہی قائمہ صد ہے اور جو باقی ہے وہ لوگوں کے لیے ہے.....

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک کے ساتھ بغیر ترجمان کے کلام فرمائے گا..... آدمی اپنے ساتھ دائیں ہاتھیں آگے پیچھے وہی دیکھے گا جو اس نے دنیا میں اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا۔ اس سے ہٹ کر اسے آگ نظر آئے گی..... لہذا آگ سے بچو خواہ کچھ اور کا ایک چھلکا ہی خیرات کر کے بچ..... روزِ حشر آخرت میں جو سوالات ہوں گے ان میں سے ایک سوال مال سے بھی متعلق ہے کہ مال کہاں سے کمایا.....؟ اور مال کہاں خرچ کیا؟

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ”صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔“

صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری موت کو ہٹاتا ہے..... ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقے کی وجہ سے بری موت کے ستر دروازے بند کر دیتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ”ہر آدمی قیامت کے دن اپنے صدقے کے سایہ میں ہوگا حتیٰ کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا..... ایک دوسری روایت ہے کہ انسان بھی کچھ صدقہ کرتا ہے تو اس کی وجہ سے شیطان کے ستر چال ٹوٹ جاتے ہیں۔“

☆☆☆

احمد بن اسحاق دمشقی ایک بہت بڑے متقی اور پرہیز گار تھے فریضہ حج تو ادا کر چکے تھے مگر خدا کی حضوری میں حاضر ہونے کا بہت شوق رکھتے تھے۔ چنانچہ اس ارادے کے تحت انہوں نے بے جدعت و مشقت کر کے کچھ مال حلال جمع کیا تھا۔ ایک روز کسی کام سے اپنے لڑکے کو ایک پڑوس کے گھر میں بھیجا کچھ دیر بعد وہ لڑکا وہاں سے روتا ہوا آیا..... احمد بن اسحاق نے اس لڑکے سے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ جس پڑوس کے گھر میں گیا تھا تو میں نے دیکھا کہ وہ لوگ گوشت روٹی کھا رہے تھے میں ان کا منہ تکتا رہا مگر انہوں نے مجھے کھانے کا پوچھا تک نہیں اور میرے سامنے کھاتے رہے..... احمد بن اسحاق یہ بات سن کر مغموم ہوئے پڑوسی کے اخلاق کو غیر اسلامی سمجھ کر اس کے گھر گئے تاکہ اس بد اخلاقی کا سبب جان سکیں۔ تب آپ پڑوسی کے پاس پہنچے اور کہا کہ کیا ہمسایہ کا حق اتنا بھی

تک پہنچا دیا تھا۔ مزید یہ کہ آدمی اپنے مال کو تو ہمیشہ کم سمجھتا ہے مگر اپنے عمل کو کبھی کم نہیں سمجھتا۔“

☆☆☆

ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے کہ ”جب تم وسعت کو آتے دیکھو تو سمجھو کہ کسی گناہ کی سزا میں یہ آرہی ہے اور جب فقر و فاقہ کو آتا دیکھو تو کہو کہ صالحین کا شمار آ رہا ہے۔“

اگر کوئی حضرت عیسیٰ کا اتباع چاہتا ہے تو ان کا یہ ارشاد ہے کہ میرا سالن بھوک ہے (یعنی بھوک میں قفل روٹی بھی سالن جیسی لذیذ محسوس ہوتی ہے) اور میرا شمار اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور میرا لباس صوف ہے (بھیڑ بکری کے پال) اور میرا سردی میں بیٹکنا دھوپ ہے اور میرا چراغ چاند کی روشنی ہے اور میری سواری میرے پاؤں ہیں اور میرا گھانا اور میوے زمین کی گھاس ہے، میں صبح اس حال میں کرتا ہوں کہ میرے پاس کچھ نہیں ہوتا اور ساری دنیا میں مجھ سے زیادہ غنی (بے پروا جو کسی کا محتاج نہ ہو) کوئی بھی نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ”جس نے اپنی حلال کمائی سے صدقہ کیا خواہ وہ ایک ٹھہری کیوں نہ ہو..... یاد رہے کہ اللہ رزقِ حلال یا حلال کمائی کا ہی صدقہ قبول کرتا ہے نیز اسے برکت عطا کرتا ہے پھر اس صدقے کو اس طرح پالا ہے جس طرح تم اپنے چھڑوں کو پالتے ہو..... حتیٰ کہ وہ آٹھ پھاڑ کے برابر بڑھ کر ہو جاتا ہے۔“

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”کیا انہیں علم نہیں ہے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات لیتا ہے۔“ (سورۃ توبہ) ایک اور فرمان الہی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ سو د کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔“ صدقے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اس بخشش کے قفل اللہ تعالیٰ انسان کی عزت اور وقار کو بڑھاتا ہے، وہ اللہ کے لیے کسی کی تواضع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مرتبے کو بلند کرتا ہے..... صدقہ مال کو کم نہیں کرتا..... بندہ جب صدقہ دینے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھاتا ہے تو بڑھ کر اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے یعنی سالن کے ہاتھ میں جانے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیتا ہے..... جب کوئی سوا لی کے لیے بے پروائی اختیار کرتا ہے یا دستِ سوال دراز کرنے والے کو خالی ہاتھ لوٹا دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر تنگ دستی مسلط کر دیتا ہے..... بندہ یہ کہتا رہتا ہے کہ یہ میرا مال ہے وہ میرا مال ہے

اسکاف مبارک ہو تم کو کہ اللہ رب العزت نے تمہارا ہی حج نہیں بلکہ تمہارے حج کے ساتھ اس سال کے تمام حاجیوں کا حج قبول فرمایا..... یہ کہہ کر آپ نے جبل عرقاٹ کا تمام واقعہ بیان کر دیا پھر کہا میں اسی لیے اس وقت تمہارے پاس آیا تھا کہ معلوم کروں کہ وہ کون سا ایسا عمل تم نے کیا کہ اللہ رب العزت نے اتنا بڑا اجر تم کو عطا فرمایا۔ سبحان اللہ.....!

☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ میں ایک سال حج کے لیے گیا، حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ نہایت روضہ النور کے لیے گیا تو دن بھر کی حاضری کے باوجود تسکین نہ ہوئی چنانچہ رات بھی میں نے روضہ النور کے قریب گزاردی..... رات کو غنودگی ہوتے ہی دیکھتا ہوں کہ حرار مبارک سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے بلکہ میرے پاس روضہ افروز ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عبداللہ بن مبارک جب تم بغداد اپنے وطن واپس پہنچو تو فلاں محلے میں ایک شخص بہرام یہودی رہتا ہے اس کے پاس جانا اور ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو گیا اور اس نے تجھے بخش دیا۔“

یہ دیکھ کر فوراً ہی عبداللہ بن مبارک بیدار ہو گئے اور اللہ بیٹھے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچانے کے لیے چل پڑے بغداد پہنچ کر سیدھے بہرام یہودی کے گھر پہنچے اور کہا اے بہرام! تمہارا کیا طریقہ عمل ہے اور وہ کون سا نیک عمل کرتے ہو ذرا اتنا تو بیان کرو.....! بہرام یہودی نے کہا..... اے عبداللہ بن مبارک نیک عمل کرنا تو درکنار میں نے تو نیک عمل بھی خواب میں نہیں دیکھے البتہ ایک روز ایسا واقعہ ہوا تھا کہ میرے گھر ایک مسلمان عورت آئی تو اور میرے چراغ سے اپنا چراغ جلا کر چلی جب دروازے پر پہنچی تو چراغ کو پھونک مار کر بجھا دیا۔ پھر دوبارہ آکر اس نے میرے چراغ سے چراغ جلایا پھر جب دروازے پر پہنچی تو چراغ گل کر دیا..... جب اس عورت نے کئی دفعہ ایسا کیا تو مجھے اس کی طرف سے شبہ ہوا کہ یہ عورت کوئی جاسوس ہے اور میرے گھر کا ہئید لے رہی ہے۔ آخر بات کیا ہے یہ خیال آتے ہی میں کھڑا ہو گیا اب وہ عورت پھر چراغ جلانے کے لیے مجھے دیکھ کر نہیں بلی بلکہ باہر نکل کر چلی گئی..... میرے دل میں پہلے ہی شبہ ہو گیا تھا کہ یہ کوئی مشتبہ عورت ہے اس لیے میں اس کی تلاش..... میں اس کے پیچھے چلا گیا کہ دیکھوں یہ عورت کہاں جاتی ہے

نہیں ہوتا کہ ایک پڑوسی کا بچا آپ کے گھر آئے اور آپ اس کے سامنے گوشت روٹی کھاتے رہے اور اس کو ایک کھڑا تک نہیں دیا..... یہ بات سن کر وہ پڑوسی دار زار رونے لگا اور کہا کہ ہائے افسوس آج ہمارا پردہ فاش ہو گیا۔

پڑوسی نے احمد بن اسکاف کو بتایا کہ خدا گواہ ہے پانچ دن سے کسی گھر والے نے ایک دانہ تک نہیں کھایا جب ثوبت ہلاکت تک پہنچی تو مجبور ہو کر میں جنگل میں گیا تو وہاں ایک مری ہوئی بکری پڑی تھی اس کا گوشت بقدر ضرورت لے آیا اور اسے کپا کپا کر کے ذرا سا سب نے کھایا۔ اس لڑکے کو میں نے اس لیے نہیں دیا کہ اس کو اس گوشت کا کھانا حرام تھا ورنہ ایسا کب ہو سکتا تھا کہ سب کھاتے رہتے اور وہ منہ تک نہ رہتا۔ یہ واقعہ سن کر احمد بن اسکاف کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی اور دل میں سوچنے لگے کہ ایسے شخص کی مالی مدد کرنا حج سے زیادہ بہتر ہے یہی سوچ کر وہ گھر گئے اور سب ورہم و دینار جو مدت سے حج کے لیے جمع کیے تھے چیکے سے لا کر اس پڑوسی کو دے دیے اور پھر اپنے گھر واپس پہنچ کر یاد الہی میں مشغول ہو گئے۔

اسی سال حج سے فارغ ہو کر سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس آ گئے ان میں حضرت ذوالنون مصری بھی تھے۔ انہیں اس سال حج میں ایک عجیب بات کا مشاہدہ ہوا جس سے وہ سخت حیرت میں تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ میں جبل عرقاٹ پر تھا تو میں نے ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے..... اے ذوالنون مصری! اس مرجہ کسی کا حج قبول نہیں ہوا یہ سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا کہ حج میں لاکھوں مسلمان جمع ہیں اور کسی کا بھی حج قابل قبولیت نہیں ہو سکا..... میں اسی فکر میں تھا کہ پھر آواز آئی کہ احمد بن اسکاف دمشق کے ساتھ کے سب سے سب کا حج قبول ہو گیا ہے۔ اگرچہ اس نے حج پر آنے کے لیے نیت کی تھی مگر نہ آ سکا..... تو ذوالنون فرماتے ہیں کہ یہ سب بات سن کر میں سخت حیرانی میں پڑ گیا کہ یہ کیا بات ہے؟ احمد بن اسکاف کا وہ کون سا عمل ہے جو اللہ رب العزت کو اس قدر پسند آیا کہ سارے حاجیوں کا حج اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔

چنانچہ جب حضرت ذوالنون واپس دمشق پہنچے تو آپ احمد بن اسکاف کے پاس پہنچے اور دریافت کیا کہ تمہارا تو اس سال حج پر جانے کا ارادہ تھا مگر تم گئے کیوں نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر انہوں نے اپنے پڑوسی کا سارا حال سنا دیا۔ تب حضرت ذوالنون مصری نے کہا..... اے احمد بن

شمع ہدایت

آپؐ نے فرمایا جو پوشیدہ طور پر فقیر کو دیا جائے اور تنگدستی میں مشقت اٹھا کر دیا جائے پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی..... ”اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ بھی بہتر ہے اور اگر انہیں چھپاؤ اور چھپا کر فقر کو دو تو یہ تمہارے لیے زیادہ بہتر ہے۔“ (سورۃ بقرہ) جو مسلمان کسی مسلمان کو تنگے بدن ہونے میں کپڑے پہنا دے اللہ تعالیٰ اسے جنت کا سبز لباس پہنائے گا اور جس کسی مسلمان کو بھوک کی حالت میں کھانا کھلائے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے پھلوں میں سے کھلائے گا اور جو مسلمان کسی مسلمان کو پیاس کی حالت میں پلائے تو اللہ تعالیٰ اسے خوشبودار مشروب پلائے گا۔

☆ مسکین پر صدقہ ایک صدقہ ہے اور رشتے دار پر دو صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔

☆ کون سا صدقہ افضل ہے؟ فرمایا اس رشتے دار پر جو تیری دشمنی چھپائے ہوئے ہو۔

☆ ہر قرض صدقہ ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے ایک جماعت کے پاس فرمایا..... میں نے حیران کی رات کو جنت کے دروازے پر لکھا ہوا دیکھا کہ صدقے کا اجر دیا گیا ہے اور قرض کا اجر اٹھارہ گنا ہے۔

☆ جو تنگدست پر آسانی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس پر آسانی اور فراخی فرمائے گا۔

☆ کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا۔ کھانا کھلاؤ جس کو جانتے ہو یا نہیں اسے سلام کرو.....

☆ رمضان کی عبادت کرو اور کھانا کھلاؤ اور سلام عام کرو تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

☆ رحمت کے اسباب میں سے ایک مسکین مسلمان کو کھانا کھلانا ہے۔

☆ جس نے اپنے بھائی کو کھلایا حتیٰ کہ وہ سیر ہو گیا اور پانی پلایا حتیٰ کہ وہ سیراب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے سات خندق دور کر دے گا..... ہر دو خندقوں کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کا قافلہ ہے۔

☆☆☆

حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے آپؐ سے پوچھا کہ ”کیا وجہ ہے کہ آپؐ پانی پر چل سکتے ہیں اور ہم اس سے قاصر ہیں؟“ آپؐ نے فرمایا..... ”تم مال و دولت کو کیسا سمجھتے ہو؟“ انہوں نے کہا۔ ”بہت اچھا.....“ آپؐ نے فرمایا..... ”میرے نزدیک مٹی کا ڈھیلا اور رقم دونوں برابر ہیں۔“

اور کس سے جا کر میرا حال کتنی ہے..... پھر میں نے دیکھا کہ وہ عورت ایک ٹوٹے ہوئے گھر میں تھی جس میں سے کتنے ہی بچوں کی رونے کی آواز آرہی تھی یہ عورت ان بچوں کی ماں تھی..... ماں کے گھر میں قدم رکھتے ہی بچوں نے بھوک کی شدت سے ہلک، ہلک کر رونا شروع کر دیا۔

اماں! ہمیں کھانے کو دے، تین دن سے بھوکے پڑے ہیں..... ہمیں کچھ کھانے کو دے..... اس عورت نے بے بسی سے بچوں کو سینے سے چٹا لیا اور کہا..... بچوں میں ایک یہودی کے گھر گئی تھی مگر مانتے ہوئے شرم آئی اس لیے واپس چلی آئی..... بس بچوں صبر کرو اللہ ہی دے گا تمہیں۔

بہرام یہودی نے کہا کہ جس وقت اس عورت اور بچوں کا بھوک کے سبب رونا اور چلانا میں نے سنا تو میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور مجھے اس قدر رونا آیا کہ کچھ کھانا نہیں، میں جلدی سے گھر گیا اور جس قدر کھانا اس وقت میرے گھر میں موجود تھا وہ سب اور اس کے ساتھ کچھ اشرفیاں لے کر میں اس عورت کے گھر پہنچا۔ بچوں کو آواز دے کر وہ کھانا اور اشرفیاں ان کے حوالے لے گئیں اور اپنے گھر چلا آیا..... اے عبداللہ بن مبارک! بس یہ ایک عمل تو میں نے کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؓ نے فرمایا..... اے بہرام! آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تجھے سلام فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرا یہ عمل قبول فرمایا اور تجھے بخش دیا..... بہرام یہودی نے یہ بات سنتے ہی فوراً کلمہ طیبہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ (بخاری)

☆☆☆

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”سوال کرنے والے کو محروم نہ لونا دچاہے تمہیں ایک بھری کا کمر دینا پڑے۔“

سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ عرش کا سایہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا ان میں سے ایک وہ ہے کہ جو صدقہ کرے اور اس کو پوشیدہ رکھے کہ بائیں ہاتھ کو مطوم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا تحرات کیا ہے۔

بھلائی کے کام بڑے مقامات سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ صدقہ کا درِ مطلق کا حصہ بھجاتا ہے اور صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔

پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ کون سا صدقہ افضل ہے؟

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ
”صدقہ کرنے میں جلدی کیا کرو اس لیے کہ بلا صدقے کو
پھانسی نہیں ملتی۔“

اپنے پیاروں کی صدقے سے دوا کیا کرو..... تجربہ
بھی اس کا شاہد ہے کہ صدقے کی کثرت بیماری کی شفا
ہے..... صدقہ پیاریوں کو بٹاتا ہے کثرت پیاریوں کو بٹاتا
ہے اور نیکیوں میں اضافہ کرتا ہے اور عریضہ عانتا ہے۔
حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد
فرمایا..... ”ایک شخص ایک جنگل میں تھا اس نے ایک ہادل
میں سے یہ آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے
دو..... اس آواز کے بعد وہ فوراً ہادل کی سمت چلا کہ جس
طرف ہادل چار ہاتھ، وہ ایک پتھر لی زمین میں خوب برسا
اور وہ سارا پانی ایک ٹالے میں جمع ہو کر چلنے لگا یہ شخص جس
نے آواز سنی تھی اس پانی کے پیچھے چل دیا۔ وہ پانی ایک جگہ
پہنچا جہاں ایک شخص بیٹھے سے اپنے باغ میں پانی پھیلا رہا
تھا۔ اس نے باغ والے سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟
انہوں نے وہی نام بتایا جو اس نے ہادل میں سنا تھا پھر باغ
والے نے اس سے پوچھا کہ تم نے میرا نام کیوں پوچھا؟
اس شخص نے کہا کہ میں نے اس ہادل میں جس کا یہ پانی
آ رہا ہے یہ آواز سنی تھی کہ فلاں شخص کے باغ کو پانی دے
اور تمہارا نام ہادل میں سنا تھا..... تم اس باغ میں ایسا کیا
کام کرتے ہو جس کی وجہ سے ہادل کو یہ حکم ہوا کہ اس کے
باغ کو پانی دو.....؟

باغ والے نے کہا..... میں اس باغ میں جو کچھ پیدا
ہوتا ہے اس کے تین حصے کرتا ہوں۔ ایک حصہ فوراً اللہ کے
راستے میں صدقہ کرتا ہوں اور ایک حصہ میں، میں اور
میرے اہل و عیال کھاتے ہیں اور ایک اسی باغ کی
ضروریات میں لگا دیتا ہوں۔“ سبحان اللہ.....! کس قدر
برکت ہے اللہ کے نام پر خرچ کرنے کی..... کہ پردہ غیب
سے ان کے باغ کی پرورش کے سامان ہوتے ہیں۔

ان میں ایک بہترین سبق یہ ہے کہ آدمی اپنی آمدنی کا
کچھ حصہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کے لیے متعین
کرے کہ یہ بے حد مفید ہے کیونکہ آدمی جب ملے کر لیتا ہے
کسانی مقدار اللہ کے راستے میں خرچ کرتی ہے تو پھر خیر کے
معارف اور خرچ کرنے کے مواقع بہت ملتے رہتے
ہیں۔ اگر مہینے کے شروع ہی میں تنخواہ ملنے پر ایک حصہ علیحدہ
کر کے رکھ دیا جائے یا روزانہ تجارت کی آمدنی میں سے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک درہم ہاتھ میں رکھ
کر فرمایا..... ”جب تک تو مجھ سے جدا نہیں ہو جاتا مجھے کوئی
قائدہ نہیں دے گا۔“

حضرت حسن کا ارشاد ہے کہ ”جس نے دولت کو
عزت دی اللہ نے اسے ذلیل کیا۔“ کہا جاتا ہے کہ جب
کر کسی (پیسے) بنتی ہے تو شیطان اسے افشا کر مانتے سے لگا کر
چوستا ہے اور کہتا ہے جس نے تجھ سے محبت کی وہ یقیناً میرا
بندہ ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ کا قول ہے کہ ”مال و ذرا یا بچو
جس کے کانے کا مستزاد آتا ہو تو اسے ہاتھ نہ لگاؤ اگر اس
نے تمہیں ڈنگ مادیات اس کا رہر تجھے ہلاک کر دے گا.....
پوچھا کہ اس کا مستزاد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ذرا کچ حلال سے
حلال مال کمانا اور صحیح کام میں خرچ کرنا۔“

روایت ہے کہ محمد بن کعب القرظی کو کہیں سے بہت سی
دولت ملی تو لوگوں نے انہیں کہا کہ اس دولت کو آپ اپنی
اولاد کے لیے جمع کر دیجیے..... آپ نے فرمایا..... کہ ”میں
اس دولت کو اپنے اللہ کے ہاں جمع کروں گا اور اپنے رب کو
اپنی اولاد کے لیے چھوڑوں گا۔“

ایک بار حضرت بایزید بسطامی کو عبادت میں کچھ
لطف نہ آیا..... تو آپ نے خادم کو بلا کر کہا..... دیکھ گھر میں
کیا چیز ہے؟ اس نے دیکھا تو ایک انگور کا خوشہ نظر
آیا..... جب آپ نے فرمایا..... ”یہ کسی کو دے دو کیونکہ ہمارا گھر
بچے کی دکان نہیں ہے۔“ اس کے بعد آپ کو اپنی عبادت
میں لطف محسوس ہونے لگا۔

☆☆☆

صدقہ اس وقت کا افضل ہے جب آدمی کو مال کی
محبت ہو..... ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جل شانہ اس شخص
سے سخت ناراض ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں تو بخیل ہو اور
مرنے کے وقت بخش ہو..... اس لیے جو صدقات میں مرنے
کے وقت کا انتظار کرتے ہیں، یہ پسندیدہ چیز نہیں ہے.....
اول تو کسی کو اس بات کا علم نہیں کہ کب اور کس طرح اسے
موت آجائے بہت سے عبرت ناک واقعات دیکھنے میں
آئے کہ مرنے کے وقت بہت کچھ صدقات کرنے کی انگلیں
لوگوں میں تھیں لیکن بیماری نے ایسا گھیرا کہ مہلت ہی
نہیں لینے دی۔ کسی پر قانع کر گیا، کسی کی زبان بند ہو گئی،
کہیں درنا اور بیمار دار حائل ہو گئے تو بہتر یہ ہے کہ تندرستی کی
حالت میں صدقہ کرے۔

داخل ہو جاؤ کہ تم پر نہ کسی قسم کا خوف ہے اور نہ تم غمگین ہو..... اور ایک اعلان ہو گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیمار، فقیروں اور غریبوں کی عیادت کی کہ آج وہ نور کے منبروں پر بیٹھیں اور اللہ جل شانہ سے باتیں کریں اور دوسرے لوگ حساب کی سختی میں مبتلا ہوں گے۔
بھوکے کو کھانا کھلانے سے زیادہ افضل کوئی صدقہ نہیں.....

اللہ جل شانہ کے نزدیک سب اعمال سے زیادہ محبوب کسی مسلمان کو خوش کرنا ہے یا اس پر سے غم کا ہٹانا ہے یا اسی کا قرض ادا کر دینا ہے یا بھوک کی حالت میں اس کو کھانا کھلانا ہے۔ یعنی یہ سب اعمال زیادہ پسندیدہ ہیں ہم آپ سے جو بھی ہو سکے۔

حضرت اسمٰ فرماتی ہیں حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا۔ ”خوب خرچ کیا کر اور شکر نہ کر اگر ایسا کرے گی تو اللہ جل شانہ بھی تجھ پر شکر کرے گا اور محفوظ کر کے تیرا رکھ اور اگر ایسا کرے گی تو اللہ جل شانہ تجھ پر محفوظ کر کے رکھے گا۔ (یعنی کم عطا کرے گا) عطا کرنا بھی تجھ سے ہو سکے۔“

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... ”دو آدمی قابلِ رشک ہیں ایک وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن کی دولت عطا کی اور وہ دن رات اس میں مصروف رہتا ہو اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال دے رکھا ہو اور وہ اسے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو۔“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بھی کوئی سوال کیا گیا تو آپؐ نے بھی یہ نہیں فرمایا کہ ”نہیں“ بلکہ ہمیشہ عطا فرماتے.....

ارشاد نبویؐ ہے کہ ”جس نے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کیا اس کا ثواب سات سو گنا لکھا جائے گا۔“

حضرت سیدہ حرمانی ہیں کہ میرے والد صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ کیا چیز ہے جس کا کسی مانگنے والے کو دینے سے روکنا جائز نہیں؟ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ”پانی.....“ والد نے پھر یہی سوال دہرایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”نہمک“ انہوں نے پھر یہی سوال کیا تو فرمایا..... ”جو بھلائی تو کسی کے ساتھ کر سکے وہ تیرے لیے بہتر ہے۔“

حضرت عائشہ صدیقہ حرمانی ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا..... ”تین چیزوں کا روکنا جائز نہیں..... پانی، نمک اور آگ.....“ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی کو ہم کچھ گئے کہ وہابی بہت مجبوری کی چیز

صندوقچی کا ایک حصہ علیحدہ کر کے اس میں سیدہ مقدادہؓ ڈال دی جائے کہ یہ صرف اللہ کے راستے میں خرچ کرنا ہے تو پھر خرچ کے وقت دل میں شکلی نہیں ہوتی کہ اس کو تو بہر حال وہ مقدار خرچ کرنا ہی ہے..... بڑا مجرب نسخہ ہے جس کا دل چاہے تجربہ کرے۔

☆☆☆

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک فاحشہ عورت کی اتنی بات پر بخشش کر دی گئی کہ وہ جاری رہی تھی اس نے دیکھا کہ ایک کنوئیں کے قریب ایک کتا کھڑا ہے جس کی زبان پیاس کی شدت سے باہر نکلی پڑی ہے اور وہ مرنے کو ہے اس عورت نے اپنے پاؤں کا (چمڑے) کا موزہ نکالا اور اس کو اپنی اوزمنی میں باندھ کر کنوئیں سے پانی نکالا اور اس کتے کو پلایا..... تب نبی کریمؐ سے کسی نے پوچھا..... کیا ہم لوگوں کو جانوروں کے صلے میں بھی ثواب ملتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... ہر جگر رکھنے والے (یعنی جانوروں پر) احسان کرنے پر ثواب ہے۔“ (مسلمان ہو یا کافر یا جانور ہو) کتے جیسے جانور کے ساتھ سلوک پر اس قدر ثواب ہے تو پھر آدمی تو اشرف المخلوقات ہے..... اس کی مدد پر اس قدر اجر و ثواب ہوگا۔

ایک حدیث میں ہے کہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی عیال ہے پس اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کی عیال کو کھانا پہنچانے والا ہے۔
اعمالِ صالح صدقہ ہیں۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ہر بھلائی صدقہ ہے اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ تو اپنے بھائی سے خندہ چٹائی سے پیش آئے۔ کسی کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہے۔ کسی بھولے ہوئے کو راستہ بتانا بھی صدقہ ہے۔ راستے سے پتھر، کانٹے وغیرہ یا تکلیف دہ چیز کا ہٹانا بھی صدقہ ہے۔ اپنے ڈول میں سے کسی کے برتن میں پانی ڈالنا بھی صدقہ ہے۔ حتیٰ کہ نرم دلی سے اور مسکرا کر کسی بھی پریشان حال کو تسلی دینا بھی صدقہ ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر سے لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہو خیر اس گھر کی طرف ایسے بڑھتی ہے جس تیزی سے چھری..... اونٹ کی کوہان میں چلتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اعلان کرنے والا اعلان کرے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جنہوں نے فقیروں اور مسکینوں کا اکرام کیا کہ آج تم جنت میں ایسے

اور اس میں برف ڈالنے کا اہتمام کیا، ایک ہفتہ گزرا تھا کہ چہرے کے سارے زخم بالکل اچھے ہو گئے اور چہرہ پہلے سے زیادہ خوشنما ہو گیا۔

حضرت سعدیؒ کہتے ہیں کہ آخرت کی جستجو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کر کے اللہ جل شانہ کا قرب حاصل کر۔ آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا..... میں اور جہنم کی کفالت کرنے والا دونوں جنت میں ایک دوسرے کے اس طرح قریب ہوں گے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہادت کی انگلی اور درد میانی انگلی بلند کر کے ارشاد فرمایا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ بقدر ضرورت اپنے لیے روک کر باقی زادہ کا خرچ کر دینا اور آگے بھیج دینا یہ دنیا میں سے اپنا حصہ ہے۔

اللہ جل شانہ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بڑے غور اور اہتمام سے عمل کرنے کی چیزیں ہیں۔ دنیا کی زندگی کو جو بالکل خواب کی مثال ہے بہت اہتمام سے آخرت کی تیاری کے لیے قیمت سمجھو اور جو کمایا جائے کمالے..... ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی غرض ہماری خیرات اور صدقات کے ساتھ واجب نہیں ہے..... اس نے جس قدر ترغیبات اپنے پاک کلام اور اپنے پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے فرمائی ہیں وہ ہمارے ہی نفع کے لیے ہیں..... جب ایک حاکم، خالق، مالک کسی شخص کو ایسے کام کا حکم دے جس سے حکم دینے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہو بلکہ جس کو حکم دیا ہے اسی کا نفع ہو اور پھر وہ حکم عدولی کرے تو یقیناً اس خطا کا جتنا بھی خیال رکھتے وہ ظاہر ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو نعمتیں اس لیے دیتا ہے کہ وہ لوگوں کو نفع پہنچائیں جب تک وہ لوگ ایسا کرتے ہیں نعمتیں ان کے پاس رہتی ہیں اور جب وہ اس سے گمراہی کرنے لگتے ہیں تو یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ ان سے چھین کر دوسروں کو منتقل کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے پروردگار کے حکم پر عمل کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں اور اس عمل میں اخلاص ہو یا کاری نہ ہو۔ آمین.....

نوٹ: اس مضمون کی تیاری میں جن قابل احترام ہستیوں کی کتب سے مضامین کا استفادہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

ہے لیکن تنگ اور آگ میں کیا بات ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... "اے حیران جب کوئی شخص کسی کو آگ دیتا ہے تو گویا اس نے وہ ساری چیز صدقہ کی جو آگ پر لگی..... اور جس نے تنگ دیا اس نے گویا وہ ساری چیز صدقہ کی جو تنگ کی وجہ سے لذیذ ہو گئیں..... گویا ان دونوں معمولی خرچ سے دوسرے کا بہت زیادہ نفع ہے تو جو کچھ تم اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے تو اللہ جل شانہ اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔"

حضرت سعدیؒ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کے ایصالِ ثواب کے لیے کون سا صدقہ زیادہ افضل ہے..... حضور اقدسؐ نے فرمایا "پانی سب سے افضل ہے۔" اس پر حضرت سعدیؒ نے اپنی والدہ کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک کنواں کھدوایا۔ جو انسان پانی کا سلسلہ جاری کر جائے تو جو انسان یا پروردگار اس سے پانی پے گا تو مرنے والے کو قیامت تک اس کا ثواب ملتا رہے گا۔ سبحان اللہ.....! ☆☆☆

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے پاس ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے گھٹنے میں ایک زخم ہے سات برس ہو گئے ہر قسم کی دوا اور علاج کر چکا ہوں کسی سے بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا..... "جس جگہ پانی کی قلت ہو وہاں ایک کنواں بنو اور مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جب اس میں پانی نکل آئے گا تمہارے گھٹنے کا خون بند ہو جائے گا....." چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور گھٹنے کا زخم اچھا ہو گیا۔ سبحان اللہ.....

مشہور محدث حضرت عبداللہ حاکم کے چہرے پر ایک زخم ہو گیا تھا ہر قسم کے علاج کیے مگر کوئی کارگر نہ ہوا..... ایک سال اسی میں گزرا گیا ایک مرتبہ استاد ابو عثمان سے دعا کی درخواست کی۔ جو کا دن تھا انہوں نے بڑی دیر تک دعا کی مجمع نے آمین کہی..... دوسرے جمعہ کو ایک عورت حاضر ہوئی اور ایک پرچہ مجلس میں پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ جب گزشتہ جمعہ کو میں گھر واپس گئی تو حاکم کے لیے بہت اہتمام سے دعا کرتی رہی..... میں نے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی..... آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا..... کہ "حاکم سے کہہ دو کہ مسلمانوں پر پانی کی وصیت کرے....." حاکم نے یہ بات سن کر اپنے گھر کے دروازے پر ایک سبیل قائم کر دی جس میں پانی کے بھرنے کا



باوقار، خوش اخلاق اور

باغ و بہار سماجی و ثقافتی شخصیت

جہاں کی آراہی

سے خوب صورت گفتگو.....



پر یہ شعر صد فی صد صادق آتا ہے۔ بہاروں پر اپنا تسلط
جمانے والی باغ و بہار شخصیت جہاں آراء آپا ہے پہلی
ٹیلی فونک ملاقات سے تاحال آپ کے بارے میں ایک
ہی تاثر قائم ہے محسن بھوپالی صاحب کے اس شعر کی
ماہنامہ پاکیزہ 255 جون 2016ء

محسن چمن کو اپنی بہاروں پہ ناز تھا
آپ آگئے تو ساری بہاروں پہ چھا گئے
عزیز قارئین! جگر صاحب نے جانے کس کی
شان میں یہ شعر کہا تھا لیکن ہماری پاکیزہ کی آج کی مہمان

READING
Section

صورت کہ
گلوں کے بھلنے پر ہی منحصر نہیں حسن
ملے وہ جس میں وہی ہے بہار کا موسم
بہاروں کی نوید دیتی یہ دلخواہ، پربہار، بناوٹ سے
پاک، شفاف اور عمدہ فکر عمل کی حامل، اپنے رویوں میں
بے حد شائستہ، بااخلاق، یکسر اخلاص، متحمل مزاج، منکسر
المزاج، کلفت مزاج ہستی ہماری جہاں آراء آپا ہیں جو
شکافی اور سماجی حلقوں میں یکساں مقبول ہیں۔ یہ ریڈیو،
ٹی وی کی مقبول فنکارہ تو ہیں ہی اس کے علاوہ آپا بہت
ہر و ہر شخصیت بھی ہیں آئیے آپ بھی پاکیزہ کی ہمہ
جہت مہمان سے ملاقات کیجیے۔

پاکیزہ..... آپ کی کوثر و نسیم میں ماحولی رہاں
کارا کیا ہے؟

جہاں آراء حتیٰ..... گھر میں بھی زبان بولی
جاتی تھی سو ہم نے بھی سیکھ لی۔ بچپن ہی سے یہ عادت
رہی کہ کوئی بھی نیا لفظ سنا تو فوراً لغت میں سے اس
کا مطلب دیکھ لیا۔ یوں ایک لفظ کے کئی، کئی معنی بھی
معلوم ہو جاتے اور درست تلفظ بھی سیکھ لیا۔ ابھی کل ہی
کی بات ہے شوٹ کے دوران ایک عام سافٹ تھا جو
ایک بچی سے ادا ہی نہیں ہو پا رہا تھا میں نے اس کا
متبادل سہل لفظ اسے بتایا تو وہ خوش ہو گئی اور حیران بھی
کہ جو لفظ اسے بہت مشکل لگ رہا تھا اسی مفہوم کا ایک
آسان لفظ معلوم ہو گیا اور ادا ہو گئی بھی سہولت سے ہو
گئی۔ میں ڈائریکٹر سے بھی کہتی ہوں۔ ٹی وی پر صحیح
اردو بولنی چاہیے تاکہ دیکھنے والوں خصوصاً نئی نسل پر
اس کے مثبت اثرات نظر آئیں۔

پاکیزہ..... آپ کی اصلاح زبان کا کسی نے
کبھی برا تو نہیں مانا؟

جہاں آراء حتیٰ..... کبھی نہیں بلکہ ایک صاحب
نے تو یہ تک پوچھ لیا کہ کیا آپ یونیورسٹی کی ڈین ہیں؟
میں نے کہا کہ کوشش کرتی ہوں کہ صحیح لفظ بولنے کی ترغیب
دوں۔

پاکیزہ..... ذمہ طالب علمی نصابی و غیر نصابی

256 جون 2016ء

سرگرمیوں کے حوالے سے کتنا فعال رہا؟ اور اس شخص
میں آپ کے والدین نے کتنا تعاون کیا؟
جہاں آراء حتیٰ..... پہلے میں تمہارے سوال
کے دوسرے حصے کا جواب دوں گی کہ والدین نے بھرپور
تعاون کیا۔ اتنا کہ بے انتہا حوصلہ افزائی کر کے ہماری
صلاحیتوں کو خوب ابھارا یہی وجہ تھی کہ اسکول و کالج میں
ہونے والے تمام فنکشنز میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ
لیا بالخصوص ڈراموں میں..... اسکول براڈ کاسٹ اور
پھر بزم طلباء میں خوب، خوب شرکت رہتی۔
پاکیزہ..... ذمہ طالب علمی کے بعد پھر کبھی
ریڈیو کا رخ کیا؟

جہاں آراء حتیٰ..... ان دنوں میرا کچھ بہت چھوٹا
تھا۔ اپنا کے ایک میلے میں ریڈیو پاکستان سے جیل
زیریں صاحب تاثرات ریکارڈ کر رہے تھے وہ میری
اردو سے بہت متاثر ہوئے، مجھے ریڈیو پاکستان
بلایا نشریات کا ایک امتحان لیا اور ورلڈ سروس کا ایک کھٹے
کا پروگرام میں نے کیا، ایک سال تک یہ سلسلہ جاری
رہا۔ دنیا بھر سے خطوط آتے تھے، بڑا لطف آتا تھا۔ اس
کے کئی برس بعد ایف ایم ۱۰۱ کراچی کی اس وقت کی سینئر
پروڈیوسر ربیعہ اکرم کے ساتھ ایک پروگرام کیا۔ میں ان
ہنرمند خواتین کے انٹرویوز کرتی تھی جو گھر بیٹھے اپنے ہنر
سے آمدنی حاصل کرتی ہیں اور ان تمام خواتین سے مل کر
مجھے یقین آ گیا کہ اگر خواتین چاہیں تو گھر بیٹھے اپنے
ہنر کے ذریعے اپنے معاشی حالات درست کر سکتی ہیں
اس میں کوئی عار نہیں کہ یہ مہنگائی کا دور ہے۔

پاکیزہ..... اس ضمن میں آپ پاکیزہ کی قاری
بہنوں کی رہنمائی کیجیے کہ یہ کیسے ممکن ہے؟

جہاں آراء حتیٰ..... اس کے لیے سب سے پہلے
تو آپ کو اپنی صلاحیتوں کو پہچاننا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر
انسان کو کوئی نہ کوئی ہنر عطا فرمایا ہے سو آپ بھی اپنا ہنر
پہچان کر اسے استعمال کریں کہ یہی ہنر آپ کی شناخت
بن جائے گا۔ اگر آپ نے بیوٹیشن کو پس کیا ہوا ہے تو
اپنے گھر کے ایک کمرے میں بیوٹی پارلر کھول

شخصیت کا خاصہ ہے وہی قرینہ ان کے لباس میں بھی دکھائی دیتا ہے بالخصوص ساڑی کو آپ نے وقار عطا کر دیا) بہر حال میں نے اپنے شوہر قاروق سے اجازت طلب کی جو انہوں نے بخوشی دے دی اور ہم نے ماڈلنگ کا آغاز کر دیا۔

پاکیزہ:۔۔۔۔۔ اس وقت کی اور آج کی ماڈلنگ میں کیا فرق ہے؟

جہاں آرام حتیٰ:۔۔۔۔۔ جب ماڈلنگ سادگی میں ہوتی تھی، خواتین چھوٹے، چھوٹے فیشن شوڈ کا انعقاد کرتی تھیں۔ آج یہ کام اعلیٰ پیمانے پر ہو رہا ہے۔ کل کی بہ نسبت فیشن بدل گیا ہے۔ سادگی کی جگہ گیسر نے لے لی۔ مکمل طور پر مختلف ماحول ہے۔

پاکیزہ:۔۔۔۔۔ اشتہار کی دنیا میں آمد کیسے ہوئی؟

جہاں آرام حتیٰ:۔۔۔۔۔ جاوید جبار کی اشتہاری کمپنی J M N کی جانب سے طاہر لے خان صاحب نے کمرشل کرنے کو کہا تو ہم نے حسب عادت قاروق کو بتایا تو آپ نے خوشی کا اظہار کیا۔ یوں ہم نے اشتہارات کی دنیا میں قدم درخیز فرمایا (شرارتی ہنسی)

پاکیزہ:۔۔۔۔۔ پہلا اشتہار کون سا تھا؟

جہاں آرام حتیٰ:۔۔۔۔۔ کئی پکائی تازہ روٹی کا تھا اور اس کے چھ سات مختلف اشتہار بنے تھے اور ہم ہر اشتہار میں تھے۔

پاکیزہ:۔۔۔۔۔ پہلے ماڈلنگ پھر کمرشل، کسی نے خاندان میں اعتراض کیا، دستور کے مطابق؟

جہاں آرام حتیٰ:۔۔۔۔۔ بری بھلی کہنے والے تو ہر جگہ ہوتے ہیں کسی نے ہماری اماں جی (ساس) سے خاص لہجے میں کہا۔ سنا ہے آپ کی بہوٹی وی پر آرہی ہے؟ اماں جی نے ان کا لہجہ اور نیت محسوس کرتے ہوئے نہایت خوش دلی سے کہا کہ ”کتی خوب صورت نظر آرہی ہے ناں!“ اماں جی کے مثبت طرز عمل پر خاتون اپنا سا منہ لے کر رہ گئیں اماں جی کی طرح سسرال کا ہر شخص جب بھی میری ڈھال تھا اور اب بھی ہے۔

پاکیزہ:۔۔۔۔۔ زمانہ طالب علمی میں آپ کی غیر

لیں۔ خواتین کی آرائش و زیبائش کے ساتھ ساتھ سیکھنے کی آرزو مند لڑکیوں کو تربیت بھی دیں۔ اسی طرح سلائی کڑھائی اور دیگر امور میں مہارت رکھنے والی خواتین بھی کر سکتی ہیں۔ یوں تو قرآن حکیم کی تدریس کو کمائی کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی خاتون بہت ضرورت مند ہیں تو باعزت زندگی بسر کرنے کے لیے اپنے گھر میں قرآن حکیم کی تعلیم دے کر ہدیہ لے سکتی ہیں۔ کھانا پکانے کی ماہر خواتین کوئی بھی خوش ذائقہ پکوان بنا سکیں اور گھر کے مردوں کو اپنے ساتھ ضرور شامل کریں کہ وہ آپ کے ہنر کی تشہیر کریں اور اسکول و کالج کی کیتین میں فروخت کے لیے رکھوائیں۔ اسی طرح اچار چٹنی بنا کر دکانوں میں رکھوائیں۔ مہنگائی کے اس دور میں آپ اپنے خدا داد ہنر کی بدولت گھر بیٹھے اپنے معاشی مسائل حل کر سکتی ہیں اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

پاکیزہ:۔۔۔۔۔ اور اب ہم آپ کے ہنر کی جانب بڑھتے ہیں یہ بتائیں کہ آپ نے ماڈلنگ کی اور وہ بھی اس دور میں جب معزز گھرانوں میں اسے معیوب سمجھا جاتا تھا اور ایک معزز گھرانے کی خاتون نے یہ کمال کر ڈالا۔۔۔۔۔ مگر کیسے؟

جہاں آرام حتیٰ:۔۔۔۔۔ طاریق روڈ میں بچوں کے کپڑوں کی ایک بہت بڑی دکان تھی جس کا تمام اسٹاف خواتین پر مشتمل تھا۔ ایک دن میں وہاں مگی اور جب بچوں کے کپڑے خرید کر نکلنے لگی تو ان کی ٹیجر نے کہا کہ ہماری ماں آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔ جانے کس روز ان سے انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ بہر حال جب میں اندر مگی تو انہوں نے کہا کہ ”ایک فیشن شو کر رہی ہوں اور مجھے ساڑی کی ماڈلنگ کے لیے ماڈل کی ضرورت ہے اور اس میں ہمیں آپ سے بہتر کوئی نظر نہ آئے!“ یہ ان کا کہنا تھا میں نہیں کہہ رہی؟ (جہاں آرام آپ نے مجھ پر زور نہیں دیتے ہوئے کہا۔ ویسے ہماری انجمن ہانجی مدیرہ پاکیزہ کہتی ہیں کہ جس طرح جہاں آرام حتیٰ کی بات چیت میں ایک قرینہ نظر آتا ہے۔ جو دکھ رکھاؤ، سادگی اور شائستگی ان کی



بٹھانے والی اسپین کی ملکہ عرصہ دراز تک
اسکرین سے کہاں غائب رہیں؟

جہاں آرام حتیٰ چہ..... اس وقت میرے بچے
بہت چھوٹے تھے اور ٹی وی بہت زیادہ وقت
مانگتا ہے۔ بچے نظر انداز ہوں یہ مجھے کسی
صورت گوارا نہ تھا۔ کئی برس بعد شہزاد حلیل مرحوم
نے اپنی ڈراما سیریل سایہ میں مجھے بہت اہم
کردار دیا یہ ان کی آخری اور میری پہلی ڈراما
سیریل تھی۔ میں نے اس ڈرامے میں ایک
بہن معذور بیٹی کی ماں کا کردار ادا کیا تھا جو حد
درجہ وہمی تھی کہ بچنگ پر ایک خاص چھوٹی سی
چادر بچھا کر بیٹھتی تھی۔ ایک خاص کٹورے میں
پانی پیتی تھی۔ دوپٹے کی مدد سے دروازہ کھولتی
تھی۔ غرض یہ کہ اسے مفاتی کا مراق تھا۔

پاکیزہ چہ..... مجھے بخوبی یاد ہے یہ ایک مشکل
کردار تھا جسے آپ نے بڑے سلیقے سے نبھایا۔ اس کردار
کی کامیابی کیسے ممکن ہوئی؟

جہاں آرام حتیٰ چہ..... ایک ایسی ہی وہی خاتون
مجھے یاد تھیں، اس کے علاوہ میں نے تھوڑی بہت ریسرچ
کر کے یہ کردار کیا اور بے انتہا پسند کیا گیا۔ اسے ٹار
ایوارڈ بھی ملا۔ ایک مرتبہ میں پشاور گئی تو ایک بچے نے کہا
کہ ہم آپ کا ڈراما بہت شوق سے دیکھتے ہیں کہ ہماری
اماں ٹی وی پر آگئیں۔ کیونکہ وہ بالکل آپ کے کردار کی
طرح ہی ہیں۔

پاکیزہ چہ..... حقیقی زندگی میں کتنی تو ہم پرست ہیں؟
جہاں آرام حتیٰ چہ..... تو یہ کرو دور، دور تک
بھی میری واہموں سے کوئی وابستگی نہیں۔ اللہ کا بڑا
کرم ہے۔

پاکیزہ چہ..... گھر ایک گھر کو غیر معمولی مقبولیت اور
شہرت ملی۔ آپ کے کردار کے اثرات ناظرین پر کیسے اثر
انداز ہوئے؟

جہاں آرام حتیٰ چہ..... نہایت مثبت۔ میرا مرکزی
کردار تھا۔ وہ حقیقت میں گھر، گھر کی کہانی تھی۔ ایک

نصابی سرگرمیوں کا ایک جز ڈراما بھی تھا جو آپ اپنی خوشی
سے کرتی تھیں لیکن ٹی وی ڈراما کس کی خواہش پر کیا؟

جہاں آرام حتیٰ چہ..... بچپا سے ہمارے دیرینہ
خاندانی مراسم تھے۔ ان دنوں بچپا کی نامور مسلمان
خواتین کے کارناموں پر مبنی ڈراما سیریز آجکینے ٹی وی
پر دکھائی جا رہی تھی تب ایک دن بچپا نے فون کر کے حکم
دیا کہ فوراً ٹی وی اسٹیشن چلی آؤ۔ بچپا کو اسپین کی ملکہ کے
کردار کے لیے کسی خاتون کی تلاش تھی۔ جانے کیسے بچپا
کی نگاہ انتخاب ہم پر پڑ گئی۔ ہم نے پس و پیش سے کام لیا
لیکن بچپا کی محبت آمیز ڈانٹ کے آگے ہماری ایک نہ چلی
اور بچپا نے ہمیں راضی کر لیا۔ فاروق نے تو کبھی کوئی
اعتراض ہی نہیں کیا۔ یوں بچپا کی بدولت ٹی وی اسکرین
پر ہم اسپین کی ملکہ بن کر چھا گئے۔ ہمارے کردار کو لوگوں
نے بہت سراہا۔ گھر والوں نے خوب تعریف کی۔ بچپا نے
بہت داد دی بلکہ بچپا تو ہمیشہ یہی کہتی تھیں کہ اپنے
ڈراموں میں بعض کردار میں نے تمہیں سوچ کر لکھے۔ یہ
بچپا کی بڑائی اور محبت تھی۔

پاکیزہ چہ..... ٹی وی کے ناظرین پر اپنی دھاک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

پاکیزہ ۛ..... سماجی کاموں کا خیال کیسے آیا؟

جہاں آرام حتیٰ ۛ..... خیال آنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ گھر کا ماحول ہی سماجی کاموں سے بھرا پڑا تھا اور میں اسی فضا میں پروان چڑھی۔ ابا جان اور امی دونوں ہی اعزازی سماجی کارکن تھے۔ ابا جان ڈاکٹر خورشید رفیق الدین ماہر پوق تھے۔ آپ نے کراچی میں "پینٹیس ٹیوبک ایسوسی ایشن" کی بنیاد رکھی۔ جب تک ابا جان حیات رہے تنظیم چلتی رہی پھر مالی مشکلات کا شکار ہو گئی۔ امی، بیگم خورشید، اپوا (APWA) یعنی آل پاکستان ویمن ایسوسی ایشن کی بانی ممبران میں شامل تھیں اور بیگم عنالیات علی خان کی رفیقہ کار تھیں۔

پاکیزہ ۛ..... شادی کے بعد آپ اپوا سے وابستہ ہوئی تھیں؟

جہاں آرام حتیٰ ۛ..... شادی سے پہلے کی بات ہے۔ زمانہ طالب علمی میں اپوا کے پوتھ سیکشن کی سیکرٹری تھی، ریڈیو پاکستان کراچی سے ایک پروگرام "اپوا میگزین" کے نام سے نشر ہوتا تھا۔ نیلیفر عہاسی کی والدہ نون خاتون اس کا اسکرپٹ لکھا کرتی تھیں۔ میں اس پروگرام میں خبریں پڑھتی تھی اور انٹرویو بھی کیا کرتی تھی۔ پھر شادی ہو گئی نو دس سال ملک سے باہر رہی واپس آئی تو دوبارہ اپوا سے منسلک ہو گئی۔

پاکیزہ ۛ..... اپوا میں کس نوعیت کی فتحواریاں تھیں؟

جہاں آرام حتیٰ ۛ..... اپوا کے کچھ انڈسٹریل ہوسر تھے۔ میں پی آئی بی کالونی کے انڈسٹریل ہوم کی انچارج تھی۔ جب میں نے لڑکیوں کے لیے میلے لگوائے، پکوان کے مقابلے کروائے۔ اس کے بعد اپوا انٹرنیشنل انیئر کی چیئر پرسن ہو گئی بعد میں تعلیم کے شعبے کی نائب صدر منتخب ہو گئی۔

پاکیزہ ۛ..... اپوا کے حوالے سے آپ کی سرگرمیاں پاکستان بک محدود ہیں یا اس ضمن میں بیرون ملک جانے کا بھی اتفاق ہوا؟

جہاں آرام حتیٰ ۛ..... گرلز چائلڈ کے سلسلے میں چائنا میں منعقدہ کانفرنس میں شریک ہوئی۔ اس کے علاوہ

ماہنامہ پاکیزہ 259 جون 2016ء

بجھدار محبت کیسے گھر کو جوڑ کر رکھتی ہے۔ میرے کردار سے واضح تھا۔ میں ایک جگہ شادی میں گئی ایک ادھیڑ عمر کے صاحب کھانا نکال کر میری پلیٹ میں ڈال رہے تھے۔ میں نے ان کا شکریہ ادا کیا تو انہوں نے کہا کہ میرے گھر میں تین حافظ قرآن ہیں۔ آپ نے ایسا بدمست کردار ادا کیا کہ ہمارے گھر کا ماحول ہی بدل گیا۔ اسی طرح ایک نوجوان مجھ سے ملے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، کہنے لگے، میری اماں اور بیوی میں ہر وقت جھگ، جھگ رہتی ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ تم لوگ اس طرح نہیں رہ سکتیں؟ کافی عرصے بعد میری ان سے ملاقات ہوئی اس وقت تک ان کا بچہ کالج میں جا چکا تھا، وہ بہت خوش تھے کہ آپ کی وجہ سے میرا گھر ٹوٹنے سے بچ گیا۔

پاکیزہ ۛ..... آپ ترجیاً کیسے کردار کرنا پسند کرتی ہیں؟

جہاں آرام حتیٰ ۛ..... جب مجھے کسی ڈرامے کے لیے کہا جاتا ہے تو میں اپنا کردار ضرور معلوم کرتی ہوں کہ کیسا ہے؟ اور میری ترجیح ہمیشہ مثبت کردار ہے۔ دو ایک منفی کردار بھی کیے مثلاً ایک ڈرامے میں نکتہ میں ساس کا کردار ادا کیا لیکن وہ بھی کلی طور پر منفی نہ تھا۔ نکتہ چینی بھی اصلاح کی غرض سے کی جاتی تھی۔ گویا آدھا تیر آدھا تاثیر قسم کا تھا۔

پاکیزہ ۛ..... فن اداکاری میں کامیابی کیسے ممکن ہے؟

جہاں آرام حتیٰ ۛ..... اس کے لیے میں ٹھن یہ کہوں گی کہ اداکاری مت کرنا اپنے کردار کو سمجھو اور ادا کرو۔ پاکیزہ ۛ..... نئی ڈراما آرٹسٹ لڑکیوں کی رہنمائی کے لیے کیا کہیں گی؟

جہاں آرام حتیٰ ۛ..... اپنے کام کو سنجیدگی سے لو، اپنے سینئرز سے ایسے سیکھو جیسے کسی ادارے سے سیکھ رہی ہو کہ وہ اپنے کام میں مشاق ہونے کی وجہ سے اپنی ذات میں ایک تربیتی ادارہ ہیں۔ اگر اداکاری کے جرائم ہیں تو ان کو پروان چڑھاؤ لیکن مسلسل محنت اور لگن سے کبھی میں تمہاری جیت ہے۔

اپوا کے حوالے سے اظہارِ نیشیا اور دیگر ممالک میں اپوا کی نمائندگی کی۔

پاکیزہ: اپوا میں کام کے دوران تربیتی کورسز کیسے؟

جہاں آراء حتیٰ: جی جناب! بالکل کیے، سماجی امور سے متعلق مینجمنٹ کے چند کورسز کیے۔ ان کورسز کا اعلان مقامی یا بین الاقوامی یونیورسٹیز سے کیا جاتا تھا۔

پاکیزہ: اپوا کا خاص امتیاز آپ کی نظر میں؟

جہاں آراء حتیٰ: یہ خواتین کی وہ پہلی تنظیم ہے جس نے قیام پاکستان کے فوری بعد ہی خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے کام کیا اور تاحال۔۔۔ سرگرم عمل ہے۔ غریب اور مستحق خواتین کی آباد کاری میں اہم کردار ادا کیا۔ اقوام متحدہ سماجی و قلاحی کام کرنے والی بین الاقوامی تنظیموں کو بی کشمیری میں رکھتا ہے۔ بلاشبہ یہ اپوا کا امتیاز ہے کہ دنیا بھر میں واحد تنظیم ہے جسے صرف ملکی تنظیم ہونے کے باوجود اقوام متحدہ نے بی کشمیری میں رکھا۔ اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ اپوا کتنا فعال ادارہ ہے۔ اپوا سے اپنی وابستگی پر مجھے فخر ہے۔

پاکیزہ: جیکم رحمان لیاقت علی خان نے کبھی اپوا کے حوالے سے آپ کی حوصلہ افزائی کی؟

جہاں آراء حتیٰ: جب بھی ہم کسی کانفرنس سے واپس آتے تو فوراً ہمیں بلاوا بھیجتیں، ہم جاتے تو وہاں کا حال احوال دریافت کرتیں اور یہ ہمارے لیے بڑا اعزاز ہے کہ وہ ہمیں اس قابل سمجھتی تھیں، آپ کو ہمارے کام پر بھروسہ تھا۔ آپ کی ہمت افزائی نے ہمارے اندر کام کی تحریک کو بڑھایا۔ ان کا پیغام یونیورسل پیغام تھا۔

پاکیزہ: ابھی آپ نے فرمایا کہ ان کا پیغام ”یونیورسل پیغام تھا“ وہ پیغام کیا تھا بھلا؟

جہاں آراء حتیٰ: عورت کی ترقی اور اس کے لیے خصوصی اہمیت و مصل خود انحصاری، تعلیم، تربیت اور

ماہنامہ پاکیزہ 260 جون 2016ء

صحت کو دینی چاہیے۔

پاکیزہ: جیکم رحمان لیاقت علی خان کی شخصیت کے کس پہلو نے آپ کو متاثر کیا؟

جہاں آراء حتیٰ: ان کا ہر اعزاز دل میں گھر کرنے والا تھا، نہایت سادگی پسند، سادہ مزاج،

با اصول، وقت کی پابند، کفایت شعار چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے والی خاتون تھیں۔ فضول خرچی نہ اپنی ذاتی زندگی میں کرتی تھیں اور نہ ہی اپوا کی میٹنگز میں۔ ہمیشہ لائٹ ریفر، شمع کی ترغیب دیتیں۔

پاکیزہ: اچھی اور کامیاب سماجی کارکن کی پہچان آپ کی نظر میں؟

جہاں آراء حتیٰ: جو بھی کام کریں صلے اور ستائش کی تمنا سے بے نیاز ہو کر کریں ورنہ آپ ”سماجی“ نہیں ”پرسنل“ کارکن ہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ لگن بہت ضروری ہے۔

پاکیزہ: شافی و سماجی زندگی کی باتیں تو بہت ہو گئیں کیوں نہ آپ کی نجی زندگی کے حوالے سے بھی گفتگو ہو جائے؟

جہاں آراء حتیٰ: بھد شوق کرو۔ اپنی صحافتی فتنے داری پوری طرح بھاد۔ ہم بھی تیار بیٹھے ہیں۔ کہاں سے شروع کرو گی بات! (شرارتی لہجہ)

پاکیزہ: شادی سے پہلے شریکو حیات کے لیے کوئی خیالی پیکر تراشا؟

جہاں آراء حتیٰ: ارے نہیں بھئی، ایسا کچھ بھی نہیں تھا، بس ایک خواہش تھی کہ میرا ہم سفر خوش شکل ہو۔ اللہ نے کرم فرمایا قاروق بہت خوش شکل تھے۔

پاکیزہ: شادی سے پہلے ملاقات ہوئی؟

جہاں آراء حتیٰ: بالکل ہوئی اور ہماری خواہش پر ہوئی۔ میں نے کہہ دیا تھا کہ جب بھی میرا رشتہ آئے گا میں خود مل کر فیصلہ کروں گی۔ اماں ہماری بہت روشن خیال تھیں انہیں کوئی اعتراض نہ تھا جب قاروق کا رشتہ آیا پس اس وقت سلہٹ میں چائے کے باغات کی کپہنی میں ڈائریکٹر اور گارڈن کے ٹیجر تھے۔ ہر لحاظ سے گھر



بھی دیا جاتا تھا۔ بس قاروق نے اسی کا فائدہ اٹھایا اور اپنی اماں کو بھی ساتھ ملا لیا ابھی شادی ہو جائے گی تو یورپ کے ٹرپ پر بیوی کے ساتھ چلا جاؤں گا۔ ویل معقول تھی اس لیے بہرہ و جانب تسلیم کر لی گئی۔

پاکیزہ ♦..... مگر بچہ نشن نامکمل رہ جانے کا قلق تو

جہاں آراء حتیٰ میری امی علیگزہ کی
گر بھوٹ اور میں صرف اثر میں نے امی سے کہا تو
انہوں نے مجھے سمجھایا کہ جب میری شادی ہوئی تھی تو اس
وقت میں بھی تھرڈ ایئر کی طالبہ تھی شادی کے بعد میں نے
اپنا گریجویشن مکمل کیا تم بھی کر لینا۔ سوہم نے مزید تعلیم
کے حصول کی شرط پر ہامی بھر لی۔ فاروق نے وعدہ نبھایا
یوں شادی کے بعد ہم نے اپنا گریجویشن مکمل کر لیا۔

پاکیزہ..... اس مادری وراثت کو آگے بڑھایا
یا یہ سلسلہ ہمیں ختم کر دیا؟

جہاں آراء جتنی ❖..... ختم..... کیونکہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جب تک بیٹی گریجویٹ نہ ہو جائے گی اس کی شادی نہیں کروں گی۔ انہوں نے تیرہ برس کی عمر میں میٹرک کر لیا۔ بی کام کے بعد انٹیریئر ڈیزائننگ کا ایڈوائس کورس کیا۔ اس کے بعد ان کی شادی کر دی۔ اپنا گھر انہوں نے خود تیار کیا۔ اب گھر بیٹھے حرے سے اپنا ہر ماہنامہ پاکیزہ ﴿261﴾ جون 2016ء

والے مطمئن تھے لیکن میں نے نہیں دیکھا تھا اور دیکھنا چاہ رہی تھی۔ بہر حال فاروق آئے۔ میں نے دیکھا اور حامی بھری۔ اس وقت میں انٹر میں پڑھ رہی تھی۔ ممکن ہو گئی شادی میرے گریجویشن کے بعد ہونا طے پائی لیکن ہوا یوں کہ دو ماہ بعد ہی ہماری شادی ہو گئی۔

پاکیزہ دو سال کی مدت سمٹ کر دو ماہ پر کیسے محیط ہوگئی؟

جہاں آرام حتیٰ ہمیں خط کتابت کی بھی آزادی تھی اور فون پر بات کرنے کی بھی اور یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ فاروق ہر روز ایک خط لکھتے ان دنوں ڈاک کا نظام بہت اچھا تھا غلط بھی جاتا تھا۔

پاکیزہ گویا داستانِ الفت پر مبنی ایک کتاب
تیار ہو گئی تھی؟

جہاں آرامِ حسی اے واسطیٰ الفت کہاں؟
روایتی محبت ناموں جیسا کوئی غلط نہ تھا، بس عام سی باتیں
ہوتی تھیں اپنی دن بھر کی مصروفیات کی روداد۔

پاکیزہ یہ تو بتائیں کہ پھر شادی جلدی کیوں ہوگی؟

جہاں آرامِ حقیقی فاروق برٹش کمپنی میں ملازم تھے۔ کمپنی کے اصول کے مطابق تین سالہ ملازمت کے بعد چھ ماہ کی چھٹی دی جاتی تھی۔ یورپ کے ٹرپ کا موقع

آزماری ہیں۔

پاکیزہ۔۔۔۔۔ قاروق بھائی کے جذبے کی یہ شدت ہمیشہ برقرار رہی یا گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ شعلے مدھم پڑتے گئے؟

جہاں آرام حتیٰ۔۔۔۔۔ الحمد للہ قاروق کے آخری وقت تک یہ شدت برقرار رہی۔ زندگی کے مختلف ادوار میں شعلے کی حدت قائم رہے تو اس سے بڑی رحمت اور کوئی نہیں۔ ہمارے اطراف رہنے والے خاص طور پر بچے بہت محسوس کرتے تھے کہ ہمارے مابین دفنی ہم آہنگی اور دلی تعلق ہمیشہ قائم رہا۔

پاکیزہ۔۔۔۔۔ کامیاب ازدواجی زندگی کے اصول آپ کی نظر میں؟

جہاں آرام حتیٰ۔۔۔۔۔ آپس کے اختلاف کو کبھی آگے نہ بڑھنے دو، اس سے گھر کا ماحول خراب ہوتا ہے۔ خاص طور پر بچے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک دوسرے کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں جس کا نتیجہ ناچاقی کی صورت سامنے آتا ہے اور بالآخر یہ ہوتا ہے کہ

کچھ تم کہنے، کہنے رہے کچھ ہم کہنے، کہنے اس کشمکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا اگر زوجین کو باہمی تعلق برقرار رکھنا ہے تو ایک دوسرے پر اپنی مرضی مسلط نہ کریں۔ ایک دوسرے کی رائے کا احترام کریں۔ ہمیشہ بھروسہ کرو۔ باہمی اعتماد قائم رہے تو ازدواجی زندگی صرف کامیاب ہی نہیں کامیاب ترین ہے اور زندگی میں چین اور سکون ہے۔

پاکیزہ۔۔۔۔۔ آپ کی اخلاقی اور دینی تربیت میں کن امور کو پیش نظر رکھا گیا؟

جہاں آرام حتیٰ۔۔۔۔۔ ہمارے بڑوں نے براہ راست نصیحت کبھی نہیں کی۔ جو بھی سیکھا اپنے بڑوں کے عملی رویوں سے سیکھا۔ ہاں ہمیں یہ ضرور بتایا گیا کہ تمہاری وجہ سے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ ہم نے اپنے بڑوں کو گھریلو ملازمین کی عزت کرتے دیکھا سو

ماہنامہ پاکیزہ 252 جولائی 2016ء

ہمارا رویہ بھی یہی رہا۔ اور الحمد للہ آج ہمارے بچے ہی نہیں ان کے بچے بھی ملازمین کا احترام کرتے ہیں اور عزت کے نام سے مخاطب کرتے ہیں۔ ہماری تربیت کا حصہ رہا کہ معاشی طور پر کمتر انسان سے بھی انسانی سطح پر بات کرو کہ انسان کے ظاہری مراتب میں فرق ضرور ہے مگر انسانیت میں نہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے خانا ماں کا پاؤں زخم کی وجہ سے پک گیا تھا، لہا جان خود ان کے زخم صاف کر کے مرہم پٹی کرتے تھے۔

پاکیزہ۔۔۔۔۔ میکے کا وہ اصول جو آج بھی اختیار کیا ہوا ہے؟

جہاں آرام حتیٰ۔۔۔۔۔ امی اور ابا جان کے طرز عمل سے ہم نے نشست و برخاست کے طریقے سیکھے۔ دونوں ہی اصول کے تحت زندگی بسر کرتے تھے۔ دونوں ہی ناشتے کی میز پر نہا دھو کر تیار ہو کر آتے تھے ابا جان کو قطعاً پسند نہیں تھا کہ ناشتے کی میز پر سر جھاڑ منہ پھاڑ بیٹھ جائیں۔ سوچوں تو آج بھی وہ خوشبو محسوس کرتی ہوں جو امی اور ابا جان میں سے آتی تھی۔ برسوں ہم نے میکے کا یہ اصول برقرار رکھا لیکن اب کبھی، کبھی اصول شکن ہو جاتی ہے۔

پاکیزہ۔۔۔۔۔ آپ کا تصور حیات کیا ہے؟

جہاں آرام حتیٰ۔۔۔۔۔ زندگی اللہ کا دیا ہوا بہت حسین تحفہ ہے۔ اللہ جودے اسی پر صابر و شاکر رہو اور شرافت کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنی زندگی کو جتنا چاہو بہتر بناؤ۔

پاکیزہ۔۔۔۔۔ دل پسند مشغلہ؟

جہاں آرام حتیٰ۔۔۔۔۔ کتب بینی خاص طور پر تاریخی کتب پڑھنا۔ ہسٹری کے نوٹس بناتے وقت دیگر متعلقہ کتب کا مطالعہ ضرور کرتی تھی۔ غزوات کا ذکر نصاب میں پڑھا تو قرآن حکیم میں غزوات کے حوالے سے تفسیر پڑھی اس کے حوالے کے ساتھ نوٹس تیار کیے اور امتحان میں ہسٹری کے پرچے میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔ اسلامی تاریخ ہو یا عمومی تاریخ دونوں کی کتب پڑھنے میں بہت لطف آتا ہے۔ ہاں اچھے شعری مجموعے

پاکیزہ ♣..... آپ کی زندگی کا بہترین اور خوب صورت وقت کہاں گزرا؟

جہاں آرام حتی ♣..... سلہٹ میں۔ شادی سے پہلے چائے نہیں پیتی تھی اور شادی چائے والے سے ہو گئی۔ چائے کے اگائے جانے سے لے کے بعد کی دیکھ بھال تک کے سارے مناظر دیکھے اور بہت لطف اندوز ہوئی۔

پاکیزہ ♣..... پاکیزہ کی قلمکار اور قاری بہنوں سے کچھ کہنا چاہیں گی؟

جہاں آرام حتی ♣..... کیوں نہیں ضرور کہوں گی۔ پاکیزہ ایک اچھا اور معیاری رسالہ ہے۔ قلمکاروں کی بڑی ذمہ داری ہے کہ اپنی تحریر کو ہمیشہ مثبت رکھیں پڑھنے والوں کے دلوں میں نفرت نہیں محبت کے پھول کھلائیں، کبھی تفرقہ نہیں ڈالیں۔ قارئین پاکیزہ مدبران اور لکھنے والوں سے رابطے میں رہیں اور انہیں اپنی آرام اور تجاویز دیتی رہیں اس سے رسالے کا معیار مزید اچھا ہو جائے گا اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہوں گی کہ پاکستان کے لیے جیو اور پاکستان کے لیے جو بھی اچھا کر سکتی ہو وہ کر دے کہ پاکستان ہمارے لیے بہت اہم ہے۔

☆☆☆

قارئین کرام! جہاں آرام آپ اپنے اپنا بے انتہا مصروفیت اور دن بھر کی تھکاوٹ کے باوجود جس طرح شوٹ سے واپس آکر رات گئے پاکیزہ کے لیے وقت نکالا اور دو تین ٹیلیفونک ملاقاتوں میں یہ انٹرویو مکمل کرایا۔ آپ سے اپنی دوستی پر میں بے حد فخر اور خوشی محسوس کر رہی ہوں۔ جہاں آرام آپا کی بے لوث محبت اور بے غرض تعاون کے لیے میں اپنی اور ادارہ پاکیزہ کی جانب سے ممنونیت کے اظہار کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہوں بھلا..... اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ اپنے مقاصد میں مزید کامراناں عطا ہوں۔

☆☆☆

ماہنامہ پاکیزہ ﴿263﴾ جون 2016ء

بھی شوق سے پڑھتی ہوں۔ مطالعے کے شوق کا یہ عالم ہے کہ اگر بازار سے کسی پڑیا میں چورن آئے تو وہ پڑیا بھی کھول کر پڑھ لیتی ہوں۔

پاکیزہ ♣..... غصے کی کیفیت میں آپ کا رد عمل؟ جہاں آرام حتی ♣..... مجھ سے بن نہیں پڑتا کہ جواب کیسے دوں؟ کہ غصے کا جواب غصے سے نہیں دے سکتی بے شک اندر غصہ ہوتا ہے۔

پاکیزہ ♣..... ماں بیٹی کا رشتہ آپ کی نظر میں؟ جہاں آرام حتی ♣..... بہت بڑا اعتماد کا رشتہ اور یہ اعتماد ہونا بھی چاہیے۔

پاکیزہ ♣..... وہ دلچسپ مصروفیت جو معمول کا حصہ ہے؟

جہاں آرام حتی ♣..... عرصہ دراز تک باغبانی کا شوق تھا بڑی پُر بہار مصروفیت تھی۔ اب اپنی پوتیوں کے ساتھ شام کو روز کرکٹ کھیلتی ہوں۔ اس کی اپنی خوشی اور رنگ ہے۔

پاکیزہ ♣..... پسندیدہ ٹی وی پروگرام، رشتہ، خوشبو، وقت، پکوان، کھیل، تہوار، تفریحی مقام اور رنگ؟

جہاں آرام حتی ♣..... وہ سیاسی مذاکرات جس میں لڑائی جھگڑا نہ ہو مکالمہ ہو اور معلوماتی پروگرام محبت کا رشتہ، خوشبو جو ابھی لگ جائے وہی اچھی، جو خوشی سے گزرے وہی وقت اچھا، سادہ و خوش ذائقہ کہ بد ذائقہ کھانا اللہ بڑی مشکل سے حلق سے اترتا ہے لیکن یہ سوچ کر کھالتی ہوں کہ رزق ضائع نہ جائے۔ جس کھیل میں پاکستان جیت جائے وہ اسی وقت پسندیدہ بن جاتا ہے، تمام مذہبی و ملی تہوار، جہاں نیچر زیادہ ہو۔ قدرت کا ہر رنگ مجھے بہت پسند ہے کہ نیچر سے بڑھ کر حسین شے دنیا میں اور کوئی نہیں فاروق بھی نیچر کے عشاق میں سے تھے۔ سلہٹ میں قیام کے دوران میں جی بھر کے نیچر سے لطف اندوز ہوئی۔ وہاں کے جنگلات اور باغات کے قدرتی حسن کا تصور آج بھی مسخور کر دیتا ہے۔

دلہن بنی میری شہزادی

صائمہ قیصر



دائیں سے صائمہ قیصر، ان کی بھانجی، دلہن ماہ نور اور دلہن کی خالہ.....

مگن آتے جاتے اس پہ نگاہ ڈالتی تو دل میں دو طرح کے احساسات ابھر آتے۔ پہلا کلیجا چھلنی کرنے والا کہ وہ جارہی ہے۔ دوسرا اور خوشی بھرا کہ ایک اہم ترین فرض ادا ہو رہا ہے۔ نور بالکل ٹھیک عمر میں اپنے گھر کی ہو رہی ہے۔ اور یہی احساس پہلے پر حاوی ہو جاتا اور میں بھی سب کے ساتھ بننے، بولنے لگتی۔ بچے ضد کرتے تو ان کے ساتھ خوب ہٹا کھڑی۔ اس رات مہندی کے تمام لوازمات پورے کر لیے گئے۔

ماہ نور قیصر ہاشمی جو تین بھائیوں اور اماں، بابا کے آگن کی چمکتی چمکتی چڑیا تھی الحمد للہ آج ارسلان بیٹے کے گھر کے آگن میں چھپ چکی ہے۔

یہ مانو (ماہ نور) کی گڈ لک تھی کہ بھی رشتے داروں نے دل کھول کے اس کی شادی میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ بقول ان کے نور کی شادی ان کے لیے زندگی کی یادگار شادی تھی..... بفضل الہی شادی کی تاریخ 12-02-2016 طے پائی۔ (اتفاقاً ہم ماں بیٹی دونوں کے نکاح کی ڈیٹ یہی ہے۔ بس سن کا فرق ہے۔)

دلچسپی کی بات یہ ہے کہ نور کی مہندی مسلسل تین دن ہوتی رہی۔ ہوا یوں کہ مہندی کی ڈیٹ 10 فروری تھی..... 9 فروری کو ہمارا گھر ماشاء اللہ سے مہمانوں سے پُر تھا..... نیو جنریشن پُر جوش تھی۔ انہیں کرنے کو کچھ نہ ملا تو ڈھولک پر دھواں دھار گیت گانے شروع کر دیے۔ ماہ نور مایوں نے پہلے جوڑے میں ان کے ساتھ ہنسی مگاتی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ میں کاموں میں

سوائے مہندی لگانے کے..... ڈھولک، بچوں کے ڈانسز، قہقہے، مزید دار کھانا اور نور کے لیے ڈھیر ساری دعائیں۔ رات ڈھل رہی تھی اور شہنشاہ کی انتہا ہو رہی تھی..... 10 فروری کا دن بھی آن پہنچا۔ راول پنڈی یا پہاڑی علاقوں میں سردی کے دن بہت چھوٹے لگتے ہیں۔ دولہا کی فیملی کے لاہور میں ہونے کی وجہ سے مہندی کی رسم یکطرفہ ادا کی گئی۔ ہاں البتہ دونوں طرف سے دولہا، دلہن کے ملبوسات اور دیگر لوازمات کا تبادلہ

بہی رخصت ہونے والی تھی۔ بابا کی لاڈلی، ماما کی بیٹ
فریڈ اور بھائیوں کی رونق..... آج ہمیشہ کے لیے اس گھر
سے پرانی ہو رہی تھی۔ نور ہمارے سامنے کافی دنوں سے
خود پر قابو کیے ہوئے تھی۔ بڑا حوصلہ شکر اتی تھی۔ ہمارے
رونے پر ہمارے ساتھ خوب شرارتیں کر کے ہنسا دیتی۔ مگر
آج نہ جانے کیوں بہت سیریس سی تھی۔

ہارات دوپہر کی تھی۔ سونا شے کے بعد نور کو شہر
کے مشہور پارلر لے گئی۔ جہاں وہ پیاری سی گڑیا رفتہ
رفتہ اپنے ہونے والے شوہر کے استقبال کے لیے
خوب سجنے سنورنے لگی..... پارلر سے اسے پہلے گھر لایا
گیا۔ جہاں اس نے اپنی زندگی کے اکیس برس بتائے



تھے۔ آنگن میں آن رکی۔ جہاں ابھی کل ہی اس نے
پاؤں پاؤں چلنا شروع کیا تھا..... وہ جذباتی ہونے لگی
تو ہم بھی رو دیے..... بابا اور تایا جان نور اسے ویڈیو
پیس کو لے جانے لگے پھر ایک رسم ادا کی گئی۔ نور
منٹھیاں بھر، بھر کے چاول اپنے سر پہ سے واپس گھر کی
جانب اچھالتی۔ جو اس کے بھائیوں اور بابا پر گرتے

ماہنامہ پاکیزہ 265 جون 2016ء

پہلے ہی ہو گیا تھا۔ سب کو ارسلان کا اپنی پسند سے چننا
نور کی مہندی کا جوڑا بے حد پُرکشش لگا۔

میرج ہال میں..... ماہ نور کو ڈھول کی تھاپ
پر رقص مردوں کی ٹولی نے لڈی ڈال کے ویلیم
دیا۔ نور کے چچا، تایا، بابا اور دیگر انگو، بھائی، کزنز اس
پر سے ڈھیروں ٹوٹ وار، وار کر پھینکتے رہے۔ بعد
از اس تمام کزنز مل کر بھنگڑا رقص کرتے ہوئے نور کو
اپنے گھرے میں لیے اسٹیج تک لے گئے۔

قیصر (نور کے بابا) اور تایا جان نے اسے اسٹیج پہ
رکھے پھولوں سے سجے جمولے پہ جا بٹھایا۔ لا تعداد
موویز اور تصاویر بننے لگیں۔ نور بڑی دلکش لگ رہی

تھی۔ مہندی سے پہلے باقاعدہ ایک سچے ہوئے
کمرے میں فوٹو سیشن ہوا۔ اور نہایت بہترین
شائس لیے گئے۔ جو آج ہمارے لیے یادگار
ہیں..... بعد ازاں لڑکے لڑکیوں نے مل کر خوب
ہنگامہ مچایا۔ لڈی، ڈھولک، اور شرارتیں..... اب
بھی یاد آتی ہیں۔ مانو کی مہندی کی ایک یادگار اور
قابل ستائش بات یہ بھی ہسکس رات مانو کی سہیلی
اس کے لیے انگ سے مہندی لائی تھی جس میں
مانو کے لیے بے شمار تحائف مثلاً کپڑے، جوتے،
چوڑیاں، میک اپ، پرفیومز اور خوشبو بھرے
گلابوں کا زہور، مٹھائی اور بہت کچھ شامل تھا۔ یہ
واقعی اس بچی کی محبت اور خلوص تھا جس کے لیے
ہم شکر گزار ہیں۔

کھانے کے بعد نور کو مہندی لگائی
گئی..... باہر کا موسم اس قدر شدید سرد ہو گیا کہ
حیر سرد آندھی اور برف بستہ بارش کی بوچھاڑوں
نے اندر کے گرم ماحول میں بھی کچلی طاری کر رکھی تھی۔
چند خواتین نور کو چھیڑتے ہوئے کہنے لگیں کہ..... نور
ہمیشہ بریانی کا مسالا چاٹتی پاتی جاتی تھی۔ اسی لیے اس
کی شادی پہ بارش نے ڈیرے ڈال لیے ہیں۔

12 فروری آن پہنچا۔ میں اور قیصر تھکاوٹ کے
باوجود بھی سو نہیں پائے تھے۔ دل مٹھی میں جو تھا۔ اکلوتی

READING
Section

تھے (جنہیں بعد ازاں فوراً زمین سے چُن لیا گیا) پھر وہ..... میرے دیکھتے ہی دیکھتے..... اس آئین کو اپنی تمام تر رونقوں سے سونا کر کے چلی گئی۔

نور کے بابا نے اس کی رخصتی کے لیے بے حد شاندار ویڈیو مارکیٹنگ کروا رکھی تھی۔ جیسے کوئی رائل سا ماحول ہو..... اور اس میں ان کی بیٹی شہزادی بنی اپنے شہزادے کے ساتھ بیٹھی ہو..... نکاح کی مقدس رسم ادا کی گئی اور پھر لذیذ اور پُر تکلف کھانے کا دور چلا۔

چاند سورج کی جوڑی سنا تو تھا۔ پر دیکھ بھی لی۔ (یقیناً سارے والدین کو اپنی اولاد یونہی منفرد لگتی ہوگی)

لڑکیاں، لڑکے دودھ پلائی کی رسم میں دو، دو ہاتھ کرنے ایک دوسرے کے آنسنے سامنے آن کھڑے ہوئے۔ خوب شرارتی قسم کا بحث و مباحثہ چلا اور آخر کار ہم لڑکی والے..... لڑکے والوں سے خطیر رقم بٹورنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو بعد میں تمام بچوں میں یکساں تقسیم کر دی گئی۔ پھر آخر ان کی محنت کی کمائی جو تھی (نعیم بھائی نور کے تایا نے اپنی عادت کے مطابق کچھ نیا کیا۔ یعنی اپنی جانب سے دو لہا اور دلہن کو ہاتھ ملا کر ایک خوب صورت اور لذیذ ویڈیو کیک کٹوایا۔ تاکہ دونوں کے درمیان ایک رابطہ شروع ہو جائے۔ شام ڈھل رہی تھی۔ دور کا سفر تھا۔ بارات کو لیٹ نائٹ سے پہلے لاہور واپس جانا تھا۔ سو..... ماہ نور کو اپنے بچا کے ساتھ محبوبوں، دعاؤں اور اداسی بھری مسکراہٹوں کے جلو میں رخصت کر دیا گیا۔ اس کی گاڑی قدرے دور جا کے ٹکا ہوں سے اوجھل ہونے کی دیر تھی۔ کہ میں اور قیصر بچوں سمیت پھوٹ، پھوٹ کے رو دیے۔

اگلے روز نور کی آواز میں موجود کھنک نے ہمیں وہ اطمینان بخشا۔ جو آج بھی ہمیں سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ بتا رہی تھی۔ ”ماما! وہ سب آپ کی توقع سے بڑھ کے اچھے ہیں۔ سب نے میرا بے حد خیال رکھا اور ارسلان..... سب سے بڑھ کر ایک اچھے انسان ہیں۔“ بیٹی کے منہ سے نکلنے والے اطمینان بخش الفاظ والدین کے لیے کیا معنی رکھتے ہیں۔ یہ تو بس وہی جان

ماہنامہ پاکیزہ 266 جون 2016ء

سکتے ہیں۔ جنہیں اپنی پناہ گاہ سے اپنی نسب سے ملتی متاع حیات کے چلے جانے کا تجربہ ہوتا ہے..... جن کے دل..... اس کے اچھے مستقبل کی خبر سننے کے لیے بے قرار رہتے ہیں اور جن کی صرف ایک ہی بیٹی ہو۔ ان کا حال تو مت ہی پوچھیے۔ والدین تو بس دعا ہی کرتے رہتے ہیں۔

ویسے کی تقریب..... لاہور کے ایک شاندار ہوٹل میں مصلحہ کی گئی تھی۔ دولہا نے حسب روایت ہماری طرف کا لباس یعنی لوہیں پہن رکھا تھا۔ اور وہ ہوٹل کے لان میں، عزیز واقارب اور دوستوں کے جلو میں بذات خود ہمارا منتظر تھا۔ اس کی یہ میزبانی بہت بھائی۔ اسی روز ماہ نور کی اکلوتی تند ماہ رخ کی بھی رخصتی تھی۔ دونوں دلہنوں کو ان کے دولہا کے ساتھ، ایک ہی ہال میں دو مختلف اسٹیجوں پہ بٹھایا گیا۔ ماہ رخ سرخ کامدار لہجے میں جبکہ ماہ نور نے ارسلان کی پسند کردہ بیچ کٹر کی کامدار میکسی پہن رکھی تھی۔ اس پر بہترین اور مشہور پارلر کالائٹ سا ماڈاسکا ڈمیک اپ دونوں ہی اپسراؤں لگ رہی تھیں۔ فوٹو سیشن کے بعد پُر تکلف کھانے کا دور چلا۔ اور پھر..... تمام رشتے داروں سمیت ارسلان اور ماہ نور نے بحیثیت بڑے بھائی اور بھابی کے..... ماہ رخ کو دعاؤں کے سائے میں رخصت کیا۔ کہ وہ بن ماں کی بچی بھی تھی۔ میرے کان میں رخصتی کے وقت کہنے لگی۔ ”آئی میری ماماں ہیں آپ مجھے یاد رکھیے گا۔“ میرا دل بے تحاشا بھر آیا۔ اسے گلے لگا کے ماں کی طرح الوداع کہا۔

نور کو ہدایت کی کہ ہمیشہ اپنی اکلوتی تند کا خیال رکھنا۔ (آج وہ دونوں بیسٹ فرینڈز ہیں) آج..... نور کی شادی کو تین ماہ ہو چکے ہیں۔ آج بھی نور اور ارسلان کی شادی کی دعوتیں چل رہی ہیں اور وہ دونوں ماشاء اللہ سے بے حد خوش ہیں۔ یہ باتیں دُہرا کے میں نے جیسے اپنی تمام پاکیزہ بہنوں کو بھی ار شادی میں شامل کر لیا۔ تو دل کو بے حد سکون ملا۔

☆☆☆

باتیں بہار و خزاں کی

زندگی رات دن کی گردش ہے
کچھ خزاں کی ہے کچھ بہار کی بات

عزیز بہنوں ہم ہمیشہ ہی سے کچھ نہ کچھ نیا اور دلچسپ کرتے چلے آئے ہیں سو آج بھی ایک مختصر مگر جامع سوالنامہ حاضر خدمت ہے تاکہ آپ کی اپنی شخصیت کے بھی کچھ نہاں پہلو سب کے سامنے آئیں اور آپ کے ذاتی افکار، خیالات اور تجربات سے ہم سب بھی آگاہ ہوں اور لطف بھی اٹھائیں۔ امید ہے آپ کو یہ اچھوتا سلسلہ بہت پسند آئے گا۔
سوالات حاضر خدمت ہیں۔

- 1۔ روز و شب کے اس گزرتے گورکھ دھندے میں خواتین اپنی شخصیت کو کیسے پُر اثر بنا سکتی ہیں، آپ کا مشورہ اپنے تجربے کے حوالے سے.....
- 2۔ آپ کی زندگی کا کوئی دلچسپ قصہ، واقعہ یا لمحہ جس نے آپ کے فکر و خیال کا رخ موڑ دیا۔
- 3۔ پاکیزہ کے مختلف سلسلے کیوں پسند ہیں؟ اور آپ کون سا ایسا سلسلہ شروع کرنا چاہیں گی جو سب کو پسند بھی آئے؟

4۔ پاکیزہ مصنفات سے آپ کیا کہنا چاہتی ہیں..... کوئی دل کی بات؟

5۔ اپنے تعارف کو دو جملوں یا دو اشعار میں بیان کیجیے۔

آپ کے قیمتی خیالات کا انتظار رہے گا۔ آپ چاہیں تو اپنی تصویر بھی ارسال کر سکتی ہیں۔

سیدہ رفیعہ ابدالی..... کراچی

جواب 1: میری امی مرحومہ جنہیں مرحومہ کہتے ہوئے دل خون کے آنسو روتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے (آمین) انہوں نے اپنی زندگی میں ایک شیر خوار بچی، ایک نوجوان لڑکی اور سب سے بڑے شادی شدہ بیٹے کی اموات دیکھی اس موقع پر جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ملتی مشکل ہے، ان سانحات کے باوجود وہ بہت بذلہ سنج اور مزے، مزے کی باتیں کرنے والی تھیں جو ان سے ملنا ان کا گرویدہ ہو جاتا اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ صبر و تحمل، خوش اخلاقی وہ اعلیٰ صفات ہیں جس کو اپنا کر اپنی شخصیت کو پُر اثر بنایا جاسکتا ہے۔

2۔ ایک تپتے ہوئے گرم دن کا ذکر ہے، میں نے ظہر کی نماز پڑھی اور امی سے کہا امی، کھانا کھانے چلیں امی نے کہا میری پیٹھ میں بہت درد ہو رہا ہے، میری پیٹھ دبا دو میں پیٹھ دبانے لگی، یہ آموں کا سیزن

تھا۔ اس سیزن کے آم ابھی تک نہیں کھائے تھے، مجھے آم بے حد پسند ہیں۔ میرے ابو کو بھی آم پسند تھے اور وہ اعلیٰ قسم کے آم لاتے تھے۔ امی نے دس چندہ منٹ کے بعد کہا کہ اب بس کرو میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت پیار سے دعا کی۔ "اللہ میاں جی بے بے آم دے دو ناں....." ابھی ہم کمرے سے باہر بھی نہیں آئے تھے تو آم والے کی آواز آئی جب ہم گیٹ پر پہنچے تو آم والا کھڑا تھا، امی نے آم لیے جب ہم نے اسے کھایا تو وہ بہت ریلے اور میٹھے تھے میں نے آج تک اتنا لذیذ آم نہیں کھایا اس وقت میں نے امی سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جنت سے یہ آم بھیجا ہے امی بھی ہنسنے لگیں اور کہا کہ لگتا تو کچھ ایسا ہی ہے۔ مزے کی بات تو یہ ہے کہ آم والے کی دوبارہ آواز نہیں آئی اسی دم مجھے یہ ادراک ہوا کہ اپنا ہر حاجت، خواہش کو اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا چاہیے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

3۔ مجھے پاکیزہ میں بہنوں کی محفل بہت پسند ہے بہت اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ ”میں بہت ہنسی“ کے عنوان سے نیا سلسلہ شروع کریں جس میں قارئین، ہمیں اپنے گھروں میں ہونے والے دلچسپ واقعات تحریر کریں جسے پڑھ کر سب محفوظ ہوں۔ (اچھا خیال ہے)

4۔ میں اپنی قابل صد احترام مصنفات سے دو باتیں کرنا چاہتی ہوں پہلی یہ کہ اردو کا رسالہ ہے اس میں انگریزی کی پیوند کاری کیوں؟ میں تو خیر انتہا پریمی ہوئی ہوں کہ اٹکل بچو سے سمجھ جاتی ہوں اب صحیح یا غلط تو اللہ بہتر جانتا ہے لیکن ہماری وہ ہمیشہ جو اے بی سے واقف نہیں ان کے تو سر پر سے گزر جاتی ہوگی۔ چچی افسانوں کا سارا مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ دوسری بات جو میں کہنا چاہتی ہوں جسے لکھتے ہوئے بھی مجھے شرم آرہی ہے یہ گھروں سے بھاگنے والی لڑکیوں کے افسانے، یہ نا جائز اولادوں کے قصے یہ ہوس گیری کے واقعات، میں تو اسے پڑھتے ہوئے شرم سے پانی، پانی ہو جاتی ہوں، میں اپنی قابل صد احترام مصنفات سے یہ کہنا چاہوں گی کہ کوئی گھریلو افسانے کوئی حراجیہ قصے کوئی فصیح آموز کہانی تحریر کریں اگرچہ ہمارا میڈیا بہت آزاد ہو گیا ہے لیکن کیا ضروری ہے کہ ہماری قابل صد احترام مصنفات بھی اس میں اپنا حصہ ڈالیں، یہ پاکیزہ رسالہ ہے اسے پاکیزہ ہی رہنے دیں۔ اسے کم سن بچیاں بھی تو پڑھتی ہیں ناں.....!

5۔ اپنا تعارف دو جملوں یا دو اشعار میں حیرت ہے بھی اس کے لیے دو صفحات بھی کم ہیں بہر حال آپ کا حکم سر آٹھنوں پر.....

کروں کیوں کسی کی خوشامد کہ میں کسی بے خوشامد کراتی نہیں ادب اور چیز ہے خوشامد ہے اور ادب سے تو جی چراتی نہیں خوشامد کا فن مجھ کو آتا نہیں

1۔ سب سے پہلے تو بہت شکریہ کہ قارئین کو بھی آپ نے ان صفحات میں شامل کیا یعنی ان کے خیالات بھی تو مصنفات تک پہنچیں ناں..... آج کل کے اس پُر آشوب زمانے میں خواتین ترقی کی راہ میں سب سے آگے، آگے ہیں مگر پھر یہ بھی سننے کو ملتا ہے کہ گھر اور بچے نظر انداز ہو رہے ہیں۔ سسرالی رشتے داریاں بھانے کا وقت نہیں..... میں بھی ایک اسکول ٹیچر ہوں، میرے خیال میں وقت کا درست استعمال کر کے ہم تمام کام نمٹا سکتے ہیں اس طرح ہماری شخصیت بھی پُر اثر رہے گی اور دوسرے بھی خوش ہوں گے..... میرا تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنے کام میں اخلاص پیدا کریں اپنی طرف سے کام ایمانداری سے کریں اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دیں..... انشاء اللہ سب کچھ بہتر ہوگا۔

2۔ جی ہاں..... میں اسکول میں پڑھاتی ہوں تو ایک بچی جو چھٹی کلاس میں تھی مجھے بہت اچھی لگتی تھی اس لیے کہ وہ بہت تابعدار اور لائق بچی تھی، وہ اسی کلاس میں داخل ہوئی تھی ایک روز میں نے دیکھا وہ رو رہی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو بولی آج میرے ابا نے میری امی کو صبح صبح بہت مارا۔ امی کے چوٹ لگی تھی تو انہوں نے لُج بھی نہیں دیا۔ میرے تو ہوش اڑ گئے۔ بہت افسوس ہوا۔ میں اسے لیے اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی ابھی کچھ دور ہی گئے تھے کہ وہ بولی مس آپ گھر تک نہ جائیں ابا نے دیکھ لیا تو ناراض ہوں گے۔ اس کا گھر نزدیک تھا میں وہیں سے اپنے راستے مڑ گئی۔ ابھی گھر پہنچی ہی تھی کہ کچھ دیر بعد وہی بچی ایک آدمی کے ساتھ چلی آ رہی تھی۔ پتا چلا وہ اس کا باپ تھا۔ بچی نے آکر سارا قصہ کچھ یوں بتایا کہ اس نے باپ سے بتا دیا تھا کہ میں نے آپ کی شکایت اپنی ٹیچر سے کر دی ہے، وہ شخص اب مجھ سے معافی مانگنے آیا تھا کہ بچی کی بات نے اس کے دل پر بہت اثر ہوا تھا پھر میں نے محسوس کیا کہ بچی کافی خوش رہنے لگی ہے۔ اس قصے نے میرے خیال کا رخ تو کیا موڑا ہوگا اس بچی کی کیفیت سے مجھے کافی اطمینان

ہو گیا تھا کہ وقت پر اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اس سے بڑھ کر کوئی بات نہیں ہوتی۔

3۔ پاکیزہ ایک مکمل گھریلو اور اصلاحی رسالہ ہے۔ اس میں شامل کہانیاں مختلف طبقوں کی نمائندگی کرتی ہیں یوں ہمیں کافی باتوں سے آگاہی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلامی مضامین تو بہت اچھے ہیں۔ اور کبھی، کبھی مزاحیہ کہانیاں بھی اچھی لگتی ہیں۔ ایک بات کہنا چاہوں گی کہ اچھے اور بڑے، بڑے شاعروں کے کلام بھی دیا کریں جیسے پہلے میرا انتخاب تھا یا لازوال شاعری کے عنوان سے..... میں تو ایک کارنر ادبی لطیفوں کا بھی شروع کرنا چاہوں گی۔

4۔ تمام پاکیزہ معنقات بہت اچھی ہیں، اچھا لکھ رہی ہیں کبھی کبھی بیکار کی تفصیل بھی شامل ہو جاتی ہے جس کا کہانی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر چھوٹی کہانیوں میں کبھی، کبھی بڑی سے بڑی بات بھی کہی جاتی ہے۔

5۔ اپنا تعارف تو کیا بتاؤں کہ.....

ہوں تو میں نازک اندام
پر کام کروں صبح شام
حیری میری بے جا شکاوتوں سے
بچتی ہوں ہر آن ہر کام
منیزہ نعیم..... راول پنڈی:

1۔ پچھلا شخصیت کیسے بنتی ہے وہ بھی آپنی جان
انجم انصار اور عذرار رسول کو دیکھ کر اور پاکیزہ پڑھ کر
پچھلا شخصیت بنانا کون سا مشکل ہے جناب ہماری پیاری
رائز زندگی کا ہر پہلو تو اجاگر کرتی ہیں وہ علیحدہ بات
ہے کہ ایک کان سے سنو دوسرے سے اڑا دو.....
تعلیم اپنی جگہ سکھڑا اپنی جگہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ
باادب ہمارا بے ادب بے مراد بھی سیدھی سی بات
ہے کہ اگر ان سب چیزوں کے ساتھ منساری اور
دوسروں کی عزت کرنے کا جذبہ آپ میں نہیں ہے تو ہر
چیز زبرد..... سکھڑا بھی اور تعلیم بھی..... پہلے دور تھے

کہ بچے بڑے بزرگوں کا احترام کرتے تھے جو کہ آج
کل کم نظر آتا ہے آج کل بچوں سے بات کرو تو ان کی
تمام توجہ موبائل پر ہوتی ہے پھر ایک دم سے کہہ
دیں گے جی جی چاہے بات سمجھ آئے یا نہ آئے آخر اس
دور کے بچے اتنے ذہین تو ہیں ظاہر نہیں کرتے کہ سنی ان
سنی کی ہے۔ شخصیت پڑاثر بناتی ہے تو دوسروں کی عزت
کرنا سیکھیں۔

2۔ دکھ بھرا واقعہ..... جب میرے شوہر نعیم رضا کو
پہاٹائش سی ہوا ہمارے حالات خراب ہوئے۔
میں نماز زیادہ نہیں پڑھتی تھی پھر پانچ وقت نماز اور
دعاؤں سے ہمارے حالات بدلے پھر یہ سمجھ آیا کہ ملتا
ہے کیا نماز میں سجدے میں جا کے دیکھ سچان اللہ جب
ہر رشتے نے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ سے ڈائریکٹ رابطہ
ہوا تو اب ہم ہر دکھ اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں اور
کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے ہاتھوں کسی کی دل
آزاری نہ ہو، ہم کوشش کرتے ہیں کہ اپنے رب کو
راضی کریں۔ میرا رب بھی جب راضی ہے جب
میرے اللہ کے بندے ہم سے راضی ہوں۔ باقی اللہ
کے ہاتھ ہے۔

3۔ پاکیزہ کے تمام سلسلے پسند ہیں بغیر کسی
مناقضت کے لکھ رہی ہوں کہ تمام سلسلے پاکیزہ، پاکیزہ
مطر، معطر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے سے وابستہ ہر
بندے اور بندی کو اپنی رحمت کے سائے
میں رکھے۔ (آمین)

4۔ پاکیزہ معنقات سے کیا کہیں یہ پیاری سی
حساس سی رائز ہمیں معاشرے کی ہر اچھائی اور برائی
سے آگاہ رکھتی ہیں۔ اللہ کرے زور قلم اور زبانیہ.....
5۔ ہمارا تعارف، تعریف اس خدا کی جس نے
ہمیں بنایا۔ (آہم)

سوچوں کا تھا ہجوم اور تنہا کھڑی تھی میں
مجھ پر ہی میری سوچ کی دیوار گر پڑی

☆☆☆



بہنوں کی محفل

مدیر

☆ عزیز از جان، بہنوا! السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ!.....
☆ حمد و ستائش اس ذات کے لیے جس نے کارخانہ عالم کو جو جو بخشا اور درود و سلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جنہوں نے دنیا میں حق کا پول بالا کیا..... اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش رکھے اور اپنے خزانہ غیب سے وہ سب کچھ عطا فرمائے جو آپ کے حق میں بہتر ہو..... یا اٹھی دونوں جہاں میں ازل سے ابد تک سب کی خیر ہو اور تو ہم سے ہمیشہ راضی رہے..... اٹھی آمین۔

☆☆☆

☆ عیاری بہنوا! موسم گرما کی تعطیلات کہیں شروع ہو گئی ہیں اور کہیں شروع ہونے والی ہیں..... ہمیشہ کی طرح میں وہی پرانی بات دہراؤں گی کہ ان چشموں کو سوکر، ٹی وی دیکھ کر یا سیر سپاٹے میں مت گزاریں گے..... چھوٹی بچیوں کو سلا دی وٹس سیٹ کرنا، بھیل سیٹ کرنا، اپنے کپڑے تہہ کر کے اُن کو لٹکے پر رکھنا اور اپنا کمر اور الماری خود صاف کرنا سکھائیں..... اور بڑی بچیوں کو جو آٹھویں سے میٹرک تک کی طالبات ہیں انہیں گوشت کے دو پکوان، دو سبزیاں اور دو ٹھٹھے لازمی سکھائیں۔ اللہ ہماری سب بچیوں کا نصیب بہت اچھا کرے کہ انہیں اپنی عملی زندگی میں کوئی کام بھی نہ کرنا پڑے..... مگر جب تک انہیں کام کرنا نہیں آئے گا..... تو وہ ملازمین سے بھی نہیں کروا سکیں گی۔

کالج اور یونیورسٹی میں پڑھنے والی بچیوں سے آپ اپنے گھر کا بجٹ بتوائیں بلکہ اُن سے کہیں کہ اس ماہ گھر کا سارا انتظام تم نے ہی سنبھالنا ہے اور اپنا سارا حساب کتاب ایک کاپی پر لکھنا ہے تاکہ تمہیں معلوم رہے کہ پیسے کس کس زیادہ خرچ ہوئے اور کس میں کم..... اس سے لڑکیوں میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور ان کی عملی زندگی میں انہیں آسانی رہے گی۔ اور سب ایک اور پرانی بات دہراؤں گی..... رمضان سے پہلے، پہلے اپنی الماریوں کے ساتھ، ساتھ بڑے صندوق کو بھی ہلکا کر لیجیے..... وہ کپڑے جو ہم استعمال نہیں کرتے اور وہ جو تے کے ذخیر، بیگز وغیرہ جو بڑے سوکر رہے ہیں..... اگر کسی کے استعمال میں آجائیں تو ہمیں بھی دلی طمانیت ہوا کرتی ہے ناں..... (تو چلو آج ہی یہ کام کرتے ہیں)

☆ آئیے اب سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے پہلے صرف ایک بار درود پڑھا لیتی پڑھتے ہیں جو ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے اور اس کے بعد صرف تین ہزار آیت کریمہ پڑھ کر اپنے لیے، اپنے ملک کے لیے اور عالم اسلام کی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے ضرور دعا مانگیں۔

مصنفات، شاعرات اور قارئین پاکیزہ بہنوں کی تازہ بہ تازہ سرگرمیاں

☆ گزشتہ دنوں مصنفہ اور ریلوے پریس سیمار خاں نے اپنی رہائش گاہ پر مصنفات کے اعزاز میں ایک سنجے دیا جس میں محترمہ عذرا رسول، نیلو فرحاسی، عظیم کاظمی، نعت خواں سارہ، عشرت، شگفتہ شفیق، ہمایک، سیمائیف، عقیلہ حق، منزہ سہام مرزا، راجیلہ فردوس، خیرین حبیب خیر، رخ چوہدری، ناہید چوہدری، رضوانہ پرنس وغیرہ شریک تھیں۔ اس تقریب میں نیلو فرحاسی نے اپنی کتاب میں سے اقتباس پڑھ کر سنایا۔ ہم نے جلتیج کا خاکہ پڑھا..... اور سارہ اور شگفتہ شفیق نے اپنی نعتوں اور غزلوں سے ایک ساں ہاندہ دیا..... ماشاء اللہ! خیرین حبیب نے بھی اپنی شاعری سنائی۔

☆ آئندہ، فکس اور سمندر نام ہے ایک ناول کا جو ایک ماہنامے میں قسط وار شائع ہوتا رہے۔ اب 512 صفحات پر مشتمل یہ ایک ضخیم ناول کی صورت شائع ہوا ہے جس میں بڑی عمدگی سے ایک محبت کی کہانی معاشرتی مسائل کو حل کرتی ہوئی رواں دواں ہے۔ طرز فکر پر دلچسپ ہے، خصوصاً عقیلہ حق کے مکالمے جاندار ہیں، کتاب کا انتساب ان تمام لوگوں کے نام ہے جن کے بدحواسی نے انہیں لکھنا سکھایا۔ کتاب کی قیمت صرف پانچ سو روپے ہے جسے آپ اس ایڈریس سے حاصل کر سکتے ہیں۔ الحمد بلی کیشنز، کراچی M-35 الفردوس پرائیڈ بلاک 2 گلشن اقبال کراچی، فون نمبر 0322.2830957 (عقیلہ حق بے حد مبارک باد)

ماہنامہ پاکیزہ 270 جون 2016ء

Section

☆ بھی فردوس احمد کا دوسرا ناول دل و یاد درو لیا ایک پرجوش کہانی ہے، طرزِ تحریر حرے کا ہے، ابھی تمہیں الما نے بھی لکھنے چاہئیں۔ کرداروں پر تمہاری گرفت مضبوط ہے۔ پکی ایڈ کا یہ ناول اپنی جگہ ضرور بنائے گا۔ کتاب کی قیمت صرف چار سو روپے ہے۔ کتاب منگوانے کا ایڈریس یہ ہے۔ دعا بلی کیشنز الحمد للہ مارکیٹ اردو بازار، لاہور فون۔ 042.7233585

☆ منجلی آفاق سعید کی کتاب ذرا سا کھوم لوں میں تین ملکوں کا دلچسپ سفر نامہ ہے۔ جس کا انتساب ہمارے نام ہے۔ کتاب کے قلیپ پر محترمہ عذرا رسول، عامرہ شاہد اور دیگر مصنفات کی رائے شائع کی گئی ہے۔ کتاب کی قیمت صرف تین سو روپے ہے، کراچی میں یہ کتاب دیکم بک پورٹ اردو بازار سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ لاہور اور دیگر شہروں کے قارئین کتاب کے پبلشر محمد علی قریشی سے لاہور پران کے فون نمبر پر رابطہ کر کے کتاب بذریعہ دی پی بھی منگوا سکتے ہیں۔ فون نمبر یہ ہیں۔ 04237652546..04237668959

دعائے صحت کے لیے التماس ہے

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز شیخ، کراچی بیمار ہیں۔
☆ عابدہ پروین، راول پنڈی ان دنوں شدید غل ہیں۔
☆ پاکیزہ کی مستقل قاری مسز شہلا ظفر، کراچی بے حد بیمار ہیں۔
☆ ڈاکٹر میمونہ غوری، کراچی ہنوز بستری عیال پر ہیں۔
☆ شاعرہ، مصنفہ خالدہ نسیم، لندن کا بیٹا ناصر احمد بیمار ہے۔
☆ ہماری شاعرہ اور مستقل تجربہ نگارینہ عندلیب، سلاوا کی کو بھی آپ کی دعاؤں کی شدید ضرورت ہے۔
☆ عذرا بی بی، راول پنڈی کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے

انتقالِ پڑھال

☆ پاکیزہ کی مستقل قاری امیر مسرت کے شوہر مسرت حسین خاں ادبی میں انتقال کر گئے۔
☆ صائمہ سجاد گل، کوہاٹ کے چچا ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔
☆ اس ماہ رقیہ بیجا، کراچی کی بری ہے۔
☆ اس ماہ پاکیزہ کی مستقل تجربہ نگار نشاط فاطمہ، کراچی کی بری ہے۔
نوٹ: تمام مرحومین کی منظر کی دعا کے ساتھ صرف تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھ کر ان کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کریں۔

☆☆☆

☆ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی سے۔ "بہنوں کی محفل میں بہن پروین چوہدری، لاہور کا غلط پڑھا، جن کے گھر میں کیڑے ہر طرف ہیں اور کسی صورت ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے۔ میں نے ان کے لیے دعا کی ہے مگر میں ان سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میں نہ تو عالمہ ہوں اور نہ ہی ملتی اس لیے آپ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے اپنے ہی مسلک کے کسی ملتی سے رابطہ کریں اور وہ جو بتائیں اس پر عمل کریں کہ یہ مسئلہ مجھے کوئی عام مسئلہ نہیں معلوم ہو رہا۔ مگر بہنوں کے خطوط بھی مجھے ملے ہیں اور بہت سی بخشش فون پر انجم انصار سے رابطہ کر رہی ہیں اور دعا کے لیے کہہ رہی ہیں۔ بیماری بہنوں آپ سب کے لیے پاکیزہ پڑھنے والے تمام قارئین کے لیے بھی میں دعا کرتی ہوں۔ میں سب کے لیے دعا کرتی ہوں اور دعا آپ سب کو بھی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی تمام بیماریاں اور پریشانیاں دور فرمائے۔۔۔۔ اور ہم پر ہمیشہ اللہ کا رحم، کرم اور فضل جاری رہے، آمین۔" (آپ کی رائے پہنچانی جارہی ہے)

☆ پروفیسر شیریں سلیم، لاہور سے۔ "انجم آپ نے ہمیں یاد کیا اور ہم حاضر ہو گئے بلکہ مجھے بے شمار فوٹو اپنے دوستوں کے آئے کہ آپ کو پاکیزہ میں یاد کیا جا رہا ہے۔ ماشاء اللہ پاکیزہ بہت اچھا چارہ ہے۔ سالگرہ کے دنوں نمبر بہترین رہے۔۔۔۔۔ سب ناول پڑھ کر حیرت آ رہا ہے اور کم شدہ محبت کو پڑھ کر بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔۔۔۔۔ اس ماہ عقیلہ حق کا انٹرویو بھی بھر پور رہا۔ ان کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ دوشمن بلال کے ناول کی قسط میں کپڑوں کی تفصیل کچھ زیادہ ہی ہوئی۔ مصنفات کو ہر بات اتنی لمبی تمہید کے ساتھ پیش نہیں کرنی چاہیے۔ بہنوں کی محفل فرسٹ کلاس، روحانی مشورے اور شمع ہدایت

پڑھ کر بھی اچھا لگا۔“ (تبرے کا شکر یہ)

یہ طلعت حبیب، راول پنڈی سے۔ ”پہلی مرتبہ رابطہ کر رہی ہوں۔ پاکیزہ مجھے سارے کا سارا ہی پسند ہے مگر سب سے زیادہ پسند یہ سلسلہ جلتنگ ہے۔ ذکیہ بکرا کی تحریریں ہمیشہ سے پسند ہیں۔ عقلی آفاق کا طرز تحریر بہت چلبلا سا ہے مگر اس میں بے ساختگی ہے اور وہ لگی پٹی بغیر کہنے کی عادی ہیں ایسی تحریریں جس میں خود نمائی نہ ہو وہ سب کو اچھی لگا کرتی ہیں۔“ (شکر یہ اس بزم میں خوش آمدید)

یہ سمیرا حمید فاروق، کراچی سے۔ ”آپ کا ادارہ پڑھا، ہمیشہ کی طرح بہت اچھے انداز میں آپ نے بات سمجھائی ہے مگر اس کے باوجود میں آپ کی ہم خیال نہیں ہوں، میں بچوں کو ہر بات بتانے کے حق میں نہیں ہوں۔ سارے ناول پڑھے سب اچھے ہیں مگر ماشاء اللہ آپ کی کم شدہ محبت سو پر رہی۔ ثریا انجم کا پیغام اچھا تھا مگر بات کو بے وجہ طول دیا گیا۔۔۔۔۔ رفاقت جاوید کا معما۔۔۔۔۔ معما ہی رہا، عقلی ہوئی آخری سطر میں کہانی واضح ہوئی۔ اس مرتبہ سب سے شاندار تحریر شیریں حیدر کی اور پھر اس کے بعد فرحین اختر کی رہی۔ مدیحہ شاہد کی تحریر پڑھ کر بھی عقلی رہی۔ (یہ مدیحہ کے ناول کی پہلی قسط تھی ان کے ناولٹ کے اختتام پر جاری ہے لکھنا رہ گیا تھا اس وجہ سے آپ کو ایسا لگا) سارے مستقل سلسلے، سروے سب اچھے تھے۔۔۔۔۔ عقلی حق کا بھی انٹرویو پڑھا بس ٹھیک ہی لگا اب تک شائع ہونے والے تمام انٹرویوز میں سب سے اچھا انٹرویو شیریں حیدر کا رہا۔۔۔۔۔“ (تبرے کا شکر یہ۔۔۔۔۔ عقلی حق نے اپنے انٹرویو میں تمام تر معلومات دی ہیں۔ بلکہ بڑا بھرپور انٹرویو ہے ان کا۔۔۔۔۔ رفاقت جاوید کا معما تو کھل گیا تھا تو پھر آپ کو کیوں عقلی رہی۔۔۔۔۔ دیگر تحریروں کو پسند کرنے کا شکر یہ)

یہ شاہدہ رحمان، راول پنڈی سے۔ ”انجم باجی میں آپ کی جہم بھوی اور آپ کے پسندیدہ شہر راول پنڈی کی رہنے والی ہوں۔ افسانے لکھتی ہوں جو کسی رسالے میں تو نہیں شائع ہوئے مگر اب بہت جلد کتابی صورت میں آنے والے ہیں۔ اگر آپ کی رائے میں خود لکھ کر اپنی کتاب میں شائع کر لوں تو کوئی حرج تو نہیں ہوگا۔ ویسے بھی رائے دینے والے تحریر کی تعریف ہی کیا کرتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ مجھے نہیں جانتیں۔۔۔۔۔ مگر میں تو آپ کو جانتی ہوں۔“ (بیاری بہن آپ اپنی کتاب میں میری جانب سے چھوٹ چاہے لکھ لیں۔ بلکہ خوب ساری تعریضیں لکھ لیں۔ اور آپ خوش رہیں)

یہ انجم مشیر، کراچی سے۔ ”میگزین کھولتے ہی جس چیز پر نظر پڑتی ہے وہ ہے مجھے کچھ کہنا ہے۔ فصاحت وہی جو دل میں اتر جائے نہ کہ دل سے گزر جائے بہت خوب۔۔۔۔۔ ابریل، مارچ دونوں شمارے خوب رہے۔ ڈاکٹر ذکیہ بکرا کی یادوں کی مالا میں قدوائی ٹیلی کا ذکر سن کر امی کو اپنے خالہ زاد چیل قدوائی سابقہ ایسڈ ر، مصنف، شاعر کی یاد تازہ ہوگئی حق مغفرت کرے جب آزاد مرد تھا بہت دل آویز یادیں ہیں۔ تجھت سیما کا احتیاط و قاب اختتام کی طرف کا مزن لگتا ہے ساتھ ہی انجمنی مٹھیاں بھی سلجھ رہی ہیں۔ فہیم فضل خالق کا یار غار بس ٹھیک ہی رہا، تاجہ فہیم کا ناولٹ اپنے خوب صورت انجام کو پہنچا۔ اور بھی اب ذکر ہے انجم انصار کے ناول کم شدہ محبت کا کبھی بات ہے بڑی خوب صورت تحریر ہے شروع تا آخر پوریت کا دخل نہیں ہے بلکہ اپنا بے فکر کا زمانہ یاد آتا ہے۔ زبردست انجم دیر آید درست آید۔۔۔۔۔ مصنفہ افسر سلطانہ سے ملاقات خوب رہی مگر خوب تر انٹرویو تو شیریں حیدر کا کہ جنہیں ان کی پختہ تحریروں کی بنا پر ایک عمر دراز اور تجربہ کار خاتون سمجھتے تھے مگر وہ تو اپنی تحریروں کی طرح خوب صورت اور صاف گو لکھیں بہت اچھے۔۔۔۔۔ بدگمانی آنے میں تنگ رہا، اے عشق ترے ہیں کھیل عجب، دو تون بلال اچھا ناول ہے مگر۔۔۔۔۔ عقلی حق کا سودوریاں ہمیشہ کی طرح اچھی تحریر۔۔۔۔۔ آج کل نزہت اصغر بہت محنت کر رہی ہیں۔ ہر ماہ ایک رائٹر کا انٹرویو، محی الدین نواب کا مضمون بھی معلومات میں اضافہ رہا۔ عقلی آفاق کا سفر نامہ ذرا سا گھوم لوں گی عذرار رسول کے ہاتھوں رونما کی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔۔۔۔۔ عذرار اور آپ سب ہی تصویروں میں بہت اچھے لگ رہے ہیں۔ جلتنگ کی کیا بات ہے اور بہنوں کی محفل تو ہے ہی اپنی تو پھر کیوں نہ زبردست لگے۔ اس کی خوب صورتی بڑھتی ہی جا رہی ہے اس پر اختر شجاعت کی ایمان افروختہ تیں۔“ (بھرپور پسندیدگی کے لیے ممنون ہوں)

یہ صائمہ سجاد بخش، کوہاٹ سے۔ ”بہنوں کی محفل میں ایک بہن نے خط میں لکھا ہے کہ ہمارے گھر میں کیز لگا ہے سب کھا جاتے ہیں ان سے کہیں کہ انہوں نے پا ان کے گھر والوں میں سے کسی نے کسی کا نا جاننا حق تو نصب نہیں کیا۔۔۔۔۔ ناحق کسی کی زمین تو نہیں لی کسی کی بددعا یا آہ تو بچھا نہیں کر رہی ہے؟ اگر ایسا ہے تو معافی مانگ لیں لیکن کسی کی بددعا نہ لیں۔ بہت

چھوٹے، چھوٹے واقعات زندگیوں میں طوفان بن کر آ جاتے ہیں، انسان خطا کا پتلا ہے اگر بڑوں نے غلطیاں کی ہوں تو وہ بھی، کبھی اولاد کے لیے آزمائش بن جاتی ہے۔ اللہ کسی کو بھی آزمائش میں نہ ڈالے۔“ (آپ کی رائے پہنچانی جا رہی ہے)۔
 بھ پروین افضل شاہین، بہاول نگر سے۔ ”آپ کا ادارہ بچوں کو خود اعتمادی کی تحریک دے رہا تھا۔ دین کی باتیں اور یادوں کی مالا پڑھ کر اپنی روح کو سرشار کیا۔ چاروں سطریں دارنا دل کے ساتھ، ساتھ بھائیں، شہنشاہی پھوار، گھڑی کی ٹنگ، بنگ، چندا کا شیر، معما، محبت قانع عالم بہت ہی پسند آئے۔۔۔۔۔ خصوصی مضامین میں شمع ہدایت، وہ آئے بزم میں، میری ماں، پڑ بھار، تقریب پسند آئے۔ سہ ماہی سال میں دو، تین مرتبہ اپنی ہونہار بیٹی حورین فیصل کے بارے میں خوش خبریاں ضرور دیتی ہیں ہمیں بہت ہی اچھا لگتا ہے۔ سزگہت غفار کا شکریہ کہ انہیں میری نگارشات پسند آتی ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ ہماری پیاری، پیاری لاڈلی بہنوں فریدہ جاوید فری اور امینہ عنایب کو مکمل صحت دے، آمین۔ میری طرف سے تمام پاکیزہ بہنوں کو رمضان کی مبارک باد قبول ہو۔“ (آپ کو بھی قبول ہو)

بھ گل شاہین، رحیم یار خان سے۔ ”محترمہ ذکیہ آئی نے بہت خوب صورتی، تسلسل اور جانفشانی سے یہ مالا پروٹی ہے ان کی غیر معمولی ذہانت، عبادت اور ریاضت کو پڑھ کر رشک آتا ہے۔ اللہ پاک نے ان پر اپنے کلام اور اپنی عبادت کے لیے خصوصی کرم نوازی کی ہے۔ اللہ پاک ان کو محبت و سندرتی کے ساتھ بھی عمر عطا فرمائے، آمین۔ اعتبار وفا کی اس قسط میں پتا چلا کہ رواجہ پروفیسر صاحب کا بیٹا نہیں اور عظام بھی لگتا ہے شریات کا بیٹا نہیں ہے۔ محبت سیمابہت کمال سے ماضی اور حال کو ساتھ لے کر چل رہی ہیں۔ باپ نوید سب کی تباہی کا ڈرتے دار ہے۔ آپ کے ناول کم شدہ محبت کی چھٹی قسط پر ہی ناول اب دلچسپ ہوتا جا رہا ہے۔ صبا کی مگنی ہو چکی تھی لیکن ندیم خان ہی صبا کے لیے موزوں ہے۔ شاید مستقبل قریب میں عامر کی انٹری ہو جائے۔ محترمہ شیریں حیدر کا چھدا کا شیر پڑھا۔ غریب اپنے خوابوں کی تعبیر کیوں نہیں پاسکتے۔ کیا تھا اگر شیریں اس کو اپنی دلہن بنا لیتا۔۔۔۔۔ بہر حال یہ حقیقت ہے۔ محترمہ رفاقت جاوید کا معما۔۔۔۔۔ بھی قابل توجہ ہے۔ موبائل اور انٹرنیٹ نئی نسل کو تیزی سے تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں اگرچہ یہ انفارمیشن کا ذریعہ ہے مگر ہر انفارمیشن کا ایک مناسب وقت ہوتا ہے زندگی کے کسی بھی معاملے میں قبل از وقت آگاہی نئی اثرات مرتب کرتی ہے۔ ویسے میں تو پرستی طور پر انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے خلاف ہوں۔ شینگل نے لیبر ڈے کے حوالے سے اچھا لکھا۔ اس بار خصوصی مضامین زبردست رہے۔ شائستہ ذریں کا سروے خوب رہا۔ عظمیٰ آفاق نے میری ماں کے حوالے سے مصنفات کی رائے کو خوب صورت انداز میں ترتیب دیا۔ درخ جوہری نے پڑ بھار تقریب کو دلچسپ انداز میں پیش کیا۔ تصاویر بھی اچھی ہیں سب کی۔ اختر شجاعت کا شمع ہدایت کی تعریف کا محتاج نہیں الحمد للہ بہت کچھ سیکھنے کو مل رہا ہے۔“ (تجربے کا شکریہ)

بھ عظمیٰ خورشید، لاہور سے۔ ”طبیعت خرابی کی وجہ سے بہت عرصے بعد اس محفل میں شامل ہو رہی ہوں۔ پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی رہتی ہوں۔ اس میں سرفہرست جلتزم تھا۔۔۔۔۔ دراصل اپنی ٹینشن ختم کرنے کے لیے ہلکی پھلکی تحریریں کسی ٹاک سے کم نہیں ہوا کرتیں۔۔۔۔۔ اس مرتبہ رائٹرز کی تقاریب کا احوال پڑھا، تصویر صرف دو ہی لگیں۔ تو وہ بھی دھندلی، دھندلی سی مگر سب کو دیکھ کر بہت اچھا لگا۔۔۔۔۔ تمہارے ناول کے بارے میں انہیں رائے دوں گی۔۔۔۔۔ اس ماہ کے روحانی مشورے بہت اچھے تھے۔۔۔۔۔ میں تو فوٹو اسٹیٹ کروا کے آگے دیا کرتی ہوں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی یادوں کی مالا بہت ہی اچھی ہے۔ باقی تحریریں میں آہستہ آہستہ پڑھ رہی ہوں۔“ (پیاری بہن عظمیٰ اللہ تعالیٰ تمہیں کلی صحت عطا فرمائے، آمین۔ اب پہلے کی طرح قانع مت ہو جانا۔۔۔۔۔ تمہاری کمی بہت محسوس ہوتی ہے)

بھ تمینہ وحید، پنجاب سے۔ ”بہت دنوں کے بعد اس محفل میں آئی ہوں۔ مجھے تو کوئی یاد ہی نہیں کرتا، اس دفعہ کے ناولز بہترین رہے پڑھ کر سوا دا گیا۔ فرحین انظر نے اچھا لکھا۔ باجرہ رحمان کی ہلکی پھلکی ہی تحریر پسند آئی۔ خصوصی مضامین بے حد سوئٹ رہے۔ ذکیہ بلگرامی، اختر شجاعت، درخ جوہری، عظمیٰ آفاق اور نزہت اصغر نے بہت اچھا لکھا مگر حقیقت حق کی تصویریں کم تھیں۔ ہم اپنی رائٹرز کی بہت سی تصویریں دیکھنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ اور انہوں نے اپنے بارے میں کم بتایا۔ ہمیں ان کے کورسز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی (پیاری تمینہ پسندیدگی کا شکریہ۔۔۔۔۔ ہماری رائٹرز کے ساتھ ایک مسئلہ ہے کہ اگر وہ اپنے بارے میں کچھ بتائیں تو آپ کو دلچسپی نہیں اور کچھ نہ بتائیں تو آپ کو مزید تفصیلات چاہئیں۔ انٹرویو کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ

رائٹر اپنے بارے میں الف سے لے کر بے تک ہر بات آپ سے شیئر کرے..... ہاں رہی بات تصویروں کی کمی کی تو وہ آئندہ کسی موقع پر شائع کر دی جائیں گی)

بھ سدرہ، فیصل آباد سے۔ ”مٹی کی بہنوں کی محفل میں اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی..... سب سے پہلے ذکر آئی کو سلام، عذرا آئی کو سلام، خطلی آفاق اور سب بہنوں کو میرا سلام پہنچا دیں اور ان سب سے یہ ضرور کہنا ہے کہ وہ میرے لیے اولاد و نرینہ کی دعا ضرور کریں..... سلسلے وار ناول سب بہت اچھے لگے۔ رخ چو بدری نے پُر بہار تقریب کے بارے میں اچھا لکھا۔ میری ماں کے بارے میں مصنفات کی باتیں دل کو چھو گئیں۔ حقیقہ حق آپ تو بہت خوب صورت ہیں آپ کا انٹرویو بہت پسند آیا ہے۔“ (حقیقہ حق شکریہ کہہ رہی ہیں)

بھ ناویہ عثمان، جہلم سے۔ ”پاکیزہ کا سالگرہ نمبر پڑھا، آپ ہر سال ہی ہم سے جدا ہو جانے والی مصنفات شاعرات اور تجرہ نگار پاکیزہ بہنوں کا اتنی محبت سے ذکر کیا کرتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ پاکیزہ کے کسی شمارے میں ہماری مرحومین مصنفات کی تصاویر بھی لگائی جائیں۔“ (اس محفل میں خوش آمدید..... آپ کی یہ تجویز تو بہت اچھی ہے۔ ہم بہت جلد اپنی جدا ہونے والی مصنفات کی تصاویر ایک یا دو گارنمبر میں ضرور شائع کریں گے)

بھ سلسلی غزل، کراچی سے۔ ”یادوں کی مالا، شمع ہدایت اور بہنوں کی محفل سب سے پہلے پڑھی جاتی ہے ہاتی کا نمبر بعد میں آتا ہے۔ سلسلے وار کہانیاں میں صرف آپ کی پڑھ رہی ہوں کیونکہ میں پاکستان میں تھی اور آپ کی کہانی حال ہی میں شروع ہوئی ہے۔ حرہ آرہا ہے مگر اس مرحلہ فرحین انظہار کی ٹھٹھی پھوڑا سب پر بازی لے گئی اندازہ کیا خوب صورت اور موضوع بھی لا جواب..... انہوں نے ثابت کر دیا کہ ماں تو صرف ماں ہوتی ہے نہ سوتیلی نہ سگی..... اور یہ کہادت بھی فی زمانہ غلط ہو گئی کہ اپنا مارے تو بچاؤں میں ڈالتا ہے جب بندہ مر رہا تو دھوپ میں ڈال دیا بچاؤں میں کیا فرق پڑتا ہے۔ دیکھا جائے تو ثریا انجم کی پچاس بھی لکھنے کی حد تک بہت اچھی ہے یعنی تحریری طور پر لیکن مجھے راجہ نیکس کی قربانی بالکل بھی اچھی نہیں لگی کیونکہ حدیث ہے کہ بیوہ کی نور اشادی کی جائے اور وہ بھی کم عمر جوان بیوہ..... پڑھنے میں تو کہانی اچھی لگی لیکن حقیقت سے بہت دور کم از کم اس زمانے میں تو زندہ بیوہیں یعنی شادی شدہ اس طرح کی قربانی نہیں دیتیں بھلا بیوہ کو سسرال کی کیا پڑی ہے جس کے دم سے سسرال..... جب وہ ہی نہیں رہا تو کیسا سسرال..... دین کی باتیں بہت اچھی لگتی ہیں اور میں کافی پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتی ہوں میں خود چونکہ گفتگوں کے درد کا شکار ہوں اس لیے بہنوں کے لیے کچھ نہیں..... شکر الحمد للہ تقریباً چھ ماہ سے کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہی ہوں ورنہ 2012ء سے کرسی پر پڑھ رہی تھی۔ دودھ میں پسلی ہلدی 1/2 چمچ۔ پسلی کالی مرچ 1/4 چمچ۔ پسلی دار چینی 1/2 چمچ اور ایک رائس اسپون ناریل کا تیل اچھی طرح ملا کر پی لیں۔ روزانہ ایلو ویرا کا گودا ایک اچھ کا ٹکڑا صبح سویرے کھائیں بخیر چمکے۔ سات مرتبہ سورۃ بقرہ کی آخری آیات اثن الرسول سے آخر تک پڑھ کر پورے جسم پر دم کریں، ہر نماز کے بعد سات مرتبہ الحمد شریف پڑھ کر دم کریں اللہ فضل کرے گا انشاء اللہ.....“ (جراک اللہ)

بھ مسز نگہت غفار، کراچی سے۔ ”ناگل اچھا لگا، ہمیشہ کی طرح دعا ہے کہ اللہ اس کی حفاظت کرے..... سالگرہ بہت، بہت مبارک ہو۔ مجھے کچھ کہنا ہے ہمیشہ کی طرح بے حد خوب صورت تحریر تھی۔ بے شک نگلی کی توفیق دینے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو اس میں اگر ہم نگلی کے نظریے کو سامنے رکھ کر لائحہ عمل تیار کریں گے تو انشاء اللہ کامیابی یقینی ہے۔ دین کی باتیں ہر دم کو متور کر لیں۔ واقعی رب کریم نے اتنی چھوٹی، چھوٹی نیکیوں کا کتنا ثواب رکھا ہے۔ یادوں کی مالا بے حد خوب صورت عنوان کے ساتھ بے حد پُر نور دلچسپ اور چٹنی روح کی ابھی گریں کھولنے والی پُر اثر تحریر ہے۔ کچھ پوچھیں تو مجھے لگا جیسے آج میں نے محترمہ ذکیہ بیگم کی ریحائی سفر کو بہت ہی شوق سے انچاک سے توجہ سے پڑھا، ہر لفظ قیمتی جگہ کا ستارہ لگ رہا تھا۔ ذکیہ صاحبہ کی شخصیت سے میں پہلے ہی متاثر تھی بہت حقیقت نگار تھی محترمہ سے مجھے مگر اس بار پتا نہیں میں بہت ہی زیادہ متاثر ہوئی اللہ رب العزت سے انتہائی مجز و اکساری کے ساتھ دعا گو ہوں کہ اے رب ایسی ہستیوں کو قیامت سلامت رکھے، مکمل صحت اور دین و دنیا کی ہر نعمت سے مالا مال فرمائے اور ہمیں ایسی ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین ثم آمین) حقیقہ حق کی لو ہے کی روٹی سبھی آموز کہانی تھی۔ نایم احمد آنکھوں کے دیے مختصر لیکن پُر اثر کہانی تھی۔ محبت انگلی کی کہانی انعام بھی پسند آئی۔ رضوانہ پرنس کی محفل بے حد اچھی تحریر تھی۔ ویلڈن ڈیر رضوانہ کی انجم

جی بے چینی سے آپ کے ناول کی اگلی قسط کا انتظار رہے گا۔ آخر شہادت کی تحریر ہمیشہ کی طرح ہماری ہٹا کے لیے ہوتی ہے۔ ذرا سا گھوم لوں میں بھی محظوظی بہت، بہت بلکہ ڈھیروں ڈھیروں مبارک باد قبول کرو اپنی آئنی سز نگہت غفار کی طرف سے اللہ رب العزت تمہیں ادب کی بلندیوں تک پہنچائے..... ایک، ایک لفظ تفصیل سے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔۔۔۔۔ آپ بار بار کہہ رہی ہو کہ اوروں کو نہ ملائیں تو بیٹا چانی اسوس کیوں کرتی ہو تحریر سامنے تھی آنکھیں بند کر کے خوب صودت حسین چمکتی چمکتی خوشیوں میں معطر روشنیوں سے چھللاتی محفل کا اطفال اٹھالیا ہم نے سب کچھ بہت حسین و خوب صودت لگ رہا تھا۔ تمہارے چہرے کی خوشی اور مسرت..... تمہارے وجود کی سرشاری تمہاری روح میں اتری طمانیت سب ہی کچھ شل میں آگیا۔ ہماری پیاری سی باجی انجم جن کو میں نے ملکہ مزاح کا خطاب دیا ہے ان کو بھی میں دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکس سدا سلامت رکھے اور وہ اسی طرح اپنے بچوں پوتا، پوتی، نو، ساسا، نو، اسی کی ہر قسم کی کامیابیوں پر خوش ہوتی رہیں، آمین ثم آمین۔ (یہ آپ کی محبت ہے)، بہنوں کی محفل میں عذرا جی نے ہم سے خیال پوچھا ہے تو عرض ہے کہ بے شک اگر ہم جج کے سر کو اسی طرح کامیابی اور خوب صودتی سے آگے بڑھاتے رہیں گے تو ہمیں اس سفر کو جاری رکھنے کے لیے سب سے پہلے جج، ایما عاری، غلام، ذتے داری، ان سب کے حصار میں ہم اس سفر کو خوب صودتی سے رواں رکھ سکتے ہیں اور کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔ (پسندیدگی کا شکریہ) نزہت اصغر نے سالگرہ نمبر کے سروے کے لیے "پاکیزہ کو بحیثیت سٹی سامی کیسا پایا؟" میری نظر سے گزرا نہ کچھ پتا چلا اور نہ میں بھی لکھنے کی کوشش کرتی۔" (یہ سروے شائستہ دریں نے کیا تھا)

بہت ہی پیاری باتیں بتاتی ہیں، اللہ پاک عمل کی توفیق دے ہم سب کو۔ میمونہ صدف نے حقیقت کے قریب تر لکھا ہے۔ ہالہ احمد نے بہت اچھا لکھا ہے کہ کسی سے یونہی بدگمان نہیں ہوا کرتے۔۔۔۔۔ دیارِ صبح کے اجالوں میں کا ہر حصہ پسند آیا۔ شعور میں میڈم کوثر نے سحاب اور فواد کا ساتھ دیا تو میڈم کے اپنے ساتھ بھی اچھا ہوا۔ یادگار کچھ خاص اچھا نہیں لگا۔ ڈاکٹر من بلال صاحبہ سے گزارش ہے کہ تھوڑا اچھا ہولا رکھیں۔ پڑھنے والوں میں ایسی بچیاں بھی شامل ہیں جن کے گھروں میں آج بھی ٹی وی نہیں ہے۔ عمر، مناب اور انصاف کے کردار بہت اچھے ہیں۔ شیریں حیدر کا افسانہ انہی کی طرح پیارا تھا۔ چار پلے کم نہیں تھے کی آمنہ نے اداس کر دیا۔ حیثیت بس گزارے لائق تھی۔ کم شدہ محبت کی پہلی اور تیسری قسط بہت اچھی لگی دوسری قسط ذرا روکی لگ رہی تھی باقی۔ لوہے کی روٹی اور دشمن دونوں بہترین تحریریں تھیں۔ کھوئے، کھوئے لمحے کی معنہ کو بہت مبارک باد اچھا ناول لکھا ہے (ان کا نام تابندہ ضم ہے) انعام کو پڑھ کر اچھا لگا۔ اعظم کو فروا کی دعائیں زندگی کی طرف لے آئیں۔ آنکھوں کے دیے کی بجگہ نہیں آئی اور اعتبار و وفا ابھی پڑھنا نہیں۔ انشاء اللہ ہر بار کی طرح اس بار بھی اچھا ہوگا۔“ (تبرے کا شکریہ)

بھ سدرہ کلثوم مروت، صوبہ سرحد سے۔ ”انہما کی ناامیدی کے ساتھ آپ کی خدمت میں یہ خط ارسال کر رہی ہوں۔ معلوم نہیں بے شمار خط آپ کی خدمت میں بھیجنے کی جسارت کی سوائے ایک نظم کی اشاعت کے بعد ایک مصرعہ تک شائع نہیں کیا۔ آپ کی جس طرح آپ نے نظم کے سلسلے میں میری حوصلہ افزائی کی اس کی مجھے خوشی ہوئی۔ پاکیزہ ہیں واقعی میں بھول نہ جائے۔ ہم نے تو کئی بار یاد کیا پر معلوم نہیں ہمارے لکھے ہوئے نامے ہوا لے اڑتی ہے یا رومی کی نوکری اپنا پیٹ بھر لیتی ہے۔“ (پیاری بیٹی سدرہ آپ کا خط جب بھی مجھے ملے گا وہ ضرور شائع ہوگا ہاں اپنی نظمیں علیحدہ صفحات پر لکھ کر بھیجا کریں)

بھ سیدہ حجاب فاطمہ، کراچی سے۔ ”ساگر و نبردیکہ کر دل بارغ و بارغ ہو گیا۔ ویسے بھی ماہ اپریل سے ہمیں بھی بڑی نسبت ہے کہ خدانے ہمیں بھی اسی ماہ میں عرش سے فرش (زمین) پر اتارا اور میرے بچے کو بھی۔ سرورق نہایت خوب صورت ہے اور آپ کی شب و روز کی گفتگوں کا گواہ بھی تمام مستقل سلسلے خوب جارہے ہیں۔ دیارِ صبح کے اجالوں میں خوب جارہا ہے۔ ہر ماہ سسٹن بڑھ جاتا ہے کہ آگے کیا ہوگا۔ افسانوں میں چار پلے کم نہیں تھے۔ جس آئینہ کوئی اور ہے اور اگر ایسا ہو جائے پسند آئے۔ آپ کی ایک بات جو مجھے شاید خط کے اوائل میں کہنی چاہیے تھی وہ یہ کہ تبرے کے شمارے میں میرا خط شائع کر کے اور مجھے لکھنے کی اجازت دے کر آپ نے اس بندی ناخن کو بہت مسخر کر دیا اس کے لیے صدارت کا شکریہ۔“ (گڑیا ہماری ہر بہن ہمارے لیے نہایت مسخر ہے سب آپ تمام تحریروں کے بارے میں اپنی رائے دیں)

بھ مگینہ ضیاء، کراچی سے۔ ”کچھ لمحے کے لیے سکتے میں آگئی۔ باقی مجھے عقلی کے اندوہ کی کاجب ایندھنے بتایا تو آپ یقین کریں باقی مجھے بے حد صدمہ ہوا جس عقیدت و احترام سے عقلی اپنے سفر نامے میں ذکر کر چکی تھی۔ اللہ پاک ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور امیر کو اور ان کی بچیوں کو بلکہ تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔۔۔۔۔ مٹی کا شمار بے حد اچھا لگا سرورق کی حسینہ نقل آنکھوں سے بڑے پیار سے دیکھ رہی تھی۔ مجھے کچھ کہنا ہے۔ میں آپ نے کیا کچھ کہہ دیا واقعی ہم بچوں سے ہر بات چمپاتے ہیں اب آپ کی بات پر عمل کریں گے۔ دین کی باتوں سے اپنے دل کو منور کیا۔ ذکیہ آپا کو اللہ صحت کے ساتھ لمبی عمر دے، ان کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں، ماشاء اللہ۔ شینہ گل کی گھڑی کی ٹنگ ٹنگ نے رونے پر مجبور کر دیا زبردست تحریر رہی۔ ماں بچے کا پیار دیکھ کر دل سے دعا لگی کہ اللہ پاک ہر ماں کو ایسا بیٹا دے، آمین۔ پھر کا دلس، مدیحہ شاہ کا ناولٹ اے ون رہا۔ چندا کا شیریں، شیریں حیدر نے بہت خوب لکھا۔ پھانس ہٹایا انجم کا ناولٹ بھی سستی آموز تھا اچھا لگا، موسٹ ٹیورٹ کم شدہ محبت باقی آپ کا ہر لفظ میں اپنے دل میں اتارنا محسوس کرتی ہوں باقی پکیزہ شہلا کے ساتھ کچھ برامت کیجیے گا۔ رفاقت جاوید کی تحریر بھی لا جواب رہی۔ محبت قاصد عالم، شمیم فضل خالق کی تحریر نام کی طرح منفرد لگی۔ پہلی محبت کو کوئی بھول نہیں سکتا۔ سب ناول بھی اے ون رہے مکمل ناول ٹھنڈی پھوار فرحمن اختر کا بے حد پسند آیا۔ اختر شجاعت کو بس چراک اللہ ہی کہوں گی۔ عقیدہ حق کا اثر دیکھنا بہت اچھا لگا۔ ماشاء اللہ آپ کے بچے بھی بہت خوب صورت ہیں آپ کی طرح، نزہت مآلی کے سوالات بہت زبردست ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ شائستہ زریں کا سروے ہیٹ کی طرح فضا کر کے لگا۔ شائستہ آپ کی امی سے مل کر بے حد اچھا لگا۔“ (بھر پور تبرے کا شکریہ)

بھ ارم کمال، لیصل آباد سے۔ ”مٹی کا شمارہ ناظم پر ملا۔ ٹائٹل خوب صورت اور دیدہ زیب رنگوں سے لائٹ مار رہا تھا۔ میں پچھلے ماہ شامل نہیں ہو سکی۔ اپنی بیٹی کرن سے ملنے کراچی گئی ہوئی تھی۔ مجھے کچھ کہنا ہے میں آپ نے بڑے بچے کی بات

بتائی جو اکثر لوگ سمجھ کر بھی نا بکھی کر جاتے ہیں۔ یادوں کی مالا جس کا حرف، حرف اور لفظ، لفظ نور سے چمکتا ہے خدا کرے کہ یہ سلسلہ یونہی چلا رہے اور ہم اس نور کے چشمے سے فیضاب ہوتے رہیں۔ سلسلے وار ناول اعتباراً رومانی کہانی کہلاتے تھے تو کبھی کھلتے، کھلتے کو اڑ بند ہو جاتے ہیں۔ اے عشق ترے ہیں کھیل عجب میں ابھی تک ولی صاحب کی اتھری نہیں ہوئی، انصاف پر مجھے بے انتہا ترس آتا ہے، یہ محبت بھی پتا نہیں کیوں اتنا غرار کرتی ہے؟ کم شدہ محبت میں پتا نہیں کم شدہ محبت کب ملے گی؟ پتھر کا دیس میں کئی باتیں وضاحت طلب رہ گئیں۔ دیگر کہانیوں، گزری کی تک، تک معما اور چندا کا شہری..... بے حد پڑاثر اور دلچسپ تحریریں رہیں۔ میری ماں پڑھ کر آنسوؤں کی چھری لگ گئی۔ بہنوں کی محفل پڑھ کر دل کو سکون و آرام ملا۔ جلت رنگ ہمیشہ کی طرح چمکانا۔ میری بیٹی کرن آپ کو سلام کہتی ہے۔“ (پسندیدگی کا شکر یہ اور بیٹی کو دعا میں)

بھہ رفیعہ ابدالی، کراچی سے۔ ”ادارہ یہ ہر ماہ کی طرح فصیح آموختہ تھا..... دین کی باتیں، یادوں کی مالا، شمع ہدایت ہم سب کے لیے ہدایت کا موجب ہے۔ محبت سہما کا ناول پڑا سرا سا ہے۔ آپ کی آپ کا ناول اچھا تو ہے اور اس میں آفس کی سیاست بیان کی گئی ہے۔ آفس سے مجھے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔ ڈیڑھ گھنٹہ بلال عشق کے ایک نئے انداز سے روشناس کرا رہی ہیں۔ مجھے پڑھ کر مزہ آرہا ہے۔ منی ناول بھی اچھا چارہ ہے۔ شہنشاہی پھوار فرحین اظفر کا مکمل ناول اس ماہ کی سب سے خوب صورت تحریر تھی۔ انسانی یوں تو سب ہی اچھے تھے لیکن فیصل فضل خالق کا انسانہ سب پر بازی لے گیا۔ سروے میں سب بہنوں کے خیالات سے آگاہی ہوئی۔ عقیدہ حق سے ملاقات ابھی رہی۔ باتیں بہار و خزاں کی یہ نیا سلسلہ بہت دلچسپ ہے۔ عظمیٰ آفاق مسجد کا سروے بہت اچھا لگا، میں اپنی ماں کے لیے صرف یہی کہتا چاہوں گی کہ میری ماں میری دنیا تھی۔ رخ چوہدری کی پڑ بہار تقریب بہت مزے کی تھی۔ پاکیزہ ڈائری، عظمیٰ آفاق نے بہترین سہاکی تھی۔ بزم پاکیزہ میں بہنوں کے دلچسپ سوالات اور آپ کے جوابات مزہ دے جاتے ہیں۔ جلت رنگ کے تمام خاکے اچھے تھے لیکن بھاری ساس پڑھ کر بے حد ہنسی آئی۔ بہنوں کی محفل تو رسالے کی جان ہے۔ اس محفل میں پروین آنٹی نے جن مسائل کا ذکر کیا ہے ان کے پہلے مسئلے کا حل یہ ہے کہ بھری نماز کے بعد پوری بسم اللہ شریف 21 بار آگے پیچھے تین مرتبہ درود پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر دم کر کے پورے جسم پر پھیر لیں ایسا ہر دن کریں یہ مسنون دم ہے۔ انشاء اللہ شفا ہوگی۔ دوسرے مسئلے کا حل یہ ہے کہ میری یہ بہن اپنے سر میں خالص دھنوں کے تیل کی مالش کریں۔ دھنوں کے تیل سے بال نکلتے ہیں۔ تیسرے مسئلے کا حل بہت آسان ہے یہ میرا آزمودہ ہے آپ اپنے بچن کی صفائی کر کے اس میں بورک پاؤڈر چھڑک دیں اور مکان میں بھی چھڑک دیں۔ چدرہ دن بعد دوبارہ کریں یہ بورک پاؤڈر میڈیکل اسٹور سے مل جائے گا۔ تمام کیڑے خاص طور پر لال بیک بھاگ جاتے ہیں۔ وہ مرتے نہیں چلے جاتے ہیں۔ نہ جانے کہاں.....؟ پروین آنٹی میری آپ سے اور تمام قارئین بہنوں سے یہ گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کریں کہ میری تمام پریشانیاں دور ہو جائیں اور مجھے ڈھیروں خوشیاں ملیں۔ آنٹی میں اس دنیا میں بہت تنہا ہو گئی ہوں۔ میرے والدین حیات نہیں کوئی بہن بھی نہیں ہے۔ میری دو بھابھیاں ہیں، ان سے میرے تعلقات الحمد للہ بہت اچھے ہیں۔ لیکن وہ دونوں الگ، الگ گھروں میں رہتی ہیں۔ میں اپنے ایک بھائی کے ساتھ رہتی ہوں ہم دونوں کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے۔ بھائی آفس چلے جاتے ہیں اور میں تنہا رہتی ہوں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں ڈالا ہے تو وہی نکالے گا بھی..... انشاء اللہ.....“ (پیاری رفیعہ اللہ تعالیٰ تمہاری دلی تمنا جلد از جلد پوری کرے اور تمہیں ہر پریشانی سے بچا کر رکھے، آمین)

کھ نادیر، راول پنڈی سے۔ ”مجھے پاکیزہ سارا کا سارا پسند ہے۔ شیریں باجی، عظمیٰ باجی، محبت باجی سب کی کہانیاں مجھے بے حد اچھی لگتی ہیں۔ آپ کا ناول تو بہت ہی پسند ہے۔ میرا ایک مسئلہ ہے میرا بچہ بیمار رہتا ہے بہنیں اس کے لیے دعا کریں اور دوسرے میری بیٹیوں کے سر پر بہت کم بال ہیں وہ کوئی ایک لکھ بتادیں جس سے بچوں کے سر پر بال آجائیں۔“ (بہت بہتر)

کھ ثروت ناز، کراچی سے۔ ”میں ایک پیار عورت ہوں دل کو بہلانے کا ساتھی پاکیزہ ہے۔ جلت رنگ بہت اچھا لگتا ہے۔ اعتراف بھی شوق سے پڑھتی ہوں۔ نایاب جیلانی کو تو فوراً کسی ٹی وی کے لیے سوپ لکھنا چاہیے ان کی کہانی چوتھی کی رفتار سے چلتی ہے۔ ان تمام باتوں کے ساتھ اپنا ایک مسئلہ لے کر بھی آئی ہوں میرے سر میں شدید درد ہوتا ہے..... جس سے میں تک دکنے لگتی ہیں جسے لوگ شاید صدیقہ بھی کہتے ہیں..... جب یہ درد ہوتا ہے تو میں اپنے بستر سے نہیں اٹھ سکتی۔“ (اگر ہماری کسی بہن نے اس

مومن میں کوئی دعا یا علاج بھیجا تو میں اسے ان ہی صفحات میں شائع کروں گی..... اللہ تعالیٰ آپ کو کلی صحت دے، آمین)

بھڑکیہ ایوب، کراچی سے۔ "سب سے پہلے بہنوں کی محفل پڑھی اور سب کے حال چال سے آگاہی ہوئی۔ رخ چوہدری نے خوب اچھے طریقے سے تقریب کا احوال لکھا ہے مگر تصویریں کم تھیں اور صاف بھی نہیں تھیں۔ شیریں حیدر میری پسندیدہ مصنفہ ہیں، ان کا السانہ اچھا لگا..... سلسلے وار ناول اچھے جا رہے ہیں اور کم شدہ محبت سکاس سکاس اور محبت سے بھرپور ہے۔ فرحین اظفر، ثریا انجم، ہیم لعل خالق، سمیرا یونس، رفاقت جاوید کی تحریریں پسند آئیں۔ شبینہ گل نے بھی اچھا لکھا۔ ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی کی تحریر تو ہے ہی اچھی..... اختر شجاعت کی تحریر سے بھی آگاہی ہوئی آپ سب بہنوں کی دعاؤں کے منتظر ہیں میری آنکھوں کا آپریشن کامیاب ہوا ہے اور میں دھیرے دھیرے پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہو رہی ہوں۔ میری دلی دعا میں پاکیزہ کے اراکین اور پاکیزہ کے تمام قارئین کے لیے....." (اس کے لیے جزاک اللہ)

بھڑکیہ خالد، جزالہ سے۔ "جب سے ہم پاکیزہ میں آئے ہیں شروع میں ہماری سات حمد و نعت تو اتر سے شائع کی گئیں۔ اس کے بعد اب تک دوسری ٹارشات آئیں مگر حمد و نعت نہ آئی۔ تو ہم نے سوچا..... اپنی شاعری حمد و نعت کی کتاب بنوائی جائے جو کہ بچپن کا شوق ہے۔ فی الحال تو آپ کو ریڈیو پر آنا مبارک ہو اور عقلی کو سمرتا سے کی اشاعت مبارک ہو..... میں اپنی سہیلی سے کہوں گی کہ وہ خرید لیں۔ مجھے کچھ کہنا ہے، میں آپ کی ہم خیال ہوں۔ یادوں کی مالا پڑھ کر حیرت سے ٹپک ہو جاتے ہیں اور سوچتے ہیں ہم سے ایک ہی قرآن لکھنے کا بندوبست نہیں ہو پایا ابھی تک۔ واقعی وہ اپنی حمد و نعت میں جس نور کی شمع کا ذکر کرتی ہیں وہ بدرجہ اتم اس کی اہل ہیں..... چلیے ہماری بیٹی کا نام تو ہے ناں شیخ..... اختر شجاعت بھی نمایاں کارنامہ سر انجام دے رہی ہیں۔ خدائے بزرگ دیر تر انہیں بہترین صلہ عطا کریں گے۔ خطوں کی محفل تو بڑی زبردست ہوتی ہے۔ لکنا ہے پورے پاکستان سے ملاقات کر لی..... میری تو دعا ہے اللہ سب کو ہدایت اور شقاؤں سے مالا مال کر دے اور سب کو سکون راحت والی زندگی گزارنا نصیب ہو..... سہیلی ملک بیٹی کے لیے میری خصوصی دعا میں۔" (آپ کی آرا پہنچائی جا رہی ہے)

ملا پکاری، بہنوا پاکیزہ کا آئندہ شمارہ عید کے حوالے سے ہوگا..... اس لیے اپنے مراسلات اور دیگر تحریریں عید فہر کی مناسبت سے جلد از جلد بھیجیں اگر آپ اپنی یادگار عید کے حوالے سے کوئی مختصر واقعہ بھیجنا چاہیں تو اپنی تصویر یا بغیر تصویر کے بھی ارسال کر سکتی ہیں..... اور اب آئیں پہلے درود پاک پڑھتے ہوئے دعا مانگتے ہیں۔ یا اللہ، یا رحمن، یا رحیم۔ اے کریم اللہ ہمارے اور اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت کے سارے گناہوں کو معاف فرما دے..... ہمارے تمام گناہوں کو ٹھیکوں میں بدل دے۔ اور نیک کام کرنے کی توفیق، صحت، طاقت اور وقت ہم کو ضرور عطا فرما..... یا اللہ جس طرح تو نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے اسی طرح شیطان کو ہم پر مسلط ہونے سے بچا..... اے پاک پروردگار موت سے پہلے ہماری مغفرت فرما اور موت کے وقت ہم پر رحم فرما اور موت کے بعد ہمیں عذاب نہ دینا اور قیامت کے روز ہمارا حساب نہ لینا..... بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے میرے مالک اے وحدہ لا شریک، آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک اور اب موجودہ اور آئندہ قیامت تک آنے والے سارے ایمان والے مردوں، عورتوں، انسانوں، جنوں سب ہی کی بخشش فرما دے، ہمارے تمام مسائل حل فرما دے۔ ساری گڑیاں بنادے..... پیاروں کو شفا یاب کر دے، شادی کے ضرورت مندوں کو خیر سے نیک رشتے عطا فرما دے۔ یا اللہ ہماری تمام پریشانوں کو راحت میں بدل دے۔ (آمین) یا اللہ ہماری تمام دعاؤں کو قبول فرما اور ہم سب کو دلوں جہاں میں خیر عطا ہو، آمین یا رب العالمین..... یا مجیب، یا مجیب، یا مجیب..... (آخر میں ایک بار پھر درود پاک پڑھ لیں)

دعا گو آپ کی اپنی ہاتھی انجم انصار

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.C ٹیر 111۔ یکسٹیشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783, 021-35802552 EXT 107, 118



حمد باری تعالیٰ

رہتیں تیرے لیے، سب عظمتیں تیرے لیے
خالقِ حرف، ہاں سب مدحتیں تیرے لیے
زندگی تیرے لیے اور بندگی تیرے لیے
الغنی تیرے لیے سب چاہتیں تیرے لیے
تو کہ لامحدود ہے، حدِ مکاں بھی تجھ سے ہے
سیرِ حدِ امکاں تک سب رشتیں تیرے لیے
حقلِ حیراں ہے کہ کیا ہے نظامِ کائنات
اے حکیم بے بدل، سب حکمتیں تیرے لیے
میں کہ بندہ ہوں تو پھر بندے کا کیا اختیار
قادِرِ مطلق ہے تو سب قدرتیں تیرے لیے
حرفِ سب تیرے لیے ہیں فقط سب تیرے لیے
صورتِ اعتبار کی سب صورتیں تیرے لیے

کلام: ڈاکٹر محمد امین

مرسلہ: ایضہ مندرجہ، سلاوا

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لاکھوں درود آپ پر سرکارِ مدینہ
دل میں بے ہیں آپ ہی سرکارِ مدینہ
پہنچوں گی جس لمحے، میں روئے پر آپ کے
پڑھوں گی نصیحتیں ساری میں سرکارِ مدینہ
صادق، امین آپ ہیں، محبوبِ خدا ہیں
نبیوں میں سب سے عالی ہیں سرکارِ مدینہ
اخوت اور محبت کا پیغام لائے آپ
عالم کے لیے رحمت ہیں سرکارِ مدینہ

شاعرہ: عالیہ ضیاء، کراچی

حسن سلوک کا حقدار

☆ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص
رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اس
نے عرض کی یا رسول اللہ میرے حسن سلوک کا سب سے

زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ”تیری
ماں.....“ اس نے پوچھا اس کے بعد کون.....؟ آپ
نے فرمایا۔ ”تیری ماں“ اس نے پھر پوچھا..... اس کے
بعد کون.....؟ آپ نے پھر فرمایا۔ ”تیری ماں.....“
اس نے پھر دریافت کیا اس کے بعد کون زیادہ حقدار
ہے آپ نے فرمایا۔ ”اس کے بعد تیرا باپ.....“

(بخاری کتاب 78 باب 2 مسلم کتاب ابوابنا)

مرسلہ: مصباح ذوالفقار، فیصل آباد

ایک نصیحت

اس دنیا پر مرنے والو کچھ تو سوچو خوف کرو
چار دنوں کی دنیا ہے آخر سب کو جانا ہے
جیسے تم نے عمل کیے ہیں ویسے ہی پھل کھاؤ گے
کٹے پٹے جو بھی پھل ہیں وہیں پہ جا کر کھانا ہے
بھائی بہن، ملے باپ تمہارے کوئی نہ جانے مٹھری میں
جو کرنا ہے ابھی سے کر لو بعد میں کیا بچھتا ہے
تو پہ کا در کھلا ہوا ہے بھاگ کے آؤ چھٹ پر
اس کے در پر سر کو جھکا لو آنکھ سے خیر بہانا ہے
اس کے کرم کی بات ہی کیا ہے وہ ہے سب کا پلن ہلد
کرنے کا سب معاف خطائیں مل کو خود سمجھانا ہے
پیارے نبی کی ہوگی شفاعت ایک تسلی کافی ہے
یہی تسلی لے کر جانا اللہ کو بھی ملنا ہے
اللہ گر ہو جائے راضی سمجھو بیڑا پار ہوا
پہلے مگر تو ہو جا راضی، یہ بات تجھے سمجھانا ہے
کوئی بھی مشکل کوئی مصیبت جو بھی پڑے اس دنیا میں
صبر ہی کرنا شکر ہی کرنا ورنہ کون ٹھکانا ہے
پہلے نبی کو سن میں بسا کر تھسا سا دکھ پھلنے
ان کی محبت ان کی چاہت روشن ایک ستارا ہے
رب بھی راضی نبی بھی راضی تو نے ان کا مان رکھا
آنکھیں موند کے تو اب سوچا آج تجھے دل جلتا ہے
کلام: ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

ماہنامہ ہلکیزہ (279) جون 2016ء

سوائے محبت کے۔

- 9۔ زندگی کے آدمے غم انسان دوسروں سے غلط توقعات کر کے خریدتا ہے۔
10۔ اچھے دوست کا ساتھ کسی نہ چھوڑو خواہ وہ تمہیں چھوڑ دے۔

مرسلہ: نگہتِ غفار، کراچی

نظم

میں جب بچہ تھا
تو اکثر کھلونے ٹوٹ جاتے تھے
ماں آکر جوڑ دیتی تھی
سنا ہے ماں سے بھی بڑھ کر
تجھے الفت ہے بندوں سے
تو آکر جوڑ دے یارب!
میں خود کو توڑ بیٹھا ہوں

مرسلہ: شہلا نواز، لاہور

سالگرہ

سوچتی ہوں سالگرہ پہ تیری
کیا دوں تجھے تجھ کو
وہ تجھ دوں
جو ہو مقدس سا
پاکیزہ ہو تیری طرح
اے پاکیزہ میرے
خلوص و چاہت کی مضبوط
مقدس سی ڈوری میں
پروؤں پاکیزہ سی دعاؤں کے گلاب
جو ہمیشہ رہیں تر و تازہ
جن کی خوشبو رکھے تجھے
اپنے حصار میں سدا
بچی تجھ ہے پاکیزہ
تجھ دعاؤں کا

مرسلہ: پرین افضل شاہین، بہاول نگر

لکھنے والو

محبت میں دستِ دعا لکھنے والو
محبت کو سمجھو وفا لکھنے والو
ذرا اس پہ خود بھی عمل کر کے دیکھو
کبھی زندگی کو انا لکھنے والو
زمین پر تمہاری حکومت چلے گی
کہاں تک یہ خود کو خدا لکھنے والو
تمہیں جو بھی لکھتا ہے مرضی تمہاری
ہمیں ہر گھڑی بے وفا لکھنے والو
میری زندگی کا خدا مہربان ہے
بھلا ہو تمہارا سزا لکھنے والو
تمہیں کس قدر خوب صورت لگی ہوں
فری کی قاتل ادا لکھنے والو
شاعرہ: فریدہ فری، لاہور

بیاری باتیں

- 1۔ عورت مرد سے زیادہ سگند ہے وہ جانتی کم اور سمجھتی زیادہ ہے۔
- 2۔ جس گھر میں عورت ڈبکی ہوتی ہے وہ گھر جلدی جاہ ہو جاتا ہے۔
- 3۔ دنیا میں فقط دو شخص ایماندار ہیں ایک وہ جو مرچکا اور دوسرا وہ جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔
- 4۔ اپنے اخلاق اور کردار سے لوگوں کو ایسے متاثر کرو جس طرح سورج اپنی کرنوں سے ساری دنیا متاثر کرتا ہے۔
- 5۔ لوگوں سے اس طریقے سے ملو کہ مر جاؤ تو رونیں اور زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔
- 6۔ انسانی زندگی اس دنیا میں اس شخص کے مانند ہے جو ہوا میں رکھی گئی ہو۔
- 7۔ جو دوسروں کو شک کی نظر سے دیکھتا ہے حقیقت میں اپنے کردار کی برائیاں دوسروں میں تلاش کرتا ہے۔
- 8۔ ہر گم شدہ چیز اسی جگہ ملتی ہے جہاں گم ہوئی

ماہنامہ پاکیزہ 280 جون 2018ء

☆ زندگی کی سب سے سچی بات قبرستان کے باہر لکھی ہوئی تھی "منزل تو میری یہی تھی بس زندگی گزر گئی یہاں آتے، آتے۔"

☆ دل میں نفرتوں کے انبار نہ رکھو جس دل میں نفرت ہو اس دل میں رب نہیں رہتا۔

☆ دنیا میں بہترین رشتہ وہ ہے جو ناراضی کے بعد اک چھوٹی سی مسکراہٹ سے دوبارہ پہلے جیسا ہو جائے۔

☆ خاموشی ایسا درخت ہے جس پر کڑوا پھل نہیں لگتا۔

☆ رشتوں کو ایسی محبت اور احترام سے نبھایا کرو جیسے شہد کی مکھی پھولوں سے اگر رس نکال بھی لے جب بھی پھولوں کو کسی قسم کا نقصان نہیں ہونے دیتی ہے بس زندگی دو ہی اصولوں پر گزارو ملو تو خوشبو بن کر نکھرو تو خوشبو بن کر۔

مرسلہ: زرین زہیر کوٹھاری، کراچی

انٹرنیٹ

میں ہوں مسٹر انٹرنیٹ
کرو اپنے گھر میں سیٹ
کمپیوٹر میں رہتا ہوں
سب کو ویلکم کہتا ہوں
جو کچھ دیتا ہے کالج
مجھ میں بھی ہے وہ ٹیچ
جو بھی چاہو لے لو کام
حاضر ہوں صبح و شام
ہوتا ہے جو گھنٹوں میں
کرتا ہوں منٹوں میں

از: نامہ تحریم، کراچی

تم بن

میں تم بن جینا چاہوں تو نہیں جی سکتی اسے میری
مجبوری نہیں میرا عشق سمجھو کہ جب تک تمہیں نہ دیکھ لوں

ماہنامہ پاکیزہ 281 جون 2016ء

سمجھنے کی بات

☆ اپنی غلطی پر ہنسا آپ کی زندگی کو لمبا کر دیتا ہے۔۔۔ مگر اپنی بڑی کی غلطی پر ہنسا آپ کی زندگی کو مختصر کر دیتا ہے۔

از: نور افشاں، شکارپور

بھروسا

☆ اس انسان پر بھروسا کرو جو تمہاری تین باتیں جان سکے۔

☆ مسکراہٹ کے پیچھے دکھ

☆ غصے کے پیچھے دکھ

☆ چپ رہنے کے پیچھے دکھ

از: صبا نور، لیہ

آدمی

بس کے اڈے پر بہت رش تھا۔ بس آئی تو کچھا کچھ بھری ہوئی تھی۔

کنڈیکٹر نے دروازہ کھولا اور چیخ کر کہا۔

"صرف ایک آدمی اندر آ سکتا ہے صرف ایک آدمی۔" یہ سن کر ایک پولیس والا جھٹ سے بس میں سوار ہو گیا۔

اس کی دیکھا دیکھی ایک بڑے میاں بھی بس میں چڑھ آئے۔

کنڈیکٹر نے غصے سے کہا۔ "بڑے میاں آپ نے سنا نہیں میں نے کہا صرف ایک آدمی اندر آ سکتا ہے۔"

بڑے میاں مصیبت سے بولے۔ "وہ تو پولیس والا تھا آدمی تو میں ہوں۔"

مسز عبدالحیا روی انصاری، لاہور

سنہری باتیں

☆ کمزور ہے وہ شخص جو دوست نہ بنا سکے اور اس سے بھی کمزور وہ شخص ہے جو بنا ہوا دوست کھو دے۔

READING
Section

اچھا ہوتا۔“

تب تینوں نے کہا۔ ”اے انسان! اگر تجھ میں دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کی عادت نہ ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا۔“

سرسہ: یاسمین اسرار، کمالیہ، ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

ویران تھے راستے

یہ جو دھڑکن ہے دل کی
ان راستوں پر کھڑے ہو کر
تم نے ویران راستوں کو
نچر بہا کر کر دیا
اور میرے دل کے خانے کو
لا زوال کر دیا

شاعرہ: رفعت خادم حسین، ملتان

خرچ کا حساب

ایک بادشاہ شکار پر نکلا تو ایک کسان کو مل چلا تے دیکھا۔
پوچھا: ”دن میں کتنا کھاتے ہو؟“
کسان نے جواب دیا۔ ”چار روپے۔“
بادشاہ بولا: ”کیسے خرچ کرتے ہو؟“
کسان: ”ایک روپیہ خود پر خرچ کرتا ہوں، ایک روپیہ قرض واپس کرتا ہوں۔ ایک روپیہ قرض دیتا ہوں اور ایک روپیہ دیبا میں پھینک دیتا ہوں۔“
بادشاہ حیران ہوا اور بولا۔
”تمہاری باتوں کا مطلب نہیں سمجھا۔“

کسان: ”جناب ایک روپیہ خود پر اور اپنی بیوی پر خرچ کرتا ہوں، ایک روپیہ والدین پر جو قرض واپس کرتا ہوں جو کچھ میرے بچپن میں انہوں نے مجھ پر خرچ کیا۔ ایک روپیہ اپنی اولاد پر جو کہ قرض دیتا ہوں تاکہ بڑھاپے میں مجھے وہ واپس کرے۔ اور ایک روپیہ کسی غریب کو دے دیتا ہوں جس کا اجر مجھے اس دنیا میں نہیں چاہیے۔“

سرسہ: لاریب، ماہ زیب، چوئیاں

☆☆☆

میری صبح نہیں ہوتی۔ شام کے ڈھلتے سورج کے وقت تمہارا ساتھ اور بھی حسین لگتا ہے۔ سچ پوچھو تو تم میری روح ہو۔ میں اس قدر تمہیں چاہوں گی کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ والدین تمہیں مجھ سے دور کرنا چاہتے ہیں کہ خواہ مخواہ اس کے لیے وقت ضائع کرتی ہو۔ آخر وہ یہ کیوں نہیں سمجھ پاتے کہ تم میری ضرورت ہو۔ تم میری راحت ہو، تمہارے بغیر میں ادھوری ہوں، کبھی بھی میں سوچتی ہوں کہ اگر تم سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی تو میری زندگی کتنی بے کیف ہوتی جیسے بغیر خوشبو کے پھول جیسے وہ بادل جو بارش برساتے بنا اڑ جاتیں۔ جیسے پر سکون سمندر جیسے سانسوں کے پناہ زندگی..... میں تمہیں محسوس کرنا چاہتی ہوں۔ اے میرے پیارے پاکیزہ تم سے مجھے کس قدر سکون ملتا ہے۔

ارجمتی قدیل، کمالیہ

غزل

جانے کیسی خطا ہوئی مجھ سے
ساری دنیا خفا ہوئی مجھ سے
جس کو کوئی نہما سکا نہ یہاں
رسم وہ بھی ادا ہوئی مجھ سے
جب گلے سے لگایا اس نے مجھے
روح میری جہا ہوئی مجھ سے
جشن کا اہتمام تھا کل شب
یاد اس کی رہا ہوئی مجھ سے
جس نے بھی دل دکھایا تمثیل
اس کے حق میں دعا ہوئی مجھ سے

شاعرہ: تمثیلہ لطیف، پسرور

کاش

ایک دفعہ ایک انسان نے کوئل سے کہا۔ ”اگر تم کالی نہ ہو میں تو کتنا اچھا ہوتا۔“
پھر سمندر سے کہا۔ ”اگر تو کھارا نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔“
پھر گلاب سے کہا۔ ”اگر تجھ پر کانٹے نہ ہوتے تو کتنا



جلیزنگ انجمن انصار

دیکھوں۔“ ان کا لہجہ تک آبدیدہ ہو گیا۔

”اچھا ٹھیک ہے، ناز کا انعام بعد میں تمہارے بھائی جان لے آئیں گے۔ تمہیں معلوم ہی ہے کہ باریکٹ جانے سے میری جان جاتی ہے۔ آج کل میاں صاحب کے آفس میں کام ہی اس قدر ہے کہ کہیں وہ جانیں پار ہے۔ خیر انعام بعد میں سہی..... بس میں کل سب بچوں کو لے کر گھر آ رہی ہوں۔ انشاء اللہ دوپہر کا کھانا تمہارے ساتھ کھاؤں گی، اب تو خوش ہو ناں.....“

”کیا کہا..... کل آرہی ہو مگر ناز تو کل اپنی پھوپھی کے گھر جارہی ہے اور تم اپنے بچوں کی فوج لے کر کہاں رکشا، ٹیکسی کے پیچھے بھاگتی پھرو گی۔ کل کلاں کو کچھ ہو جائے تو بہن کا نام ہی بدنام ہوگا۔ تم عادی ہو موٹر میں گھومنے کی..... ہاں برامت ماننا۔ جب بھائی جان کو فرصت ملے تو ان کے ساتھ ہی آنا..... ہاں..... بھائی جان کو بتایا یا نہیں کہ اپنی ناز کا میٹرک میں بی گریڈ آیا ہے۔ کیا کہہ رہے تھے وہ.....؟ یاد رکھنا آپ..... آپ کو اور بھائی جان کو ایک ساتھ اگر مبارک باد دینی ہے۔ مجھے آپ دونوں ہمیشہ ایک ساتھ آتے اچھے لگتے ہیں۔“

تب وہ ہٹا بگاسی ریسپور کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئیں کہ ان کی چھوٹی بہن کیسی مکارانہ چال چل رہی تھی۔

تقریب بھاراں

کبھی ہنسی آتی اور کبھی غجالت سی محسوس ہوتی..... مگر یہ حقیقت تھی کہ فرحت آپا کے میاں سراج سے زیادہ ہمارے پورے خاندان میں کوئی ان جیسا نہیں تھا۔ گو کہ ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا..... مگر مرضی خدا کے یہ بدنامی ہماری آپ کی قسمت میں لکھی تھی۔

سراج بھائی کا پورا نام سراج شرافت تھا..... یوں

ماہنامہ پاکیزہ 283 جون 2016ء

چالیں

ریسیووہ کریڈل پر رکھ چکی تھیں مگر ان کی حیرت کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔ اور بات تھی بھی ایسی کہ جس دن سے ان کی بھانجی ناز کا میٹرک کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا، ان کی بہن کے فون دن میں کئی، کئی بار آنے لگے تھے۔

”آپا! آپ کب مبارک ہاد کے لیے آرہی ہیں۔ ناز اس قدر یاد کر رہی ہے آپ کو.....“

”ان دنوں فرصت نہیں مل رہی مجھے۔“ انہوں نے بہانہ گھڑا۔

”پلیز آپا! کل آجائیں، جی..... اتنی یاد آرہی ہیں۔ ناز کے پاس ہونے کا تو بہانہ ہے مگر میں آپ کی شکل تو دیکھ لوں گی۔“

آپا بھی سمجھ رہی تھیں کہ بہن کی ان باتوں کا مطلب یہی ہے کہ ان کی بیٹی کے لیے بھڑا ساتھ لے آئیں۔

”بھئی، آج کل تمہارے بھائی جان دیر سے آفس سے آرہے ہیں۔“ انہوں نے اپنی جان بچانی چاہی..... بات بھی ٹھیک تھی۔ ان کی دو بھیاں اس سے پہلے میٹرک کا امتحان پاس کر چکی تھیں تو کون سا خالہ نے آکر کچھ پھیلی گرم کی تھی۔

”ارے آپا جان! آپ آجائیں ناں..... ناز کب سے خالہ، خالہ کر کے ہڑک رہی ہے اور میری طبیعت الگ بے کل سی ہو رہی ہے۔ کئی دن سے موئے اونٹھے مارے خواب دیکھ رہی ہوں اور خود ہی تمہارا صدقہ دے دیتی ہوں۔ آجاؤ گی تو کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ ارے بھئی..... تمہاری سگی بہن ہوں، اس سے قریبی رشتہ اور کیا ہوگا جو ہمیں محبت ہوگی، اتنی ہملا سی کو ہوگی۔ ایمان سے دل چاہتا ہے کہ تمہیں روز

Section

تو خاصے کمزور دکھائی دیتے تھے مگر ان کی ساری طاقت ان کی زبان میں تھی۔ وہ عام بات بھی یوں کہن گرج کے ساتھ کرتے..... جیسے کہیں بجلی گری ہو وہ دھیسے لہجے میں بولتے تو سوز و درد پیشے ہوئے لوگ ان کی باتیں بہ آسانی سن لیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ بچارے زیادہ آپا کے کان میں ہی بولتے..... (یہ ہماری آپا کا حکم تھا) مگر اس کے باوجود پھٹ پھٹی کی طرح ان کی آواز کا ولیم بھی خراب تھا..... کہہ سکی بات بھی کھٹ مٹھی ہو کر کڑوی اور زہریلی سی لگا کرتی تھی۔

فرحت آپا کو ہمیشہ تاؤ ان کے بولنے پر ہی آتا تھا کہ دن مرید شوہر ہونے کے باوجود وہ زن مرید دکھائی نہیں دیتے تھے اور یہ بنیادی خوبی ہر شوہر میں جب تک نمایاں نہ ہو، بیویوں کو چین نہیں آتا۔

اماں کا تو ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ فرو کی قسمت پھوٹ گئی ہے، سراج ایسے نہیں ہیں جیسے نظر آتے ہیں۔ ان کو تو وہ جگ ہنسائی نہیں بھولی تھی۔ جب وہ اپنی مہندی والے دن خوب پٹر پٹر بول رہے تھے۔

بجلی سالی نے چھوٹی انگلی پکڑ کر جب مہندی لگائی دس ہزار مانگی تو کیسے دانت لکال کر کہہ دیا تھا۔

”مہندی لگائی مانگ رہی ہو یا مہندی کا خرچہ..... سو لوگوں کے کہاب پرائیوں میں دس ہزار سے زائد کا خرچہ تھوڑی ناں ہوا ہوگا.....“ ان کی اس بات پر خاندان کی تمام شرانگیز خواتین نے چھت پھاڑ قہقہہ لگایا۔

”ارے بھیا..... سراج کہہ تو ٹھیک رہا ہے۔“
”کیسی سچی بات کہی.....“

”اے ہے.....“ سراج نے ہنس کر کہا۔ ”سالی کے لگا کس کے.....“ لوگوں کی باتیں سن کر شبولی کو خاصا تاؤ آ گیا تھا مگر پھر بھی سہیلیوں کے ٹپو کے کھا کر زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر کہا۔

”دولہا بھائی، ٹیک تو آپ کو دینا ہی ہوگا ورنہ آپ کی انگلی نہیں چھوڑوں گی۔“

تب سراج نے ہنس کر کہا۔ ”بے شک ساری

رات چٹکلیا پکڑے بیٹھی رہو، میں تو جیب میں دھیلا رکھ کے نہیں آیا۔“ تب شبو بیچاری نے فوراً کھسا کر ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ بیٹی الگ ہوئی تھی۔ (ایسی باتیں کسی داماد نے بھلا کی ہوں گی) اور اب یہی سراج بھائی..... فرحت آپا کی ان تھک کاوشوں کے بعد ان کے اہمو پر چلنے کے قابل ہوئے تھے۔

”جی، اچھا..... بہت اچھا..... بہت بہتر.....“ آپ نے ٹھیک فرمایا..... میں بھی یہی کہنے والا تھا..... آپ نے تو میرے منہ کی بات چھین لی۔“ جیسے جیسے بول کر آپا کا مان محفلوں میں بڑھایا کرتے تھے۔

مگر ایک شام خاندان کی ایک دی آئی پنی تقریب میں ایک انتہائی معمولی بات پر فرحت آپا سے ناراض ہو گئے اور سب کے سامنے ہماری آپا پر یوں چڑھے کہ ہمارے خاندان کے دیگر شوہر ان بھی سراج بھائی کی شجاعت کے گن گانے لگے۔ گو بعد میں فرحت آپا اس تقریب کے تمام اراکین کو یہ یقین دلانے پر مصر تھیں کہ بعد میں سراج نے اپنی اس حرکت پر ردد، رد کران سے معافیاں مانگی تھی۔ (مگر یقین کسی کو بھی نہیں آیا تھا کہ وہ زن مرید تو تھے..... مگر درجہ اول کے ریک میں نہیں آتے تھے) اور پھر خاندان بھر کے شوہر ان کے حق میں قدم پر چلے نکلے۔

جج کہا ہے داناؤں نے کہ ہر بری چیز اور ہر بری عادت اپنے اندر خوب گھومتی پھرتی ہے اور ہمیں انہوں نے گھروں میں قید کر رکھا ہے۔ جیسے گھر کے کام کاج کے سوا ہماری کوئی مشغولیت ہی نہیں۔ دفتروں سے تھکے ہارے آتے ہیں تو گھر کے دھندوں میں الجھ جاتے ہیں اور ہماری بیویاں ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتی ہیں۔

یہ جج جب ہر گھر کی پکار بن گئی تو فرحت آپا کو اس بات کا خیال آیا۔ ایک تقریب خاندان بھر کے مردوں کے نام رکھ دی جائے جس سے یہ لوگ خوش ہو سکیں۔ لہذا تقریب کا نام جشن بہاراں رکھا گیا..... اور سب کو بلاوے کے فون کھڑکا دیے گئے..... فرحت

کی کپ منہ مانگے داموں خرید کر انہیں بھیجی گئی جو انہوں نے شکرے کے ساتھ پھینک لی۔

فریدہ چاچی کی بھی زیادتی تھی کہ ایک تو چچا میاں کا قد چھوٹا تھا اور اس پر وہ انہیں چوڑی دار پا جامہ اور کرتے میں ملبوس کر داکے لے آئی تھیں۔ آنا شاید جلد بازی میں ہوا تھا اس لیے وہ دوپٹی کی چٹل میں چلے آئے تھے اور چاچی کو ان کی چپلوں کے ساتھ، ساتھ چچا میاں پر بھی غصہ آ رہا تھا۔

”ارے تمہارے میاں تو بہت ہی بونے سے ہیں۔ میں نے اتنے چھوٹے قد کا آدمی آج تک نہیں دیکھا۔“

”خاندانی بونے ہیں۔۔۔۔۔ ان کے خاندان میں طویل القامت ہیں کون؟ اگر یہ لے جے ہوتے تو باؤلے سے لگتے۔“ چاچی نے انتہائی طیش سے چچا کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جب میں نے سر فرو ہو کر اپنے میاں کو دیکھا پوری محفل میں سب سے منفرد نظر آ رہے ہیں۔۔۔۔۔ ان کے پاسنگ کوئی بھی تو نہیں تھا۔

وہ سب سے پیچھے کی نشست پر اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھے بیٹھے تھے۔۔۔۔۔ ان کے چہرے پر جو میں نے میک اپ کیا تھا وہ اچھا لگ رہا تھا۔

ان کی گنجی چند یا کو میری چھوٹی وگ نے سنبھالا دے رکھا تھا۔

فرحت آپا تو خوش تھیں کہ تقریب بہاراں بھی سوائے ہوج کے آگے نہیں بڑھی۔۔۔۔۔ یوں بھی جن تقاریب کے مقاصد اصلاحی اور افلاطونی ہوتے ہیں، ان میں سوائے بوریت کے کچھ ہوتا ہی نہیں۔۔۔۔۔ اور فرحت آپا کے ساتھ، ساتھ دیگر خواتین بھی بہت خوش تھیں کہ ان کے شوہر اپنے، اپنے گھروں میں اپنی ان جی داریوں کے قصے بیان کر کے خود ہی مگن ہو رہے تھے۔۔۔۔۔ جو ان میں ہے ہی نہیں۔۔۔۔۔ باؤلے کہیں گے۔۔۔۔۔ فرحت آپا۔۔۔۔۔ سب کی کتھاسن کر دو دو گز کے قہقہے لگا رہی تھیں (میشہ کی طرح۔۔۔۔۔) ☆☆☆

آپا کی یہ دعوت قبول کرتے ہوئے تمام چہروں پر ہریالی لوٹ آئی۔۔۔۔۔ گھر کے دھندے دوبارہ شوق اور رغبت سے کرنے لگے۔

تقریب ایک مقامی ہوٹل میں رکھی گئی اور ڈنر طے پایا۔۔۔۔۔ تمام بیویوں نے اپنے، اپنے شوہروں سے پانچ، پانچ سو روپے فی کس لے کر فرحت آپا کے پاس جمع کرادیے۔۔۔۔۔ وہاں ون ڈش اور ون سوٹ ڈیزھ سو پر ہیڈ تھی بقیہ پیسے اس لیے بچا لیے گئے کہ بعد میں صرف بیویوں کی کوئی ذاتی پارٹی ہو سکے۔

بہر حال وہ تقریب چونکہ شوہروں کے نام تھی اس لیے ہر میاں بچ کر آیا جیسے وہ مرد کھوے کے لیے آیا ہو۔ میرے قہقہے تو کسی طرح نہیں رک رہے تھے جب میں خاندان کے مردوں کو یوں بنا سنورا دیکھ رہی تھی۔ (ہر کوئی اپنی بساط سے بڑھ کر آیا تھا)

فرحت آپا کے میاں خوب میک اپ کر کے آئے تھے۔۔۔۔۔ شرٹ کے بٹن بھی آگے سے کھول لیے تھے۔۔۔۔۔ جن میں سے ان کی پہلی بنیان نہ صرف منہ چڑا رہی تھی بلکہ یہ بھی بتا رہی تھی کہ وہ انٹی بنیان پہننے کے عادی ہیں۔ چھوٹے، پھوپا آنکھوں میں دم دار سرمہ لگا کر آئے اور تقریب کے دوران بھی اپنے تئیں بچوں کی دودھ کی بوتلیں ہاتھ میں لیے گھوم رہے تھے۔

شنو خالہ کے میاں سفید براق کرتہ شلوار میں آئے تھے اور وہ غالباً پارٹی کے سب سے خوب رو شوہر کہلائے مگر اپنی تہی لگانا بھول گئے تھے۔ قہقہے لگانے کی عادت تھی۔۔۔۔۔ وہ جتنی ہار بھی بنے، شنو خالہ کھول، کھول گئیں۔

مسز سطوت کے شوہر اس قدر سنبھتے تھے کہ توبہ بھلی اور انہیں اس کا احساس تک نہیں تھا۔ تقریب میں آتے ہوئے وہ اپنی چند یا پر خوب تیل لگا کر آئے تھے بلکہ آئی برو پٹیل سے مانگ بھی بنا کی تھی۔۔۔۔۔ بعض کا تو یہ خیال تھا کہ پٹیل سے بالوں کی لکیریں بھی ڈالی گئی ہیں جو تیل کی وجہ سے مدہم پڑ گئی ہیں۔ مسز سطوت کا جب مارے شرم کے برا حال ہو گیا تب ہوٹل کے ہیرے سے اس



☆ فردوس شازیہ..... لاہور
عشق قاتل سے بھی، مقتول سے امدادی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا
سجدہ خالق کو بھی، اٹلیس سے یارانہ بھی
حشر میں کس سے عقیدت کا صلہ مانگے گا
☆ کرن شہزادی..... بہاول
تو قد و قامت سے شخصیت کا اعجاز نہ کر
جتنا اونچا بیڑ تھا اتنا گھٹا سایہ نہ تھا
☆ سیما گل..... ملتان
میرے شکوکوں پر اس نے یوں ہنس کر کہا
کس نے کی تھی وفا جو ہم کرتے
☆ کرشمہ قاسمہ..... ہارون آباد
بے وفا تم ہو اس سے مجھے کیا لینا
تم سے ہے پیار مجھے میرے لیے کافی ہے
☆ کانکات عبدالحلیم..... میرپور خاص
رات کھولے تھے کچھ پرانے خط
پھر محبت دراز میں رکھ دی
☆ صدف آصف..... کراچی
میرا ذکر پڑھنے والے میرا راستہ نہ جن لیں
سرورق یہ بھی لکھتا مجھے مات ہوگی ہے
☆ دو شہوار..... چوک سیداں شاہ
میر کس نے میرے لبوں میں اتار دی خوشبو
یہ کس نے نام لکھا ہے گلاب پر میرا
☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر
دور ہیں اور پل پل ہنسیں خوابوں اور خیالوں میں
ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں لیکن صدیوں سالوں میں
☆ رحمتا مشاق..... منڈی بہاؤ الدین
دل جو ٹوٹے گا تو آواز بھی آئے گی فطرت
کاٹچ کی چڑ ہے اور ٹوٹنے والی بھی ہے

ماہنامہ پاکیزہ 286 جون 2018ء

☆ یاسمین اسرار..... کمالیہ
کھینچنے سے جو مجھ کو روکتی تھی مٹی میں
اڑھے مٹی کی چادر آج سوری ہے میری ماں
☆ شرمین علی..... حیدرآباد
چار دن کی ہستی میں ہنس کے ہی لیے خیر
بے نشاط دنیا سے یہ فہام کافی ہے
☆ کوثر خالدہ..... جڑانوالہ
جان کا نذرانہ دیں گے الہی وفا
وہ کسی روز آزما لیں بھی
☆ نازیہ نازی..... نوشہرہ کینٹ
ہر کچھ جانتا ہے ایسا وہ
میری لیے تابیاں بڑھیں جس سے
☆ نگینہ ضیاء بخش..... کراچی
عبادت کو میری آکر وہ یہ تاکید کرتے ہیں
تمہیں تو ہم ہی ماریں گے ذرا سا ٹھیک ہو جاؤ
☆ حینا آفریدی..... کلفٹن، کراچی
تمہارا نام کسی اجنبی کے لب پر تھا
ذرا سی بات تھی پر دل کو لگی ہے کس کر
☆ مہرین ضیا..... کیاڑی
ان سے کہتا ہم مرے میں نہیں
بس یادیں بہت ستاتی ہیں
ان کی دوری کا غم نہیں ہے مجھے
بس ذرا چلیں بھیگ جالی ہیں
☆ رخسانہ جمیل..... سی
میرے چارہ گر کو لوید ہو، صدف دشمنان کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جان پر وہ حساب آج چکا دیا
جھکے کو گراں تھا ہم جھپٹتے جاں سے گزرنے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یاد گار بنا دیا

☆ ارتیل شاہ..... کوٹ اود

بے تحاشا محبتوں کے امین
بے وجہ چھوڑ بھی تو جاتے ہیں
☆ ماہ نور خان..... بہارہ کھو

دلوں میں فرق آجائے تو اتنا یاد رکھنا تم
ولیں، غمیں اور غلطے بیکار جاتے ہیں
☆ حمیرا نوشین..... منڈی بہاؤ الدین

ملاقاتیں مسلسل ہوں تو دیکھی نہیں رہتی
یہ ترتیب پارلنے بڑے دلچسپ ہوتے ہیں
☆ حسی قندیل..... کمالیہ ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

اس قدر دنیا کے دکھ اے خوب صورت زندگی
جس طرح تلی کوئی مکڑی کے جالوں میں رہے
☆ جبین نیاز..... ملتان

دل کی دیریاں ہستی اکثر مجھ سے پوچھا کرتی ہے
بیتے ہیں کس دلیس وہ جو لوگ یہاں پڑتے تھے
☆ زریں خان..... بہارہ کھو

جمعی جیسی ہے کہکشاں تھکا تھکا ہے آسمان
لٹا ہے شب کا کارواں سحر کے پاس دیکھے
☆ کرن کمال..... فیصل آباد

فلک پر صر کرتے ان گنت روشن ستاروں کو
جو ہم ترتیب دیتے تھے تو حیرانم بننا تھا
☆ عظمیٰ..... ملتان

جس گھر بھی جاؤ قصے ہیں اسی کم بخت دل کے
کوئی لے کے مدد ہا ہے کوئی دے کے مدد ہا ہے
☆ صبا سجاد بخش..... کوہاٹ

چھڑ جانے کا دکھ بھی کیا تھا
کتنے چپ چاپ تھے رستے سارے
☆ یاسمین کنول..... پرورد

آنکھ سے دور جو جاتا ہے تو اتنا سن لو
ایچھے لوگوں کی طرح خواب میں آتے رہنا
جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بیکار ہے اس شخص کا چلتے رہنا

☆☆☆

☆ عرشید حیدر..... کراچی

سودا ہے عمر بھر کا کوئی کھیل تو نہیں
اے چشمِ یار مجھ کو ذرا سوچنے تو دے
اس حرفِ کن کی ایک امانت ہے میرے پاس
لیکن یہ کائنات مجھے بولنے تو دے

☆ ارم کمال..... فیصل آباد
نہ تھیں کچھ رنجشیں
بس عادتوں میں تضاد تھا
اسے پسند تھیں شوخیاں
اور ہمیں سادگی میں کمال تھا

☆ رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان
یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستو
پھرتے ہیں مثل موج ہوا شہر شہر میں
آوارگی کی لہر ہے اور ہم ہیں دوستو

☆ ثریا نذیر..... بہاول نگر
دل کو خالی نہ ہونے دیا رنج سے
جب پرانا ہوا تو نیا رکھ دیا
جانے کس کس گڑی یاد اترے حیرتی
خواب کی سیڑھیوں پہ دیا رکھ دیا

☆ رلعت بھین رنی، مٹی گن، امریکا
ایک بوند اشکوں کی دامن نہ بھگو پائے
غم اس کی امانت ہے پلوں پہ سہا رکھنا
☆ فریدہ انصار..... اسلام آباد

مجھے شکل دے کے درود پڑھ
میرے ساتھ اسم وجود پڑھ
کسی صبح اولین وقت میں
مجھے نقش کر مرے کوزہ گر

☆ سائرہ ارم..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
ہم فقیروں کو برائی سے سروکار نہیں
ہم زمانے میں فرشتوں کی طرح رہتے ہیں
لوگ کہتے ہیں برا ہم کو تو حیرت کیا ہے
کہنے والے تو خدا کو بھی برا کہتے ہیں



مزیدار پکوانوں کے دلدادہ قارئین کے لیے ماہ رمضان کی مناسبت سے حرے، حرے کے اور بجٹ کے اندر رہتے ہوئے پکوان حاضر ہیں۔ روزوں کا سلسلہ اگرچہ ماہِ ربیع سے ہی چل رہا ہے مگر ماہِ رمضان میں تو سحر و انظار کے اہتمام بھی الگ ہی ہوتے ہیں سو آپ کی رہنمائی کے لیے خوش ذائقہ کے خوش کن صفحات حاضر ہیں۔

چکن بالز

اشیا کے آلو، دو عدد (اہال لیس) چکن، بون لیس (اہال لیس) دو کپ..... نمک، کالی مرچ، حسب ذائقہ۔ ہرا دھنیا، ہری مرچ، چند پتے پودینہ (باریک باریک کاٹ لیں) آدھا کپ، بریلے گرمز یا چاول کا آٹا..... تیل، تلنے کے لیے۔ دو انڈے پھینٹ لیں۔

ترکیب کے اٹے ہوئے آلو اور بوٹیاں خوب باریک کر کے مکس کر لیں جیسے پیس لیا جاتا ہے۔ اب اس میں نمک، کالی مرچ اور ہرا مسالا مکس کر دیں۔ اب اس کی چھوٹی، چھوٹی بالز کو فٹے کی شکل کی بنا میں اور پہلے انڈے کے آمیزے میں پھینٹیں پھر گرمز یا چاول کے آٹے میں رول کر کے ایک پلیٹ میں الگ، الگ رکھتی جائیں ایک گھنٹہ فریج میں رکھ کر اب فرائی کر لیں۔ اسے کچپ یا ہری چٹنی کے ساتھ کھایا جاسکتا ہے۔

چکن بکولے

اشیا کے چکن کی بوٹیاں، چھوٹے سائز کی کر والیں۔ چاہے ہڈی والی یا بون لیس آپ کی مرضی ہے..... ہمیں ایک پیالی..... انار دانہ، ایک چائے کا چمچ (کوٹ لیں)۔ نمک، سرخ مرچ کٹی ہوئی، حسب ذائقہ۔ زیرہ سفید، دوٹی اسپون۔

ترکیب: ہمیں میں سارے سالے ڈال کر خوب

ماہنامہ پلکیزہ 288 جون 2016ء

پھینٹ لیں جیسے عام طور پر پکڑوں کے لیے تیار کرتے ہیں۔ چکن کو تلنے سے پہلے ایک پیالی سر کے میں چار گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ پھر پکڑے بنانے سے ایک گھنٹہ پہلے اسے پھینٹی سے جھان لیں اور اب ہمیں کے آمیزے میں ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ تیل اچھا گرم کر کے چکن کی بوٹیاں ایک، ایک کر کے ڈالتی جائیں اور گولڈن براؤن ہونے پر اٹار لیں، مزیدار پکڑے تیار ہیں۔ ساتھ میں چٹنیوں کا بھی اہتمام رکھیں۔

مرسلہ: ہمایا سیمین، کراچی

مسالے دار آلو

اشیا کے آلو، چار عدد، گڑوں میں کئے ہوئے۔ آٹل، دو کھانے کے چمچ۔ لہسن، ایک پونجی کتری ہوئی۔ دالی، دو چائے کے چمچ۔ کلونجی، ایک چائے کا چمچ۔ ہلدی پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ سفید زیرہ پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ دھنیا پاؤڈر، ایک چائے کا چمچ۔ لیموں کا رس، دو کھانے کے چمچ۔ نمک، سیاہ مرچ، حسب ضرورت۔ ہری مرچ، ہنز دھنیا اور لیموں، سجانے کے لیے۔

ترکیب کے نمک ملے پانی میں آلو دس منٹ ابالیں پھر پانی نکال دیں۔ پانی میں زردے کا رنگ بھی ڈال دیں۔ فرائی ٹین میں تیل گرم کریں اور اس میں تمام سالے اور لہسن ڈال کر دو منٹ بھونیں یہاں تک کہ دالی کے دانے پھٹنے لگیں اس میں آلو ڈالیں اور آٹج درمیانی کر کے دس منٹ پکائیں یہاں تک کہ سارا مسالا آلو دس پر لگ جائے پھر حسب ذائقہ نمک مرچ شامل کریں اور لیموں کا رس ڈال دیں لیموں کے گڑوں اور دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

عربی پرائٹھے

اشیا کے قیہ، دو پیالی۔ (بھننا ہوا) سفید، تین

تربوز ... گرمی سے بچاؤ میں مددگار

ایک پیالی تربوز میں 30 گرام حرارے ہوتے ہیں اور چکنائی بالکل نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس میں 7.55 گرام شکر اور 92 گرام پانی ہوتا ہے، چنانچہ اس سے پیاس بجھ جاتی ہے۔ تربوز ذائقے دار ہی نہیں بلکہ صحت بخش بھی ہوتا ہے۔ غذا کو متوازن رکھنے کے لیے پھل کھانے چاہئیں اور جب آپ کاراجان یہ ہو کہ پھل کھانے کے بعد آپ کے جسم میں کم حرارے پہنچیں تو آپ کو سوچ سمجھ کر پھل کا انتخاب کرنا چاہیے۔

یہ گرمی کے موسم میں پانی کی کمی کو پورا کرتا ہے۔ وہ ماٹے جو کہ ہمارے جسم سے گرمی کے موسم میں پسینے کے سبب نکل جاتے ہیں تربوز ان کی کمی پوری کر دیتا ہے۔ پانی کی زیادتی کی وجہ سے یہ چکنائی کو جلانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تربوز میں پوٹاشیم، حیاتین ج، ب ۱۶ اور جسٹ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اہم اور غیر اہم امینو ترشے بھی ہوتے ہیں۔ جس سے اس کی غذا ایت بڑھ جاتی ہے۔ تربوز کے بیج کھانے سے بھی لحمیات حاصل ہوتے ہیں۔

جب ہمارے جسم کو پوٹاشیم کی ایک مناسب مقدار حاصل ہو جاتی ہے تو اس سے ہائی بلڈ پریشر کم ہو جاتا ہے۔ یہ گردوں کی پتھری کو نکالنا اور دل کی کارکردگی کو بہتر بناتا ہے۔ ایک سو گرام تربوز میں ۷۷ ملی گرام پوٹاشیم ہوتا ہے۔

تربوز میں پیاریوں کے خلاف نبرد آزما ہونے والے پینا کیروٹین کی ایک بھاری مقدار ہوتی ہے۔ اسے کھانے سے انضجالات اور محکم دور ہو جاتی ہے اور انسان ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔

تربوز دل کی پیاریوں میں قائمے مند ہے اور قالج کو روکتا ہے۔ چونکہ اس میں کیمیم زیادہ ہوتا ہے، اس لیے یہ ہڈیوں میں مضبوطی پیدا کرتا ہے۔ یہ جوڑوں کی سوچن میں بھی مفید ہے۔

مرسلہ: فاطمہ بلال، کینیڈا

پیالی۔ سوچی، آدمی پیالی۔ شک، حسب ذائقہ۔ چینی، ایک چائے کا چمچ۔ انڈے، چار عدد۔ دودھ، آدمی پیالی۔ ہر ادھنیا، آدمی گھی۔ (باریک کٹا ہوا) ہری مرچیں، تین سے چار عدد۔ (باریک کٹی ہوئی) گھی، حسب ضرورت۔ ترکیب: پیے میں ایک چائے کا چمچ اورک بس، ایک کھانے کا چمچ لال مرچ، آدھا چائے کا چمچ ہلدی اور حسب ذائقہ نمک ڈال کر اگلی آج پرانی دیر پکائیں کہ پیے کا اپنا پانی خشک ہو جائے۔ میدہ اور سوچی کو چھان کر نمک چینی اور دو کھانے کے چمچ گھی ڈال کر اگلیوں کی مدد سے ہلکے، ہلکے اس طرح ملائیں کہ وہ ڈبل روٹی کے چورے کی سی شکل میں آجائے۔ ساتھ، ساتھ نیم گرم دودھ بھی شامل کرتی جائیں۔ حرید ضرورت محسوس کریں تو تھوڑا، تھوڑا گرم کر کے نیم گرم پانی ڈالتے ہوئے اس کو اچھی طرح گوندھ لیں۔ پلاسٹک میں لپیٹ کر چندہ سے بیس منٹ کے لیے گرم جگہ پر رکھ دیں۔ پیے کو اچھی طرح ٹھنڈا کر کے اس میں ہر امسال ملا لیں، گندھے ہوئے میدے کو دوبارہ گوندھ کر بڑے سائز کے پیڑے بنالیں۔

پیڑے کی بڑی سی چپاتی تیل لیں اور ایک چھوٹے سائز کی پکلی سی چپاتی تیل کر درمیان میں رکھ دیں، اس پر قیمہ پھیلا کر ڈالیں اور اوپر ایک انڈا ڈالیں، چاروں طرف سے لپیٹ کر چوکور بنا کر بند کر دیں۔ بڑے سائز کے فرانگ پین میں گھی ڈال کر درمیان آج پر تین سے چار منٹ گرم کریں، پراٹھے کو احتیاط سے اٹھا کر ڈالیں اور دونوں طرف سے گولڈن فرائی کریں۔ سحر یا ناشتے میں اس زبردست پراٹھے کا پودینے والے راسخے کے ساتھ لطف اٹھائیں۔

یودینے والا رائتہ

ایک پیالی دہی میں حسب ذائقہ نمک، آدھا چائے کا چمچ پیسی ہوئی کالی مرچ، ایک چائے کا چمچ بھنا ہوا پاپا ہوا زیرہ اور دو کھانے کے چمچ باریک کٹا ہوا پودینہ ڈال کر اچھی طرح ملا لیں۔ تھوڑا سا پانی یا دودھ ڈال کر پتلا کر لیں۔

نفیسہ آراء، اس الخمد



پاکیزہ بہنیں

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ پروین افضل شاہین..... بہاول نگر
سوال: ایک بار میں نے اپنے میاں جانی سے
کہا کہ اتنا پرلوم مت لگایا کریں..... اگر کسی دن
کوئی چڑیل عاشق ہوگئی تو..... وہ بولے؟
جواب: چڑیل تو کب کی عاشق ہو چکی ہے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ ماہ رخ..... حیدر آباد
سوال: آنکھیں کب بولتی ہیں؟
جواب: جب انہیں کوئی فرصت سے سننے والا ہو۔

☆ فرحانہ پروین..... راول پٹی
سوال: کب بچوں کو تھپڑ مارنے کو دل چاہتا ہے
اور نہیں مار سکتے؟
جواب: جب کہیں باہر جا کر بچے بدتمیزی کی انتہا
کر دیتے ہیں۔

☆ ارم کمال..... فیصل آباد
سوال: میاں اناڑی، ساس کھلاڑی اور میں
بچاری کیا کروں.....؟

جواب: پہلے ساس کو آؤٹ کرو پھر اپنی گاڑی
میں میاں کو بٹھا کر خوب گھومو۔
☆ ایس کے..... کراچی

سوال: وہ موبائل کی دوستی تو چاہتا ہے مگر شادی
کے موضوع پر بات کرنے سے بھاگتا ہے، اسے میں کیا
سمجھوں؟

جواب: اسے مکار اور اپنے آپ کو پاگل۔

☆ گزیارانی..... پنجاب

سوال: باجی اہم نے ٹی وی کے ڈراموں سے یہ
سیکھا ہے کہ جب ہیرو آئے تو اس کی خوب خاطر کرنی

مانانہ ماکنڈہ 290 جون 2018ء

چاہے، کیا واقعی.....؟

جواب: ہرگز نہیں..... جن کی پہلے ہی خاطر
ہو جائے تو وہ خاطر میں نہیں لاتے۔

☆ نجمہ..... ملتان

سوال: محبوبہ اور بیوی کے بولنے میں کیا فرق ہے؟
جواب: محبوبہ بدتمیزی سے بھی بولے تو اس کا لہجہ
شرارتی سا لگتا ہے اور بیوی شجیدگی سے بھی کچھ کہے
تو وہ بدتمیزی اور ڈھونڈی نظر آتی ہے۔

☆ ناعمہ تحریم..... ملیر، کراچی

سوال: اپنا راز کسی کو بتا کر پوشیدہ رکھنے کی
درخواست کون کیا کرتا ہے؟

جواب: بے وقوف سی خواتین۔

☆ ماہ رخ..... لطیف آباد

سوال: جلدی سے بتائیں دل کا چین کہاں سے
ملتا ہے؟

جواب: مختلف لوگوں کو مختلف جگہ پر ملتا ہے۔ کسی
کو پڑھنے میں، کسی کو شاپنگ کرنے میں، کسی کو گھومنے
پھرنے میں اور کسی کو صرف جدے کی حالت میں۔

☆ فلک بنت ندیم..... حیدر آباد

سوال: شیر جنگل میں دھاڑتا ہے اور شوہر.....؟
جواب: گھر میں اور بعض شوہر گھر میں بھی پڑے

ہیں کر رہتے ہیں۔

☆ یاسمین اسرار..... کمالیہ

سوال: شادی سے پہلے وہ بات کرتے تھے تو منہ
سے پھول جھڑتے تھے اب وہ بات کرتے ہیں تو.....؟

جواب: مگر اس نے آپ کو یہ نہیں بتایا ہوگا کہ یہ کرپے کا حلوا ہے۔
☆ صبا نور..... لیہ
سوال: اکثر لوگ اپنی بیوی یا گرل فرینڈ کو پیٹرول پمپ کے باہر موٹر سائیکل سے کیوں اتار دیتے ہیں؟
جواب: پہلی وجہ تو یہ کہ پیٹرول پمپ پر لکھا ہوتا ہے آگ لگانے والی چیزیں پمپ سے بہت دور رکھیں..... اور دوسری وجہ یہ کہ میں انجی اکیلا ہوں۔
☆ مصباح رضا سعید..... فیصل آباد
سوال: میری یہ سالگرہ بھی ساس کی نظر ہو جائے گی یا پھر میاں جی ہمت پکڑ کر کہیں لے جائیں گے؟
جواب: اس سالگرہ پر آپ کے میاں جی ہمیشہ کی طرح آپ کو لے کر آپ کے سیکے چھوڑ دیں گے اور وہیں پر چھوٹا سا کیک لے آئیں گے۔
☆ گڑیا..... پنجاب
سوال: شادی سے پہلے وہ ہمارے گھر جو کر بن کر رہی کیوں آیا کرتے تھے؟
جواب: آپ کی خاموشی اور سنجیدگی توڑنے کے لیے کہ کسی بہانے تو منہ کھول کر نہیں۔
☆ نور افشاں..... شکار پور
سوال: سچے آدمی کی ایک خوبی یہ بھی ہوتی ہے، کیا ہوتی ہے.....؟
جواب: اس کا لہجہ تلخ بھی ہو جاتا ہے۔
☆ احم حیدر خان..... پاک پٹن
سوال: خواب میں شیمو دیکھنا کس بات کی علامت ہے؟
جواب: یہی کہ پردیس سے کوئی مہمان آنے والا ہے جو اپنے ہمراہ آپ کے لیے شیمو کی بوتلیں، پرفیومز اور ڈھیر ساری سوغات لے کر آنے والا ہے۔

☆☆☆

جواب: محلے کی خواتین دروازوں میں سے سر نکال کر دیکھا کرتی ہیں کہ..... پیٹرول پمپ کیسے گر رہے ہیں۔
☆ نسreen یاسین..... حیدر آباد
سوال: رائی کا پہاڑ کیسے بنتا ہے؟
جواب: کوئی بھی بات دو چار خواتین کو بتاؤ دو کہتے بعد ہی وہ کیا سے کیا ہو چکی ہوگی۔
☆ ایسہ حامد..... کراچی
سوال: شعر مکمل کریں۔
گوئی ہو گئی آج کچھ زبان کہتے کہتے
جواب: ہنگامہ کیا میں خود کو مسلمان کہتے کہتے
☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ
سوال: سب سے زیادہ استعمال ہونے والا گھریلو اٹھیا کون سا ہے؟
جواب: جوتا..... یہ گھریلو اٹھیا بھی ہے اور سیاہ بھی۔
☆ نایاب کرن صدیقی..... پنجاب
سوال: کس قسم کے چہرے دل کے کسرے میں نقش ہو جاتے ہیں؟
جواب: بہت اچھے یا بہت برے۔
☆ نازیہ نزی..... نوشہرہ کینٹ
سوال: قلعہ کب بولنا چاہیے؟
جواب: جب بات پٹری سے اتر رہی ہو..... اور سیدھی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آ رہی ہو۔
☆ ایمن رائی..... ٹوبہ ٹیک سنگھ
سوال: کیا ہوشیار مرد اچھے شوہر ثابت ہوتے ہیں؟
جواب: اچھے شوہر..... ہر کئی گہری میں پائے جاتے ہیں اور نہیں بھی..... چاہے وہ بے وقوف ہوں یا ہوشیار۔
☆ ماریہ یاسر..... کراچی
سوال: کسی نے کہا تھا میٹرک کر لو آگے پڑھائی حلوا ہی حلوا ہے؟



رمضان المبارک

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان المبارک بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے، یہ صبر، شکر اور عبادات کا مہینہ ہے۔ اس ماہ مبارک کا ثواب ستر درجہ عطا ہوتا ہے جو کوئی اپنے پروردگار کی اطاعت کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرے گا اس کی بہت بڑی جزا اللہ تعالیٰ خود عطا فرمائے گا۔۔۔۔۔ رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر (یعنی چاند رات کو ہی) پہلے درود شریف پڑھیں پھر ۱۳۳ مرتبہ یہ دعا پڑھیں (پارہ ۲۸ سورہ جمعہ)

ذالك فضل الله يوتيہ من يشاء والله ذو الفضل العظيم

نوٹ: پڑھ کر ہاتھوں پر دم کر کے چہرے پر پھیر لیں اور پانی پر دم کر کے پی لیں۔

☆ ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر سورہ فتح تین مرتبہ تلاوت کیجیے۔ وسعت رزق عطا ہوگی۔

رمضان المبارک کی پہلی شب

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب میں بھی عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد تین مرتبہ سورہ فتح پڑھنا بہت افضل ہے۔

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب سے آخری شب تک ایک تسبیح پہلے کلمے کی لازمی پڑھیں۔ (یہ کم سے کم ہے)

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب سے آخری شب تک کم سے کم ایک تسبیح استغفار اور تیسرے کلمے کی لازمی پڑھیں۔

☆ چلے پھرتے، کام کرتے ہوئے سفر کرتے ہوئے، اللہ کے نام کو ہراتے رہیں جیسے یا حق یا قیوم، یا

ماہنامہ پاکیزہ 292 جون 2016ء

اول و آخر، یا حلیم یا علیم، یا علی یا عظیم، یا اللہ یا رخصن یا رحیم یا کریم۔

☆ سحری میں اٹھ جانے سے تہجد کی نماز یہ آسانی ہو جاتی ہے تو اس کے بعد دو قل توبہ کے بھی پڑھ لیں۔

☆ ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر اپنے خاندان اور احباب کو مبارک باد دیں۔ ان سے دعائیں لیں اور اپنے سے چھوٹوں کو دعا دیں، آپ کے ارد گرد رہنے والے آپ کے ملازمین یا اپنے غریب رشتے داروں کی اتنی مدد ضرور کریں کہ وہ آسانی سے سحری اور افطاری کر سکیں۔

☆ رمضان المبارک کی پہلی شب بعد نماز تہجد آسمان کی طرف منہ کر کے بارہ مرتبہ یہ دعا پڑھنی بہت افضل ہے۔

لا اله الا الله الحي القيوم القائم على كل نفس بما كسبت

اس کے پڑھنے والے کو بے شمار نعمتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی جائیں گی۔ اس دعا کی اتنی فضیلت ہے کہ جو شخص روزانہ سحری کے وقت سات مرتبہ پڑھے گا اسے ہر ستارے کے برابر نیکیاں ملیں گی اور ہزار گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔

نوٹ: آپ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی بتائیں اور اپنی دعاؤں میں اپنی باحی سمیت سب کو یاد رکھیں۔

رمضان میں دعا کی

قبولیت کا وقت

قبولیت دعا کی خصوصی گھڑی تو رمضان المبارک کی ہر شب آتی ہے لیکن شب و قدر میں اس گھڑی کا رنگ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس کی شان اور تاثیر ہی جدا

بندے کی سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا اے پروردگار میں نے اس کو کھانے سے روکا اور تمام خواہشات سے دن بھر باز رکھا۔ تو میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اسے رات میں سونے سے روکا اس لیے میری سفارش اس کے لیے قبول فرما۔۔۔۔۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول ہوگی۔

(از مشکوٰۃ شریف)

رمضان المبارک میں ہر سجدے

کے عوض پندرہ سو نیکیاں

لکھوا دی جاتی ہیں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور النورؐ نے ارشاد فرمایا۔ جب رمضان المبارک کی پہلی رات آتی ہے تو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور آخری رات تک ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔۔۔۔۔ اور جو بندہ اس مہینے کی کسی رات میں بھی نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ہر سجدہ کے عوض پندرہ سو نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے لیے جنت میں سرخ یا قوت، جڑے ہوں گے۔ جب بندہ رمضان المبارک کے پہلے دن روزہ رکھتا ہے تو اس کے پچھلے رمضان کے پہلے دن کے روزے تک کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ اور اس کے لیے روزانہ ستر ہزار فرشتے فجر کی نماز سے غروب آفتاب تک استغفار کرتے ہیں اور اسے رمضان المبارک کے ہر دن اور ہر رات میں سجدہ کرنے پر جنت میں ایک ایسا درخت عطا کیا جاتا ہے جس کے سایہ میں کوئی سوار پانچ سو سال تک چلتا رہے۔

شعیب الایمان، ج نمبر ۳ صفحہ نمبر ۳۱۴

حدیث نمبر ۳۶۳۵

☆☆☆

ماہنامہ پاکیزہ 293 جون 2016ء

ہو جاتی ہے۔ وہ گھڑی نہ معلوم کون سی ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ کو ایک مختصر مگر بہت جامع دعا سکھائی تھی جو آپ اس رات میں کثرت سے پڑھتے تھے۔ اس لیے ہم سب لوگوں کو بھی یہ دعا عربی میں بھی اردو میں بھی کثرت سے پڑھنی چاہیے۔

اللهم انك عفو تحب العفو فاعف عني
ترجمہ: میرے اللہ تو بہت معاف کرنے والا ہے۔ معاف کرنے کو محبوب رکھتا ہے۔ پس مجھے معاف کر دے۔

(ترمذی)

مکہ مکرمہ میں رمضان المبارک

کو پانا، روزے رکھنا

لاکھ رمضان کا ثواب

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا جس نے مکہ مکرمہ میں ماہ رمضان پایا اور روزہ رکھا، رات میں جتنا میسر آیا قیام کیا تو اللہ عزوجل اس کے لیے اور جگہ کے ایک لاکھ رمضان کا ثواب اور ہر رات ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب اور ہر روز جہاد میں گھوڑے پر سوار رہنے کا ثواب اور ہر دن میں نیکی اور ہر رات میں نیکی لکھے گا۔

(ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۱۱)

ماہ رمضان کی فضیلت

حضرت ابوسعید خدریؓ نبی پاکؐ حضرت محمدؐ سے روایت کرتے ہیں کہ کوئی اللہ کی رضا کے لیے ایک دن کا روزہ رکھے، اللہ تعالیٰ اس کو ستر برس تک دوزخ سے دور رکھے گا۔ روزہ جس اس قدر اہمیت کا حامل قرار دیا گیا خود روزہ بھی روزے داروں کے لیے شفاعت کرے گا۔ حضرت عبداللہ عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ حضرت محمدؐ نے فرمایا۔ روزہ اور قرآن دونوں

READING
Section



شوابعے ہومیوکلینک



اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جا رہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیوپیٹھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر تجربہ کار ڈاکٹر کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیار صحت بلند ہو لہذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

گئے ہیں اور میرے منہ پر دانے، کھل مہاسے اور جھابیاں بہت زیادہ ہیں۔ کبھی جلد کا رنگ بڑا سٹرا سا ہوا کرتا تھا اب تو ایسے جیسے بیمار ہوں۔ براہ مہربانی میرے لیے اچھی سی دوائیں تجویز کریں جن سے فریش نظر آؤں۔

جواب۔ آپ کے ساتھ اصل مسئلہ یہ ہے کہ آپ کی شادی انتہائی کم عمری میں ہو گئی، پھر 8 سال میں 3 بچے بھی ہو گئے۔ آپ کے اندر خون کی کمی بھی ہے۔ آپ ڈاکٹر ولیمار شوابعے جرمینی کی Sepia 30، lycopodium 30 کے 7،7 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ لیں، چھل قدمی کریں اور متوازن غذا کا استعمال کریں۔

بڑھا ہوا جگر

ط، م شاہ..... تحصیل پسرور، سیالکوٹ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ دوا چ جگر بڑھا ہوا ہے، لیکور یا بہت زیادہ ہے، ہر قسم کے ٹوکے، دوائی وغیرہ

جسمانی کمزوری

آم محمد عبداللہ..... قلعہ لال سنگھ

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بال سفید ہونا شروع ہو

ٹوکن

برائے شوابعے ہومیوکلینک

جولائی 2016ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مینے بھیجیں اسی مینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: _____

پتا: _____

ماہنامہ پاکیزہ 294 جون 2016ء



ساتھ 30 Pulsatilla اور
Calc Phos-30 کے 5, 5
قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال
کردن میں تین مرتبہ لیں۔ پھر
تفصیل سے آگاہ کریں۔

بٹی کا مسئلہ

نام شائع نہ کریں

میں آپ کا یہ سلسلہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔
مسئلہ میری بٹی کا ہے۔ اس کا وزن بہت زیادہ بڑھ گیا
ہے۔ پیٹ اور کولہے بہت بھاری ہو گئے ہیں۔ پیٹ
باقاعدہ لٹک گیا ہے۔ اس کے ماہنامہ نظام میں بھی بے
قاعدگی ہے۔ رنگ سانا ہوا ہو گیا ہے۔ آنکھوں کے نیچے
گہرے حلقے بن گئے ہیں۔ اکثر سر درد رہتا ہے۔ ڈاکٹر کو
دکھایا تھا وہ کہتے ہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ صرف وزن کم
کریں۔ چاول، بڑا گوشت، دہی، نان وغیرہ بالکل نہیں
کھائی۔ سیرھیاں بھی بہت اترتی چڑھتی ہے۔ کالج میں بھی
پھرتی رہتی ہے۔ سال کے آخر میں انشاء اللہ شادی ملے کر
دی ہے۔ مہربانی فرما کر کوئی اچھی سی دوا تجویز کر دیں۔

جواب۔ ماہانہ نظام کب شروع ہوا اور جس عمر میں
شروع ہوا اس وقت اس کی کیا حالت تھی؟ ڈاکٹر ولیمار
شوا بے جرمنی کی Magnesium Phosphorionum
Pentarkan Ptk-60 ایک گولی دن میں دو مرتبہ
چھیں۔ جبکہ Pulsatilla 200 کے پانچ قطرے
آدھے گلاس پانی میں ہفتہ میں ایک مرتبہ لیں، Calc
Phos 30 کے پانچ، پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں
دن میں تین مرتبہ لیں۔ دو ماہ بعد کیفیت سے مطلع
کریں۔ جواب پاکیزہ کے ذریعے ہی دیا جائے گا۔
اس لیے جوابی لفافہ نہ بھیجا کریں اور نہ ہی فون کریں۔

مسئلہ کچھ اور ہے

پروین اختر..... تحصیل کھاریاں

میرا مسئلہ یہ ہے کہ کچھ دنوں پہلے میرے گردے

ماہنامہ پاکیزہ 295 جون 2016ء

استعمال کرتی ہوں لیکن کوئی افادہ نہیں ہوتا۔ میری
گردن بہت کالی ہے۔ کمر میں درد بھی بہت زیادہ ہے،
سانس بھی پھولتا ہے۔ گرمی میں بدبودار پیتا بھی
بہت زیادہ آتا ہے،

جواب۔ صحیح تشخیص صحیح علاج کے لیے بڑی اہمیت
رکھتی ہے۔ بہت مختصراً آپ نے حال لکھا ہے۔ اور نہ کوئی
علاج کی ہسٹری، کب سے ہے اور کیا کیا دوائیاں
کھا گئیں؟ اور نہ ہی کوئی ٹیسٹ رپورٹس۔ براہ مہربانی
الٹرا سائونڈ Whole abdomen اور LFT اور CBC
کی رپورٹس کرا کر مکمل حال بتائیں تاکہ صحیح تشخیص اور پھر
صحیح دوا تجویز کر سکیں گے۔

ناک کا گوشت، رُواں اور وزن

حنایا مین..... لانڈھی

میں نے آپ کو اپنا اور اپنی بٹی کا مسئلہ لکھا تھا۔
بٹی کا مسئلہ ناک کا گوشت اور وزن کی زیادتی اور جسم پر
رُواں بہت ہے۔ بٹی کو دوا سے صرف سانس لینے میں
آرام آیا ہے۔ باقی مسئلے ویسے ہی ہیں۔

میرے ماہانہ نظام کی خرابی کا مسئلہ اللہ کا شکر ہے تھوڑا
بہتر ہوا ہے۔ لیکن..... درد ختم نہیں ہوا ہے۔ پیٹ بھی کم
ہوا ہے اور نہ ہی غیر ضروری بالوں کا مسئلہ حل ہوا ہے۔

جواب۔۔۔ جس چیز میں آپ کو قائلہ ہوا ہے اسی
کے لیے دوا دی گئی تھی۔ عمر، قد کے حساب سے وزن کتنا
ہے؟ یا آپ نے نہیں لکھا۔ کتنا اور کیا کھاتی ہیں؟ کیا کرتی
ہیں؟ ورزش کتنی کرتی ہیں، کچھ بھی نہیں لکھا۔ ناک کے
گوشت کے لیے ڈاکٹر ولیمار شوا بے جرمنی کی Thuja-Q
کا ایک، ایک قطرہ دونوں نچھون میں ڈالیں۔ Calc
Teucrium اور Flour-30، Calc- Phos 30
mar. 30 کے 5, 5 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال
کردن میں 3 مرتبہ پلائیں۔

جواب نمبر ۲۔ آپ نے اپنے لیے بھی دہی کیا جو
بٹی کے لیے۔ PTK-60 اسی طرح بٹی رہیں اس کے



From Nature.
For Health.

میں درد ہوا۔ محلے کے ایک ڈاکٹر کے پاس گئی جس نے نیند کی گولیاں دے دیں۔ گولی کھانے سے نیند آ جاتی ہے۔ آنکھ کھلتی ہے تو پھر درد شروع ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر نے کہا کہ چھ ماہ علاج کروانا پڑے گا۔ پھر ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں نے ڈاکٹر سے 6 ماہ علاج کا خرچہ پوچھا تو ڈاکٹر نے کہا ہر ماہ کا خرچہ تقریباً 10,000 روپے آئے گا۔ میں ایک غریب فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔ اتنا مہنگا علاج نہیں کروا سکتی۔ جس کی وجہ سے مایوس ہو گئی ہوں۔ صہرانی فرما کر میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ تازیت دعا گورہوں گی۔

جواب۔ رپورٹس کے مطابق خون کی کمی ہے اور جگر کا مسئلہ ہے۔ خط میں آپ نے یہ نہیں لکھا کہ گردے کا درد کس طرف اور کہاں ہوا تھا۔ کیا کھانے سے ہوا تھا۔ اب کیفیت کیا ہو رہی ہے۔ پیشاب، بھوک اور درد کی تفصیل لکھنے کے ساتھ، یہ بھی کریں کسی اچھی جگہ سے الٹرا ساؤنڈ CBC HCV LFT, ESR, Whole Abdomen کرائیں۔ رپورٹ کمپیوٹر پر ہو، ہاتھ سے لکھی نہ ہو۔ فی الحال ڈاکٹر ولیمار شوابے جرمنی کی Berberis VulgQ کے ساتھ ساتھ Carduus Marianus Pentarkan Ptk-23 دس قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پیئیں۔ ان کے علاوہ Ferr. Phos 30 کے پانچ پانچ قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں تین مرتبہ پیئیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت بتائیں، نظر بھی چیک کرائیں۔

دوم

فرزانہ..... چوک اعظم

میرا بیٹا جس کی عمر ۶ سال ہے بہت سخت بیمار ہے۔ میں آپ کو بہت دیکھی ہو کے خط لکھ رہی ہوں۔ مجھے جلد سے جلد جواب سے نوازیں، میرا بیٹا جب سے پیدا ہوا ہے۔ چار مہینے ٹھیک رہا ہے۔ اس کے بعد اس کو ہر

ماہنامہ پاکیزہ 296 جون 2016ء

وقت نزلہ و کام اور شدید کھانسی رہتی تھی۔ ساری رات کھانستارہتا یا چھاتی بند ہو جاتی تھی اور میں ساری رات گود میں لے کر گزاری تھی۔ بہت علاج کروائے مگر آرام نہیں آتا تھا۔ پھر جب تقریباً اڑھائی سال کا تھا تب سے ایسی کھانسی لگی ہے کہ آج تک ٹھیک نہیں ہوئی اور اب دمہ بن چکا ہے۔ ہر وقت نیبولائز کرتے ہیں، رات میں کئی دفعہ نیبولائز کرتے ہیں اور سانس اتنی شدت سے بند ہوتی ہے کہ بچہ تڑپتا ہے۔ اور کہتا ہے امی میں مر گیا۔ کبھی کبھی نیبولائز کرنے سے بھی فرق نہیں پڑتا ہے اور اب صبح شام انہیلر کے بھی دو پف دیتے ہیں تو چار پانچ گھنٹے گزرتے ہیں۔ یہاں پر ہومیو ڈاکٹر سے تین مہینے علاج کروایا مگر آرام نہیں آیا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس کے پیچھے پھڑے سکڑ گئے ہیں۔ ایک اور ڈاکٹر ہیں ان کے مطابق بچے کی سانس کی نالیاں تنگ ہو گئی ہیں اور ریشے سے بھر جاتی ہیں۔ اس لیے سانس نہیں آتا۔ کبھی کبھی امی ہوتی ہے تو کپار ریشہ بہت لگتا ہے۔ اور جب سانس کھینچتا ہے تو گردن کے نیچے گڑھا سا بنتا ہے اور پسلیوں کے درمیان میں بھی گڑھا بنتا ہے۔ کمزور بھی بہت ہے۔ بازو بہت پتلے ہیں اور جسم پر چڑا ہی نظر آتا ہے۔ گوشت کا تو نام و نشان بھی نہیں ہے۔ نظر بھی بہت کمزور ہے۔ اسکول میں وائٹ بورڈ کے بالکل پاس بیٹھا ہے تب نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر کو دکھایا تو انہوں نے کہا کہ اس کی آنکھ میں ٹیڑھا پن ہے جس کی وجہ سے اس کو نظر نہیں آتا اور یہ مسئلہ آپریشن سے حل ہوگا۔ میرے بیٹے کے لیے کوئی اچھی سی دوا بتائیں۔ میں دن رات رو کے گزاری رہی ہوں کہ میرے بچے کی بیماری ٹھیک ہو جائے۔

جواب۔ خاندان میں کسی کوئی بی ہو دمہ ہو یا نزلہ و کام کا مسئلہ ہو اور ماں دوران حمل اپنی صحت کا خیال نہ رکھے یا وہ خود کمزور ہو تو اس کے ہاں ہونے والی اولاد بھی کمزور اور قوت مدافعت کی بھی کمی ہوتی ہے اور جب دودھ پلانے کے زمانے میں بھی ماں اپنی صحت کا خیال نہ رکھے تو بچے مختلف بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اب آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں کیونکہ ہر کام اس کی



گئے ہیں اور تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔ بال گر رہے ہیں۔ ایک مسئلہ بیٹے کے ساتھ ہے۔ گیارہ سال عمر ہے۔ اس کو گیس براہیم ہے۔ سارا دن گیس خارج کرتا ہے۔ اور گرمیوں میں صبح نہار منہ یا ناشتے کے بعد الٹی کر دیتا ہے۔ تمام گرمی اس کا یہ مسئلہ رہتا ہے۔

جواب۔ ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی Sulphur 200 کی ایک خوراک (5 قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی) صبح نہار منہ لے کر ایک دن کے بعد مندرجہ ذیل ادویات شروع کریں۔ Asafoetida Pentarkan- Ptk-12 کے دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ، Ferrum Pentarkan-Ptk-45 کی دو گولیاں تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ، Grindelia Pentarkan- Ptk-51 کے دس قطرے ایک گھونٹ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ، Magnesium Phosphorium Pentarkan-Passiflora ایک گولی دن میں 3 مرتبہ، Pentarkan- Ptk-66، 15 قطرے ایک گھونٹ پانی کے ساتھ شام اور رات کو، Urtica Pentarkan- Ptk-86 دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ۔

جذبات پر قابو

نسرین قاطمہ..... کراچی

میں آپ کا کالم ہومیوپیتھک کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں لیکن آج بڑی ہمت کر کے آپ کو خط کے ذریعے اپنے مسئلے سے آگاہ کر رہی ہوں، ڈاکٹر صاحب، میں بہت بڑی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہوں۔ رحم کا بھی مسئلہ لگتا ہے۔ بریسٹ کے بھی مسائل ہیں۔ پیٹ بھی بہت پھول گیا ہے۔ جسم ہر وقت سست رہتا ہے۔ ذرا سا چلتی ہوں تو گرمی اور گھبراہٹ سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے مابنامہ پاکیزہ 297 جون 2016ء

مرضی سے ہوتا ہے جب وہ چاہتا ہے۔ اپنی صحت کا پہلے خیال کریں۔ بچے کو تازہ ہوا زیادہ دیں، گائے اور بکرے کا گوشت کھلائیں، موسم کی سبزیاں اور موسم کے تمام پھل کھلائیں۔ اصلی دیکسی مرغی اور انڈا فائدہ مند ہے۔ میدے سے بنی چیزیں پر اٹھا، بسکٹ، ڈبل روٹی، پاپے نہ دیں۔ میٹھی چیزوں سے بھی پرہیز کرائیں۔ نہانے کے بعد خشک، اسے سی یا دھوپ میں فوراً نہ لے جائیں اس طرح گرمی سے یکدم ٹھنڈی جگہ میں نہ آئیں۔ ٹھنڈا پانی، شربت، کولڈ ڈرنکس، قلعی، برف جیسی چیزوں سے بچائیں۔ نارل پانی دیں۔ شہد اصلی صبح ناشتے میں دیں۔ Grindelia Pentarkan- Ptk-51 کے دس قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں تین مرتبہ دیں، ایمر جنسی کی صورت میں اس کے 15 سے 20 قطرے آدھے گھنٹے یا ایک گھنٹے سے دے سکتی ہیں۔ ایک ماہ بعد کیفیت سے دوبارہ مطلع کریں۔

میرے تمام مسائل

غزالہ افتخار..... انک

کچھ عرصے سے جو مسائل میرے ساتھ ہیں وہ لکھ رہی ہوں۔ دائیں آنکھ بڑی اور بائیں آنکھ چھوٹی یا برابر۔ ماہانہ ایام صرف ایک دن کے ہوتے ہیں۔ چہرے پر بال آگئے ہیں۔ آنکھوں کے نیچے حلقے اور گڑھے بن گئے ہیں۔ نیند بالکل نہیں آتی۔ آتی بھی ہے تو تین سے چار گھنٹے اور بار بار آنکھ کھلتی رہتی ہے۔ ٹانگوں پر اکثر اور باقی جسم پر کبھی کبھار اس قدر خارش ہوتی ہے کہ خون نکلنے لگتا ہے۔ سانس کی تکلیف ہے۔ انہیلر کا استعمال کرتی ہوں۔ کچھ مخصوص مہینوں میں تکلیف ہو جاتی ہے۔ سینے میں اکثر جلن رہتی ہے اور گیس بنتی ہے۔ گردن معمولی سی سوجنی ہوئی ہے۔ سر کے پچھلے حصے میں کبھی کبھار درد ہوتا ہے۔ پنوں میں درد رہتا ہے۔ چہرے کی جلد ڈھیلی ہو گئی ہے۔ آنکھوں کے پاس لائیں پڑ گئی ہیں۔ سر کے بال بہت گھنے اور خوبصورت تھے اب سر کے بال بے حد ہلکے ہو

READING
Section

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ٹھیں :-

- ☆ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ☆ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ☆ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ☆ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ☆ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ☆ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ☆ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ☆ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ☆ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ☆ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ☆ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ☆ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ☆ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

Magnesium Phosphorium مرتبہ
Pentarkan- Ptk-60، جنکین چیزیں اور مرغن اشیا
سے پرہیز کریں۔ ایک ماہ بعد دوبارہ حال بتائیں۔

پٹھوں میں کھنچاؤ اور درد

مسرت پرویز..... لاہور

عرصہ چار سال سے پٹھوں میں کھنچاؤ کی شکایت ہے، دو سال پہلے ڈاکٹر کا علاج بھی کروایا، وقت افاقہ ہوتا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ گردن، ٹانگوں بازوؤں میں شدید کھنچاؤ ہے، ہاتھ پاؤں میں کڑلیں پڑتی ہیں، نماز بھی نہیں پڑھی جاتی، روزانہ دیوانا پڑتا ہے تب کہیں رات گزرتی ہے، کولہے اور پسلیوں کے نیچے دس منٹ چلنے سے درد شروع ہو جاتا ہے۔ اب تو میں تکیہ بھی نہیں رکھتی کہ گردن اکڑ جاتی ہے۔ بلڈ پریشر رہتا ہے اور گیس بھی ہوتی ہے۔ اب سر میں درد بھی رہتا ہے۔

جواب۔ جتنا پیدل چل سکتی ہیں چلیں، جیز مرچ مصالحے اور مرغن کھانوں سے بچیں، Urea, Uric، CBC Lipid profile، ESR، Acid Serum Calc، Vit-D، ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ Carbo Vegetabilis، Pentarkan- Ptk-22 ایک گولی دن میں تین مرتبہ تھوڑے پانی کے ساتھ نگلیں، Rhus toxicodendron، Pentarkan- Ptk-73 ایک گھونٹ سادہ پانی میں گیارہ قطرے دن میں چار بار لیں، Spigella Pentarkan- Ptk-81، 15 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں، ایک ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

☆☆☆

اور گھبراہٹ بھی ہوتی ہے۔ پیشاب کے بعد قطرے بھی آتے ہیں۔ پاخانہ بھی صحیح نہیں آتا، دو تین بار جانا پڑتا ہے۔ تقریباً 15 سال سے اس بیماری میں مبتلا ہوں لیکن کسی کو بتا نہیں بتا سکی، چہرے پر بھی درم ہے، صبح اٹتی ہوں تو ہاتھوں پر بھی درم ہوتا ہے، ہاتھوں کا درم تو کچھ دیر بعد کم ہو جاتا ہے لیکن چہرے پر ہر وقت درم رہتا ہے۔ پیرے بھی ایک دن بھی صحیح نہیں ہوتے۔ لیکوریا کی بھی شکایت ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب میں بہت پریشان ہوں، اگر خودکشی حرام نہ ہوتی تو خود کو ختم کر دیتی، نماز پڑھ کر دعا بھی کرتی ہوں، ڈاکٹر صاحب آپ کی بڑی مہربانی ہوگی میرے خط کا جواب اگلے مہینے کے شمارے میں ضرور دیجئے گا۔ میں مرتے دم تک آپ کو دعا میں دوں گی۔ میرا بلڈ پریشر بھی ہائی رہتا ہے۔ بلڈ پریشر کے لیے میں ٹینورمن لیتی ہوں۔

جواب۔ آپ کے اعتماد کرنے کا اور پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ نے اپنا وزن اور عمر نہیں لکھی۔ نا اُمید نہیں ہیں یہ بہت اچھی بات ہے۔ نماز پڑھتی ہیں اللہ سے توبہ کریں۔ اللہ ہی مسئلے کو حل کرنے والا ہے۔ جذبات میں آکر غلط فیصلے کر لیتے ہیں اور جب عقل سے سوچتے ہیں تو عمامت کا احساس ہوتا ہے۔ آپ کراچی میں رہتی ہیں بہتر ہے کہ ٹائم لے کر آکر ملیں۔ آپ یہ بلڈ ٹیسٹ کرائیں، Urea, Uric، CBC Lipid profile، Acid ESR، فی الحال ڈاکٹر ولما رشوا بے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات استعمال کریں۔ دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں تین مرتبہ Solidago، Pentarkan- Ptk-79، دس قطرے ایک گھونٹ سادہ پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ Viscum، Pentarkan- Ptk-89، ایک گولی دن میں 3



Dr. Willmar Schwabe Germany

Available at All Medical & Homoeopathic Stores

شوا بے سنگل ریفریڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی

ماہنامہ پلکیڑہ 298 جون 2016ء

Section



اسماء الحسنیٰ - کامیابی کا راستہ

دین اسلام کی روشنی میں آپ کے مسائل کا مکمل حل

پیر شاہ محمد قادری

پیر شاہ محمد قادری ناجی ہاشمی گذشتہ 25 برسوں سے اسماء الحسنیٰ کے حوالے سے زندگی میں درپیش تمام مسائل اور پریشانیوں کے حل کے لئے اسماء الحسنیٰ کی تلقین کرتے ہیں اور آیات قرآنی کے ذریعے روحانی علاج کے حوالے سے دنیا بھر میں شہرت یافتہ ہیں۔ آپ کے پروگرام اسماء الحسنیٰ کامیابی کا راستہ کروڑوں ناظرین دیکھتے رہتے ہیں۔ آپ اپنے مسائل اور پریشانیوں میں براہ راست ان سے ہلرہ خط اور ملاقات راہ نمائی لے سکتے ہیں۔

بیرونہ فقیہ - داولپنڈی

○ محترم اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے میں اپنی بیٹی کے مسئلے کے سلسلے میں حاضر ہوں میری بیٹی کی عمر 28 سال ہو رہی ہے لیکن رشتے کا کوئی سبب نہیں بن رہا ہے بہت کوشش کی ہیں لیکن کوئی بات نہیں بنتی ہے یہاں پر ایک مولوی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے علاج تو کیا مگر اس سے ایک دور فاصلے آئے مگر بات نہیں بنتی۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ کوئی ایسا ہی دوا یا لوح دے دیں کہ جس سے میری بیٹی کی شادی کا مسئلہ حل ہو جائے اور وہ اپنے گھر میں آباد ہو جائے اس سے چار سال پہلے بیٹی کی ملگنی طے ہو چکی ہے لڑکے والے بار بار شادی کا قضا کرتے ہیں مگر بڑی کا کوئی بندوبست ہوتا تو کوئی کد غصت کریں بہت پریشان ہوں کوئی راہ نمائی کیجئے۔

☆ عزیز بیٹی! اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھئے وہ بڑا ہی مہربان و مہربان ہے انتشاء اللہ اچھا رشتہ طے گا "یا کریم یا لطیف یا قاری" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دیا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ بیٹی کی شادی کے لئے آپ کی فرمائش پر لوح خیر خاص ارسال کی جا رہی ہے گل رحمت۔ جرمی

○ محترم اس خط کی غرض دعا ہے کہ میری بیٹی کی شادی کو چار سال ہو گئے ہیں لیکن ابھی تک اولاد کی نعمت حاصل نہیں ہوئی حالانکہ بیٹی اچھا ہے دلوں کو کوئی مسئلہ نہیں ہے مگر ابھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت کی وجہ سے یقیناً اس تاخیر کا کوئی بھروسہ نہیں ہوگا آپ سے اس ضمن میں روحانی علاج اور دعا کی درخواست ہے جس طرح آپ نے میرے ساتھ بیٹن کے معاملے میری رہنمائی کی تھی اللہ تعالیٰ نے کا کچھ پہلے پہل ہی اسی طرح

بیرونہ فقیہ - اسلام آباد

○ کبھی سوچا نہیں تھا کہ ایسی پریشانی سے دوچار ہو جاؤ گی کہ جس کے لئے مجھے اپنی محل چھوڑنی پڑی ہوگی اس مرحلے پر آپ سے دعا چوائی کی درخواست ہے مسئلہ کچھ یوں ہے کہ میرا نکاح آج سے چار سال قبل میرے ماموں زاد بھائی کے ساتھ ہوا تھا جو انجین میں ہیں لیکن سال قبل وہ آئے اور مصحتی ہو گئی مگر وہ ازدواجی زندگی سے منقطع تھے۔

اور وہ خود بھی بے حد پریشان رہنے لگے ہیں میں نے ان کا ہر دھڑکا دیا مگر شاید میں اتنی بڑی قرہانی ... نہیں دے سکتی ہوں مجھے پریکٹیشن ہونے کا ہے مجھے بچے بہت چھتے تھے ہیں اس صورت میں حال میں وہ نہیں ہو سکتے ان کی والدہ مجھ سے شدید عبت کرتی ہیں میں اپنے گھر میں ہی رہتی ہوں ابھی آج ہی مسئلہ پر بیٹن کی سرپرستی چارہ ہیں میں یہ چاہتی ہوں کہ یہ معاملہ خوش اسلوبی سے حل ہو جائے اور میں اس صورت حال سے نکل آؤں اس ضمن میں مجھے وہی سکون کے لئے کوئی اسم الہی بتائیں اور میرے لئے کوئی ایسی لوح جو پڑھ کر مجھے کہ جس سے مجھے فیصلے کی قوت مل جائے آپ کا یہ مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا۔

☆ عزیز بیٹی! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور مستقامت دے آپ اپنی والدہ کو یہ ساری صورت حال بتا دیجئے اس قسم کی صورت درجی آنے پر شریعت کہ شراک کے ساتھ طبع کا حق دیتی ہے۔ "یا کریم یا سلام یا نور" کے 135 مرتبہ پڑھ کر دیا کیا کیجئے اول آخر 9 مرتبہ درود شریف۔ وہی سکون اور پریکٹیشن سے نصرت کے لئے آپ کی فرمائش پر لوح اسم ذات ارسال کی جا رہی ہے دعاؤں کا شکر ہے

یہ آٹھ (8) صفحات اشتہار پر مشتمل ہیں۔ ان صفحات کے متن اور مندرجات سے ادارے کا کوئی تعلق ہے، نہ ادارے پر اس بارے میں کوئی ذمہ داری ہے۔ اس ضمن میں ادارے سے کوئی خط و کتابت نہ کی جائے۔

ماہنامہ پاکیزہ 299 جون 2016ء

READING
Section

کیا کریں اول آخر مرحبہ دود شریف۔ آپ کی فرمائش پر یوں تفریح خاص برائے ہر دن ملک سر کے لئے ارسال کی جا رہی ہے۔

سرخ ہنول۔ نادرے

○ محترم اللہ تعالیٰ آپ کو ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ (آمین) میرے ہاں اللہ کی رحمت سے چار بیٹیاں ہیں ہم ایک اور بے بی جان کرنا چاہ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ وہ اس مرحبہ ہمیں اولاد نرید سے نوازے۔ بہنوں کو بھی بھائی کا بہت شوق ہے اللہ تعالیٰ نے ہر نعمت نہایت فراوانی سے عطا کی ہے کی تو بس یہی ہے۔ شاید اس لئے کہتے ہیں کہ انسان ناگھرا ہے طلب میں ہمیشہ ہاتھ پڑھائے دیتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ ہماری آرزو کے لئے اللہ سے دعا کر دیجئے اور کوئی روحانی علاج بھی تجویز کر دیجئے آپ کے لئے دعا گو آپ کی بہن۔

☆ عزیز بہن اللہ تعالیٰ حکیم و دانا قادر مطلق سے التجا ہے کہ دوسرے والدین کی بیٹی کی آرزو پوری فرمائے (آمین) اور حقیقت یہ بھی کتبہ علی نور ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی کوئی حد نہیں ہے ہمیشہ اس کے آگے دست طلب دوا رکھیں۔ کیونکہ وہ مانگتے والوں کو پسند کرتا ہے اور شکر گزاروں کو زیادہ نوازتا ہے۔ "یا ادوات یا قوی یا مصد" ہر نماز کے بعد 125 مرحبہ پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 11 مرحبہ دود شریف۔ اولاد نرید کے لئے آپ کی فرمائش پر علاج دود۔ عظیم ارسال کیا جا رہا ہے

یا آمین اسحاق۔ شمسہ سندھ

○ محترم امیرے والد کے انتقال کے ساتھ مسائل شرع ہو گئے ہیں ہماری ابھی خاصی جا تیدا اور دینی رتبہ ہے لہذا اس سے مصیبت میں پڑ گئے ہیں۔ گئے بھائیوں اور بہنوں میں آپس میں جا تیدا کی تقسیم کے لئے جھگڑے پڑ گئے ہیں۔ ہماری بھین میں نہیں آتا ہے کہ ہم لوگ کیا کریں کس دعا سے اپنی بھینس واپس لائیں اور سب دوبارہ سے ایک جیسے ہو جائیں آپ سے ہماری کی درخواست ہے۔

☆ عزیز بیٹی اللہ تعالیٰ آپ سب کو محبت کی دولت عطا فرمائے ارشاد ہماری تعالیٰ ہے کہ مال اور اولاد سے بندے کی آزمائش کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ آپ سب کے دلوں میں نرمی چکائے۔ (آمین) "یا سلام یا عزیز" ہر نماز کے بعد 131 مرحبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 3 مرحبہ دود شریف پڑھیں۔ خیر و برکت اور کامیابی کیلئے یوں تفریح خاص ارسال ہے۔

راجہ منور۔ دہاڑی

○ محترم امیری شادی کو چار سال ہو گئے ہیں مجھ سے دو سال پہلے میری بہن کی منگنی ہوئی تھی لڑکا پھر تھا اس لئے انہوں نے نام دو سال کا لے لیا اسی دوران میرے لئے ایک مناسب رشتہ آگیا اور یوں میری شادی میری بھائی سے پہلے ہو گئی مگر اب چھ سال کا طویل عرصہ

حصول دعا حاضر ہیں آپ کی محبت کرنے والی بیٹی۔

☆ عزیز بیٹی اللہ تعالیٰ مجھ کو قائم رکھے۔ اولاد کے لئے ہر نماز کے بعد 125 مرحبہ "یا ادوات یا مصد یا خالق" پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرحبہ دود شریف آپ کی فرمائش پر اولاد کے لئے نفس علاج دود عظیم ارسال کیا جا رہا ہے۔

جبین الفضل۔ لندن یو کے

○ محترم اللہ تعالیٰ آپ کو ہر خطر عطا فرمائے آپ جس طرح لوگوں کی دینی راہ نمائی کر رہے ہیں اس کا اجر تو اللہ تعالیٰ ہی دے سکتا ہے ہم سب تو بس آپ کی دعاؤں کے نذرانے ہی بھیج سکتے ہیں میری بیٹی کا معاملہ ہے اس کو یہاں پر کوئی لاکا پسند ہی نہیں آتا بلکہ یوں کہتے کہ وہ شادی کے نام سے الریج ہو گئی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک بار محبت میں ناکام ہو چکی ہے حالانکہ ہم نے اس کی مرضی پر سر جکا دیا تھا مگر وہ لاکا نہایت مطلب پرست لڑکا اس کا متعذر سوائے دولت کے کچھ نہیں تھا جب اس پر یہ حقیقت کھل گئی تو وہ اس سے بھتر ہو گئی اور اب اس نے سوچ لیا ہے کہ اب وہ شادی نہیں کرے گی۔ عمر بقی جا رہی ہے ہم اس کو سمجھا سمجھا کر تھک چکے ہیں مگر وہ نہیں مانتی۔ ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں وہاں بے روادری ایک عام بات ہے برے وقت سے ڈر لگتا ہے آپ سے درخواست ہے کہ آپ شادی کے لئے کوئی اہم اور یوں تجویز فرما دیجئے تاکہ وہ ہنسی خوشی ماضی ہو جائے۔ یہ آپ کا ایک ماں پر بے حد احسان ہو گا آپ کی بہن۔

☆ عزیز بہن ادعاؤں کا شکر ہے اللہ تعالیٰ ہر بیٹی کو برے تجربے سے محفوظ اور ساموں رکھے۔ (آمین) ہر نماز کے بعد 125 مرحبہ "یا لطیف یا رافع یا حمید" پڑھ کر دعا کریں اول آخر 3 مرحبہ دود شریف شادی کے لئے آپ کی فرمائش پر یوں زہرہ ارسال کی جا رہی ہے۔

فکرتہ حیدر۔ لاڈکانہ

○ محترم امیرے بیٹے کو ہر دن ملک جانے کا بہت شوق ہے کئی بار جدوجہد اپنائی کر چکا ہے مگر بات نہیں بنتی ہے لڑکھاپاں کانی ہیں اور اگر یہ کام ہو جائے گا تو ہمارے قرض بھی اٹا ہو جائیں گے اور بچوں کی شادی کے معاملات بھی بے حد آسان ہو جائیں گے۔ یہی کل آمدنی آٹھ ہزار سے زائد نہیں ہر وقت کے معاشی ترقی میسر نہیں آتی ہے اس لئے ہمیں بھی مناسب معلوم ہوا کہ اگر ہر دن ملک ملازمت مل جائے تو ہمارے مسائل حل ہو جائیں گے آپ سے اس معاملے میں مدد و ہدایت کی ضرورت ہے۔

☆ عزیز بہن اللہ تعالیٰ ہم سب کی تمام نیک اور جائز خواہشات پوری فرمائے۔ اور اپنے خزانہ رحمت سے دافر طیب رزق عطا فرمائے (آمین) آپ ہر نماز کے بعد 125 مرحبہ "یا رافع یا ادب" پڑھ کر دعا

ماہنامہ پنکیز دہر 300 جون 2016ء

گزر جائے کے باوجود وہ لوگ شادی میں نال مشول کر رہے ہیں جبکہ لڑکا بھی واپس آ گیا ہے اور یہاں آ کر اس نے اپنا ایک بہت اچھا منزل سٹور کھول لیا ہے جس کی آمدنی بھی معقول ہے مگر اس کے باوجود وہ لوگ شادی کے معاملے میں نہ جانے کیوں دیر لگا رہے ہیں ایک مرتبہ ہم نے ننگ آ کر مکتی توڑنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا مگر انہوں نے صحت ساجت کر کے ایو کو مٹا لیا مگر اب پھر ایک سال گزر گیا ہے ان کی طرف سے خاموشی ہے ہمیں بتائیے کہ ہم کیا کریں باقی کتنی ہیں کہ وہ بدل گیا ہے نصیب ہے اب پھر ہو یا نہ ہو شادی نہیں ہونے دو۔ لوگ کیا کہیں گے؟ ہم لوگ سخت پریشانی میں مبتلا ہیں کہ کیا کریں آپ سے درخواست ہے کہ اس مسئلے کا روحانی حل بتائیں ہمیں بتائیں دیکھتے یا نقل جو بھی آپ مناسب سمجھیں عطا کر دیجئے تاکہ یہ مسئلہ بخیر خوبی حل ہو جائے۔ اس کی وجہ سے باقی کی صحت بھی بہت گر گئی ہے والدین مجھ پریشان ہیں۔

مخبر: شیخ الاسلامی رشتوں کو قائم رکھنے والا اور گمراہی کو دور کرنے والا ہے آپ کی باقی کا گھر بھی انشاء اللہ ضرور بنے گا۔ ہر نماز کے بعد 124 سورجہ "یا لیلٰی یا جامع یا اللّٰح" پڑھ کر دعا کریں اور آخر 19 سورجہ شریف۔ شادی کے لئے لوح در ہر دو سال کی جلد ہی ہے حسب توفیق بعد از صدقہ دیا کیجئے۔ اسلام آباد کو پتہ کر کے کا پتہ شریف

اقدس جواب پشاور

○ محترم امیرے شوہر بات بات پر ناراض ہوتے ہیں مگر والدین سے لئے نہیں دیتے خود بعض عداوت میرے والدین اور گھر والوں کے لئے اس قدر تازیانہ کھینکھکرتے ہیں کہ بس کیا باتوں مالا گنگن کی ہر طرح سے خدمت کرتی ہوں۔ تمام سسرال والوں کا خیال رکھتی ہوں صبح نماز فجر سے اٹھتی ہوں تو بارہ بجے سے پہلے لینا نصیب نہیں ہوتا سب کی خدمت کے باوجود کوئی خوش نہیں ہے ان کی بخش ایک ایک ہنستا کر رہتی ہیں لیکن جو کچھ گھر جانے کی اجازت نہیں ہے سوائے عید فطر عید کے دو چار گفتگوں کے سوا سارا سال والدین سے ملاقات نہیں ہوتی کیا اس معاشرے میں بھروسے کے کوئی حقوق نہیں میرے شوہر اپنی تعلیم یافتہ ہیں مگر شاید ان کے دل میں بیوی کے بجائے ایک نوکرانی جیسی عزت اور احترام کی بھی مستحق نہیں مازند کو کم از کم ہفتے میں ایک چھٹی تول جاتی ہے اس کے لئے کوئی ایسا ملتا ہے کہ میری مشقتوں میں کی آجائے اور سسرال والے مجھے ایک بھوکا مرتبہ دیں شاید میرا خط بہت سی بھروسے کے لئے راولپنڈی کا باعث بن جائے آپ کی دعاؤں کی منتظر۔

☆ یاد رکھیں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور استحکام بخشنے اور ہر نیکی اور نیکی ہو جانے کا عمل اور ہر نیکی۔ (آمین) آپ ہر نماز کے بعد "یا جامع یا سید" ایک تسبیح پڑھ لیا کریں اور آخر 3 مرتبہ درود شریف

فخرو برکت اور بھری کے لئے لوح تحفہ خاص ارسال کی جا رہی ہے۔ میونسٹرا کرم آزاد مخیر

○ محترم امیری بیٹی کو صرف 2 سال سے بخار ہے ہر طرح کا علاج کر چکے ہیں لیکن کوئی افادہ نہیں ہو رہا یہاں پر ایک صاحب کو دکھایا تو انہوں نے آسیب کا پکڑا دیا ہے۔ اگر بھی کہتے ہیں کہ اس پر کوئی میڈیسن اثر نہیں کر رہی ہیں آپ میری بیٹی کے حلق پر مساجد کر کے بتائیں کہ کیا مسئلہ ہے۔ مخبر: بہن! آپ کی بیٹی کو صدمے کا انگلیشن ہے جس کی وجہ سے بخار نہیں ٹوٹ رہا اس کا علاج کرنا ہے۔ لوح فکھار سال ہے۔

شہناز محمد انصوری۔ ملتان

○ میں لرسٹ انٹر کی طالبہ ہوں ہم چھ بہن بھائی ہیں پانچ بہنیں ایک بھائی ہے میرا حلق خراب گھرا لے سے ہے ہمارے والدین نے غربی کے باعث ہمیں میٹرک تک تعلیم دلائی ہم دو بہنیں ایک اسپتال میں جاب کرتی ہیں بھائی ہمارا اردو پڑھتا ہے اور اب ضعیف ہیں محترم ایک تو ہمارا کاروبار بھی نہیں چل رہا دوسرے میری بہنوں کی شادی میں رکاوٹ ہے کوئی رشتہ آتا ہے ایک ہار ہو کر جاتے ہیں دو ہار نہیں آتے گھر کے حالات بہت زیادہ خراب ہیں ان حالات کی وجہ سے ہر وقت گھر میں جھگڑا رہتا ہے ہم نہیں کھا کر والدین اور اپنا پیٹ پال رہی ہیں بھائی کوئی مدد نہیں کرتا اور وہ ہر وقت لڑتا رہتا ہے۔

ان حالات کی وجہ سے انی ہر وقت بیمار رہتی ہیں ہم دونوں بہنیں ہاتھ پاؤں بہت مارتی ہیں لیکن پھر بھی کچھ نہیں بنتا محترم آپ ہمیں کوئی ایسا دیکھتے یا لوح بتائیں جس سے ہمارا کاروبار بھی ہو جائے اور بہنوں کی شادی کا بھی مسئلہ حل ہو جائے آپ کی عمر بانی ہوگی۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات باریکات پر مکمل بھروسہ نہیں اس کی ذات سب لاسلہب ہے انشاء اللہ آپ کے حالات پر ضرور رحم فرمائیں گے آپ سب نماز پکا دھکی سے ادا کریں۔ ہر نماز کے بعد "یا دلہن" بکثرت پڑھیں۔ لوح صحیح ستارگان ارسال ہے۔

ضروری نوٹ

اپنا محترم مسئلہ پہلے مکمل نام مستطین اور محتاط بنائیں کہ اس کا اصل مسئلہ کریں اس اشتہار میں غائب ہونے کے بعد ہونا ہے۔ بلواس صاحب کے لئے اپنا پتہ لکھنا اور اپنی شناخت بھیجنا ہے مسئلہ میں شامل ہے خط لکھیں یا ملاقات کریں۔ یہ خط شہر سے آئے خط لکھتے لکھ کر صرف لائیں۔ یہ خط ملک کے تمام خط و صورت اپنا مکمل پتہ ارسال کریں۔

پیر شاہ محمد قادی 382-A/2، جوہر ٹاؤن، نزد محلہ چک کالی سٹلا۔ فطیلہ و مدحت الہامک

0302-5555967

○ محترم اہلکار جنوں کا کارخانہ ہے الحمد للہ بہت اچھا چلتا رہا ہے لیکن آٹھ دس ماہ سے یوں لگ رہا ہے کہ جیسے ہر چھ اٹنی ہر دس ہے کارنگر ہماگ رہے ہیں آرڈر کنسل ہو رہے ہیں پے منس بخش رہی ہیں خود میرے میاں کہتے ہیں کہ کام پر جانے کو دل ہی نہیں چاہتا ہے بخار طبع رہے لگا ہے۔ ہمیں تو لوگ یہ بتاتے ہیں کہ کسی حاسد نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس صورت حال سے نکلنے کے لئے ہمیں کوئی اسم الٹی تھین کریں اور کوئی روحانی قوت دعوت کیجئے ہم بہت پریشان ہیں گیارہویں شریف میں شرکت کے لئے پانچ سو روپے کا مٹی آرڈر ارسال کر دیں ہمارے لئے دعا بھی کیجئے گیارہویں شریف کے لئے ہماری جانب سے سوا لاکھ مارجہ کلہ طیبہ بھی شامل فرما لیجئے گا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔

بنو حزن بنک انصاف اور مشکلات سے گھبراتے ہیں جب جادو کا شہد ہونے لگے تو بکثرت آیت الکرسی اور معوذتین پڑھا کریں اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی برکت سے ہر مسلمان کو بچانے والا ہے آپ ہر نماز کے بعد ”یا سلام یا حییٰ یا قیوم یا ادب“ 140 مارجہ پڑھ کر دعا کیا کریں اول آخر 9 مارجہ دود شریف کا سد ہادی خیر و برکت اور ترقی کے لئے لوح مشتری ارسال کی جارہی ہے حسب توفیق صدقہ دیا کیجئے گیارہویں شریف میں شرکت کا شکر اللہ تعالیٰ آپ سب پر اپنا فضل و کرم فرمائے۔ (آمین)

بھاکرم۔ کراچی

○ محترم بھائی جان! آپ کا کالم پڑھ کر بے حد سہارا ملا ہے میں بھی آج حاضر ہو گئی ہوں میرے شوہر کو ان کے کا دوبارہ حریف نے ایک بھولے مقدمے میں پھنسا دیا ہے اللہ کا شکر ہے کہ میرے شوہر نے کبھی بددیانتی نہیں کی مگر اس نے ایسا میرے گھر سے کام لیا کہ ہمارا ایک ملازم اس سے مل گیا اور اس نے ہمیں شدید نقصان پہنچا دیا ہے آپ عیسٰی کوئی ایسا دلیل بتائیں کہ جس سے اس بھولے مقدمے سے جان بھی بچوٹ جائے اور اس کے ساتھ ساتھ کا دوبارہ نقصانات بھی نہ ہوں۔ میرے میاں ان حالات سے اس قدر بددل ہو گئے ہیں کہ کہتے ہیں کہ جو فی مقدمات سے جان چھوٹی وہ ملک سے باہر چاکر قسمت آزمائی کریں گے۔ بہت پریشانی ہے کوئی حل نہایت کریں۔

بنو حزن بنک اللہ تعالیٰ آپ سب کو احتیاط عطا فرمائے (آمین)
”یا حزن یا سلام یا حبیب یا قیوم“ ہر نماز کے بعد 125 مارجہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 9 مارجہ دود شریف مقدمات کے جلد فیصلے اور خیر و برکت کیلئے فتح نامہ ارسال کیا جا رہا ہے حسب توفیق صدقہ دیجئے گا۔ یہ درجہ اتنا ہے دعاؤں کا شکر۔

○ محترم امیری انگریزوں کا معاملہ بھی تک حل نہیں ہوا ہے ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ درمیان میں آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ شدید مالی مسائل سے دوچار ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ میرا مستقبل کیا ہوگا۔ آپ سے راز نمائی کی درخواست ہے فکر کر رہا ہوں۔

بنو حزن م اللہ تعالیٰ خیر و مالیت عطا فرمائے اور آپ کے جملہ معاملات کو بہتر کرے۔ ”یا سلام یا قیوم“ ہر نماز کے بعد 141 مارجہ پڑھا کریں۔ اول آخر 7 مارجہ دود شریف بھی۔ لوح سیح ستارگان ارسال ہے۔ حسب توفیق صدقہ دیا کیجئے۔

آمنہ ماحیل۔ لاہور

○ محترم امیر! مسئلہ یہ ہے کہ بیٹہ بڑھا ہوا ہے چہرے پر چھائیاں پڑی ہوئی ہیں جسم پھول گیا ہے اس کے علاوہ چہرے پر بال بھی آگئے ہیں جسم میں طاقت نہیں ہے جسم کا تھکا ہوا رہتا ہے بیٹہ میں گیس بہت تھی ہے جسم بڑھا چکا ہو گیا ہے محترم میرے لئے میرا یہ مسئلہ بہت بڑی سزا بنا ہوا ہے میں ہر طرف سے دیکھتا ہوں کہ آپ کی طرف رجوع کر دیں ہوں میری عمر 28 سال غیر شادی شدہ ہوں کوئی ایسا علاج بتائیں کہ میری یہ بیماری اور اس کی تمام علامات ختم ہو جائیں اور میں صحت مند ہو جاؤں۔

بنو حزن بنک! فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھیں اور نماز باقاعدگی سے پڑھیں ہر نماز کے بعد 101 مارجہ ”یا قیوم“ پڑھ کر پانی دم کر کے دن میں تین چار دفعہ استعمال کریں۔ لوح فقاہ اور نقش و طہران ارسال کیے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا کرم فرمائیں گے انشاء اللہ

سیکند احمد۔ بہاولپور

○ محترم اہلکار! مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے ایک زمین خریدی تھی جس وقت خریدی تھی اس وقت کوئی مسئلہ نہیں ہوا جب دوسری کا دولت آیا تو انہیں سے ایک فحش نے جس کی زمین ہماری زمین کے ساتھ تھی حق قطع کا دعویٰ کر دیا اور کدٹ سے اسٹے آلود لے لیا۔ اب تو وہ لوگ مسلح کی طرف آتے ہیں نہ ہی ہمارے پیسے واپس کرتے ہیں ہمیں اس لئے بھی پریشانی ہے کہ ہم اس زمین پر ایک قادم بنانا چاہتے ہیں اب یہ سب تک گیا ہے دوسری طرف پراپرٹی کے دیگر کاموں میں بھی بہت زیادہ نقصان ہوا ہے آپ سے درخواست ہے کہ آپ اس مسئلے میں ہماری راہ نمائی کیجئے اور ہمیں اس صحت حال سے نکلنے کے لئے کوئی اسم الٹی روحانی عمل بتائیے کیجئے ہمیں آپ کی دعاؤں پر بہت اعتماد ہے ایک مارجہ ہم آپ کی گیارہویں شریف میں شریک ہوئے تھے اس دعا کے بعد ہمارے بہت سے کام سہل ہوئے تھے اب ہم آپ کے پاس آگئے ہیں۔

محفل درویش شریف علیہ السلام

ہر اقامہ پر 2 بجے 4 بجے منعقد ہوتی ہے

الحمد للہ! اسناد کا یہ تاجہ ہر شیعہ پر محفلِ حضورِ شریف و اکابر کی سے
گزشتہ کی برسرِ سے ہے جس میں سرکارِ مدظلہ سرور و انجاء
حضرتِ اکرہ نور محمد مصطفیٰ ﷺ کے حضورِ شریف و اکابرِ مدظلہ
کیا جاتا ہے اس کا اتمام پر دعا کی میں پیش آئے والے جملہ مسائل کے
لئے دعا کی جاتی ہے غنائین کے لئے علیحدہ السلام دعا ہے
تمام حق و صلوات علیٰ غنائین و حضراتِ کرام کی دعا کی ہے

آصف پیر شاہ محمد قادری

اسلامی کاسینی کا سات، علیات، اسلام، خواب اور تعبیر، بچوں کے خواہشات، نام، علیات، قصوں، کہ، ہاتھوں میں ظاہر ہو، خاص، نام، خواہشات، اور، بکمال، یہ، خواب، ہیں۔

ختم کیا رہو پس شریف

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آستانہ قادریہ قادریہ ہاشمیہ میں ہر مہینے کی پہلی اتوار کو صبح 10 بجے 25 بجے شرم کیا ہوئی شریف محلہ کے ساتھ مشہور ہوتی ہے۔ محلہ کے امام پر شاہ قادری خصوصاً ہاشمیہ مریدین و حقیقتہا اہل انوار ملک و ملت کی خوشحالی، حفاظت اور سلامتی کے لئے دعا کرتے ہیں۔

نوٹ: وقت کی پابندی کا خیال رکھیں۔ خواتین کے لئے ہمارے اجتام ہوتا ہے۔ شرکاء کے لئے لنگر کا اجتام ہوتا ہے۔

ملاقات: صبح 11 تا 7 بجے شام

آستانہ، قادریہ تاجیہ ہاشمیہ ہی شاہ محمد قادری

382-A/2، جو پر ناؤن، نزد محمد علی چوک، کالج روڈ - لاہور

042-35168036

042-35167842

0302-5555967

0335-291117

☆ حضرت یحییٰ بن ابراہیم کا تھکنا ہے، دعا عام امت کا سفر ہے اس لئے ہر حال میں ہر معاملے میں، ہر پریشانی میں اللہ تعالیٰ سے خوب گزارش کرنا کہ وہ اپنے یقین اور احسان سے دعا کرنا چاہیے اور اپنے دلا ہے ہم مانگتے تھے کہ وہ ایسی نہیں کرتا ہر نماز کے بعد 151 مرتبہ ”یا جامع یا باب یا قلیح“ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ بعد شریف حسب توفیق صحت دیا کیجئے۔
خیر و برکت کیلئے لوح مسیح سیدگان ہر سال کی ہادی ہے دعاؤں کا شکر ہے
○ محترم! مجھے لسوانی بیماری کی شکایت ہے آپ مجھے کوئی ایسا دوا عیالہ
تائیں جس سے میری پریشانی دور ہو سکے۔

☆ جی اللہ تعالیٰ جس آپ کو صحت عطا کرے۔ "پاسیت" بکثرت پڑھا کریں لوح شفا مار سال ہے۔

فیما حسن۔ پشاور

○ جناب میں بہت زیادہ پریشان ہوں میرا ذہنی سکون ختم ہو کر رہ گیا ہے میرے تئیں چنے ہیں ایک بڑے آفسر کی بیٹی ہوں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کل وصوت، سیرت بہت اچھی ہے سب سسرال والے اور بچے ماں نے تعریفیں ہی کرتے ہیں۔ سب کی عزت و خدمت کرتی ہوں لیکن گزشتہ ڈیڑھ سال سے میرے میاں نے دوسری لڑکیوں سے دوستیاں شروع کر دی ہیں مجھے پر بالکل تھپہ نہیں دیتے۔ شوہر خصے کے بہت چیز ہیں شوہر کو دیکھ کر میرے ہاتھ کاٹتے ہیں اور دل زور زور سے دھڑکا ہے مجھے پورا یقین ہے کہ کسی نے کچھ کیا ہے۔ یعنی جادو تعویذ وغیرہ۔ پلیز اس جادو تعویذ ختم کرنے اور شوہر کے پیار و محبت کے لئے کوئی دیکھنے والا علاج ضرور بتائیں۔

☆ آپ میں احمدی کی ہے۔ لیکن فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں نماز، روزہ، ہجرت، دعا کا ادا کرنا سے انکار میں اور ہر نماز کے بعد 109 مرتبہ ”لا الہ الا انت“ پڑھ کر پانی پر دم کریں اور وہ پانی شوہر کو پلائیں۔ لوح اسم ذات اور لوح تنفیخ خاص ہر سال کی چار ہی ہیں۔

بابو خان۔ کراچی

۵۔ محترم! میں فرسٹ انٹر کی طالبہ ہوں میری عمر اٹھارہ سال ہے آج سے تین چار سال پہلے میرے منہ پر دانت لگتے تھے۔ میں نے دانت چھیننا شروع کر دیے تھے اور اب تک چھینتی ہوں اب میرے چہرے پر بدناما داغ پڑ چکے ہیں جو دھوپ میں لگنے سے اور بھی کالے لگتے ہیں میں چاہتی ہوں کہ داغ ختم ہو جائیں مجھے کوئی ایسا ماہر بتائیں۔

☆ کسی اچھے حکیم سے علاج کروائیے "یا مصدق" صبح و شام پانی پر 125 مرچہ پڑھ کر دم کر کے پی لیں اول آخر 3 مرچہ درود شریف۔
 ہانے پھینکنے کی عادت ترک کر دیں۔

سانو و شریف۔ کبریا

محترم اورو بہنوں اور میرے لئے بہت اچھے گھرانوں سے رشتے آئے لیکن کسی نہ کسی وجہ سے بات نہیں بنی۔ اس باپ بڑھے ہیں اور نہایت پریشان ہیں میں ایک جگہ پر جا رہی ہوں جہاں ایک لڑکے نے مجھ سے شادی کی خواہش ظاہر کی ہے اور اپنے والدین کو میرے گھر بھیجنے کی اجازت مانگی۔ میں نے ابھی اس کو کوئی جواب نہیں دیا ہے لڑکا نہایت ہی شریف اور نماز روزے کا پابند ہے لیکن وہ بہت ہی امیر خاندان سے تعلق رکھتا ہے میرے لئے یہ شہ کیسا رہے گا اس بارہ کر کے بتائیں اور ضرورت کے لئے کوئی اہم انجی مجموعہ کیجئے۔

☆ "پارخ بالیق" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اور آخر 3 مرتبہ شریف نامہ کی پابندی کیجئے۔ رشتہ مناسب ہے۔

نورین۔ کراچی

○ محترم امیری ایک خالہ آج کل شدید پریشان ہیں خاندانی جھگڑوں کی وجہ سے ان کا بیٹا گھر سے ناراض ہو کر چلا گیا۔ ڈھائی تین سال ہوئے کو آئے ہیں وہاں سے لئے نہیں آیا خالہ کہتی ہیں کہ ان کے بہن بھائی ان سے ناراض ہیں اور کوئی ان سے نہیں ملتا کوئی ایسا وسیلہ بتائیں کہ ان کے ناراض رشتہ دار خصوصاً بیٹے سے میل ملاپ ہو جائے۔

☆ سورہ نصر ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ اول آخر تین مرتبہ شریف پڑھ کر دعا کریں۔ لوح تغیر خاص اور سال ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں میں محبت قائم کرنے والا ہے۔

نگم خالہ۔ سیالکوٹ

○ محترم امیں نے سال پہلے ایک پورٹ کا بزنس شروع کیا تھا جس میں شروع کے چھ ماہ میں مجھے ابھر کے ممالک سے کافی آمد آمد ملے اور میرا بزنس کافی ترقی کرنے لگا لیکن ان چھ ماہ کے بعد تقریباً پانچ سال ہوئے کو آئے ہیں کہ مجھے اس کا دوبارہ میں دولت کے سوال کچھ نہیں ملا جبکہ میں نے اس دوران لاکھوں روپوں کے سرمایہ بھی بیچے ہیں جو کہ گاہک کو پسند بھی آتے ہیں اور آمد آمد کیلئے بھی کہتے ہیں لیکن بعد میں بالکل خاموش ہو جاتے ہیں اس کے علاوہ کینیڈا کا وہ بھی اپلائی کیا ہوا ہے جس میں مجھے ناکامی ہوئی ہے آج کل پیمانہ صرفم میں جا رہی ہوں۔

☆ "پارخ بالیق" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں۔ اول آخر 3-3 مرتبہ شریف۔ کا دوبارہ تھوڑا کریں مگر مستقل حوالی سے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر فضل و کرم فرمائے۔ (آمین) لوح مشتری اور سال کی جارہی ہے۔

عہد شاہین۔ قلعہ سندھ

○ محترم امیری شادی کو بارہ سال ہو گئے ہیں میرے میاں ہیں تو بہت

اچھے لیکن اپنی والدہ کے آگے بھل نہیں پاتے۔ میری ساس کا پسندیدہ مشغلہ بھانڈوں کو رنگ کرنا اور بیکے والیس بھیجنا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بھلائے۔ چار بہن ہیں اور سب ہر سال دو چار چھ ماہ کے لئے کسی نہ کسی معمولی بات پر گھر بھیج دیتی جاتی ہیں مگر معافی دہانی کا ایک سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں والدہ یعنی میری ساس کے پاؤں چھو کر معافی مانگنا سب سے اہم مرحلہ ہوتا ہے اس کے بعد سارے گلے شکوے دور ہو جاتے ہیں یہ سب سن اکڑو بیشتر دور ہوتا جاتا ہے ہمیں یقین ہے کہ میری ساس ان اپنی ہی مادی ہوئی ایک مظلوم صحت ہیں مگر جب بچے جمان ہونے لگیں تو پھر انہیں اپنی ماں کے بے قصور معافیاں مانگنا پڑا لگتے لگتے ہے ہم اپنی ساس کا برا نہیں چاہتے ہیں مگر یہ ضرور چاہتے ہیں کہ ان کی اصلاح ہو جائے اور وہ ہمیں بھی نیکی کی طرح سمجھیں ہمیں خدمت میں مار نہیں لیکن یہ کل اب بدداشت نہیں ہوتی ہے آپ اس سلسلے میں مناسب مداخلت فرمائیں۔

☆ عزیز بہن! اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم کرے اور ہمیں اپنے ہی جیسے انسانوں کو چھوٹے بھٹنے کے آزار سے بچائے (آمین) "یا کریم یا قدوس" یا حمید" ہر نماز کے بعد 125 مرتبہ پڑھ کر دعا کریں اول آخر 11 مرتبہ درود شریف۔ برائے اصلاح لوح تغیر خاص اور سال کی جارہی ہے۔

○ میرے شوہر اسریکا میں رہتے ہیں گذشتہ دس برسوں سے ہمارے لئے مسلسل کوشش کر رہے ہیں مگر ہر بار کوئی نہ کوئی رکاوٹ کھڑی ہو جاتی ہے ایک بار انڈیا چلا گیا تھا مگر اس کے باوجود کال نہیں آئی، تین ہفتوں کے بعد پاسپورٹ واپس مل گئے۔ اسریکا میں جو مکمل ہے اس کا کہنا ہے کہ ہو جائے گا۔ آپ پریشان نہ ہوں، ہزاروں کیس ہوتے ہیں بات ٹھیک ہے لیکن اب جب کے چکر میں بچوں کی پڑھائی کا بہت ہرج ہورہا ہے، اس لئے کوئی ایسا روحانی علاج فرمائیے کہ جس سے ہماری انگریزین کا مسئلہ حل ہو جائے اور ہم لوگ سرگیاں پہنچ جائیں، پچھلے دنوں کو نورنی دی پر آپ کا پروگرام "اسماء الحسنی" کامیابی کا راستہ دیکھا تھا جب سے آپ کا فون اور پتا محفوظ کر لیا تھا، امید ہے کہ آپ ضرور توجہ فرمائیں گے۔ نور جہاں۔ سکس

☆ عزیز بہن! اللہ تعالیٰ جملہ معاملات کو آسان فرمائے۔ ہر نماز کے بعد 170 مرتبہ "درود شریف" یا "ہمیں" پڑھ کر دعا کریں، آپ کو لوح سچ ستارگان اور سال کی جارہی ہے، دعاؤں کا شکریہ

○ میرا بیٹا یکم دسمبر کو پیدا ہوا ہے، میں اس کا نام ستارے کے حوالے سے رکھنا چاہ رہی ہوں، آپ کی کتاب بچوں کے خوبصورت نام میرے پاس موجود ہے اگر آپ کوئی نام تجویز فرمادیں تو اس میں زیادہ برکت ہوگی آپ کی بہن۔ خدیجہ بیگم ملو پٹنڈی

☆ اللہ تعالیٰ آپ کے بیٹے کو صحت اور صلاحیت والی طویل زندگی عطا

فرمائے، سنا رہے سے زیادہ خوشنودی رب محمود ہونی چاہیے۔ اللہ پاک کا پسندیدہ نام رکھ لیجئے، ”محمد عبداللہ“ اللہ پاک مبارک فرمائے۔ دعاؤں اور گیارہویں شریف کے ہدیے کا شکر یہ

O بچی بات کہوں گا۔ لٹلی میری قحی ہم دونوں بچپن کے محلے دار تھے، دیوار سے دیوار ملتی تھی، لوگ محبت کی کامیابی کے لئے بڑے جن کرتے ہیں مگر میری محبت اتنی کامیاب ہوئی ثابت ہوئی کہ والدین نے شرط لگائی جب تک Masc نہیں کرلو گے، نوکری نہیں مل جائے گی جب تک کچھ نہیں ہوگا، اچھے نمبروں سے کامیاب ہو گیا، اس نے بھی اپنی گریجویٹیشن مکمل کر لی، مجھے ایک معروف لہرم میں جاب مل گئی گھر والوں نے ہماری تنگی کر دی، ہماری محبت اتنی آسانی سے مل جائے گی ہم نے کبھی سوچا ہی نہ تھا، مٹھی کے تین ماہ کے بعد عید کی سات تاریخ کو ہماری شادی بھی ملے ہوئی تھی، گھر والوں نے ہمارے ملنے چلنے پر کوئی پابندی نہیں لگائی تھی، اس لئے ہم بہت خوشی اور سرشاری سے ملے تھے، پھر ایک دن اسی خوشی اور سرشاری سے مجھ سے ایک ایسی لٹلی ہو گئی کہ جس کی وجہ سے اس نے مجھ سے غلط توڑ لیا، مٹھی کی انگوٹھی میرے منہ پر دے ماری، میری نازک سی چھوٹی موٹی سی محبت نے اس قیامت کا روپ لیا کہ میرے رونے رونے معافی مانگنی کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا، اس نے مجھ سے صرف ایک جملہ کہا کہ میں جیتے ہی مر گیا، جو مردیت کا روزہ نہیں رکھ سکتا میں اس کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی، تم میری نظروں سے گر گئے ہو، جو مردیت کی نگاہ سے گر جائے اسے نہ کوئی معافی مل سکتی ہے اور نہ ہی کوئی سزا ملے، وہ روزہ میری نظروں سے، آج اس بات کو فراموش ہو چکے ہیں، مسلسل آگ میں جل رہا ہوں، کوئی توبہ، کوئی معافی میرے لئے ہے؟ دن رات اللہیت میں ہوں اس دوران والدین کا اشتغال ہو گیا، کوئی نہیں جانتا کہ اس نے انکار کیوں کیا، وہ ایک پینٹل بن گئی ہے، پانچ سال قبل انہوں نے مکان بھی تبدیل کر لیا، مگر احموت نے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے، میں مسلسل جل رہا ہوں کیا مجھے اس اللہ سے نجات مل جائے گی۔ ن۔ ح۔ شہرہ معلوم

☆ میاں آگ لگاؤ گے تو پیش تو ہوگی کبھی ہاتھوں کو کبھی سارے بدن جلا دیتی ہے، مرد کا ضبط چل ہی اس کا زیور ہوتا ہے، آپ کی عامت اللہ غفور الرحیم قبول فرمائے، ہر نماز کے بعد بھی ام 325 مرجہ پڑھا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا حضور کرم بہت وسیع ہے۔

O آپ سے کئی سال قبل ان ہی مٹور کے ذریعے رابطہ ہوا تھا تب آپ کا باقاعدہ کماپی کاؤنٹ بھی ہوا کرتا تھا، پھر آپ سے چند سال بذریعہ خط و کتابت رابطہ رہا، پھر میری مصروفیات کے باعث سلسلہ تعلق منقطع ہو گیا، لیکن آپ کی محبت اور شفقت شامل حال رہی، آج پھر آپ کی

خوش نصیبی ہے میری بچی کی لگا کر میں وہی ہیں جس پر سربل والے بہت تھکے ہیں کو بیچنے کی آس ہے۔ شوہر یعنی ہمارے علاوہ پہلے تو ٹھیک رہے لیکن اب وہ بھی پریشان ہیں ان کی والدہ دوسری شادی کے لئے اصرار رہی ہیں، میری بچی اب مزید لاویں انہیں کرنا چاہتی، وہ خوفزدہ ہے عمر بچی ہو گئی پہلے ہی ان کی کون سی قدر ہوئی ہے جواب چچی کی ہوگی، بچی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں حالات کی وجہ سے وہ وقتی طور پر نہایت پریشان ہے صاحب اس لئے سوچا ہے کہ ملازمت کر لے لہذا بچوں کو پالنے مگر میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک بڑا صلہ ہو جائے مجھے آپ کی دعا پر بہت بھروسہ ہے، زندگی میں جب بھی کوئی پریشانی آتی ہے آپ ہی سے دعا کھیلے رجوع کیا ہے، اللہ پاک نے فضل لہرایا ہے، آپ بلا ذریعہ نہایت بچی کے کوئی سکون کے لئے دعا دے دینی مل جائے گی۔ سید فرست علی نقوی۔ کراچی

☆ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حسن ظن کو قائم رکھے، تمام دعاؤں اور عملیات کو قبولیت کی سند دینے والا مالک حقیقی ہے وہی کرم بچپن پاک کے طفیل معاملات کا سامان کرتا ہے، ہماری بچی سے کہیں کہ ہرگز پریشان نہ ہوں۔ اللہ پاک ضرور فضل فرمائیں گے۔ انشاء اللہ۔ علاج و دھرم ہمارے اولاد دینا اور سسرال کے دیگر معاملات کے لئے لوگ تحفہ خاص ارسال کی جا رہی ہے، مدد و جہرات کبیر پر حضرت عباس کی تحریروں اور مصوم بچوں میں تقسیم کیا کریں کرم ہوگا۔ انشاء اللہ

O کافی وقت تک کئے ٹانگ لوگوں سے مشورے لئے مگر مسئلہ حل نہیں ہوا۔ میرے بچے کی عمر 33 سال ہو گئی خوش شکل اچھا قد کاٹھ ہے لیکن اس کے دھڑکے کی بات ہوتی ہے پھر بے معلوم وجوہات کی بنا پر ختم ہو جاتی ہے یہ مسئلہ 25 سال کی عمر سے شروع ہوا پہلے خالہ کے گھر پھر ماموں کے ہاں پھر چچا کے گھر پھر دور کے دھڑکے داروں کے گھر رشتہ ہا کر ہر جگہ معمولی وجوہات کی بنا پر رشتہ ختم ہو گیا۔ بات جیت ہوتی ہے مگر رشتہ نہیں ہوتا، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک طرف تو رشتوں کا کال پڑا ہے اور دوسری طرف اچھا خاصا رشتہ رو کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی بخیر جانتے ہیں کہ معاملات کیا ہیں، ان کی دادی پوتے کا سہرا دیکھنے کی آرزو میں چل بیٹیں، خود ہمارے صاحبزادے آہستہ آہستہ شادی کے نام سے ہی الریجک ہوتے جا رہے ہیں، کوئی روحانی عمل تجویز کیجئے۔ عابدی۔ حمید آباد

☆ اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے، آپ کے صاحبزادے اصل میں جادو کی وجہ سے بدش کا ظار ہیں اس بدش کو توڑنے کے لئے صبح اور شام 41 مرجہ حروف مقطعات کو پانی پر دم کر کے پلائیں روحانی علاج کے لئے لوگ تحفہ خاص اور حضرت علی نقوی ارسال کئے جا رہے ہیں۔ انشاء اللہ رشتے کی بدش مکمل جائے گی اب مٹھی وغیرہ نہ کیجئے گا بلکہ سید سے نکاح کی تاریخ مقرر کر کے محنتی کر لیجئے گا۔

○ میں نے لکھ دیا ہے ایک مکان کی سائیدہ میں لکھ دیا ہے
 کہی ہوئی ہوئی ہے دو تین سال کام اچھا رہا ہوئی سبیل نے آپ سے
 تعارف کر دیا تھا، آپ کی دعاؤں سے اللہ پاک نے بہت نوازا، لیکن
 جب سے جون 2015 ختم ہوا ہے میرے کاموں کو چھوڑ دیا۔ ایک
 گھر میں مل اتنی گھٹ گئی ہے، بعض اوقات تو خرچہ نکالنا بھی مشکل ہو
 جاتا ہے، ایک دن مکان کی صفائی کے دوران ٹین کے نیچے ایک
 کپڑے کا گڈا پڑا ہوا تھا، جس میں سے گھب سی بدبو آرہی تھی۔ مجھے
 لگتا ہے کہ کسی نے مجھ پر چھوڑ دیا ہے، آپ میری فرما کر جلدی سے اس
 کا علاج کر دیجئے، حضرت میں بہت پریشان ہوں، آپ کی دعاؤں
 کا منتظر۔ محمد لیاض الفجر

☆ طریقہ عمل: اللہ تعالیٰ آپ کو حاسدوں کے شر سے بچائے، آپ
 روزانہ ”سورۃ الزمرہ کا آخری رکوع“ مکان کھول کر پڑھا کریں اور چلتی
 اور بارگشتی سواگتوں، سوا پاؤں، بروز، حشرات صدمہ کیا کریں، آپ کے لئے
 ردائی عمل تجویز کر دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی حفظ و امان میں
 رکھے۔ آمین۔ سبیل میاں کو ہماری دعا کریں۔

○ صاحب اہم نے بڑی مشکلوں سے خود کو بچا ہوا ہے۔ کیا ہے۔ کیا
 ہوا جو کراہی گھر اور ایک سوٹھل ملا ہے، لیکن ہمارا پارٹنر بھائی ان ہو
 گیا ہے انتہائی چند قانونی مجاہدوں کے باعث سارے کا قضاات اس
 کے نام سے ختم ہوئے اور اب بھی ججز ہمارے لگے پڑ گئی ہے، کچھلے ٹوں
 لیس تک پر آپ سے تعارف ہوا۔ ہمارا سرکار کے مرقہ منور پر آپ کی
 حاضری کی تصویر نے دل کو کھول دیا، دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے چاہنے
 والے آپ کی تصویر میں کو ہزاروں کی تعداد میں لاکھ کرتے ہیں، چھینچ
 آپ پر ہمارا سرکار کا خصوصی کرم ہے، آپ میرے لئے بھی کچھ کریں
 تاکہ میرا مسئلہ حل ہو جائے۔ نواز شہلی۔ شکوہ اسرار

☆ نواز شہلی میاں اللہ تعالیٰ آپ پر ہمیشہ نوازشوں اور رحمتوں کی بارش
 رکھے، یہ سب بزرگان دین کا لیڈان ہے، میرے رب کی، میرے
 والدین کی دعاؤں کے طفیل ہے کہ لوگوں سے محبت ملتی ہے، آپ ہرگز
 پریشان نہ ہوں ہر نماز کے بعد 13 مرتبہ ”سورۃ النہب“ پڑھ کر دعا کر لیا
 کریں، آپ کی فرمائش پر لوح سقا ستارگان ارسال کی جا رہی
 ہے۔ لیکن کدھتے کے سلسلے میں کواٹھ نوٹ کر لئے ہیں۔

☆ طریقہ عمل: شب قدر

ماہ رمضان المبارک خیر و برکت اور انسانی ترقی اور درجات کے لئے
 مخصوص ہے اس ماہ مبارک میں جس قدر عبادت الہی اور بندہ شریف کا
 معمول اختیار کیا جائے خیر و برکت، آخرت کی ترقی اور درجات کے لئے
 بھریں ہے۔ اس ماہ مبارک میں نماز ترویج چہرہ کا خصوصی احکام کرنا

چاہیے اور زیادہ سے زیادہ بندہ شریف کا بند کیا کریں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی
 رحمتیں اس ماہ مبارک ماہ میں بطور خاص عالم انسانیت کی جانب صوبہ ہوتی
 ہیں۔ ذیل میں ہم ایک تجربہ شدہ عمل لکھتے ہیں۔ یہ عمل شب قدر کے نام
 سے مشہور معروف ہے۔ گزشتہ سالوں میں جن بہن بھائیوں نے اس عمل
 کو پوری شرائط کے ساتھ مکمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک احمد
 مصطفیٰ ﷺ کے طفیل ان کی حاجات پوری کیں۔ میرا ایمان ہے کہ
 جب بھی اللہ تعالیٰ کا نام طلوس نیت سے لیا جائے گا۔ کاموں میں آسانی
 اور مشکلات سے نجات ہوگی۔ جو بہن بھائی جس مقصد کے لئے بھی
 کریں گے۔ آمین و رمضان تک وہ مقصد ضرور پھلے گا۔ انشاء اللہ۔ یہ
 عمل رمضان المبارک کا چاند دیکھ کر شروع کریں۔ یہ عمل سورۃ القدر کا
 اچھا جلیل القدر عمل ہے۔ جو کہ تیسویں پارے میں ہے۔

☆ طریقہ عمل: اول سب سے پہلے دو رکعت نماز حاجت ادا کیجئے، پہلی رکعت
 میں 13 مرتبہ سورۃ القدر پڑھیں اور دوسری رکعت میں 13 مرتبہ سورۃ نصر
 پڑھیں اور اپنے مقاصد کے لئے دعا کریں۔ (یہ نماز حاجت پہلے دن
 پڑھیں) اس کے بعد مغرب اور عشاء کے درمیان اس سورۃ مبارک
 کو یعنی سورۃ القدر صحت قرأت کے ساتھ 286 مرتبہ پڑھیں اور
 اول و آخر 11 مرتبہ دو دہائی کا ورد کریں۔ اور بھی عمل نماز فجر کے
 بعد کیجئے۔ 28 روز اس عمل کو پلانا نافہ کیجئے۔ 29 ویں روز بعد نماز عصر
 اعراب اور عربی کھاب کو ملا کر سیاق بنائیں اور اس سورۃ مبارک کو
 اعراب کی صحت کے ساتھ ایک سفید کاغذ پر لکھ کر محفوظ کر لیں۔ اور
 مغرب کے وقت لے کے ہر دم کر کے حفاظت سے رکھ لیں۔ اور اللہ
 تعالیٰ جل شانہ کے دم و کرم کا تقاریر کیجئے۔ بعد عمل اس سورۃ کو ہمیشہ 16
 مرتبہ اول و آخر 11 مرتبہ دو دہائی کا ورد الہی کے ساتھ ورد میں رکھیں۔
 انشاء اللہ جملہ مقاصد حل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا دست
 غیب کھلے گا کہ دنیا دیکھ کر ہی۔ اس عمل میں یہ خیال رہے کہ کوئی نافہ
 ہو۔ جگہ تبدیل نہ ہو اور وقت و کیفیت خوشیہ کا استعمال رہے۔ اس وقت
 کی اجازت عام ہے۔ یہ زندگی میں درخش تمام مقاصد کے لئے پڑھا جا
 سکتا ہے۔ اگر آپ اپنی مصروفیات کے باعث اس عمل کو خود نہیں کر سکتے
 تو 1500 روپے بذریعہ مٹی آرڈر ارسال کریں۔ نقل عید کے بعد
 کدھیر کے ذریعے ارسال کر دیا جائے گا۔

نوٹ

براہ راست جواب کے لئے ایما نام سعد والدین اپنا پتہ لکھا ہوا
 جوالی لفافہ سرور ارسال کریں۔ طفیل بروز جمعہ المبارک